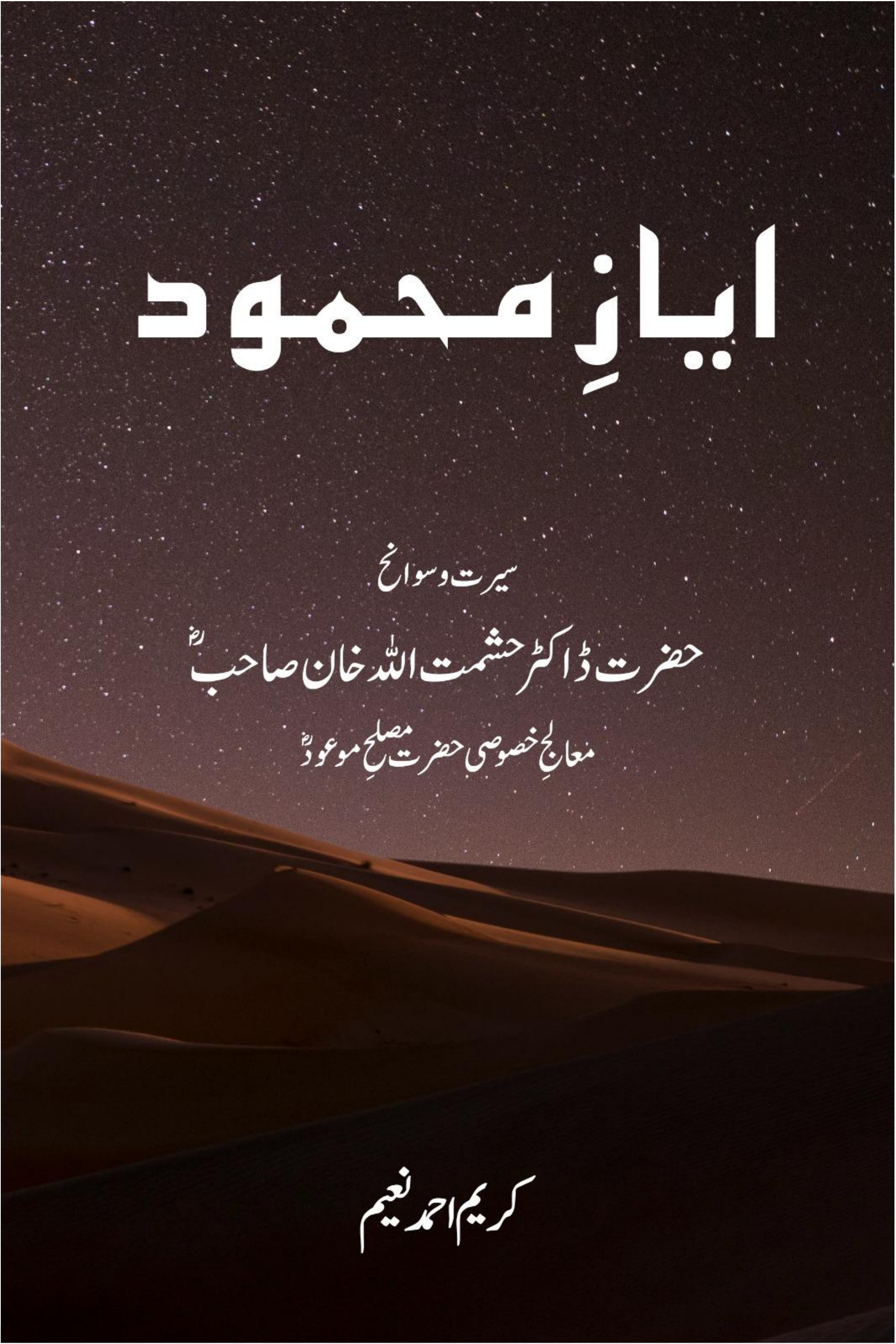


ایازِ محمود

سیرت و سوانح

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ

معالجِ خصوصی حضرت مصلحِ موعودؓ

کریم احمد نعیم

ایازِ محمود

سیرت و سوانح

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ

معالج خصوصی حضرت مصلحِ موعود

کریم احمد نعیم

نام کتاب: ایازِ محمود

ابتدائی تحقیق و تدوین: منصور احمد خاں، عبد الباری قیوم

مؤلف: کریم احمد نعیم

ترتیب و تدوین: حنیف احمد محمود

طبع اوّل: اگست 2006ء

ناشر: ڈاکٹر عبد المنان صدیقی (شہید)

آن لائن ایڈیشن

طبع دوم: 2025ء

از سرِ نو ترتیب: زاہد محمود

پروف و اصلاحات: حنیف احمد محمود۔ برطانیہ

انتساب

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے نام، جن کے دربار خلافت میں آپ (حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانؓ) نے خدمت اور فدائیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ گزارا اور اپنے آپ کو اپنے پیارے آقا "محمود" کا "ایاز" ثابت کر دکھایا۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْہُ وَارْحَمْہُ وَادْخِلْہُ الْجَنَّۃَ فِیْ قُرْبَۃِ سَیِّدِہٖ۔ آمین

کریم احمد نعیم



حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب کی ایک یادگار فوٹو جو 1955ء کے سفر یورپ میں زیورچ کے مقام پر لی گئی

حرف آغاز

(مولانا دوست محمد شاہد مؤرخ احمدیت)

امام عالی مقام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو برصغیر کے اولیاء و مشائخ طریقت میں حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد فاروقی سرہندی (961ھ۔1034ھ) سے اور اپنے ہمعصر رؤساء میں سے حضرت خلیفہ سید محمد حسن خاں صاحب بہادر وزیر اعظم و دستور معلم ریاست پٹیالہ سے دلی محبت تھی۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی کتاب "مبداء و معاد" میں یہ الہامی بشارت دی ہے کہ

"میں ایک عجیب بات کہتا ہوں جو اس سے پہلے نہ کسی نے سنی اور نہ کسی بتانے والے نے بتائی جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے صرف مجھے بتائی اور صرف مجھ پر الہام فرمائی ہے اور وہ بات یہ ہے کہ آں سرور کائنات علیہ و علی آلہ الصلواتِ والتسلیمات کے زمانہ رحلت سے اور چند سال بعد ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج فرمائے گی اور مقام کعبہ میں متحد ہو جائے گی۔ اس وقت حقیقت محمدی کا نام حقیقت احمدی ہو جائے گا۔"

(ترجمہ صفحہ 205 ناشر ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی 1984ء)

(مبداء و معاد (فارسی) کا پہلا ایڈیشن 1304ھ یعنی جماعت احمدیہ کے قیام سے صرف دو سال قبل شائع ہوا)

حضرت خلیفہ سید حسن خاں وزیر اعظم پٹیالہ وہ عالی ہمت رئیس تھے جنہوں نے کتاب "براہین احمدیہ" کی اشاعت پر اوّل نمبر پر مالی جہاد کا شرف حاصل کیا جیسا کہ حضرت اقدس نے کتاب کے پہلے حصہ الف پر جلی حروف سے اسم گرامی درج فرمایا اور لکھا:

"تا جب تک صفحہ روزگار میں نقش افادہ اور افاضہ اس کتاب کا باقی رہے ہر ایک مستفیض کہ جس کا اس کتاب سے وقت خوش ہو محمد کو اور میرے معاونین کو دعائے خیر سے یاد کرے۔"

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 5)

حضرت سید محمد حسن صاحب کے اسی ولولہ ذوق و شوق سے متأثر ہونے کے باعث حضرت اقدس امام الزماں 1884ء میں پٹیالہ تشریف لے گئے۔ اسٹیشن پر ایک جم غفیر آپؑ کی زیارت کے لئے موجود تھا۔ وزیر اعظم پٹیالہ نے جو آپؑ کے خاص ارادتمندوں میں تھے آپؑ کا استقبال کیا اور شاہی بگھی میں بٹھا کر اپنی کوٹھی میں لے گئے جہاں مسلمانان پٹیالہ سے حضورؑ نے مختصر خطاب بھی فرمایا۔ سید محمد حسن خان کا شمار روشن خیال اہل قلم میں ہوتا ہے۔ آپ 1830ء میں پیدا ہوئے اور 1895ء میں انتقال کر گئے۔ "اعجاز التنزیل" کی معرکہ آراء تالیف آپ کی علمی یادگار ہے۔

23 رمارچ 1889ء کو حضرت اقدس نے حکم ربانی سے سلسلہ احمدیہ میں بیعت کا آغاز فرمایا تو ابتداء ہی میں پٹیالہ کی متعدد سعید روحیں داخل جماعت ہوئیں۔ دعویٰ مسیحیت سے بھی ایک سال قبل حضرت بابو محمد کرم الٰہی صاحب ساکن پٹیالہ شہر 28ر فروری 1890ء بیعت سے مشرف ہوئے جن کا ذکر حضرت اقدس نے اپنے قلم مبارک سے ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ 809 پر نہایت پیارے الفاظ میں فرمایا ہے۔ 1905ء میں حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب مع اپنے برادران کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جانثار خدام میں شامل ہوئے۔ 1906ء میں نظام الوصیت کی عملی تشکیل کے لئے صدرانجمن احمدیہ قادیان کی بنیاد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے رکھی جس کی 62 شاخیں حضور کی مقدس زندگی میں قائم ہو چکی تھیں جن میں پٹیالہ شہر کی جماعت بھی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے وقت حضرت ڈاکٹر صاحب لاہور میڈیکل کالج میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ لاہور سے جو بزرگ اپنے مقدس و محبوب کی نعش مبارک لے کر قادیان پہنچے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی بیعت خلافت کا اعزاز حاصل کیا ان خوش نصیب ہستیوں میں آپؓ بھی تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسلام اور وقف زندگی کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے واضح فرمایا ہے کہ اس کے دو پہلو ہیں۔

اول: ”خدا تعالیٰ کو ہی اپنا معبود اور مقصود اور محبوب ٹھہرایا جاوے۔“

دوم: ”اس کے بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور بار برداری اور سچی غم خواری میں اپنی زندگی وقف کر دی جاوے اور دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے دُکھ اٹھاویں اور دوسروں کی راحت کے لئے اپنے پر رنج گوارا کر لیں۔“

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ 60 طبع اوّل فروری 1893ء مطبع ریاض ہند قادیان دارالامان)

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب پٹیالویؓ سلسلہ احمدیہ میں وہ ممتاز و منفرد شخصیت ہیں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مثیل و نظیر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی 1919ء سے 1965ء تک یعنی مسلسل 47 سال تک طبی خدمت بجالانے کی سعادت عطا ہوئی اس طرح بالواسطہ طور پر آپؓ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس خوش خبری کے مصداق ثابت ہوئے کہ

مَنْ خَدَمَكَ خَدَمَ النَّاسَ كُلَّهُمْ

(الہام 6 / 7 نومبر 1907 مطبوعہ اخبار بدر و الحکم 10ر نومبر 1907ء تذکرہ جدید ایڈیشن صفحہ 626 مطبوعہ قادیان و ربوہ)

یعنی ”جو شخص تیری خدمت کرتا ہے اس نے ایسا کام کیا کہ گویا سارے جہان کی خدمت کی“

بلاشبہ حضرت ڈاکٹر صاحبؓ کو قریباً نصف صدی تک ایوان خلافت کے ”شاہی طبیب“ ہونے کی حیثیت سے جو نہایت قابل رشک اور یادگار خدمات بجالانے کی توفیق ملی ناممکن ہے کہ لیل و نہار کی گردشیں قیامت تک کسی مرحلہ پر بھی اس کو محو و معدوم کر سکیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جنوری 1891ء میں دعویٰ مسیحیت کی پہلی تالیف، "فتح اسلام" شائع فرمائی جس میں قبل از وقت پیشگوئی فرمائی کہ

"اس درخت (سلسلہ احمدیہ۔ ناقل) کو اس کے پھلوں سے اور اس نیّر کو اس کی روشنی سے شناخت کروگے"...

جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی پیارو
یاد آئیں گے تمہیں میرے سخن میرے بعد

نیز 23/ مارچ 1903ء کو مجلس علم و عرفان میں فرمایا کہ

"میرا تو اعتقاد ہے کہ ایک آدمی باخدا اور سچا متقی ہو تو اس کی سات پشت تک بھی خدا رحمت اور برکت کا ہاتھ رکھتا اور اُن کی خود حفاظت فرماتا ہے۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 182)

سائنسی صداقتوں کی طرح یہ بھی ایک عالمگیر حقیقت ہے جس کی برکتوں کے بے شمار نظارے آج احمدی بزرگوں بالخصوص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفقاء خاص کی نسلیں بچشم خود ملاحظہ کر رہی ہیں لیکن اُن کی کلید فقط آسمانی خلافت کی سچی اطاعت ہے۔ جس کا بے لوث اور قابل صد رشک نمونہ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب نے دکھلایا۔ رضی اللہ عنہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیا خوب فرماتے ہیں۔

سو عشق میں مصائب سو سو ہیں ہر قدم میں
پر کیا کروں کہ اُس نے مجھ کو دیا یہی ہے
حرف وفا نہ چھوڑوں اس عہد کو نہ توڑوں
اس دلبر ازل نے مجھ سے کہا یہی ہے

کچھ مؤلف کی زبانی

میرے والد حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ مرحوم صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام معالج خصوصی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور میڈیکل آفیسر انچارج نور ہسپتال قادیان کی سیرت و سوانح عمری بنام "ایاز محمود" میرے بڑے بھائی ڈاکٹر محمد احمد خان صاحب مرحوم کی شب و روز کی انتھک محنت اور اپنے فرزند عزیزم منصور احمد خان اور برادرم عبدالباری قیوم شاہد صاحب کی بے لوث اعانت اور تعاون سے والد صاحب کی وفات کے کچھ عرصہ بعد چھوٹی چھ جلدوں میں چھپ گئی تھی۔ اس کتاب میں تمام حالات زندگی و واقعات جو اکثر و بیشتر والد صاحب کے خود نوشتہ تھے اور سلسلہ کے لٹریچر، اخبارات و رسائل میں چھپتے رہے تھے اکٹھے کر دیئے گئے تھے لیکن وسائل کی کمی اور نامساعد حالات کی وجہ سے یہ کتاب بہت کم تعداد میں چھپی اور دوبارہ نہ چھپ سکی۔

خاکسار کی عرصہ دراز سے یہ خواہش تھی کہ والد صاحب کے حالات زندگی اس طرح پر یکجا کئے جائیں کہ ایک جلد میں چھپ جائیں تاکہ قارئین کرام کو اس کے پڑھنے اور اس سے استفادہ کرنے میں آسانی ہو۔ ہمارے پیارے امام حضرت خلیفہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے حالات زندگی مرتب کرنے اور اشاعت کرنے پر خاص زور دیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ 30/اپریل 1993ء میں ارشاد فرمایا۔

"چند سالوں میں مَیں نے جماعت کو بار بار نصیحت کی ہے کہ وہ سارے خاندان جن کے آباؤ اجداد میں کوئی صحابی اور تابعی تھے ان کو چاہئے کہ اپنے بزرگوں کا ذکر خیر اپنی آئندہ نسلوں میں جاری رکھیں۔"

پھر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی اس امر پر زور دیا کہ بزرگوں کے حالات زندگی لکھے جائیں۔ آپ کی اس خواہش کے اظہار سے خاکسار کو ہمت ہوئی کہ اس نیک کام کو جس قدر جلد ہو سکے کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے والد صاحب کی سیرت و سوانح ایک جلد میں مرتب کرنے اور چھپوانے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالك

کتاب مذکورہ میں تمام واقعات و حالات گزشتہ طبع شدہ "ایاز محمود" سے ہی لے کر درج کئے گئے ہیں لیکن بعض حصوں کو مختصر کر دیا گیا ہے۔ جبکہ کچھ احوال اور تفصیل خصوصاً آپؓ کی آئندہ نسل اور اولاد سے متعلقہ کا اضافہ کیا گیا ہے اس کے بغیر آپؓ کی سیرت و سوانح نامکمل رہتی کیونکہ بفضلہٖ تعالیٰ تمام اولاد ہی اسی جذبہ ایمانی اور قربانی کی روح سے سرشار ہے جس سے آپؓ خود تھے۔

اسی طرح چند چھوٹے چھوٹے بیانات احباب جماعت اور اقرباء کے قلمبند کئے ہیں جن سے آپ کی سیرت اور بھی نکھر کر سامنے آئی ہے۔

والد محترم کی زندگی کا محور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور آپؐ کے عاشق صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق اور آپؑ کے خلفاء کی محبت و اطاعت اور فرمانبرداری اور مخلوق خدا کی بے لوث خدمت ہے۔ آپؓ کے اسی جذبہ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرزند موعود کے در پر ان کا ''ایاز'' بنا کر لا بٹھایا۔ الحمد للہ۔ دراصل اس سعادت کا پیش خیمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَّ یعنی اے نبی! بھوکے اور مضطر کو کھانا کھلا جو کہ حضورؑ کو جلسہ سالانہ 1907ء کے آخری روز ہوا تھا۔ والد صاحب اس جلسہ میں شامل تھے اور بھوکے اور مضطر بھی تھے اور پھر الہام خداوندی کے تحت آپؓ کو مسیح موعود کے لنگر سے کھانا ملا اور یہ ایک وقت کا کھانا دراصل تا زندگی آپ کی روحانی اور جسمانی غذا کا باعث ہوا۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرزند جلیل حضرت مرزا محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام یَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُوْحِیْ اِلَیْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ یعنی ہم تجھے ایسے جانثار ساتھی عطا کریں گے جن کا ہمارے ساتھ تعلق ہوگا وہ ہماری طرف سے وحی کے نتیجے میں تیری مدد و نصرت کریں گے۔ ایسے بے شمار روحانی اور ربّانی وجود سلسلہ حقہ کی تائید کے لئے عطا ہوئے اور اِنْ شاء اللہ جب تک یہ سلسلہ قائم ہے ایسے روحانی اور نیک وجود میسر آتے رہیں گے۔ میرے والد صاحب بھی انہی قابل افتخار فرزندان توحید میں سے ایک تھے جو دنیاوی مفادات کو خیر باد کہہ کر اور خدا تعالیٰ سے لَو لگا کر سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے ہر طرح سے وقف ہوگئے۔ وقف نہیں تھے لیکن آپؓ کی روح، آپؓ کی زندگی اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف تھی۔ آپؓ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے طبیب خاص کی حیثیت سے 47 سال تک اس مقدس گھرانے کا گویا ایک فرد بن کر خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور سلسلہ احمدیہ کی عظیم خدمات سرانجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی اور انہوں نے اپنے آپ کو سیدنا محمود کا ''ایاز'' ہونے کا اہل ثابت کر دکھایا۔

آپؓ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریری اور دستی بیعت کے علاوہ حضور کے جنازہ کے ساتھ لاہور سے قادیان آنے اور جنازہ کو کندھا دینے کی سعادت نصیب ہوئی اور بعد ازاں تین خلفاء کی پہلے روز کی دستی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ آپؓ اُن خوش قسمت وجودوں میں سے تھے جو حضرت مصلح الموعودؓ کے سفر ہوشیارپور 1944ء میں حضورؓ کے ہمراہ تھے اور حضورؓ کے ساتھ ہی اس مبارک کمرے میں دُعا کا موقع ملا۔ نومبر 1918ء سے نومبر 1965 تک جتنا قرب آپؓ کو حضورؓ کے قیام قادیان، لاہور، ربوہ اور حضور کے ملکی و غیر ملکی اسفار میں ہوا شاید ہی کسی اور کو ہوا ہو۔ 1918ء میں جب انفلوئنزہ میں شدید بیمار ہونے کی وجہ سے حضور نے آپؓ کو بذریعہ تار اپنے علاج کے لئے پٹیالہ سے بلوایا تو تین ماہ تک اپنے ساتھ اُسی کمرہ میں ٹھہرایا جہاں آپؓ خود تھے۔ اس دوران آپؓ کو حضورؓ کے ہمراہ اکثر حضرت اماں جان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانے کی سعادت

نصیب ہوئی۔ آپؓ کی اور آپ کے اہل خانہ کی مستقل رہائش دارالمسیح سے منتقل نواب محمد علی خان صاحب والے مکان کی اوپر کی منزل میں ہوئی۔ جہاں ایک چھوٹی سیڑھی دارالمسیح کے اوپر کے صحن سے اس رہائش گاہ میں آنے جانے کے لئے بنی ہوئی تھی۔

قادیان سے ہجرت کے بعد ربوہ میں نور ہسپتال بعد ازاں فضل عمر ہسپتال ربوہ کی سروس سے ریٹائرمنٹ کے بعد 1959ء میں حضورؓ نے ان کو اپنے پاس قصر خلافت میں اپنے کمرہ کے ساتھ والا کمرہ ٹھہرنے کے لئے عطا فرمایا جہاں آپؓ اپنے آقا کی خدمت میں 24 گھنٹے رہے اور کھانا بھی آپؓ کا حضور کے کچن سے ہی آتا تھا۔ اس کمرہ میں آپؓ حضورؓ کے وصال تک رہے اور حضورؓ کی زندگی کے آخری لمحات بھی آپ کو دیکھنے نصیب ہوئے۔ حضورؓ کے وصال کا آپؓ نے غم کھایا اور اتنا کھایا کہ خداوندکریم نے صرف ڈیڑھ سال کے بعد آپ کو اپنے آقا کے قدموں میں حاضر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں بھی آپ کو سیدنا محمود کی ایازی عطا فرمائے۔ آمین

یہ 47 سال جو آپؓ کو حضور کی معیت و قرب کے عطا ہوئے اس میں حضور کی پاکیزہ سیرت کے عینی مشاہدات اور حضورؓ کی صحت کے بارے میں رپورٹس اور صحت و سلامتی والی لمبی زندگی کے لئے دردمندانہ دعاؤں کی اپیل آپؓ افادۂ عام کے لئے اخبار میں بھی چھپواتے رہے۔ ان رپورٹس سے الفضل اخبار کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ بحیثیت انچارج نور ہسپتال جملہ احباب جماعت احمدیہ کی طبی خدمت جس میں آپ کی دعائیں بھی شامل ہوتی تھیں کسی بیان کی محتاج نہیں۔ ان تمام خدمات کو سرانجام دینے کے علاوہ آپ اپنی اولاد کے لئے ایک شفیق باپ اور قدم قدم پر ان کے راہنما تھے۔ تعلیم ہو یا تربیت، علاج معالجہ ہو یا دعا آپ نہایت محبت و شفقت سے کرتے تھے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو غیر معمولی قبولیت عطا فرمائے اور اس کا پڑھنا قارئین کرام کے لئے ازدیاد ایمان کا باعث ہو۔ آمین۔ اللھم آمین

کریم احمد نعیم۔ امریکہ
یکم اگست 2006ء

شکریہ احباب

الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل اور اس کی عطا کی ہوئی توفیق سے خاکسار اپنے والد محترم حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ کی سوانح عمری احباب کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اس گرانقدر کام کو سرانجام دینا اکیلے مجھ جیسے کمزور انسان کے بس کی بات نہ تھی۔ میرے پیارے عزیزوں اور احباب جماعت نے میری مدد فرمائی۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

1۔ مکرم حنیف احمد محمود صاحب نائب ناظر اصلاح و ارشاد مرکزیہ میرے خاص شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے محبت سے اس کتاب کے مسودہ کو نہ صرف بغور پڑھا بلکہ اردو اسلوب میں ڈھالتے ہوئے تکمیل کے تمام مراحل خوش اسلوبی سے طے کئے اور کمپوزنگ کروا کر بڑی محنت سے اس کی پروف ریڈنگ، اس کی تدوین، تزئین اور اشاعت کے فرائض کماحقہٗ ادا کئے۔ فجزاهم الله تعالیٰ احسن الجزاء

2۔ اپنی پیاری آپا سلیمہ بیگم (اہلیہ مکرم ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب صدیقی آف میرپور خاص۔ سندھ) کا میں تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے باوجود اپنی انتہائی کمزور صحت کے اپنے قابل قدر مشوروں سے نوازا اور میری حوصلہ افزائی فرمائی اور اپنی یادداشتیں مجتمع کر کے مضمون لکھ کر دیا اور کئی نایاب فوٹو بھی دیئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت والی درازی عمر عطا فرمائے۔ آمین

3۔ میری اہلیہ محترمہ نے اپنے والد صاحب (ڈاکٹر غلام حیدر صاحب مرحوم آف لاہور جو میرے بہنوئی بھی ہیں) کے حوالے سے اپنے شادی سے پہلے کے حالات تحریر کر کے دیئے۔

ہمارے بھائیوں کے بچوں کی معصوم یادداشتیں بھی موصول ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

گزشتہ طبع شدہ کتاب ''ایاز محمود'' جو کہ چھ جلدوں پر مشتمل تھی کو ایک جلد میں اکٹھا کرنا۔ مختلف مضامین کو مختصر کرنا اور غیر طبع شدہ معلومات اور مضامین درج کر کے ایک ہی Volume میں پیش کرنے میں میری چھوٹی بہن عزیزہ نعیمہ بیگم نے میرے ساتھ مل کر نہایت محنت سے کام کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم اور اموال میں برکت عطا فرمائے اور اپنے بے شمار فضلوں کا وارث بنائے۔ آمین

میں اپنے بھانجے اور داماد عزیزی ڈاکٹر عبدالمنان صدیقی اور ان کی اہلیہ عزیزہ امۃ الشافی کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں کہ پاکستان میں اس کتاب کی کتابت اور طباعت کروانے کا گرانقدر کام سرانجام دیا ورنہ امریکہ جیسے دور دراز ملک میں رہتے ہوئے اپنی مادری زبان اردو میں کتاب چھپوانا ایک کار دارد تھا۔

میری چھوٹی بہن عزیزہ ثمینہ بیگم اور بھانجی عزیزہ مریم سعدیہ اہلیہ ڈاکٹر اکبر شاہ بھی میری بہت مدد و معاون رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی اپنے خاص فضل سے نوازے۔ آمین

اس کتاب کی اشاعت میں خاندان حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ کے درج ذیل افراد نے حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے نفوس و اموال میں برکت ڈالے اور تمام اولاد کو حضرت ڈاکٹر صاحب کی نیکیوں اور تقویٰ کا وارث بنائے۔ آمین

1۔	مکرمہ سلیمہ بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر عبد الرحمن صدیقی صاحب	بیٹی
2۔	خاکسار کریم احمد نعیم	بیٹا
3۔	مکرمہ زبیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ کریم احمد نعیم	بہو
4۔	مکرمہ نعیمہ بیگم صاحبہ اہلیہ سید محمد اکرم شاہ صاحب	بیٹی
5۔	مکرمہ ثمینہ بیگم صاحبہ اہلیہ عبد الشکور صاحب	بیٹی
6۔	مکرم عبد الشکور صاحب	داماد
7۔	مکرم ڈاکٹر عبد المنان صدیقی صاحب ابن ڈاکٹر عبد الرحمن صدیقی صاحب	نواسہ
8۔	مکرمہ امۃ الشافی صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر عبد المنان صدیقی صاحب	پوتی
9۔	مکرم ڈاکٹر اکبر شاہ صاحب ابن سید محمد اکرم شاہ صاحب	نواسہ
10۔	مکرمہ مریم سعدیہ صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر اکبر شاہ صاحب	نواسی
11۔	مکرم منعم احمد صاحب ابن کریم احمد نعیم مع فیملی	پوتا
12۔	مکرم محسن احمد صاحب ابن کریم احمد نعیم	پوتا
13۔	مکرمہ منصورہ صاحبہ اہلیہ محسن احمد صاحب	پوتی
14۔	مکرمہ امۃ الحکیم عائشہ صاحب اہلیہ نعمان محمود صاحب	پوتی
15۔	مکرم منصور احمد خان صاحب ابن ڈاکٹر محمد احمد صاحب مع فیملی	پوتا
16۔	مکرم ڈاکٹر شاہد احمد صاحب ابن شیخ محمد رفیق صاحب مع فیملی	نواسہ (بھتیجی کا بیٹا)
17۔	مکرم رفیع احمد صاحب ابن شیخ محمد رفیق صاحب	نواسہ (بھتیجی کا بیٹا)
18۔	مکرمہ امۃ العزیز نگہت صاحبہ اہلیہ رفیع احمد صاحب	پوتی
19۔	مکرمہ امۃ الرافع رفعت صاحبہ اہلیہ رضی احمد صاحب	پوتی
20۔	مکرم ڈاکٹر سلمان راشد صاحب ابن عبد الشکور صاحب	نواسہ
21۔	مکرم مبشر احمد صاحب ابن ڈاکٹر محمد احمد صاحب	پوتا

22۔ مکرم مظفر احمد صاحب ابن مبشر احمد صاحب — پڑپوتا

23۔ مکرم عثمان حیدر صاحب ابن ڈاکٹر غلام حیدر صاحب مع فیملی — نواسہ

24۔ مکرمہ فریدہ صاحبہ بنت ڈاکٹر غلام حیدر صاحب — نواسی

25۔ مکرم عبد الشکور اسلم صاحب — بھتیجا

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولیٰ کریم ہم سب کو خلافت سے کامل اخلاص، محبت، وفا اور عقیدت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اطاعت کے اس جذبہ کو دائمی بنائے اور رہتی دنیا تک ہماری تمام نسلوں کو یہی توفیق عطا ہو۔ آمین

ہمارے پیارے والد صاحب کی زندگی کا یہی سرمایہ تھا اور یہی خواہش تھی۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کو اپنے پیارے اور عظیم خلفاء کی قدم بوسی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

کریم احمد نعیم

پیش لفظ

(نقشِ ثانی)

خاکسار کو حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے 2005ء میں جب نائب ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ مقرر فرمایا تو سندھ کے ایک دَورہ کے دوران مکرم ڈاکٹر عبد المنان صدیقی صاحب شہید امیر ضلع میرپور خاص و تھرپارکر سے ملاقات ہوئی۔ جماعتی تعلقات اور ذاتی دوستانہ مراسم آگے بڑھے تو آنمحترم نے اپنے نانا حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی حضرت مسیح موعودؑ اور معالجِ خصوصی حضرت مصلح موعودؓ پر اپنے خسر مکرم کریم احمد نعیم صاحب کا تصنیف کردہ مسوّدہ کمپوزنگ، رائے، ترتیب اور تدوین و تزئین کے لئے دیا جو خاکسار نے 2006ء میں نظارت اشاعت سے منظوری لے کر برادرم مکرم ڈاکٹر عبد المنان صدیقی صاحب (شہید) کی طرف سے شائع بھی کروادیا۔ اس کتاب نے اندرون وبیرون ملک بہت پذیرائی حاصل کی۔ اس نقشِ اول کے ناشر برادرم مکرم ڈاکٹر صاحب موصوف شہید خود ہی تھے۔ 19 سال بعد جب مکرم ڈاکٹر صاحب شہید کی اہلیہ محترمہ امۃ الشافی صاحبہ آف امریکہ نے اپنے دادا حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ کے متعلق اس کتاب کو جماعتی ویب سائیٹ "الاسلام" پر اس کی آن لائن اشاعت کے لئے انتظامیہ سے رابطہ کیا تو نظارت اشاعت نے اس کی بہتری کے لئے بعض تجاویز دیں۔ محترمہ امۃ الشافی صاحبہ نے ایک بار پھر اس مسوّدہ کو میرے سپرد کیا۔ خاکسار نے اپنے ایک برخوردار عزیزم زاہد محمود سلمہ اللہ تعالیٰ کے ذریعہ اسے ان پیج سے ورڈ فارمیٹ میں تبدیل کروا کر انتظامیہ کی مجوّزہ تجاویز کے مطابق مسوّدہ کو از سرِ نو ترتیب دیا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ

اس نئے ایڈیشن میں پروف اور حوالہ جات میں مجوّزہ تجاویز کے مطابق بہتری لائی گئی ہے۔ اس ایڈیشن میں تمام اُن اسلامی اصطلاحات کا استعمال کر دیا گیا ہے جو پہلے ایڈیشن کی پاکستان میں طباعت کی وجہ سے ممکن نہ تھی۔ اس دوسرے ایڈیشن میں کوئی اضافہ نہیں ماسوائے ایک نظم کے جو آغاز میں دے دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کی اشاعت بہت سوں کے لئے مبارک کرے اور ہم سب کو حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ جیسا اخلاص اور قربانی کا جذبہ عطا فرمائے۔ آمین

خاکسار

ابو سعید حنیف احمد محمود

مربّی سلسلہ حال برطانیہ

(شاہد۔ عربی فاضل)

25/اکتوبر 2025ء

فہرست مضامین

دردمندانہ التجا

ہوں میں فرقت میں تڑپتا اور بلکتا نیم جاں
وصل کا ساغر پلادے ہاں پلادے آج تو
دامن امید کو میں کس قدر لمبا کروں
میوے جنت کے کھلادے ہاں کھلادے آج تو
مرتے مرتے ہوگیا ہوں سنگ بے جاں کیطرح
امر سے اپنے جِلادے ہاں جِلادے آج تو
نااُمیدی اور مایوسی میں ہوں میں گھر گیا
حوصلہ میرا بڑھا دے ہاں بڑھادے آج تو
خاک آلودہ ہوں پیارے اور گناہوں میں پھنسا
پاک مجکو خود بنادے ہاں بنادے آج تو
بادیہ پیمار ہوں گا میرے پیارے کب تلک
راہ ملنے کی بتادے ہاں بتادے آج تو

(ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب رضی اللہ عنہ)

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان، 10 مارچ 1944ء صفحہ 2)

باب نمبر:1

خاندانی پس منظر۔ آباؤاجداد

- آباؤاجداد
- شجرہ نسب آباؤاجداد

آباؤاجداد

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ کے پڑ دادا حضرت احمد خان صاحب سرہند شہر میں سکونت پذیر تھے۔ 1857ء کے پُر آشوب زمانے کے قریب پہلے سیف آباد عرف بہادر گڑھ اور وہاں سے پٹیالہ منتقل ہو گئے۔ آپ اکرام ضیف کے خُلق کریم سے متصف تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے متولی جو اُن کی اولاد میں سے تھے جب کبھی ستر، اسی (70،80) کی تعداد میں پٹیالہ آتے تو اُن سب کے قیام وطعام کا انتظام آپ کے گھر پر ہی ہوتا۔ یہ گہرا رابطہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت احمد خان حضرت مجدد الف ثانی کے معتقدین میں سے ہوں گے۔ آپ کی پڑ دادی جنہوں نے 90سال عمر پائی نہایت متدین خاتون تھیں۔ اپنے محلہ میں بزرگ خاتون مشہور تھیں۔ محلہ کے علاوہ دور دور سے مستورات اپنے بچوں کو آپ کے پاس دُعا اور علاج کے لئے لاتیں۔

حضرت احمد خان کے فرزند کا نام مولیٰ بخش تھا۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کے لئے ملازمتیں جب مفقود ہو گئیں اور معاشی اور اقتصادی حالات حد درجہ تنگ ہو گئے تو مولیٰ بخش صاحب نے خراد کا کام سیکھا۔ اس سے پہلے آپ کا پیشہ سپہ گری تھا۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ جنہوں نے 13 برس اپنے دادا کے سایہ عاطفت میں گزارے بیان کرتے ہیں کہ ہمارے دادا حضرت مولیٰ بخش صاحبؓ خوش شکل سفید رنگ کے بزرگ تھے اور علم دوست اور نماز باجماعت کے پابند تھے۔ پنجاب سے جو علماء وعظ کے لئے آتے آپ اُن کا وعظ کرواتے اور مہمان نوازی کا اہتمام کرتے۔ آپ کسب حلال کا خاص خیال رکھتے تھے۔

1899ء میں آپ نے اپنے بیٹے رحیم بخش اور پوتے ڈاکٹر حشمت اللہ کے ساتھ مولوی عبد القادر جمال پوری صاحب جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے بیعت لینے کی اجازت تھی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور یوں آپ کے خاندان کی تین پشتیں بیک وقت احمدیت میں داخل ہو سکیں۔ ایسا فضل الٰہی ابتدائے احمدیت میں شاذ ہی کسی کو حاصل ہوا ہو گا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ آپ کی تمام اولاد بھی احمدیت میں داخل ہو گئی۔ آپ کے بڑے بیٹے کریم بخش صاحب نے 1924ء میں خلافت ثانیہ کے دور میں بیعت کی۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ کی وفات قادیان میں ہوئی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ آپ کے جنازہ کے ساتھ قبرستان تک گئے۔ مرحوم پابند صلوٰۃ وصوم اور سادہ طبیعت کے مالک تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ بیعت کرنے سے قبل گھر کے افراد جب آپ کو کہتے کہ آپ نے بیعت تو نہیں کی آپ کا جنازہ کون پڑھے گا تو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرا جنازہ فرشتے پڑھیں گے۔ قادیان میں نیک سیرت وجودوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی تو حقیقت میں آپ کے یہ الفاظ کہ "میرا جنازہ فرشتے پڑھیں گے" پورے ہوئے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت مولیٰ بخش صاحبؓ کے دوسرے بیٹے رحیم بخش نے اپنے والد اور بیٹے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے ہمراہ 1899ء میں بیعت کی۔ آپ مخلص احمدی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا بغور مطالعہ کرتے اور آپ نے بہت سی کتب بشمول براہین احمدیہ ہر چہار حصص پڑھ لیں۔ نومبر 1905ء میں آپ نے اپنے سب سے چھوٹے

بیٹے محمد ظہور صاحب کے ساتھ بمقام لدھیانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی اور دستی بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔ اگست 1906ء میں آپ نے وفات پائی۔ آپ سادہ، منکسر المزاج، علم دوست اور خدمت گزار انسان تھے۔ نماز باجماعت کے پابند تھے۔ نماز تہجد پڑھنے کے بعد قرآن شریف کی تلاوت کرتے۔ ایک بار سادہ اور ایک بار باترجمہ۔ قرآن کریم ختم ہونے پر بچوں میں مٹھائی بانٹتے۔ آپ خراد کے کام کے ماہر تو نہ تھے لیکن چھوٹے چھوٹے کام کر کے آٹھ افراد کے کنبہ کا خرچ برداشت کرتے تھے۔ آپ کی کمائی میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت رکھی تھی۔ آپ نے اپنے چاروں بیٹوں کو قرآن کریم باترجمہ پڑھایا اور ایک کو حفظ کروایا۔ اس کے علاوہ سب کو اردو اور فارسی کی تعلیم دلوائی۔

آپ کی رفیقہ حیات بشیراں ریاست پٹیالہ کے قصبہ سامانہ کے میاں نبی بخش کی بیٹی تھیں۔ 1899ء میں آپ نے احمدیت قبول کی۔ 1902ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئیں اور آپ کو اپنی بڑی بہو محترمہ مہر النساء اہلیہ مکرم محمد یوسف صاحب کے ہمراہ حضور کے خاص مہمان بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کا قیام اُس کمرہ میں تھا جس میں تقسیم ملک کے وقت سیدہ اُمّ متین صاحبہ رہائش رکھتی تھیں۔ 10/اپریل 1908ء کو آپ نے وفات پائی۔ بچوں کے لئے شفیق والدہ تھیں۔

حضرت رحیم بخش صاحبؓ اپنی رفیقہ حیات اور ان کے عزیز واقارب سے بہت محبت سے پیش آتے۔ آپ سال بھر کا غلّہ اور دوسری اجناس فصل نکلنے کے وقت خرید لیتے۔ دودھ کے لئے گائے رکھنے کا انتظام رہتا تھا اور یوں اہل وعیال کو ہمیشہ سہولت میسر رہی۔ آپ اپنی ہمشیرہ اور اپنی بھانجیوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کی تین بیٹیاں آپ کے تین بیٹوں سے بیاہی گئیں۔

حضرت مولیٰ بخش صاحبؓ کی تیسری اولاد اُن کی بیٹی محترمہ رحیم النساء تھیں۔ اُن کی شادی حکیم رحمت اللہ صاحب سے ہوئی اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ خیر النساء، مہر النساء، رحم النساء اور فاطمہ امۃ الحفیظ۔ بڑی بیٹی کی شادی حکیم صاحب کے احمدی ہونے سے پہلے ان کے بھتیجے سے ہوئی۔ اس بچی کی وفات 1911ء میں احمدیت میں ہوئی۔ ان کی اولاد کوئی نہ تھی۔ انہوں نے سینکڑوں لڑکیوں کو قرآن کریم پڑھایا۔ باقی تین بیٹیوں کی شادی ان کے بھائی مکرم رحیم بخش صاحب کے تینوں بیٹوں سے ہوئی۔ مکرم رحمت اللہ صاحب قوم کے مغل تھے اور پٹیالہ میں آباد تھے۔ حکیم صاحب نے 1902ء میں بیعت کی۔ آپ کئی بار قادیان آئے۔ جن دنوں حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف شہید رضی اللہ عنہ قادیان تشریف لائے تھے اُن ایام میں حکیم صاحب کو بھی قادیان میں کئی روز تک قیام کرنے کا موقع ملا۔ آپ نے قادیان سے پٹیالہ واپس آکر بتایا کہ صاحبزادہ صاحب جب قادیان سے واپس جانے کے لئے یکّہ پر سوار ہونے لگے تو آخری مصافحہ کی بجائے حضورؑ کے قدموں میں گرنے لگے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو ایسا کرنے سے روک دیا۔ رخصت کے وقت صاحبزادہ صاحب زار زار روتے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کے سر پر شفقت سے بار بار ہاتھ پھیرتے تھے۔

حکیم صاحب جب قادیان سے واپس پٹیالہ آئے تو آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عاشق پایا۔ حضورؑ پر کفر کے فتاویٰ کے باعث اکثر لوگ احمدیوں پر اعتراض کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حاجی محمد صدیق صاحب نے بحث کے دوران کچھ نازیبا الفاظ بولے تو حکیم صاحب نے ان کے منہ پر طمانچہ مارا جو ایسا بابرکت ثابت ہوا کہ تھوڑے دنوں کے بعد حاجی صاحب نے بیعت

کر لی اور آخر دم تک احمدیت پر قائم رہے۔ پہلے نام کے حاجی تھے پھر سچ مچ حج کر لیا اور بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔ ان کی سب اولاد احمدی ہے اور ہر سال جلسہ سالانہ پر ڈاکٹر صاحب کے ہاں ہی قیام کرتے تھے۔

مکرم رحیم بخش صاحب کے سب سے بڑے فرزند محمد یوسف صاحبؓ تھے۔ انہوں نے خاندان میں سب سے پہلے احمدیت قبول کی۔ جلسہ جوبلی ملکہ وکٹوریہ 1897ء کے موقع پر قادیان حاضر ہوئے۔ آپ کے ذریعہ پٹیالہ اور قصبہ سامانہ میں خوب احمدیت پھیلی۔ آپ کی خراد کی دکان دعوت الیٰ اللہ کا اڈہ تھی۔ آپ نے 47 سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کے دو بچے تھے۔ عبدالحمید صاحب اور ناصرہ بیگم صاحبہ۔

ناصرہ بیگم صاحبہ کی کم عمری میں ہی والدین وفات پا گئے تھے اس لئے ڈاکٹر صاحبؓ نے ہی آپ کی پرورش کی۔ تعلیم دلوائی اور شادی کی۔ ان کی شادی شیخ محمد رفیق صاحب آف کانپور سے ہوئی اور چار بیٹے اور ایک بیٹی ان کی اولاد ہیں جن میں سب سے بڑے بیٹے ڈاکٹر شاہد احمد صاحب آف بروکلین نیویارک ہیں۔ ماجد احمد صاحب، آنسہ بیگم صاحبہ اور رفیع احمد صاحب بھی امریکہ میں ہی ہیں۔ ایک بیٹا قیصر محمود مدراس (انڈیا) میں قیام پذیر ہے۔ اس کی بیوی سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی آف کلکتہ کی پوتی ہیں۔ ڈاکٹر شاہد احمد صاحب کی شادی مکرم سید محی الدین آف رانچی کی بیٹی محترمہ صاعقہ بیگم صاحبہ سے ہوئی اور محترمہ آنسہ بیگم کی شادی مکرم سید تبریز احمد صاحب سے ہوئی۔ مکرم ماجد احمد صاحب کی اہلیہ ان کی پھوپھی زاد شاہدہ ہیں اور مکرم رفیع احمد صاحب جو کہ سب سے چھوٹے ہیں مکرم کریم احمد نعیم صاحب (مؤلف کتاب ہذا) ابن حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ کے داماد ہیں۔ سب بچے ماشاء اللہ صاحب اولاد اور خوشحال ہیں اور کسی نہ کسی رنگ میں دین کی خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔ الحمد للہ علی ذالك

مکرم عبدالحمید صاحب کے بڑے بیٹے مکرم رشید احمد مبشر صاحب آف کراچی ہیں اور بیٹی مکرمہ امۃ الحمید صاحبہ، مکرم شیخ نصیر الدین صاحب ابن ڈاکٹر بدرالدین صاحب کی اہلیہ ہیں۔ مکرم عبدالحمید صاحب کی دوسری بیوی سے ان کے تین بچے ہیں۔ صفیہ، عبدالباسط، عبدالقادر۔

مکرم رحیم بخش صاحب کے دوسرے فرزند کا نام حافظ ملک محمد صاحب ہے جن کو اپنے بڑے بھائی محمد یوسف صاحب کے ساتھ 1894-95ء میں قبولیت احمدیت کی توفیق ملی۔ 1897ء میں جلسہ جوبلی ملکہ وکٹوریہ کے موقع پر قادیان گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی اور آپؑ کی معیت میں ایک وقت کا کھانا کھایا۔ دونوں بھائیوں کے نام جلسہ جوبلی کی روئیداد میں مرقوم ہیں۔ یہ اجتماع 20 تا 22/ جون 1897ء کو ہوا۔ اس موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

"اُن تمام لوگوں کے نام درج کئے جائیں گے جو سخت گرمی میں تکالیف سفر اُٹھا کر قادیان آئے۔ جس خلوص، محبت و صدق دل سے میری جماعت کے معزز اصحاب اس خوشی کی رسم میں شامل ہوئے میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں بیان کر سکوں۔"

اس کے بعد بھی آپ متعدد بار قادیان گئے۔ چھوٹی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے جہاں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نماز پڑھایا کرتے تھے جن کی خوش الحانی اور آواز کی بلندی بے نظیر تھی کہ مہمان خانہ میں سوئے ہوئے لوگ بھی جاگ اُٹھتے

اور نماز میں شامل ہو جاتے۔ 1907ء کے جلسہ میں بھی آپ مع اپنے دونوں بھائیوں کے شامل ہوئے۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام کو بہت قریب سے دیکھنے کی خواہش پوری ہوئی۔

حافظ صاحب نے فرمایا کہ بیعت کے شرف سے اللہ تعالیٰ نے مجھے دُنیا کی مسموم ہوا سے محفوظ رکھا۔ میرے دوستوں میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ، حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ، حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ، نواب اکبر یار جنگ اور قریشی محمد افضل صاحب پٹیالوی تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے عمر بھر تبلیغ کرنے کا موقع ملا۔ چھ ماہ تک ملکانوں میں آنریری طور پر تبلیغ کی اور باون افراد سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ احمدیت کے طفیل باعزت روزگار ملا۔ ریاست پٹیالہ کے ناظم مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور اعتبار بھی۔ آپ کی شادی اپنی پھوپھی زاد رحم النساء صاحبہ سے ہوئی جو بہت مخلص احمدی تھیں۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ حافظ صاحب کی زندگی ہمیشہ متوکلانہ رہی۔ جہاں جہاں آپ کا قیام رہا لوگ آپ کو یاد کرتے تھے۔ مثلاً پٹیالہ، دہلی، حیدر آباد دکن وغیرہ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر آپ نے دس بارہ سال حیدرآباد، دکن میں قیام کیا۔ پھر قادیان آ گئے۔ اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں میں ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور محمد ظہور سے بہت پیار کرتے تھے۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ آپ کے تیسرے بیٹے عبد الحفیظ صاحب کئی سال تک نور ہسپتال (قادیان) اور پھر فضل عمر ہسپتال (ربوہ) میں بطور کمپاؤنڈر کام کرتے رہے ہیں اور ربوہ میں مقیم ہیں۔

مکرم رحیم بخش صاحب کے تیسرے فرزند حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ کے حالات و کوائف بعد میں درج کئے جائیں گے اس سے پہلے آپ کے چوتھے فرزند محمد ظہور صاحب کا ذکر یہ ہے کہ آپ نے دس سال کی عمر میں 1905ء میں بمقام لدھیانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دستی بیعت کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس وقت ہم لدھیانہ پہنچے رمضان کا مہینہ تھا اور عصر کا وقت تھا۔ ہمارے دریافت کرنے پر کہ ہم روزہ پورا کر لیں؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ”سفر میں روزہ جائز نہیں“ اور ہمارا یہ عذر قبول نہ کیا کہ وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ محمد ظہور صاحب نے دو شادیاں کیں۔ پہلی اہلیہ سے دو بیٹے عبد القیوم صاحب اور عبد الستار صاحب پیدا ہوئے۔ عبد القیوم خان صاحب نے فوج سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد نور ہسپتال قادیان میں کئی سال تک بطور کمپاؤنڈر خدمات سرانجام دیں۔

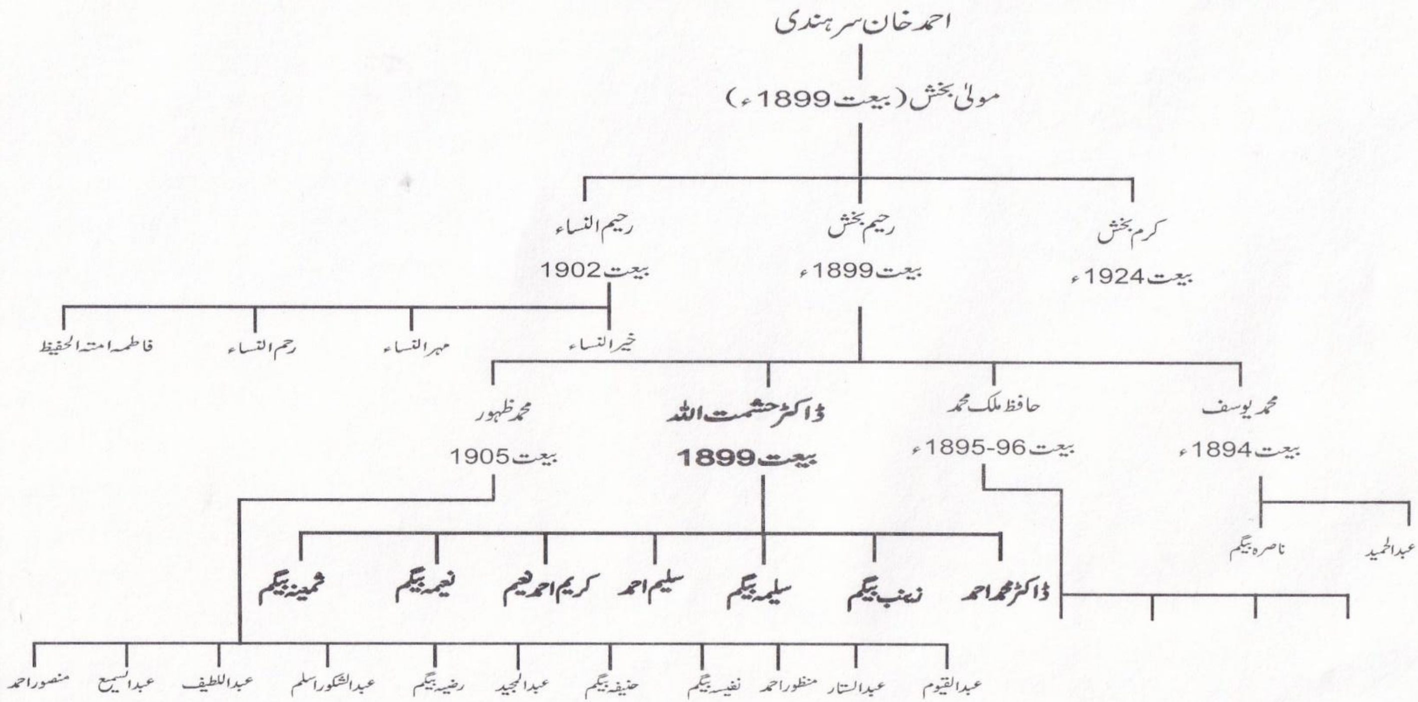
محمد ظہور صاحب کی دوسری اہلیہ مولوی غلام احمد بدوملہوی کی ہمشیرہ تھیں جن کے بطن سے چھ بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ سب سے بڑے بیٹے منظور احمد خان صاحب نسیم کو ایک لمبے عرصے تک بیت المال صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں بطور محاسب خدمت کرنے کی توفیق ملی۔ دوسرے بھائی بھی کسی نہ کسی رنگ میں خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ الحمد للہ

الغرض ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ کا خاندان بفضلہٖ تعالیٰ مخلص احمدی اور دین سے محبت رکھنے والا اور خلیفہ وقت کا اطاعت گزار ہے۔

(اصحاب احمد جلد ہشتم مؤلفہ ملک صلاح الدین ایم۔ اے)

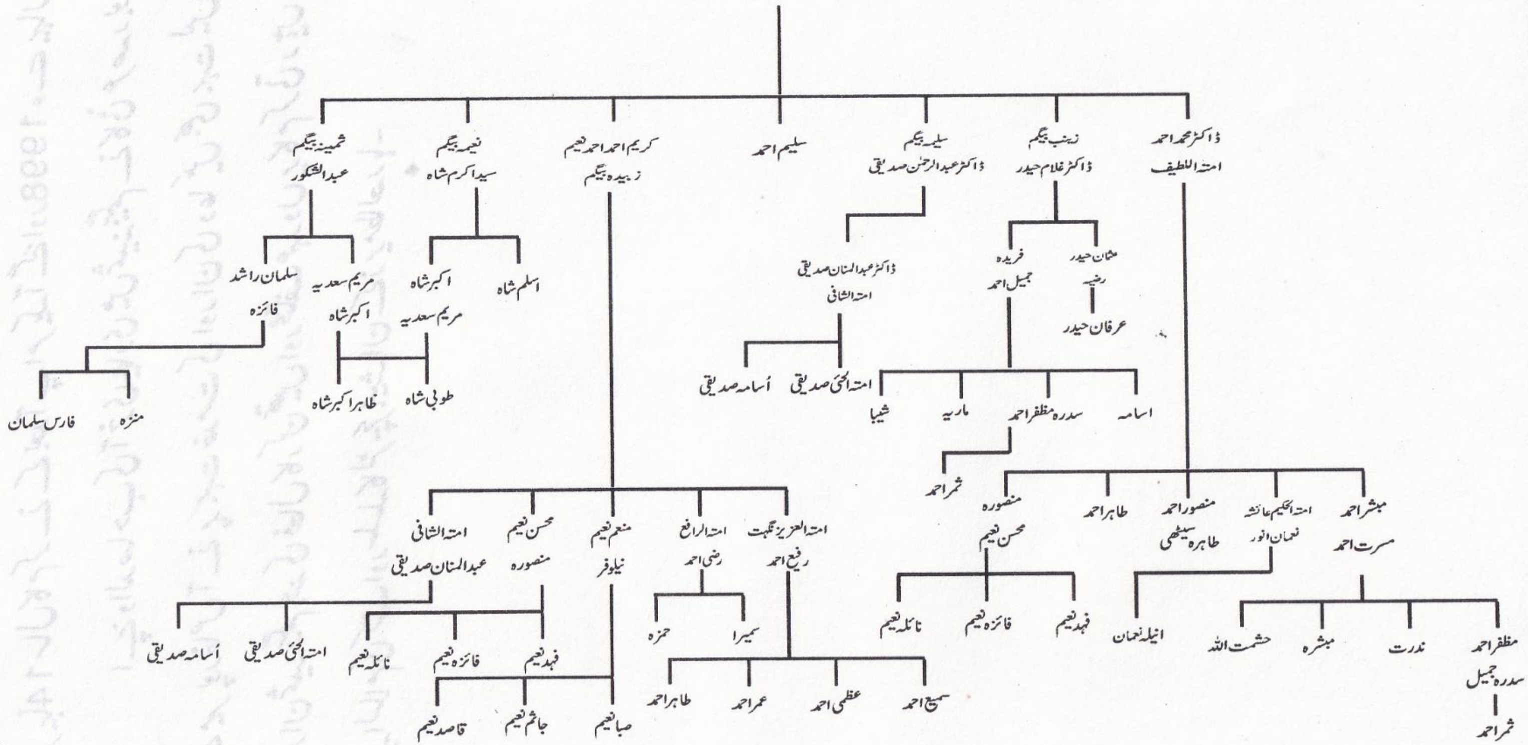
شجرہ نسب

آباؤ اجداد ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب



شجرہ نسب

ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب ۔ اہلیہ فاطمہ امۃ الحفیظ



باب نمبر:2

پیدائش، تعلیم

زیارت مسیح موعودؑ اور دستی بیعت

- آپ کے تاثرات
- حضرت اقدسؑ کی زیارت و دستی بیعت
- تجارت اور حضرت اقدسؑ کی خدمت میں تحفہ
- دینی غیرت
- زیارت بر موقع جلسہ سالانہ 1907ء
- حضرت اقدسؑ کا الہام
- اس الہام کے دور رس نتائج

پیدائش، تعلیم

مکرم رحیم بخش صاحب کے تیسرے فرزند حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ ہیں جو کہ 1887ء میں بمقام پٹیالہ پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ محترمہ کے بیان کے مطابق ڈاکٹر صاحب کی زبان پر پنگھوڑے میں "اللہ" کا لفظ آتا تھا۔ پانچ چھ سال کی عمر میں آپ کو اور حافظ ملک محمد صاحب کو مسجد میں قرآن پڑھنے کے لئے بھیجا۔ دونوں کو والدہ صاحبہ نے نیلے تہ بند بنوا دیئے اور بتایا کہ یہ نماز پڑھنے کی نشانی ہے تا نمازوں کی طرف دھیان رہے۔ تین سال تک ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم اور پھر اردو، فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ تقریباً نو سال کی عمر میں آپ مدرسہ میں داخل ہوئے اور پھر 1907ء میں میٹرک سکینڈ ڈویژن میں پاس کیا۔

1899ء میں جب آپ کے دادا اور والد ماجد صاحب نے مولوی عبد القادر جمال پوری صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اس میں بعمر بارہ سال ڈاکٹر صاحب بھی شامل تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں یہ شوق ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور سے قبول کئے جانے کی سند حاصل کی جائے۔ چنانچہ 1902ء میں آپ نے بمعیت شیخ محمد افضل صاحب پٹیالوی طالب علم، خدا بخش صاحب پٹیالوی طالب علم بیعت کی درخواست بھیجی۔ چنانچہ بیعت کی منظوری کا اعلان الحکم میں ہو گیا۔

الحکم مورخہ 17/جون 1902ء میں آپ کی بیعت کا اعلان یوں مرقوم ہے۔

"شیخ محمد افضل صاحب مابھہ، خدا بخش خرادی پٹیالہ، حشمت اللہ صاحب طالب علم پٹیالہ ڈھک بازار"

تاثرات

آپ بیان فرماتے ہیں کہ

"عقل و شعور کے ابتدائی وقت میں جو چیز میرے قلب پر مستولی ہوئی وہ حضورؑ کا منظوم کلام تھا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے

پھر دوسرا منظوم کلام جو یاد ہوا وہ فارسی نظم ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

اے خدا اے چارۂ آزار ما
اے علاج گریہ ہائے زار ما

اپنی نوعمری میں یہ دونوں نظمیں ترنم کے ساتھ پڑھا کرتا تھا۔ خصوصاً فارسی کی نظم رات کے پچھلے حصہ میں پُر درد لہجہ جب پڑھنا نصیب ہوتی تو میرا دل اپنے رب کی طرف کھنچا چلا جاتا۔ اور ایسا سرور دل میں پیدا ہوتا کہ کسی اور نظارہ یا کسی مجلس یا کسی شغل میں وہ لذت ہرگز نہ پائی تھی۔"

حضرت اقدسؑ کی زیارت اور دستی بیعت

جب میری عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو میرے دل کو شوق دیدار یار (مسیح پاک) نے پکڑ لیا اور مولیٰ کے حضور گریہ و بکا کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ ایک روز اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کر دعا کی تو کچھ دنوں بعد رؤیا ہوئی۔

"میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنی مسجد کے حجرے میں لیٹا ہوا ہوں اور وہ ماہ خوباں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا ہے۔ نظر پڑتے ہی فرط محبت سے چارپائی سے اُٹھ کر اپنے شفیق اور مہربان اور ماں باپ سے بھی زیادہ پیارے باپ کو لپٹ جاتا ہوں اور رونے لگ جاتا ہوں اور اس طرح پر اعلیٰ لذت اور تسکین حاصل کرتا ہوں۔"

اس پاک اور سچی رؤیا کو دیکھے ابھی ایک دو ماہ ہی گزرے تھے کہ اگست 1905ء میں مجھے قادیان جانا اور پہلی مرتبہ پیارے آقا کی زیارت کرنا، حضور کے دست مبارک پر بیعت کرنا اور پاؤں دبانے کی عزت حاصل کرنا اور دس روز تک وہاں قیام کرنا نصیب ہوتا ہے۔ یہ کوئی دعا نہ تھی بلکہ نار عشق کی بھڑک تھی جس نے اس قدر اثر دکھایا کہ مجھ ناچیز وفادار کو کوچۂ یار میں پہنچا دیا، اس بارہ میں سیرت المہدی حصہ سوم (روایت نمبر 586) میں آپ کی ذیل کی روایت درج ہے۔

"میں 1905ء کی موسم گرما کی چھٹیوں میں جبکہ (میں) اپنے سکول کی نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ پہلی مرتبہ قادیان آیا تھا۔ میرے علاوہ مولوی عبد اللہ صاحب عربی مدرس مہندر کالج و ہائی سکول پٹیالہ، حافظ نور محمد صاحب مرحوم سیکرٹری جماعت احمدیہ پٹیالہ، مستری محمد صدیق صاحب پٹیالوی جو آج کل وائسریگل لاج میں ملازم ہیں۔ شیخ محمد افضل صاحب جو شیخ کرم الٰہی صاحب کے چچازاد بھائی ہیں اور اس وقت سکول کے طالب علم تھے۔ میاں خدا بخش صاحب المعروف مومن جی جو آج کل قادیان میں مقیم ہیں اس موقع پر قادیان آئے تھے۔ ہم مہمان خانے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہمارے قریب اور بھی مہمان رہتے تھے۔ جن میں سے ایک شخص وہ تھا جو فقیرانہ لباس رکھتا تھا۔ اس کا نام مجھے یاد نہیں۔ وہ ہم سے کئی روز پہلے کا آیا ہوا تھا۔ جس روز ہم قادیان پہنچے اس فقیرانہ لباس والے شخص نے ذکر کیا کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ میری بیعت لے لیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ کچھ دن یہاں ٹھہرو۔ بیعت کی کیا جلدی ہے ہو جائے گی۔ وہ شخص دو تین دن تو رکا رہا۔ لیکن جس روز ہم یہاں پہنچے تھے اس شام یا اگلی شام کو بعد نماز مغرب یا عشاء حضورؑ نے لوگوں کی بیعت لی۔ ہم طلباء نے بھی بیعت کی۔ اس وقت اس شخص نے بھی چپکے سے بیعت کرنے والوں کے ساتھ ہاتھ رکھ دیا۔ اگلی صبح آٹھ نو بجے کے قریب حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے موجودہ سکونتی مکان کی بنیادوں کا معائنہ کرنے کے

لئے اس جگہ پر تشریف فرماتھے کہ ہم مہمانان موجود الوقت بھی حضور کی زیارت کے لئے حاضر ہو گئے۔ اس وقت اس مہمان نے آگے بڑھ کر کہا۔ حضور! میں نے رات بیعت کر لی ہے۔ حضور نے ہنس کر فرمایا! بیعت کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ استقامت اختیار کرنا اور اعمال صالحہ میں کوشش کرتے رہنا ضروری ہے۔ اسی طرح کی مختصر مگر مؤثر تقریر حضورؑ نے فرمائی۔ حکمت الٰہی ہے کہ وہ شخص اگلے روز ہی ایسی باتیں کرنے لگا کہ گویا اس سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ایک دو روز تک دشنام دہی تک نوبت آگئی اور اسی حالت میں وہ قادیان سے نکل گیا۔“

ہمارے قیام کے دنوں میں حضورؑ کو تازہ الہام ہوا فَنِءَ عِیْسٰی وَمَنْ مَعَہٗ۔ یہ الہام مجھے اسی وقت کا یاد ہے اس کے دو اڑھائی ماہ بعد حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کا انتقال ہوا تو حضورؑ نے اس الہام کو اس سانحہ آلود کی خبر قرار دیا۔

ہمارے قیام قادیان کے دنوں میں ایک جمعہ بھی آیا۔ اس وقت مسجد مبارک بہت چھوٹی تھی ایک صف میں صرف پانچ چھ آدمی کھڑے ہو سکتے تھے۔ حضورؑ نے نماز جمعہ مسجد مبارک میں ادا فرمائی۔ اور بہت سے احباب نے جن میں زیادہ تر مہمان تھے اور اس مسجد میں سماسکتے تھے۔ حضور کی معیت میں نماز جمعہ اس مسجد میں ادا کی۔ خاکسار بھی ان میں شامل تھا۔ بقیہ احباب نے مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ ادا کی۔ مسجد مبارک میں نماز جمعہ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب نے پڑھائی۔ اس روایت میں محترم ڈاکٹر صاحب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ

”ہمارے دوران قیام میں جو کہ دس بارہ روز کا عرصہ تھا بعض اور واقعات بھی ہوئے ان میں سے ایک حضرت صاحب کے سر پر چوٹ لگنے کا واقعہ ہے۔ حضورؑ وضو کر کے اٹھے تھے کہ الماری کے کھلے ہوئے تختہ سے سر پر چوٹ آئی اور کافی گہرا زخم ہو گیا جس سے خون جاری ہوا بہت تکلیف تھی۔ اس کی وجہ سے مسجد میں تشریف نہ لا سکتے تھے اور ہم نے بھی اجازت اندر حاضر ہو کر لی تھی۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ انہی دنوں حضور کو ”فَنِءَ عِیْسٰی وَمَنْ مَعَہٗ“ والا الہام ہوا تھا۔“

تجارت اور حضرت اقدسؑ کی خدمت میں تحفہ

ڈاکٹر صاحب محترم ابھی دسویں جماعت میں تعلیم پا رہے تھے کہ اخراجات تعلیم کی فراہمی کے لئے آپ نے چند روپوں کے ٹرنک منگوا کر اپنے والد ماجد کی دکان پر رکھ لئے اس کی آمدنی سے تعلیمی اخراجات پورے کرتے۔ جب 1907ء میں آپ نے میٹرک پاس کر لیا۔ تو اپنے میلان طبع کے باعث تجارت کو ہی ذریعہ معاش بنانا اور ملازمت کی قید سے بچنا مناسب جان کر دہلی سے کچھ اور بساط خانہ کی چیزیں منگوا کر اور ایک دکان کرایہ پر لے کر آپ نے جدوجہد شروع کر دی۔ روپیہ بہت تھوڑا تھا۔ جب چیزیں بک جاتی تھیں تو بار بار دہلی جانا پڑتا تھا۔ ابھی یہ جدوجہد جاری تھی کہ آپ کے والد ماجد صاحب ماہ اگست 1907ء میں وفات پا گئے۔ گویا ڈاکٹر صاحب ان کی اہلیہ صاحبہ اور والدہ صاحبہ کے کھانے پینے کے اخراجات جو والد صاحب

برداشت کرتے تھے وہ ڈاکٹر صاحب پر آن پڑے۔ اس وجہ سے دکان کے کام میں بجائے ترقی کے تنزل شروع ہو گیا۔ گو آپ کو ملازمت مل سکتی تھی کیونکہ آپ سیکنڈ ڈویژن میٹرک پاس تھے لیکن آپ کی غیرت نے اُدھر کا رخ نہ کرنے دیا۔

دینی غیرت

آپ کی دینی غیرت کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ جب آپ میٹرک پاس کر چکے تھے۔ والد صاحب کافی بوجھ برداشت کر چکے تھے اور اب عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب اخراجات پورے کرنے کے لئے آمد پیدا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے اور مال کم ہونے کی وجہ سے بکری بھی کم ہوتی تھی۔ ایسی تنگی ترشی کے وقت میں ایک احمدی دوست نے آپ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں اپنے محکمہ میں آپ کو ملازم کرا دوں۔ تو ڈاکٹر صاحب نے ان کو یہ برجستہ جواب دیا کہ موسم سرما میں دفتری اوقات دس بجے سے چار بجے تک ہوتے ہیں اور جمعہ کے روز چھٹی نہ ہونے کی وجہ سے آپ لوگ نماز جمعہ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اس وجہ سے میں تو ایسی ملازمت پسند نہیں کرتا جس کی وجہ سے نماز جمعہ ہی ترک ہو جائے۔

بہت سے لوگ آپ کی دکان کو سچی دکان سمجھ کر چیزیں خریدنے آتے لیکن خالی چلے جاتے اسی جدوجہد میں کئی ماہ گزر گئے۔

آپ بیان کرتے ہیں کہ

"مارچ 1908ء میں مجھے خیال آیا کہ دکان میں آمدنی کچھ ایسی نہیں ہو رہی جس سے کچھ رقم نکال کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھیج سکوں تو میرے دل میں تحریک ہوئی کہ اس دکان میں جو کچھ عمدہ چیزیں تحفہ کے لائق ہیں کیوں نہ بطور تحفہ حضور کی خدمت میں بھیج دوں۔ میں اپنے رب محسن کا بے حد شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اس ناچیز کے دل میں یہ خیال ڈالا اور اسے پورا کرنے کی توفیق دی۔ چنانچہ سورت (بمبئی) کے بنے ہوئے چند بڑے بڑے رومال جو دستر خوان کا کام دے سکتے تھے اور چند چھپے ہوئے تہ بند اور ایک قیمتی ترکی ٹوپی بذریعہ پارسل ڈاک میں بھیج دیں۔ جو حضور علیہ السلام کو وصول ہو گئیں۔ مجھے اپنے اس ناچیز عمل کی اب تک خوشی محسوس ہوتی ہے کیونکہ حضور اس کے صرف دو ماہ بعد ہم سے جدا ہو گئے۔"

دوسری بار زیارت بر موقع جلسہ سالانہ 1907ء

آپ بیان کرتے ہیں کہ

"اس نار عشق کا شعلہ پھر بھڑکا جس نے دو سال بعد 1907ء میں بموقع جلسہ سالانہ مجھے اپنے محبوب کے پاس پہنچا دیا جہاں میرے جیسے سینکڑوں دیوانے موجود تھے۔ ایک سے ایک بڑھ کر نور کے پتلے پر فدا نظر آتا تھا۔ جہاں مجھے اپنی بے مائیگی

صاف صاف نظر آنے لگی اور اپنا عشق ہیچ معلوم ہونے لگا مگر وہ دادار جس کی نظر دلوں پر ہے ہر دل کی کیفیات کو خوب جانتا ہے۔

میرے دل نے خواہش کی کہ حضور سیدنا مسیح پاکؑ کو دور سے تو دیکھ لیا ہے مگر نزدیک بیٹھ کر دیکھنے کا موقع مل جائے تو کیا ہی خوش قسمتی ہے۔ ابھی اس خیال ہی میں مسجد اقصیٰ کے آخری حصہ میں نماز جمعہ کے انتظار میں بیٹھا تھا کہ وہ چاند سے مکھڑے والا خوشبو سے معطر دلبر آتا ہے اور عین میرے اور میرے بھائی حافظ ملک محمد صاحب کے سامنے بیٹھ جاتا ہے اور میں شکر مولیٰ میں لگ جاتا اور حیرت میں پڑ جاتا ہوں کہ یہ ناچیز بندہ اور یہ انعام الٰہی۔ یہ میرے دل کی خواہش تھی یا بجلی کی تار تھی کہ جس نے بندہ نواز کے دل پر اثر کیا اور بندہ کے پاس لا بٹھایا۔ مجھے اس جلسہ میں حضرت اقدس کی دونوں روز دونوں تقاریر سننے کا موقع ملتا ہے۔ ایک روز حضور سیر کے لئے قصبہ سے باہر تشریف لے جاتے ہیں اور بالارادہ بڑے بازار میں سے اپنے گرد بھیڑ سمیت باہر چلے جاتے ہیں تا کہ قادیان کے ہندو ساکنین کو یہ نظارہ دکھلایا جائے کہ یہ چھوٹا سا گاؤں اور یہ جم غفیر اور یاد کرایا جائے کہ حضور علیہ السلام کا الہام یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کیسی صداقت کے ساتھ پورا ہو گیا ہے۔"

حضرت اقدسؑ کا الہام

جہاں یہ دل عشق محبت سے بھرپور تھا وہاں عاجز و مسکین بھی تھا۔ 28 دسمبر 1907ء کا واقعہ ہے کہ صبح آٹھ بجے کھانا کھانے کے بعد یہ عاجز جلسہ میں تقریروں کے سننے میں لگ گیا۔ اسی روز مسیح پاک علیہ السلام کی بھی تقریر سنی اور خوب سیری حاصل ہوئی۔ نماز مغرب و عشاء (جمع کردہ) ادا کی اور مسجد مبارک میں حسب الارشاد مجلس معتمدین صدر انجمن کے جنرل اجلاس میں شامل ہونے کی غرض سے بیٹھ گیا کہ اجلاس کے بعد کھانا کھالوں گا۔ اعلان کے مطابق اس میں جماعتوں کے صدر صاحبان اور سیکرٹریوں کی شمولیت ضروری تھی۔ میں اس وقت کمزور تھا، بھوکا تھا کہ صبح آٹھ بجے کا کھانا کھایا ہوا تھا۔ دن میں اور کچھ کھانے کو میسر نہ آیا تھا۔

بیس سالہ جوان تھا۔ شاید ایک آدھ کے سوا باقی تمام احباب سنتوں وغیرہ سے فارغ ہو کر مسجد سے چلے گئے تھے۔ اس حال کے پیش نظر نفس تقاضا کرتا تھا کہ اُٹھ کر چلا جا کہ غالباً اراکین صدر انجمن احمدیہ کھانا کھانے کے لئے چلے گئے ہیں اور سب لوگ لنگر میں کھانا کھا رہے ہیں تُو بھی جا کر کھانا کھا کر چلا آ۔ لیکن غریب دل ڈرا کہ مبادا غیر حاضر ہو جاؤں۔ بیٹھا رہا، بیٹھا رہا۔ پورے دو گھنٹے انتظار میں گزر گئے۔ بھوک نے بہت ستایا۔ قریباً پونے نو بجے معزز اراکین صدر انجمن اور چند احباب جماعت ہائے بیرون تشریف لے آئے۔ اجلاس شروع ہو کر پونے بارہ بجے رات ختم ہوا۔ خواہش خوراک از خود ختم ہو گئی کہ بھڑک کی طاقت ہی باقی نہ رہی تھی۔ مسجد سے نیچے اُترا اور طوعاً و کرہاً لنگر کا رخ کیا جسے بند پایا۔ ناچار اپنی جائے قیام پر جو بیت المال کے

کمروں میں تھی واپس آکر سونے کو تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی کہ جس مہمان بھائی نے کھانا نہیں کھایا۔ وہ لنگر خانہ میں جا کر کھانا کھالے۔ چنانچہ بندہ گیا اور جو کچھ ملا شکر کر کے کھا کر چلا آیا۔

اگلی صبح کے نو دس بجے میں دیکھتا ہوں کہ پیارے مسیح پاک چھوٹی مسجد کے چھوٹے دروازہ میں گلی کے رُخ کھڑے ہیں اور کئی ایک عشاق سامنے کھڑے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب کو بلائیں۔ چنانچہ حضرت مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ سامنے حاضر ہوئے تو فرماتے ہیں "معلوم ہوتا ہے آج رات کے کھانے کا انتظام اچھانہ تھا کہ بعض مہمان بھوکے رہ گئے کسی کی بھوک عرش تک پہنچی ہے اور مجھے بشدت الہام کیا گیا۔"

"یَا اَیُّھَا النَّبِیُ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَ الْمُعْتَرَ"

یہ الہام رات کے دس بجے کے قریب ہوا تھا جس پر حضورِ والا نے باہر منتظمین کو کہلا بھیجا تھا کہ جن مہمانوں کو کھانا نہیں ملا ان کو کھانا کھلا یا جائے۔ اسی واسطے منتظمین میں سے کسی نے میرے دروازہ پر دستک دی تھی۔

اگر چہ دوبارہ رات کے بارہ بجے لنگر کھلنے پر میرے سوا دو یا تین احباب اور بھی تھے جنہوں نے اس وقت کھانا کھایا تھا مگر میں اپنے دل میں نظر ڈالتے ہوئے اور اپنے مولیٰ کے اوپر بیان کردہ سلوکوں کے پیش نظر بشرح صدر کہتا ہوں کہ یہ اسی دل کی آہ تھی جس نے عرش کو ہلایا اور بشدت الہام کروایا جس کی آہ جس کی گریہ وبکا اوّل تو پیارے مسیح کو جواب میں ملاقات کے لئے مسجد پٹیالہ میں لے آئی۔ پھر سفر قادیان 1905ء کے سامان بہم پہنچانے کے لئے اپنے مولیٰ کی عنایت کھینچ لائی۔ پھر جس کی خواہش نے مسجد اقصیٰ میں پیارے مسیح کو پاس لا بٹھایا۔

اخبار بدر مورخہ 09 جنوری 1908ء نے اس تاریخی واقعہ کو جلسہ سالانہ 1907ء کے کوائف کے تحت یوں محفوظ کیا ہے۔

"بعض مہمانوں کو ایک دن کھانا بہت دیر میں ملا۔ روٹی کافی تیار تھی مگر جگہ تنگ تھی اور تھوڑے آدمی ایک وقت میں کھا سکتے تھے۔ اس واسطے بہت دیر ہو گئی اور بعض مہمان بغیر کھانا کھانے کے سونے کے کمروں میں چلے گئے... تو ان کو یہ انعام ملا کہ خود خداوند عالم نے ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور براہ راست آسمان سے اللہ کے رسول علیہ السلام کے پاس رات کو پیغام پہنچا کہ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَ الْمُعْتَرَ بھوکے اور مضطر کو کھانا کھلا۔ صبح حضور علیہ السلام نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ رات کو بعض مہمان بھوکے رہے۔ اسی وقت آپؑ نے ناظمین لنگر کو بلایا اور بہت تاکید کی مہمانوں کی ہر طرح سے خاطر داری کی جاوے اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔"

اس الہام کے دُور رس نتائج

جلسہ ختم ہوا یہ بندہ اپنے پیارے دونوں بھائیوں سمیت اپنے گھر پٹیالہ کو چلا گیا۔ اس وقت میٹرک پاس تھا۔ مگر روزگار نہ ہونے کے برابر تھا۔ والد صاحب کو فوت ہوئے چار مہینے ہوئے تھے۔ والدہ صاحبہ سسک رہی تھیں اب حد درجہ کی مجبوری

کے باعث روزگار کی تلاش کی گئی۔ ایک محکمہ میں ملازمت کی درخواست دی مگر شنوائی نہ ہوئی۔ ایک ماہ گزر گیا۔ ماہ اپریل 1908ء آگیا۔ میرے ایک شفیق استاد نے جن سے میں نے فارسی پڑھی تھی۔ ازراہ ہمدردی فرمایا کہ مجھے ایک آسامی ایک فوجی کرنل محمد رمضان کے ہاں خالی معلوم ہوئی ہے۔ اگر تم کہو تو میں کرنل صاحب سے دریافت کروں کہ وہ ملازمت تمہیں دے دیں۔ میں تو حاجت مند تھاہی۔ عرض کیا کہ ہاں مہربانی فرماویں۔ اس پر مشفق من کرنل کے ہاں گئے۔ مگر اس نے "مرزائی پُنے "کا سوال اٹھادیا۔ وہ خاموش واپس آگئے اور مجھے قصہ بتایا۔ اور مجھے کچھ اس طرح کہا کہ وہ مجھے اگلے روز پھر کرنل کے پاس لے جائیں گے اور مجھے فرمایا کہ اگر کرنل احمدی ہونے کا دریافت کرے تو تم خاموش رہنا۔ بھلا میرا دل کس طرح یہ گوارا کرسکتا تھا۔ اس کے اندر سے یہ الفاظ نکلے۔ کہ جناب عالی! یہ تو تیس چالیس روپے کی نوکری ہے۔ میں پانچ صد روپے کی نوکری پر بھی تھوکتا نہیں کہ اپنی احمدیت چھپانی پڑے۔

اگلے روز حضرت مولوی عبد القادر صاحب لدھیانہ سے تشریف لے آئے۔ انہوں نے یہ ماجرہ سنا اور مجھ سے کہا کرنل میرا واقف ہے۔ میں تمہیں اس کے پاس لے جاؤں گا۔ وہ مجھے جانتا ہے۔ وہ میرے کہنے سے ملازمت دے دے گا۔ میں جانا نہ چاہتا تھا مگر حضرت مولوی صاحب کے بزرگانہ ارشاد پر اُن کے ساتھ چلا گیا۔ جونہی اس کرنل کے بنگلہ کے باہر کے پھاٹک کے قریب پہنچے تو کرنل نے ایک فاصلہ سے ہمیں کھڑے ہوئے دیکھ کر کہا۔ مولانا! مولانا! یہاں کوئی ملازمت نہیں۔ جب ہم ذرا قریب ہوئے تو درشتی کے لہجے میں کہا کہ میں نے کل ایک سکھ لڑکے کو وہ نوکری دے دی ہے۔

مجھے کرنل کے اس عمل و سلوک سے سخت رنج پہنچا اور اسی حال میں واپس گھر پہنچا اور نماز مغرب ادا کرتے ہوئے پُر ملال دل میں درد پیدا ہوا اور میں دعا میں لگ گیا جب شدت سے دعا کر رہا تھا تو یہ الفاظ میرے منہ سے نکلے کہ

"یاالٰہی! تو مجھے ایسا رزق دے کہ میں کرنل جیسے لوگوں کا محتاج نہ بنوں۔"

اس دعا سے اگلے روز ہی جب میں اپنی دکان پر گیا اور اسے کھول کر بیٹھ گیا مال تھا نہیں گاہک کہاں؟ میرے خدا نے ہاں میرے پیارے مولیٰ نے ایک ہندو لڑکے کے دل کو پکڑا اور اسے اٹھائے میرے پاس لے آیا۔ یہ ہندو لڑکا مادھو رام نامی چند سال پہلے مڈل میں میرا ہم جماعت تھا۔ پھر بیماری اور جسمانی، دماغی کمزوری کی وجہ سے تعلیم چھوڑ بیٹھا تھا۔ نیک دل لڑکا از خود بولا۔ یار! تیری دکان پر مال تو ہے نہیں بکری کیا ہوگی اور تم کھاتے کہاں سے ہوگے؟ میں نے اس سے کہا کہ میں کروں تو کیا کروں۔ جوں توں کر کے میٹرک کا امتحان پاس کیا ہوا ہے ملازمت کے لئے کوشش کی تو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ میری یہ بات سن کر وہ دوست بولا کہ یار! تو ڈاکٹری پڑھنے چلا جا۔ میں نے تعجب سے پوچھا! کہ جس حال میں میرے کھانے پینے کے لئے خرچ نہیں ہے تو ڈاکٹری پڑھنے کس طرح چلا جاؤں؟ میرے مولیٰ کا بھیجا ہوا بندہ ہاں اَطْعِمُوا الْجَآئِعَ وَ الْمُعْتَرَّ کے الہام بشدت

کرنے والے قادر خدا کے بھیجے ہوئے بندہ نے کہا کہ بھئی ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے ریاست کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے۔ جس پر میں نے اسے جواب دیا کہ
مجھے وظیفہ کس نے دینا ہے؟ مجھے معمولی نوکری کی کوشش میں بھی ناکامی ہوئی ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ بھئی! میرے محلہ میں لالہ مولک رام میڈیکل محکمہ کے سیکنڈ کلرک ہیں۔ میں ان سے کہوں گا کہ آپ کو وظیفہ دلوادیں۔ میں نے کہا کہ کہہ دو۔ چنانچہ اسی شام کو اس لڑکے نے کلرک مذکور سے کہہ دیا۔ اس نیک کلرک نے میری درخواست چیف میڈیکل آفیسر ریاست پٹیالہ کے پیش کر دینے کا وعدہ کرلیا اور درخواستوں کے پیش کئے جانے کی تاریخ بتلا دی جو چھ سات دن کے بعد کی تاریخ تھی۔
تاریخ مقررہ پر میں درخواست وظیفہ لے کر میجر ڈاکٹر Ainsworth آئی ایم ایس کی کوٹھی پر چلا گیا اور لالہ مولک رام نے حسب وعدہ میری درخواست آگے کر دی۔ جس نے صرف اس قدر سوال کیا۔

Do you Like to Join medical school Lahore?

جس پر میں نے Yes Sir کے سوا کیا کہنا تھا۔ میرے اس جواب پر اس نے میرے کھڑے کھڑے ایک چٹھی پر نسپل میڈیکل کالج لاہور میجر ڈاکٹر سدرلینڈ کے نام لکھ دی اور مجھے دے کر کہا کہ یہ چٹھی لے کر داخل ہونے کی غرض سے کل ہی لاہور کو روانہ ہو جاؤ۔ پرسوں داخلہ ہونا ہے۔ چنانچہ میں 20 اپریل 1908ء کو میڈیکل سکول میں داخل ہو گیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالك

اس وقت میرے دل نے رب محسن کا شکر کیا کہ کس طرح چند دن پہلے کی دعا قبول فرماتے ہوئے ایسے روزگار کے حاصل ہونے کا پہلا اور پکا زینہ دکھلایا اور میں سمجھتا ہوں کہ اَطْعِمُوالْجَآئِعَ وَالْمُعْتَرَ کا ظہور اس رنگ میں ہوا کہ غیر متوقع حالات میں مجھے وظیفہ ملا اور عمدہ روزگار کے سامان بنتے نظر آنے لگے۔
پیارے مسیح پاکؑ کو دیکھنے کی شدید خواہش کی وجہ سے میں نے جو دعا کی تھی اس کی قبولیت کا تیسری بار یوں ظہور ہوا کہ میرا پیارا رب اعلیٰ میرے لاہور پہنچنے کے صرف نو دن بعد حضور علیہ السلام کو لاہور لے آیا اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور کا موجب بنا۔

کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

:

باب نمبر:3

حضرت مسیح موعودؑ کا وصال

اور

حضرت خلیفہ اوّلؓ کا انتخاب

- حضرت اقدسؑ کا وصال اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا انتخاب
- 26 مئی کا دن
- حضرت اقدسؑ کے وصال کے وقت مومنوں کی حالت
- اغیار اشرار کا ردّیہ
- نماز جنازہ لاہور میں قادیان کو روانگی
- حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا انتخاب

حضرت اقدسؑ کا وصال اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا انتخاب

مکرم صلاح الدین صاحب مؤلف اصحاب احمد تحریر کرتے ہیں (یہ محترم ڈاکٹر صاحب کا مضمون ہے جو آپ نے ربوہ کے ایک جلسہ میں 27 مئی 1959ء میں پڑھا تھا)

آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"میں 20 اپریل 1908ء میں میڈیکل سکول لاہور میں داخل ہوا تھا۔ چونکہ میں لاہور میں کسی شخص سے واقف نہ تھا اور نہ مجھے معلوم تھا کہ سکول کا کوئی بورڈنگ بھی ہے۔ اس لئے میں خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان پر رات بسر کرنے کے لئے چلا گیا۔ کیونکہ مجھے خواجہ صاحب کی جائے وقوع معلوم تھی۔ ان کے مکان پر میری سب سے پہلی ملاقات ان کے نیک دل منشی نور احمد بلال سے ہوئی۔ انہوں نے میری مسافرانہ حالت اور طالب علمی کے پیش نظر مجھے اپنا بستر اپنے کمرہ میں رکھنے کی اور رات کو برآمدہ کے فرش پر جو بے چھت کے تھا سونے کی اجازت دے دی تا آنکہ میں چند دن تک اپنے لئے کوئی مستقل رہائش کا انتظام کر لوں۔ اس طرح پر چند دن ہی گزرے تھے کہ جناب منشی صاحب نے فرمایا کہ اب تو آپ کو کسی اور جگہ انتظام کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ایک دو دن تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام مع اہل و عیال اور خدام لاہور تشریف لا رہے ہیں۔ اور حضور کا قیام یہاں خواجہ صاحب کے مکان پر ہو گا۔ خاکسار کو حضور علیہ السلام کی آمد کی خبر سے بے حد خوشی ہوئی کہ حضور ایک ناچیز اور غریب خادم کو قادیان سے لاہور پہنچ کر زیارت کا موقع عطا فرما رہے ہیں۔ خوشی کی زیادتی اس وجہ سے بھی ہوئی کہ میرے والدین گزشتہ چند ماہ کے اندر وفات پا گئے تھے۔ جن کی جدائی کا صدمہ دل پر تھا تو روحانی ماں باپ کا تشریف لا کر زیارت کروانا غم کو دور کرنے اور خوشی پہنچانے کا موجب تھا۔

چنانچہ حضور 29 اپریل کو لاہور تشریف لے آئے اور خواجہ صاحب کے مکان پر قیام پذیر ہوئے اور خواجہ صاحب کے مکان کو مرجع خلائق بنا دیا۔ احمدی احباب اور غیر احمدی معززین اور ہندو عورتیں حضورؑ کی زیارت کے لئے آنے لگے۔ ایک غیر احمدی معزز شخص شہزادہ ابراہیم نام نے جو کابلی شہزادوں میں سے تھے حضورؑ کو اپنے ہاں کھانے پر بلایا۔ حضورؑ نے بدیں الفاظ معذرت کر دی کہ میرا طریق لوگوں کے گھروں پر جا کر دعوتیں کھانے کا نہیں۔ اس پر شہزادہ صاحب موصوف نے پچاس روپے کی رقم بھجوا دی تا حضور اپنے گھر پر ہی کھانا تیار کروا کر ان کی طرف سے دعوت کے طور پر تناول فرمالیں۔ حضور علیہ السلام نے پچاس روپے اپنی طرف سے ملا کر خواجہ صاحب کو ایک سو روپیہ کی رقم دی اور فرمایا کہ ایک دعوت کا انتظام کیا جائے۔ جس میں لاہور کے چیدہ لوگوں کو بلایا جائے اور ان کو یہ بھی بتلایا جائے کہ کھانے سے پہلے میری (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی) تقریر بھی ہو گی۔ جس میں مَیں اپنا دعویٰ اور اس کی صداقت کے دلائل پیش کروں گا۔ چنانچہ 17 مئی کو ایسی دعوت کا انتظام کیا گیا اور کھانے سے پہلے حضورؑ نے قریباً ڈیڑھ گھنٹہ کھڑے ہونے کی حالت میں تقریر کی۔ سامعین جو کرسیوں پر سامنے بیٹھے تھے۔ جن کی تعداد ڈیڑھ دو سو کے قریب تھی۔ ایسی خاموشی سے تقریر سنتے رہے گویا اس جگہ کوئی موجود ہی نہیں۔ جب تقریر کو قریب ایک گھنٹہ ہو گیا۔ تو سامعین میں سے ایک شخص بولا کہ اب کھانے کا وقت

ہو گیا ہے تو اس پر ایک دوسرا شخص بولا کہ کھانا تو روز ہی کھاتے ہیں یہ کھانا بار بار نہیں ملا کرتا گویا ان الفاظ میں یہ امر مستور تھا کہ حضور کی یہ آخری تقریر ہے۔ یہ تقریر ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان کے صحن ہوئی تھی۔ اس کے بعد حضرت صاحب مع مہمانوں کے خواجہ صاحب... کے مکان کے صحن میں جو چند قدم کے فاصلہ پر تھا کھانا کھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ خاکسار اپنی جائے رہائش پر جو پانی کے حوض کے قریب تھی چلا گیا۔

حضورؑ نے رؤسا میں جو تقریر فرمائی تھی۔ اس کے لئے عام داخلہ نہ تھا۔ بلکہ طلباء کے لئے خاص ممانعت تھی لیکن میں اشتیاق میں دروازہ کے قریب کھڑا رہا۔ آخر منتظمین میں سے کسی ایک نے ترس کھا کر مجھے بھی صحن کے اندر داخل کر دیا۔ تقریر کے دوران حضورؑ نے دودھ کے گلاس میں سے چند گھونٹ پیئے تھے۔ اس طرح یہ دودھ تبرک بن گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے بھی اس تبرک کا حصہ مل گیا۔ اس وقت ایسی خوشی حاصل ہوئی گویا بادشاہت مل گئی ہے۔

ایک روز غالباً وفات سے دو دن پہلے خواجہ صاحب کے مکان کے ہال کمرہ میں نماز ظہر و عصر ادا فرما کر حضورؑ تشریف فرما ہوئے۔ حضور کے سامنے پندرہ بیس احباب میں مَیں بھی حاضر تھا۔ اس وقت حضور نے کچھ باتیں بطور نصیحت فرمائیں۔ ان میں سے حضور کے یہ الفاظ مجھے آج تک خوب یاد ہیں کہ

”جماعت احمدیہ کے لئے بہت فکر کا مقام ہے کیونکہ ایک طرف تو لاکھوں آدمی انہیں کافر کافر کہتے ہیں۔ دوسری طرف اگر یہ بھی خدا تعالیٰ کی نظر میں مومن نہ بنے تو ان کے لئے دوہرا گھاٹا ہے“

میں سمجھتا ہوں کہ حضور کی آخری نصیحت یا وصیت تھی جس کو میں نے اپنے کانوں سے سنا۔

25 مئی کی شام کو مغرب سے صرف ایک آدھ گھنٹہ پہلے حضورؑ مع حضرت اماں جانؓ و بعض صاحبزادگان بذریعہ گھوڑا گاڑی کی سیر کو تشریف لے گئے۔ اس وقت حضورؑ اندرون خانہ سے جب گاڑی پر سوار ہونے کے لئے باہر نکلے تو حضورؑ کی رفتار میں کوئی کمزوری نظر نہ آتی تھی۔ بلکہ رفتار اچھی تیز تھی۔ حضورؑ اور حضرت اماں جانؓ گاڑی پر سوار ہو گئے۔ جبکہ کوچوان کے ساتھ والی سیٹ پر میاں شادی خاں صاحب بیٹھے تھے اور گاڑی کے پچھلے پائید ان میں حضرت بھائی عبد الرحمن صاحب قادیانیؓ بطور محافظ کھڑے تھے۔ گاڑی روانہ ہو گئی تو یہ عاجز بھی وہاں سے اپنی رہائش کی جگہ پر رات بسیرا کرنے کے لئے چلا گیا۔ اور اگلے روز شام کے وقت پھر حاضر ہونے کے خیال کے ساتھ رات کو سویا۔

26 مئی 1908ء

صبح کالج گیا اور جب گیارہ بجے کے قریب واپس مکان پر آیا تو کسی کی زبانی سنا کہ حضرت صاحب وفات پا گئے۔ میں اپنی کتابوں کو کمرہ میں پھینک کر فوراً احمدیہ بلڈنگز کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب موچی دروازہ میں سے گزر رہا تھا تو وہاں کے لوگوں کو طنز کے طور پر حضورؑ کی وفات کا ذکر کرتے سنا۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ واقعی یہ خبر درست ہے آخر جوں توں کر کے جب

ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان پر جو خواجہ صاحب کے مکان سے ملحق تھا پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضور کی وفات ہو گئی ہے۔ جو دس بجے کے قریب ہوئی تھی۔ حضور رات کو اسہال کی مرض میں مبتلا ہوئے اور باوجود ہر طرح کے علاج کے اس کی شدت بڑھ گئی اور آخر موت پر منتج ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت اقدس علیہ السلام نے انبیاء کی وفات پر جو حالت مومنوں اور مخالفوں کی ہوتی ہے الوصیت میں اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

" كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (المجادلہ:22) یعنی خدا نے لکھ رکھا ہے کہ وہ اور اس کے رسول غالب رہیں گے اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا منشاء ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پوری ہو جائے اور اس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے... اسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ ان کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے۔ اور جس راست بازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخمریزی انہی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن ان کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے وقت میں ان کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن و تشنیع کا موقع دے دیتا ہے اور جب وہ ہنسی اور ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔ غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے (1) اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے (2) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آ جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ یہ جماعت نابود ہو جائے گی... تب خدا تعالیٰ گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے جیسا کہ ابو بکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا... سوائے عزیزو! جب کہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھاوے... دوسری قدرت کا آنا تمہارے لئے ضروری ہے کیونکہ وہ دائمی ہے۔ جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا اور وہ دوسری قدرت نہیں آ سکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن جب میں جاؤں گا تو پھر خدا تعالیٰ اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا۔ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی"...

"جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔ سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا پھر اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔"

وفات کے وقت مومنوں کی حالت

ہم نے حضورؑ کی وفات کے وقت اپنے آپ کو سخت حزیں پایا اور اسی کی مانند جیسا کہ حضورؑ نے قبل از وقت فرمایا تھا۔

”اُس دن سب پر اداسی چھا جائے گی۔“

اس دن کا غم بے انتہا تھا۔ وہ پیارا باپ ہمیں یتیموں کی طرح بلبلاتا چھوڑ کر چلا گیا۔ اس صدمہ کا اثر آج کے دن تک چلا آرہا ہے۔ اُداسی کا وہ عالم تھا کہ وہ دن تاریک و تار ہو گیا تھا فی الحقیقت آسمان کا سورج اس روز گرد وغبار کی وجہ سے بالکل مدہم ہو گیا تھا۔ الغرض میں اپنے قلب کی حالت کو دیکھ کر سچی گواہی دیتا ہوں کہ وہ دن ہمارے لئے نہایت صدمہ کا دن تھا اور اس دن سخت اداسی چھا گئی تھی کہ حاضر مومن بیٹھے کھڑے اور چلتے تو نظر آتے تھے لیکن بے زبان تھے کوئی اونچی آواز سے بولتا سنائی نہ دیتا تھا۔ کوئی مجلس نہ تھی کہ جس میں لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کرتے سنائی دیں۔ ہر ایک شخص اپنے قلب حزیں کو سینہ میں لئے تصویر بے جان کی طرح پھرتا نظر آتا تھا۔

اس احقر کو جس طرح حضورؑ کی معیت میں خوشی کی گھڑیاں دیکھنا نصیب ہوئی تھیں جن سے حضور علیہ السلام کی خاص شفقت اور خاص محبت اور دلی محبت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ان غم کی گھڑیوں کا دیکھنا بھی مقدر تھا۔ ایسے موقع پر عام طور پر اعزہ واقارب ہی قریب جمع ہوتے ہیں۔ پھر ان کے غم واندوہ کے بھی درجات ہوتے ہیں مگر میں اپنی بات تو کہتا ہوں کہ مجھے اس قدر غم واندوہ پہنچا تھا کہ شاید ہی کسی اور کو پہنچا ہوا لا ما شاء اللہ۔ کیونکہ میری حیثیت ایک غریب الوطن مسافر کی تھی جو نادار بھی تھا اور پہلے سے زخم خوردہ تھا کہ بالکل قریب کے عرصہ میں والدین اور اہلیہ کے گویا تین وفاتوں کے جاں گسل صدمات اٹھائے ہوئے تھا کہ پھر پیارے کے ارتحال کا ایک عظیم اور جانکاہ حادثہ برداشت کرنا پڑا۔ اس سانحہ کے بعد دن اور رات کے وقت میں پانی پینا یاد نہیں۔ کھانا تو بڑی چیز ہے۔ پھر میں 27 مئی کی شام تک جبکہ حضورؑ کو دفن کر دیا گیا۔ حضورؑ کی حضوری میں رہا۔ مجھے اپنے رب کے محسن کا خاص احسان نظر آتا ہے کہ اس نے مجھے یہ غم کی گھڑیاں نصیب کیں۔ میں ان گھڑیوں کو بڑی کمائی سمجھتا ہوں۔

اغیار اشرار کا روّیہ

جہاں جماعت احمدیہ کے افراد احمدیہ بلڈنگ میں غم واندوہ میں وقت کاٹ رہے تھے۔ دشمن ہاں شریر دشمن بھی ہنسی ٹھٹھے کو انتہا تک پہنچائے بغیر نہ رہ سکا اور اُس نے قبل وقت فرمودہ کی تصدیق پورے طور پر کر دی۔ چنانچہ میرے کان ان شریروں کے دکھ دینے والے الفاظ کو آج تک یاد رکھے ہوئے ہیں۔ ایک نے کہا مرزا مر گیا۔ دوسرے نے کہا مرا نہیں، بھدرک کے میلہ پر گیا ہے۔ یہ ایک مقامی میلہ کا دن تھا۔ پھر میری آنکھ اس منظر کو نہیں بھولتی کہ دشمن ہاں موچی دروازہ کے غنڈوں نے ہمارے زخموں پر کس بے دردی سے نمک چھڑکا۔ ان اشرار نے حضور کا مصنوعی جنازہ نکالا۔ یعنی ایک شخص کا مصنوعی جنازہ نکالا۔ یعنی ایک شخص کا منہ کالا کر کے چارپائی پر لٹایا اور اس چارپانی کو میت کی چارپائی کی شکل میں ہمارے مکان کے سامنے طرح طرح کی بے ہودہ باتیں کرتے ہوئے ہمارے سامنے سے گزارا۔ اسی موچی دروازہ کے رہنے والے مسمّٰی محمد سعید نے جو ڈاکٹر کہلاتا تھا ریلوے کے افسروں کو جھوٹی رپورٹ کر دی کہ نعوذ باللہ حضورؑ کی وفات ہیضہ سے ہوئی ہے تا کہ ریلوے والے جنازہ کو بٹالہ تک لے جانے کے لئے بوگی نہ دیں۔ جس کے لئے پرنسپل میڈیکل کالج ڈاکٹر سدرلینڈ کا سرٹیفکیٹ حاصل

کیا گیا کہ حضورؑ ہیضہ سے نہیں فوت ہوئے تھے۔ ڈاکٹر سدر لینڈ کو علاج کی غرض سے بھی بلایا گیا تھا۔ ان کے سر ٹیفکیٹ سے یہ روک دور ہوئی۔

میرے جیسے ناچیز خادم جہاں اپنی دلفگاری میں مبتلا باہر کھڑے ہوئے تلخ گھڑیاں گزار رہے تھے وہاں ان کی نظر حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کی طرف بھی اُٹھ رہی تھی کہ اُن کا کیا حال ہے۔ وہ بھی جسم بے جان کی طرح بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ ایسے حال میں ہی حضرت اماں جانؓ کے وہ الفاظ کان میں پڑے جو آپ نے عین اس وقت منہ سے نکالے تھے۔ جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دم واپسیں تھا کہ

"یا اللہ! یہ تو ہمیں چھوڑ رہے ہیں پر تو نہ ہمیں چھوڑیو۔"

ان الفاظ سے دل کو کچھ ڈھارس پہنچی کہ ہمارا یگانہ خدا ہمارا خبر گیر ہے۔

نماز جنازہ لاہور میں اور قادیان کو روانگی

حضورؑ کی نعش مبارک کو غسل دیا گیا اور قریب تین چار بجے بعد دو پہر کے جسد مبارک کو ڈاکٹر سید حسین شاہ صاحب کے مکان کی اوپر کی منزل سے جہاں حضورؑ نے وفات پائی تھی۔

نچلے صحن میں لایا گیا اور حضور کا جنازہ پڑھا گیا۔ جنازہ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ نے پڑھایا۔ ان کو امام کس نے بنایا؟ احباب حاضر نے، وہ خود بخود امام نہ بنے تھے۔ پس قدرت ثانیہ کا ظہور دوم احباب جماعت کی اس فراست کی شکل میں نمودار ہوا کہ جس فراست کی وجہ سے حضرت مولوی صاحب کو جنازہ پڑھانے کے لئے امام چنا گیا۔ میں بھی اس نماز میں شریک تھا۔ نماز جنازہ پڑھا جانے کے بعد جسد مبارک بند تابوت میں ریلوے اسٹیشن لاہور لے جایا گیا اس وقت ہمراہ پانچ چھ سو افراد سے کم نہ تھے۔ مجھے جنازہ کو کندھا دینے کا موقع ملا۔ گاڑی پانچ بجے شام کے قریب بٹالہ کے لئے روانہ ہوئی اور قریب نو بجے کے بٹالہ پہنچی۔ جسد مبارک کے تابوت کو جس کے اندر باہر برف رکھی ہوئی تھی۔ ریلوے اسٹیشن بٹالہ کے پلیٹ فارم پر کھلی جگہ پر رکھ دیا گیا اور لاہور سے ساتھ آنے والے احباب جن میں یہ عاجز بھی شامل تھا اور وہ احباب جو دیگر مقامات سے آ گئے تھے جنازہ کے ارد گرد بیٹھ رہے یا زمین پر لیٹ رہے۔ مجھے بیٹھ کر رات گزارنے کا موقع ملا۔ صبح تین بجے کے قریب تابوت کو جسے چارپائی پر باندھا گیا تھا اور لمبے لمبے بانسوں کے ذریعہ کندھا دینے کا انتظام کیا گیا تھا دو ڈیڑھ سو احباب اٹھا کر قادیان کو روانہ ہوئے۔ خاکسار کو اپنی کمزوریوں اور قد چھوٹا ہونے کی وجہ سے بانسوں کے نیچے کندھا دینے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اس لئے میں نے سر چارپائی کی پچھلی پٹی کے نیچے لگا دیا اور بہت دور تک اس حالت میں رکھے رکھا اور اپنی دلی خواہش کو پورا کیا۔ راستہ میں نماز فجر ادا کی گئی اور تابوت ساڑھے آٹھ بجے کے قریب قادیان پہنچایا گیا اور جسد مبارک اس مکان میں رکھا گیا۔ جو بہشتی مقبرہ والے باغ میں بنا ہوا تھا۔ احباب قادیان مرد وزن حضورؑ کی آخری زیارت کرنے لگے اور یہ سلسلہ کئی گھنٹہ تک جاری رہا۔ مجھے بھی حضورؑ کا روئے مبارک تدفین سے پہلے آخری بار دیکھنے کا موقع ملا۔ الغرض مجھے غم و اندوہ میں حصہ دار بننے کا موقع خاص اہتمام سے عطا ہوا اور میں نے خوب ہی غم کھایا۔ جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ کا انتخاب

بعد دو پہر دو تین بجے کے قریب میں نے دیکھا کہ ایک گروہ جس کے پیش رو خواجہ کمال الدین صاحب تھے۔ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواجہ صاحب نے حضرت مولوی صاحب سے درخواست کی کہ بیعت خلافت لیں۔ کچھ دیر قیل و قال ہوتی رہی۔ اس کے بعد دیکھا کہ حضرت مولوی صاحب تقریر کے لئے کھڑے ہوئے ہیں جب کہ بارہ سو کے قریب افراد اس کے سننے کے لئے گرد جمع تھے۔ فرمایا کہ احباب مجھ بوڑھے پر خلافت کا بوجھ لاد رہے ہیں جس کے لائق میں اپنے آپ کو نہیں پاتا۔ میرے نزدیک مجھ سے زیادہ لائق افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں موجود ہیں۔ جیسا کہ صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب، نواب محمد علی خان صاحب، میر ناصر نواب صاحب وغیرہ۔ میں تو یہاں تک بھی تیار ہوں کہ اگر صاحبزادی امۃ الحفیظ کو ہی چن لیا جائے تو میں تو اس کے ہاتھ پر بھی بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مگر جماعت چونکہ مجھے مجبور کر رہی ہے۔ اس لئے بیعت لیتا ہوں۔ اس کے بعد حضورؓ نے حاضرین سے بیعت لی پھر جنازہ پڑھایا۔ جس میں خاکسار بھی شریک تھا۔ اس کے بعد جسد مبارک کو سپرد خاک کیا گیا۔ گویا جماعت احمدیہ کو خلیفہ کے انتخاب کا عزم کرنے کا موقع ملا اور جماعت کی نظر انتخاب حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ پر پڑی اور باالتفاق رائے آپ کو خلیفہ مان لیا۔ اس میں سب سے بڑا کمال حضرت اماں جانؓ کا نظر آتا ہے۔ پھر حضرت محمود رضی اللہ عنہ کا اور تمام افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا۔

الغرض 26 مئی کے اندوہناک دن کے بعد 27 مئی کا دن جماعت کے لئے بڑا ہی مبارک دن تھا جس میں خلافت کی بنیاد پڑی اور ان کے ہاتھوں سے پڑی جنہوں نے بعد میں امر خلافت سے انحراف کیا۔ کیا ہی سچی خبر تھی قدرت ثانیہ کی آمد کے متعلق کہ ایک دن بھی پورا نہ گزرا تھا کہ احباب جماعت کے قلوب کو عقل و فراست اور پاک مومنانہ روح سے بھر دیا جاتا ہے۔ جنہوں نے حضرت مولوی صاحب جیسے پاک وجود کو اپنا خلیفہ چن لیا پھر تمام کی تمام جماعت نے بیعت کر لی اور اس طرح پر جماعت کی اعلیٰ درجہ کی شیرازہ بندی ہو گئی اور بدخواہ دشمن منہ دیکھتا رہ گیا۔ حضرت مولوی صاحب کا وجود اس منصب کے لئے نہایت مبارک اور مناسب ٹھہرا جبکہ احباب کی ارادت اور محبت تقریباً اسی طرح نظر آنے لگی جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ نظر آتی تھی۔ پھر آپ کے وجود میں اللہ تعالیٰ نے وہ قوت بھر دی کہ جب انہی لوگوں میں سے بعض نے جو انتخاب خلافت کے وقت پیش پیش تھے ذرا مخالفانہ سر اُٹھایا تو حضور نے بآواز بلند فرمایا کہ

"جس طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تھے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے مجھے خلیفہ بنایا ہے۔ یاد رکھو خلافت کیسری کی دکان کا سوڈا واٹر نہیں ہے۔ میری زندگی میں اب کوئی اور خلیفہ نہیں بن سکتا۔ مجھے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اب کوئی طاقت مجھے معزول نہیں کر سکتی۔ دیکھو! میری دعائیں عرش پر بھی سنی جاتی ہیں۔ میرے ساتھ لڑائی کرنا خدا سے لڑائی کرنا ہے۔ فرشتے بن کر اطاعت اور فرمانبرداری کرو ابلیس نہ بنو۔"

الغرض 27 مئی 1908ء کو خلافت قائم ہوئی جو آج تک بفضلہٖ تعالیٰ قائم ہے۔"

:

باب نمبر:4
ڈاکٹری کی تعلیم اور ملازمت

- تکمیل تعلیم ڈاکٹری
- سرکاری ملازمت اور کرنل محمد رمضان کی لجاجت
- حسن خداوندی کی ایک جھلک
- کبر و نخوت سے بچنا چاہیئے

تکمیل تعلیم ڈاکٹری

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تدفین کے بعد یہی چاہتا تھا کہ قادیان میں رہ پڑوں اور خدمت دین پر لگ جاؤں۔ لیکن اس وقت میرے ایک دوست ماسٹر عبدالعزیز خاں صاحب نے مشورہ دیا کہ پہلے تم اپنی تعلیم مکمل کر لو۔ پھر بھی خدمت دین کا موقع نکل سکتا ہے۔ چنانچہ میں لاہور چلا گیا۔ افسردہ بلکہ نیم مردہ تھا۔ تھوڑی دیر بھی مطالعہ کرنے کی سکت نہ تھی۔ ڈیڑھ دو ماہ بعد پہلے سیشن کا امتحان ہوا۔ ایک مضمون میں 140 / 48، دوسرے میں 120 / 14 نمبر آئے۔ میں نے محنت جاری رکھی۔ مجھے بورڈنگ میں جگہ مل گئی۔ جہاں دیگر سہولتوں کے علاوہ دعاؤں کا موقع ملا۔ چنانچہ پہلے سالانہ امتحان میں زمین و آسمان کا سا فرق پیدا ہو گیا کہ میں ایک مضمون میں اوّل آ گیا۔ محض تائید الٰہی سے ہوا۔ دوسرے سال ایک مضمون میں دوئم رہنے کی وجہ سے مجھے تمغہ حاصل ہوا۔

سرکاری ملازمت اور کرنل محمد رمضان کی لجاجت

الغرض چار سالہ تعلیم باعزت حاصل کر کے اور کامیاب ہو کر 12 جون 1912ء کو اپنے شہر پٹیالہ کے بہت بڑے ہسپتال میں متعین ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرا کام افسروں اور پبلک میں مقبول ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں شہرت قائم ہو گئی۔ میرے سپرد قیمتی سامان والا بہت بڑا آپریشن روم ہوا۔ آنکھ کے مریضوں کی نگہداشت میرے ذمہ لگی اور سپیشل وارڈ میرے سپرد ہوئے گویا زیادہ کاموں اور سامان کی ذمہ داری مجھ پر پڑی۔

چار پانچ سال بعد جب کہ میں آپریشن روم کے باہر چبوترے پر کھڑا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ وہی کرنل محمد رمضان سامنے سے میری طرف آ رہا ہے۔ جبکہ تقریباً اس قدر فاصلہ رہ گیا۔ جس قدر فاصلہ سے سات آٹھ سال پہلے اس نے مجھے بُری طرح دھتکارا تھا۔ تو اس نے جھک کر اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ جناب ڈاکٹر صاحب! آداب عرض! مجھے اس وقت اپنے رب محسن کا چہرہ نظر آ گیا۔ جس نے اس ناچیز احمدی کے لئے اس قدر غیرت دکھلائی کہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ایک ایسے شخص کو آج میرے سامنے غرض مند سائل کے طور پر لا رہا ہے اور اس سے مؤدبانہ سلام کروا رہا ہے کہ جس نے فرعونیت دکھلائی تھی اور محض اس لئے دکھلائی تھی کہ میں احمدی تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے دعویٰ میں سچا جان کر ایمان لائے ہوئے تھا۔ اس وقت میرا دل شکر ربی سے اس قدر بھر گیا کہ جی چاہتا تھا کہ شکر کرتا ہوا زمین میں دفن ہو جاؤں یعنی اس کی خدائی پر، اس ایمان پر میرا خاتمہ ہو جائے۔ وہ کرنل آگے بڑھا اور مجھ سے یوں ملتجی ہوا کہ ڈاکٹر صاحب! میرے فلاں بزرگ کی آنکھ کا آپریشن ہونا ہے۔ براہ مہربانی اس کا خیال رکھیں۔ میرے رب نے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا محسن رب ہے مجھے تو توفیق دی کہ میں اس کے ساتھ نیک سلوک کروں۔ چنانچہ میں نے اس کو تسلی دی اور اس کے حسب منشاء کام کرنے کا

وعدہ کیا۔ میں اپنے رب کا بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اس کا گزشتہ سلوک جتلانے سے قطعاً روک دیا بلکہ احسان کرنے کی توفیق دی۔ وللہ الحمد

حسن خداوندی کی ایک جھلک

پھر میرے دل میں اور شکر کا جذبہ پیدا ہوا اور یہاں تک محسوس ہوا کہ یہ ناچیز کہاں تک شکر یہ ادا کر سکتا ہے۔ اگر شکر کرتا کرتا مر بھی جائے تب بھی اس پیارے کی ایک ایک ادا کا بھی حق ادا نہیں ہو سکتا۔ مجھے اس حسین کا حسن عجب رنگ میں نظر آیا۔ پہلے اس نے خود ہی مجھے بے سروسامان بنایا، پھر ایک شخص کے مجنونانہ فعل سے مجھے دکھ پہنچوایا اور پھر اپنے حضور رونے کا موقع عطا فرمایا اور میرے دل کو شعور بخشا کہ بادشاہوں کا بادشاہ وہی ایک ہے۔ پھر خود ہی دعا سکھلائی پھر خود ہی اسے شرف قبولیت بخشتے ہوئے تین فرشتوں کو میری امداد کے لئے مقرر کیا۔ پھر مجھے ڈاکٹری پڑھوائی۔ پھر مجھے شہرت بخشی، پھر اس فرعونیت دکھلانے والے کو حاجت مند کی حیثیت میں میرے سامنے لا ڈالا۔

بر تو ختم است ہمہ شوخی و عیاری و ناز
ہیچ عیار نہ باشد کہ نہ نالاں کردی

(حضرت مسیح موعودؑ)

کبر و نخوت سے بچنا چاہئے

میں اس جگہ ایک بات بیان کرنے سے رک نہیں سکتا کیونکہ اگر ایسا نہ کروں تو مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْن کے منشاء کو پورا نہ کرنے والا ٹھہرتا ہوں۔ دل کا غریب ہونا بڑی خوب روئی ہے اور اس غربت کا مل جانا اعلیٰ درجہ کا زیور ہے۔ جو خوبروئی کو اعلیٰ درجہ کا زیب بخشتا ہے۔ پھر ایمان کی روشنی اس کو جلا دیتی ہے پھر اس ماہ خوباں میں حسینوں کا حسین عاشق بنتا ہے اور اپنے لامتناہی نور کے بقعہ میں اسے داخل کر لیتا ہے۔ پھر عاشق و معشوق کی کوئی تمیز نہیں رہتی۔ دنیا کے نزدیک وہ زندہ در گور ہوتا ہے مگر وہ اپنے پیارے کے پیار سے ایک جہان دیکھ رہا ہوتا ہے کہ جس کی فراخی کی کوئی حد نہیں۔ ایک دیوانہ اس کیفیت میں کہہ اُٹھا۔

دیتا جھلک ہے حسن کی اپنے جو بار بار
لاؤں نظر میں کیوں بھلا حسن قمر کو میں
دیتا ہے درد دل کو شفا خود ہی بار بار
پھر کیوں بتاؤں درد نہاں چارہ گر کو میں

کبیر جی کہتے ہیں۔

بھلا ہوا ہم نیچ بہتے ہر کو کیا سلام
جے ہوتے گھر اونچ کے کہاں ملتا بھگوان

(منقول از تحریر حضرت مسیح موعود)

یعنی کیا ہی اچھا ہوا کہ ہم نیچ (چمار) کہلانے والوں میں پیدا ہوئے اس کی وجہ سے ہمیں خدا مل گیا۔ اگر ہم اونچی ذات سے ہوتے تو خدا کب ملنا تھا۔

لیکن یہ کسی کے بس کی بات نہیں، کوئی کسب سے غریب دل نہیں بن سکتا پھر ایمان کی عطا بھی کسی کے اختیار میں نہیں۔ یہ عطا اسی جگہ ہوتی ہے جس کو قبولیت بخشنے کا ارادہ رب السموات والارض نے کر لیا ہوتا ہے۔

خود کنی و خود کنانی کار را
خود دہی رونق تو آں بازار را

(حضرت مسیح موعودؑ)

یہ احقر غریب ماں باپ کے ہاں غریب دل لے کر پیدا ہوا۔ ایک کرمک کی طرح گلی کی موریوں کے پاس تنگ مکان میں پرورش پائی۔ گردو پیش کی مسموم ہوا سے جسمانی اور روحانی استعداد تلف ہونے سے بچی، ایمان نصیب ہوا، دعا کا ذوق ملا۔ دعاؤں کی قبولیت کی چاشنی نصیب ہوئی۔ دعاؤں کے مانگنے میں تدریج عطا ہوئی...ہاں اس کے فضل سے صرف اسی کے فضل سے یہ ذوق ملا کہ اس کا در ہو اور سر ہو اور بس۔ اس کی عنایات پائیں۔ انعامات دیکھے، آخر دل کی کیفیت بجز اس کے کچھ باقی نہ رہی کہ پکار اُٹھوں۔

بس خطائیں میری ہیں بے حد و حساب
مر جاؤں در پہ مانگتا عفو و غفر کو میں

اس جگہ میں اپنے آپ کو نہایت حقیر محسوس کر رہا ہوں اور اپنی اس حالت کا گواہ اپنے رب محسن کو ہی ٹھہراتا ہوں میں دعا کرتا ہوں کہ

"اے میرے مولیٰ! تو میری اولاد کو بھی، اس رنگ سے رنگین فرما اور پھر ان سب کو بھی جو مجھ سے محبت کرتے ہیں یہی نعمت عطا فرما۔ آمین"

تکبر ایک مہیب دیو ہے جو مہ وشوں کو قریب نہیں آنے دیتا۔ بھلا ایک نازنین ایک ایسے شخص کے پاس کب آنے لگی جو دعویٰ تو کرے اس کے عشق کا مگر اپنے پاس بٹھائے بیٹھا ہو ایک دیو سیاہ رو کو۔ یہی حال ہے ایک حسینوں کے حسین کا۔ ناز کوں سے زیادہ نازک کا کہ وہ اس دل کے قریب نہیں آتا جس پر تکبر کا بھوت سوار ہو تمام دیو کا موجود ہونا دور کی بات ہے۔ اگر اس مہیب دیو کی ایک انگلی بھی رکھی ہوئی نظر آنے لگی تو بھی وہ ایسے دل کے قریب نہیں آئے گا۔

پھر وہ حسینوں کا حسین یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ اس کا کوئی بندہ پائے استقلال کو توڑ کر بیٹھ جائے اور اپنے چہرہ کو مایوسی کی گرد سے آلودہ کر لے اور اپنے ظن کو خراب کر کے مصفاً ایمان و یقین کو پیشاب ملے دودھ کا سا بنا لے۔ اس خدائے عظیم و برتر نے انسان کو اس لئے نہیں پیدا کیا ہے کہ وہ مایوسی اور بے یقینی کے جذام میں مبتلا ہو جائے۔ اگر انسان خوش قسمت بننا چاہتا ہے تو ان دونوں ہلاکت خیز باتوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔ البتہ جدوجہد سے حصول مدعا کے قانون پر عمل پیرا ہونا اور تساہل اور غفلت شعاری سے اجتناب کرنا لازمی ہے۔ ورنہ سسکیوں کی توفیق چھن جاتی ہے۔

باب نمبر:5
خلافت ثانیہ سے قبل حضرت محمودؓ سے وابستگی

- حضورؑ کی زیارت
- انجمن تشحیذ الاذہان
- انارکلی لاہور میں زیارت
- حضرت میاں صاحب کی تقریر
- انتخاب خلافت ثانیہ و بیعت

حضورؓ کی زیارت

آپ فرماتے ہیں کہ 1905ء میں میں اپنے دو ساتھیوں میاں خدا بخش صاحب مومن عرف مومن جی اور شیخ محمد افضل صاحب قریشی کے ساتھ زیارت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے قادیان گیا اور سیدنا حضرت مرزا محمود احمد کو دیکھنے کا بھی دل میں بہت اشتیاق تھا۔ شاید یہی اشتیاق بعد میں آپ کی 45 سال سے زیادہ رفاقت کا پیش خیمہ بنا۔

ایک روز ہم مہمان خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک طالب علم کو دوسرے طالب علم سے کہتے سنا کہ میاں صاحب یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کشتی چلانے کے لئے آگئے ہیں۔ یہ سن کر میرے دل میں تحریک پیدا ہوئی کہ چلو! میاں صاحب کو دیکھ لیں۔ میری تحریک پر میاں خدا بخش صاحب تو میرے پیچھے آگئے لیکن دوسرے ساتھی نے کچھ التفات نہ کیا۔ میں حضرت صاحب کو ادب کی وجہ سے ذرا فاصلہ پر سے دیکھ کر چلا آیا۔ کمزوری طبع نے مجھے اس قدر بھی اجازت نہ دی کہ ذرا قریب ہو کر دیکھ لیتا۔ یا کچھ باتیں سن لیتا۔ حضور کی جذب اور کشش اور بندے کی ذرا سی محبت کے اظہار کو اللہ تعالیٰ کس طرح قبول کر لیتا ہے کہ اس خادم کو حضور کی دائمی رفاقت نصیب ہوئی۔ کشتی چلاتے اس وقت تو حضور کو نہ دیکھ سکا لیکن بعد میں حضور کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر کشتی چلانے اور سیر کرنے کے بہت مواقع نصیب ہوئے اور میاں خدا بخش صاحب جو میری تحریک پر میرے ساتھ چل پڑے تھے وہ میری ہجرت کے تھوڑے عرصہ بعد قادیان آگئے لیکن تیسرے ساتھی کو اس کی توفیق نہ ملی۔

آپ کو کشتی چلاتے دیکھنے کا شوق جو 1905ء میں پورا نہ ہو سکا تھا کیونکہ اس وقت آپ کشتی نہیں چلا رہے تھے بلکہ ڈھاب کے کنارے کھڑے ساتھیوں سے باتیں کر رہے تھے۔ لیکن میرے پیارے رب نے میری اس خواہش کو 1919ء میں پورا کر دیا۔

1919ء میں نواب محمد علی خان صاحب نے ایک ربڑ کی تہہ ہو جانے والی کشتی منگوا کر حضور کو دی۔ اسے تھیلہ میں سے نکال کر چھڑیوں اور پھٹیوں سے جوڑ کر اور ربڑ اور کینوس کا خول چڑھا کر پندرہ سولہ سیر وزنی کشتی تیار ہو جاتی جس میں صرف دو آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ یہ کشتی حضور نے میرے سپرد کر دی۔ جب حضور کا منشاء ہوتا میں دس پندرہ منٹ میں کشتی تیار کر دیتا اور ڈھاب میں جو برسات کے دنوں میں پانی سے لبریز ہوتی سیر کر لیتے اس وقت یہ عاجز ہی حضور کا ساتھی ہوتا تھا۔ کبھی حضور چپو چلاتے کبھی مَیں اور کبھی دونوں ہی بیک وقت چلاتے تھے۔ اس طرح کی سیروں کا سلسلہ کئی سال تک موسم برسات میں جاری رہا۔

انجمن تشحیذ الاذہان

1906ء میں حضرت میاں صاحب نے ایک انجمن بنائی جس کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "انجمن تشحیذ الاذہان" رکھا۔ میں بھی اس میں شامل ہو گیا اور 1907ء کے جلسہ سالانہ پر اس کے اجلاس عام میں مجھے آپ کے قریب بیٹھنے کا موقع

ملا۔ اور اس بات سے مجھے اور بھی خوش ہوئی کہ ایجنڈے کے ایک امر کے متعلق میری بھی وہی رائے تھی جو حضرت صاحبزادہ صاحب کی تھی اور بعد میں منظور ہوئی۔ اس عظیم الشان وجود کی رائے جو بعد میں مصلح موعود ہونے والا تھا۔

گو اس وقت نور الدین رضی اللہ عنہٗ اپنی نورانیت سے بے روشنی اور کم روشنی والوں کو راستہ دکھلا رہا تھا لیکن شمع نمبر 2 اپنی خاص چمک کے ساتھ پروانوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی چلی جاتی تھی۔ فہم ورساء رکھنے والے احباب نور الدین رضی اللہ عنہ سے نور پانے کے لئے قادیان جاتے تھے اور ساتھ ہی اس شمع سے بھی نفع اندوز ہونے کی کوشش کرتے۔ اور یہ مواقع صاحب حیثیت اور صاحب علم لوگوں کو میسر آتے۔ میرے جیسے کم علم اور کم بضاعت لوگوں کے یہ نصیب کہاں لیکن خدائے علیم وبصیر کے کرشمے اس عاجز اور مسکین کو بے انتہاء نصیب ہوئے۔ کیونکہ اُس مولیٰ کی نظر دلوں پر ہے۔

انار کلی لاہور میں زیارت

مارچ یا اپریل 1909ء میں جب میں لاہور میں میڈیکل کالج کا طالب علم تھا تو اس وقت انار کلی جانے کا اتفاق ہوا اور میری خوش قسمتی کہ حضرت میاں صاحب بھی اپنے ایک ساتھی کے ساتھ وہاں پھر رہے تھے۔ محبت کا بیج تو دل میں موجود ہی تھا میں ''السلام علیکم'' کہہ کر ساتھ ہو لیا۔ حضرت میاں صاحب نے وعلیکم السلام تو کہا مگر کوئی بات نہ کی اور میں اپنی دلی کیفیت سے مجبور بن بلائے مہمان کی طرح ساتھ ساتھ لگا رہا اور حضرت میاں صاحب نے بھی ساتھ چلنے سے نہ روکا۔ شاید میرے ربِ محسن نے آپ کے دل میں تصرف کیا ہو کہ مجھے ساتھ چلنے سے منع نہ کریں کیونکہ وہ علیم و بصیر جانتا تھا کہ ایک روز آنے والا ہے کہ گھنٹوں کی نہیں بلکہ سالوں کی معیت وقوع میں آنے والی ہے۔ میں نے ان دو گھنٹوں میں جو مصروفیات آپ کی دیکھیں وہ یہ تھیں کہ ایک کتب فروش کی دکان سے کچھ کتب آپ نے خریدیں اور پبلک لائبریری میں کافی دیر رہے اور اس کے ممبر بنے۔

گویا ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات والا معاملہ دیکھا۔

حضرت میاں صاحب کی تقریر 1909ء

1909ء کے ماہ اکتوبر یا نومبر میں احمدیہ بلڈنگ لاہور میں ایک جلسہ منعقد ہوا جو ایک پادری کے سوالات اور اس کے پھیلائے ہوئے گمراہ کن خیالات کے جواب کے سلسلہ میں منعقد کیا ہوا تھا۔ اس جلسہ میں صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحبؓ، مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ، مولوی محمد علی صاحب آف لاہور، خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی صدر الدین صاحب نے تقاریر کیں۔ مجھے سب تقریروں میں حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کی تقریر بالا معلوم ہوئی۔

یہ چوتھا موقع تھا کہ آپ کی محبت اور قربت میں بڑھنے کا جو مجھے ملا۔

انتخاب خلافت ثانیہ اور بیعت

خلافت اولیٰ کی چھ سالہ ضیاء ریزیوں کے بعد خلافت ثانیہ کی ضیاء پاشیوں کا دور شروع ہوا۔ آپ فرماتے ہیں۔

”حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی آخری علالت میں جملہ جماعتوں کو آپ کی تشویشناک بیماری کی اطلاع دی گئی اور بروز جمعہ بتاریخ 13 مارچ 1914ء کو پٹیالہ میں حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کے دستخط سے ہی تار ملا کہ

”حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی عمر بجائے دنوں کے گھنٹوں میں شمار ہو سکتی ہے ہم نے وقت پر اطلاع دے دی ہے آئندہ کا بھی فکر ہے۔“

اس اطلاع کے پیش نظر جماعت پٹیالہ نے مجھے نمائندہ چن کر قادیان جانے کو کہا۔

چنانچہ اسی روز یہ خادم قادیان کے لئے روانہ ہو گیا اور ساتھ میں ایک بھائی مولوی مصطفی خان بھی ہو لئے۔ اگلے روز سات بجے امرتسر معلوم ہوا کہ کل بروز جمعہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا ہے۔ راستہ میں مولوی محمد احسن صاحب بھی لاہور سے آتے ہوئے مل گئے اور انہوں نے اپنے کلام سے مستفید فرمایا۔ زیادہ تر گفتگو خلافت کے قیام کے حق میں تھی۔ بٹالہ سے قادیان جاتے ہوئے مولوی محمد موسیٰ صاحب قادیان سے آتے ہوئے مل گئے۔ انہوں نے ایک کاغذ ہمارے سامنے پیش کیا جس میں تحریر تھا۔

”خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اپنی رائے ثبت کریں کہ آیا خلافت ہونی چاہئے یا نہیں۔ اور اگر ہونی چاہئے تو آیا ویسی ہی جیسی حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی تھی یا کسی اور طرح کی؟“

یہ کاغذ پہلے محمد مصطفی خان صاحب کے ہاتھ لگ گیا۔ انہوں نے پڑھتے ہی لکھ دیا کہ ہونی چاہئے اور ویسی ہی جیسی حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی تھی اور نیچے دستخط کر کے کاغذ مجھے پکڑا دیا۔ میں نے بھی اس رائے کے ساتھ اتفاق کر کے دستخط کر دیئے۔ راستے میں مَیں نے اُن سے استفسار کیا کہ امیر قافلہ میں تھا آپ نے مجھ سے پوچھے بغیر دستخط کیوں کر دیئے۔ اس پر فرمانے لگے کہ صاف اور سیدھی بات تھی اس لئے میں نے مشورہ کی ضرورت محسوس نہ کی۔ قادیان پہنچنے پر ان کے ہاتھ مولوی محمد علی والا ضروری اعلان جس میں خلافت کے خلاف پروپیگنڈا تھا لگ گیا اور اُنہوں نے پڑھ لیا۔

اس کے بعد ہم مسجد نور پہنچے جہاں سب سے پہلے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ خلافت کے انتخاب میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ آئندہ کوئی تاریخ مقرر کر لی جائے اور بہت سے احباب کو جمع کر کے خلیفہ کا انتخاب کر لیا جائے جس پر خاکسار نے ان سے کہا کہ جب خلافت اولیٰ کا انتخاب ہوا تھا تو اُس وقت جس تعداد میں احباب موجود تھے اس سے کہیں زیادہ اس وقت موجود ہیں۔ اس وقت پہلے خلیفہ کا انتخاب ہوا تھا پھر تدفین عمل میں آئی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس کسی نے خلیفہ بننا ہے وہ اس جگہ موجود احباب میں سے ہو گا کوئی نیا پیدا ہو کر تو آئے گا

نہیں۔ ہماری رائے تو یہ ہے کہ جملہ اراکین صدر انجمن احمدیہ مسجد میں بیٹھ کر اور اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کسی ایک شخص کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ اسی کے ہاتھ پر جماعت بیعت کر لے گی۔ اس پر ڈاکٹر صاحب خاموش ہو گئے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد مولوی محمد احسن صاحب امروہی مسجد میں داخل ہوئے اور منبر پہ کھڑے ہو کر فرمایا۔

"میرے نزدیک خلافت کا ہونا ضروری ہے اور میں حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحبؓ کو ہی اس لائق سمجھتا ہوں اور میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ آپ لوگوں کا اپنا اختیار ہے۔"

اس پر تمام مجمع نے بیک زبان ہو کر کہا صاحبزادہ صاحب! بیعت لیں۔ چنانچہ حضورؓ نے بیعت لی جبکہ آپ کو بیعت کے الفاظ بھی اچھی طرح یاد نہ تھے۔ اس وقت تقریباً دو ہزار لوگوں نے بیعت کر لی اور میں بھی پہلے روز کے بیعت کنندگان میں شامل ہو گیا اور حضرت محمود صاحبؓ کا غلام بن گیا۔ یہ حضرت محمود صاحب کی روحانی کشش تھی جس کی بدولت آپ کے روحانی بچے جن میں بڑے بڑے صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی تھے بیعت کر کے آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے اور وہ محمد مصطفی صاحب جنہوں نے میرے بغیر مشورہ کے خلافت کے حق میں دستخط کر دیئے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب کا اعلان پڑھ کر منحرف ہو گئے اور میرے استفسار پر کہ آیا آپ نے بیعت کر لی ہے؟ کہنے لگے کیسی بیعت؟

ایمان و یقین کی دولت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی نصیب ہوتی ہے۔

باب نمبر:6

خلافت ثانیہ کے ابتدائی دور کے چند واقعات

اور

ہجرت قادیان

- حضورؓ کی پٹیالہ آمد اور تعلقات میں اضافہ
- موٹر کا انتظام باعثِ اِکرام آقا غلام
- جلسہ کے شاہانہ انتظامات
- ایک اور موقع خدمت گزاری
- بوجہ انفلوئنز حضور کی علالت اور خاکسار کو بلانا
- افضال الٰہی
- توفیق ہجرت، حضرت کی طرف سے استقبال

پٹیالہ میں میدانِ کارزار

حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ

"خلافت ثانیہ کا دور محض عشق و وفا کا دور نہیں بلکہ عمل و کردار کا دور ہے اور پٹیالہ میں جماعت کا سیکرٹری ہونے کے ناطے گویا دوہری غلامی میں مربوط تھا۔ اب تبلیغ کی تاکید کی قرناء سنائی دیتی تھی۔ چنانچہ اس عاجز کو اس دور میں ان گنت تبلیغی جلسے کروانے کی توفیق ملی۔ کئی بار حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت میر قاسم علی صاحب، حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل اور حضرت میر محمد اسحق صاحب بھی تشریف لائے۔ حضرت محمد ابراہیم صاحب کئی ماہ تک درس قرآن کریم دیتے رہے۔ الغرض اس قرناء کی تعمیل سے پٹیالہ میں میدان کارزار کھل گیا اور ایسا کہ امیر پیغام مع اپنے دو ساتھیوں کے پٹیالہ آنے پر مجبور ہو گئے۔"

حضورؓ کی پٹیالہ آمد اور تعلقات میں اضافہ

آپ فرماتے ہیں کہ

"1917ء میں ایک موقع پر مَیں قادیان آیا ہوا تھا اور ظہر یا عصر کے وقت مسجد مبارک میں حضورؓ کے سامنے بیٹھا تھا۔ اب تک مجھے حضور سے کسی مخاطبہ کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس وقت حضرت صاحب نے اس عاجز کو فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب! میری نبض دیکھیں۔ کچھ حرارت رہتی ہے۔ چنانچہ بندے نے نبض دیکھی اور دوائی تجویز کی۔ اگلے روز گھر کو واپس روانہ ہونے سے پہلے اوپر کے مکان میں حاضر ہو کر مزاج پُرسی کی توفیق ملی تو اس عاجز کو حضورؓ نے اندر بلایا اور فرمایا کہ دوائی تو کھالی تھی مگر طبیعت ویسی ہی ہے۔ میں نے اس وقت یہ مشورہ پیش کر دیا کہ حضور موسم گرما پہاڑ میں چند ماہ گزاریں۔"

اسی سال 1917ء کے اگست کے آخر میں حضرت صاحبؓ نے شملہ کو تشریف لے جانے سے قبل خاکسار کو بھی اطلاع بھجوائی کہ فلاں گاڑی سے سفر کر رہے ہیں۔ سو میں نے امیر جماعت پٹیالہ حضرت شیخ محمد اکرم الٰہی صاحبؓ کی معیت میں راجپورہ ریلوے اسٹیشن پر شرف زیارت حاصل کیا اور انبالہ چھاؤنی تک ہمسفر رہا۔ اس جگہ کالکا کے لئے گاڑی کے انتظار میں حضور پلیٹ فارم پر تشریف فرما تھے۔ اس وقت حضورؓ نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب! سنا ہے پٹیالہ بہت خوبصورت شہر ہے۔ ہم یہاں چوبیس گھنٹے کا بریک جرنی (Break Journey) کر سکتے ہیں۔ کیوں نہ دیکھ آئیں؟ میں نے بصد شوق عرض کیا کہ بہت مبارک بات ہے۔ پھر سوچ کر فرمایا کہ اگر ہم اُس وقت پٹیالہ ہو آئے جبکہ میاں عبد اللہ صاحب سنوریؓ موجود نہیں ہیں تو ان کو بہت صدمہ پہنچے گا کیونکہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام پٹیالہ گئے تھے تو میاں عبد اللہ صاحب بھی ساتھ تھے بلکہ وہ اپنے مکان واقع سنور میں بھی حضرت صاحب کو لے گئے تھے۔ پھر فرمایا ان شاء اللہ واپسی پر سہی۔ اس کے بعد حضور کالکا کو روانہ ہو گئے اور خاکسار پٹیالہ کو واپس روانہ ہو گیا اور نماز فجر کے وقت پٹیالہ پہنچا تمام رات جاگتے اور خوشی کے جذبات کے

ساتھ گزری۔ فجر کی نماز کے بعد سب سے پہلا کام حضورؓ کی خدمت میں شملہ خط لکھنے کا کام انجام دیا۔ خط میں لکھا کہ حضور نے آج شب انبالہ ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر بیٹھے جو اظہار فرمایا تھا کہ واپسی پر پٹیالہ دیکھیں گے میں اس کی یاد دہانی کرواتا ہوں اور ساتھ ہی عرض کرتا ہوں کہ جیسا کہ حضور کو مجلس مشاورت کے موقع پر خاکسار نے ہی پہاڑ پر جانے کا مشورہ دیا تھا اسی طرح اب بھی عرض کرتا ہوں کہ حضورؓ ایک مہینہ کے لئے پٹیالہ میں قیام فرمائیں۔ اس پر حضور کا تربیتی رنگ کا خط جواب میں آیا کہ ابھی تو واپسی کی تاریخ مقرر نہیں ہوئی۔ اس لئے مقرر ہونے پر اطلاع دی جائے گی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ آپ نے جو لکھا ہے کہ ایک ماہ کے لئے پٹیالہ قیام کیا جائے تو سائل کو چاہئے کہ وہ چیز طلب کرے جس کے ملنے کی امید بھی ہو۔

یہ جواب مجھے کیوں سننا پڑا وہ بظاہر اپنے سوال کی غلطی سے۔ لیکن دیوانہ بکار خویش ہوشیار کے رنگ میں ایک ماہ کے قیام کا جو لکھا تھا گو وہ سچے دل سے لکھا تھا کہ دل کا یہی تقاضا تھا کہ حضور زیادہ سے زیادہ ٹھہریں لیکن اس میں یہ بات بھی مرکوز تھی کہ اگر ایک ماہ کی منظوری نہ ملے گی تو ہفتہ عشرہ کی تو مل جائے گی لیکن میری یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اس پر خاکسار نے دوسرا خط لکھا کہ حضور کا ارشاد درست اور واجب اطاعت ہے۔ دراصل ایک ماہ کا جو لکھا تھا وہ اس دستور کے پیش نظر لکھا تھا کہ کسی بڑی ہستی سے جب کوئی چیز مانگی جائے تو تھوڑی نہ مانگی جائے۔ بس اب میں ایک ہفتہ کے قیام کی درخواست کرتا ہوں۔ اس پر جواب ملا کہ ہم ان شاء اللہ ایک دن کے لئے آئیں گی بشرطیکہ موٹر کا انتظام ہو۔

مجھے اپنی نادانی کی وجہ سے موٹر کی کڑی شرط دیکھنا پڑی۔ جبکہ موٹریں ان دنوں سارے ملک ہند میں ہی بہت کم تھیں ٹیکسیوں یا بسوں کا نام و نشان نہ تھا۔ پھر پٹیالہ ریاست ہے اس میں تو اور بھی کم تھی لیکن اس جگہ میں خدا تعالیٰ کے انعاموں کا ذکر کرتا ہوں کہ جو کاملین پر اور ان کے ادنیٰ خادموں پر ہوتے رہتے ہیں۔

موٹر کا انتظام باعث اکرام آقا و غلام

اب یہ خط موٹر کی شرط والا مجھے اس دن ملا جس سے ایک ہفتہ پہلے ہماری ریاست کے رئیس خلیفہ ہادی حسن صاحب اپنی بندوق کے پھٹ جانے کی وجہ سے زخمی ہو گئے تھے۔ یہ وزیر اعظم خلیفہ محمد حسن صاحب کے پوتے تھے۔ جنہوں نے اشاعت براہین احمدیہ میں کافی اعانت کی تھی۔ سول سرجن صاحب کے منشاء سے اور اپنی شہرت کے باعث یہ عاجز علاج کے لئے مقرر ہو گیا تھا۔ اور روزانہ دو وقت ان کی دو گھوڑوں والی گاڑی پر ان کے ہاں پہنچ کر پٹی کرتا تھا۔ چنانچہ پہلے وقت کی پٹی کر کے گھر آیا تھا کہ حضور کا یہ خط ملا اور میں نے گاڑی بان کے ذریعہ خلیفہ صاحب کو کہلا بھیجا کہ دوسرے وقت میرے لئے جانے کے لئے موٹر کار بھیجیں۔ حسن اتفاق کہ اسی روز حضرت میاں عبد اللہ سنوری صاحبؓ بھی میرے ہاں بطور مہمان تشریف فرما تھے۔ میں نے اول تو ان کو حضور کی طرف سے آمدہ خط دکھلایا۔ اور پھر موٹر کے بارے میں ذکر کیا اور کہا کہ

دیکھیں ہماری قسمت کیا دکھاتی ہے۔ شام کو موٹر آتی ہے کہ نہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے موٹر پہنچ گئی اور میں اور میاں عبداللہ سنوری صاحبؓ سیر کرتے ہوئے خلیفہ صاحب کے مکان پر چلے گئے اور مجھے موٹر میں اس دن پہلی بار بیٹھنے کا موقع ملا۔ جو حضرت صاحب کے طفیل تھا۔ میں نے پٹی لگانے کا کام ختم کر کے خلیفہ ہادی حسن صاحب سے کہا کہ فلاں تاریخ کو ہمارے حضرت صاحب ایک دن کے لئے پٹیالہ آرہے ہیں۔ براہ مہربانی ہمیں چوبیس گھنٹہ کے لئے موٹر دے دیں۔ یہ سن کر وہ سوچ میں تو پڑ گئے مگر میرے کہنے کو رد کرنا بھی مشکل تھا۔ آخر ہاں کر لی۔ ساتھ ہی کہا کہ پٹرول کا انتظام آپ کر لیں۔

میں خوشی خوشی گھر واپس آگیا اور حضرت صاحب کی خدمت میں خط لکھ دیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ محض فضل ربی سے موٹر کا انتظام ہو جائے گا۔ فلاں شخص نے موٹر دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ اس پر حضور نے تشریف آوری کی اطلاع دے دی اور 8/ اکتوبر 1917ء کی رات کو دس بجے کے قریب انبالہ کی طرف سے راجپورہ اسٹیشن پر پہنچے۔ جہاں یہ ناچیز بندہ پٹیالہ سے موٹر لے کر حاضر تھا۔ جونہی حضور کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمایا ڈاکٹر صاحب! موٹر لے آئے ہیں؟ عرض کیا الحمد للہ لے آیا ہوں۔ حضور بہت خوش معلوم ہوئے۔ رات حضور نے ریزرو ڈبے میں گزاری۔

صبح نماز کے ایک گھنٹے بعد موٹر منگوائی اور فرمایا پہلے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مزار پر دعا کے لئے سرہند جائیں گے۔ لیکن حضرت اماں جانؓ آپ کا وہاں جانا پسند نہ فرماتیں تھیں۔ غالباً اس لئے کہ کابلی لوگوں کی آمد ورفت کا مقام ہے لیکن چونکہ حضرت صاحب عزم کر چکے تھے۔ اس لئے بمعیت حضرت میاں شریف احمد صاحبؓ اور حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؓ اور اس عاجز کے سرہند کو روانہ ہو گئے۔ حضرت مجدد صاحب الف ثانی رحمہ اللہ کے مزار پہنچ کر حضورؓ نے بیس منٹ تک دعا کی۔ پھر حضرت کے بیٹے کے مزار پر بھی دس منٹ تک لمبی دعا کی۔ اور وہاں کے سجادہ نشین احباب سے ملاقات کی اور بطور عطیہ کچھ رقم بھی دی۔

یہاں سے واپس راجپورہ پہنچے جو راستہ میں آتا تھا۔ پھر پٹیالہ پہنچ کر چند منٹ قیام فرما کر سنور کو روانہ ہو گئے۔ سنور قریباً چار گھنٹے قیام رہا پھر پٹیالہ تشریف لے گئے۔ یہاں اوّل حضور نے نہایت پُر معارف اور مؤثر تقریر فرمائی جو ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہی جس سے سامعین بہت متأثر ہوئے۔ جن میں احمدیوں کے علاوہ بہت سے شہر کے تعلیم یافتہ مسلمان اور ہندو بھی تھے جو سننے کے لئے جمع تھے۔ ایک ہندو تو پکار اُٹھا کہ "یہ تو کوئی دیوتا معلوم ہوتا ہے۔"

تقریر کے بعد حضور نے مغرب و عشاء دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔ پھر کچھ دیر کے لئے مجلس آرا ہوئے جب کہ جماعت پٹیالہ کی جانب سے حضور کے سامنے خیر مقدم کے طور پر ایک نظم پڑھی گئی۔ نیز میرے پھوپھا حکیم رحمت اللہ صاحب نے ایک رباعی پڑھی۔ جو حضور کی شان کے شایان تھی۔ پھر حضور نے شام کا کھانا اس عالی شان مکان کے اندر تشریف لے جا کر کھایا جس مکان کے خوبصورت باغیچہ میں حضورؓ نے تقریر فرمائی تھی۔ یہ مکان بھی اس نیک وزیر کے بھائی کا تھا۔ بعد تناول طعام حضورؓ ریلوے اسٹیشن پٹیالہ تشریف لے گئے اور ریل پر سوار ہو کر اوّل راجپورہ پہنچے۔ پھر وہاں سے

دوسری ٹرین پر گیارہ بجے شب کے قریب امرتسر روانہ ہو گئے تھوڑے وقت کی ملاقات سے مجھے سیری نہ ہوئی تھی۔ میں نے عزم کرلیا کہ آئندہ سال تک میں اپنی موٹر خرید لوں گا۔ اور اپنے آقا کو کئی دنوں کے لئے پٹیالہ ٹھہرا کر سیر کراؤں گا کیونکہ اس تھوڑے وقت میں حضورؓ جماعتی کاموں میں ہی مصروف رہے اور حسب منشاء پٹیالہ نہ دیکھ سکے اور بعض معزز ہندوٗ دوستوں کی خواہش کو کہ کچھ دن اور ٹھہریں پورا نہ فرما سکے۔

جلسہ کے شاہانہ انتظامات

مندرجہ بالا قصہ میں بہت سے نشانات رحمت خداوندی نظر آتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے خاص بندوں پر خاص طور پر ہوتے ہیں۔ چنانچہ

(1) حضرت محمود رضی اللہ عنہ کو تھوڑے وقت میں بہت سے کام سرانجام دینے کے لئے موٹر درکار ہوئی۔ اور اس نے اپنے ناچیز خادم حشمت اللہ کو شملہ سے لکھا کہ ہم اس صورت میں تمہارے پٹیالہ آسکتے ہیں کہ موٹر کا انتظام ہو، چنانچہ موٹر کا انتظام ہو گیا اور حضورؓ نے اپنا پروگرام پورا فرمالیا لیکن دیکھئے کسی خدائی انتظام خاص سے یہ موٹر مہیا ہوئی۔ ناممکن حالات میں مجھے ڈاکٹر بنایا، شہرت بخشی۔ مالک موٹر کو اپنی بندوق کے پھٹ جانے سے زخمی کروایا اور پھر اسے میرے زیر علاج لایا اور علاج کا اس قدر گرویدہ بنایا کہ باوجود متعصب ہونے کے وہ موٹر دینے پر مجبور ہو گیا۔

(2) حضورؓ کی آمد سے قریباً ایک ہفتہ پہلے سرکاری محکمہ کے ایک بڑے افسر بابو عبد العزیز صاحب کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ جس کے علاج کے لئے پٹیالہ کے سول سرجن اس کے ہاں پہنچے اور سپلنٹ وغیرہ لگا آئے۔ لیکن مریض کو دو دن اور دو رات ذرہ چین نہ آیا آخر اس نے اس ناچیز کو بلایا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے صحیح طور پر سپلنٹ لگانے کی توفیق بخشی اور وہ رات آرام کی نیند سویا اور پھر درد کی شکایت نہ کی۔ حضرت کی آمد سے تین چار روز پہلے میں نے ضروری سامان حضور کی آمد کے موقع کے لئے مہیا کرنے کے لئے کہا تو اس نے سرکاری سامان میں سے مندرجہ ذیل سامان مہیا کر دیا اور تقریر کے مقام پر سامان پہنچانے اور جلسہ گاہ کو تیار کروانے کا انتظام خود ہی کروا دیا۔

1۔ دو گھوڑا گاڑیاں جو ہر وقت جائے قیام حضور پر موجود ہیں۔

2۔ جلسہ گاہ کے فرش کے لئے دس بڑی بڑی دریاں اور چاندنیاں۔

3۔ ڈیڑھ سو کرسیاں۔

4۔ تین زربفت کوچ۔

5۔ چھ بڑے بڑے گیس لیمپ لالٹین کی شکل کے کھمبوں میں لگے ہوئے۔

6۔ پچاس پلنگ بڑے بڑے۔

یہ سب سامان اس نے سرکاری آدمیوں کے ذریعہ بھجوایا اور نصب کروا کر دیا اور واپس منگوایا۔

خدا تعالیٰ کی خاص تقدیر نظر آتی ہے کہ کس طرح پر وہ شخص بیمار ہوتا ہے۔ جس کے پاس یہ سامان تھا اور پھر اس ناچیز کے ہاتھ سے اس کو آرام پہنچتا ہے اور اس ناچیز کے منشاء کے مطابق وہ تمام ضروری سامان بخوشی مہیا کرتا ہے۔ آج کل ایسا سامان بڑے شہروں میں مہیا ہو جانا کچھ مشکل امر نہیں۔ جبکہ ہر چیز کرایہ پر مل سکتی ہے۔ لیکن ایسی جگہ پر جہاں یہ چیزیں کرایہ پر قطعاً نہ مل سکتی ہوں اور پھر جماعت غریب ہونے کی وجہ سے کرایہ وغیرہ کے اخراجات نہ برداشت کر سکتی ہو۔ اس قدر سامان کا مہیا ہونا رحمت الٰہی کا نشان نہیں تو اور کیا ہے؟

اس ملاقات کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت محمود کے دل میں اس عاجز مسکین کی کچھ قدر ہو گئی۔ چنانچہ حضرت مولوی عبد اللہ سنوری ؓ نے جو حضورؓ کے ہمراہ پٹیالہ سے واپسی قادیان تک گئے تھے۔ بتلایا کہ راستے میں حضور نے کئی اسٹیشنوں پر پٹیالہ کے شاندار جلسہ گاہ کے انتظام اور دیگر انتظامات کی بہت تعریف فرمائی۔

ایک اور موقع خدمت گزاری کا

اپریل 1918ء میں حضور کا ارشاد پہنچا کہ کچھ بل بھیج دیں مجھے پیچش ہے جس کے لئے بل مفید ہوتی ہے۔ (بل ایک پھل ہوتا ہے جس میں سے بل گرمی نکلتی ہے) یہ ارشاد دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے ذریعہ بذریعہ خط پہنچا تھا۔ میں اس وقت بازار چلا گیا اور بل خرید لئے۔ چونکہ وہ بھاری ہوتی ہیں بذریعہ ڈاک نہ بھیجے جا سکتے تھے۔ البتہ پسنجر ٹرین میں پارسل کئے جا سکتے تھے۔ اس طرح بھیجنے کی صورت میں کم از کم پانچ دن تک حضور کو مل سکتے تھے۔ سو میں نے اپنے دوست میاں خدا بخش صاحب مومن کو بل دے کر اسی روز قادیان کو روانہ کر دیا۔ جب انہوں نے قادیان پہنچ کر بل پیش کئے تو حضور بہت خوش ہوئے خصوصاً اس وجہ سے کہ اگر کسی آدمی کے ہاتھ نہ بھجوائے جاتے تو اول تو حضور کو ملتے ہی نہ۔ اگر ملتے بھی تو کم از کم پندرہ دن کے بعد۔

کیونکہ اگلی صبح حضور لاہور کو روانہ ہو رہے تھے جہاں سے ایک دن بعد حضور نے ایک ڈیڑھ ماہ کے لئے بمبئی چلے جانا تھا۔

خدا بھلا کرے خدا بخش صاحب مومن کا کہ انہوں نے موقعہ شناسی سے کام لے کر مجھے بذریعہ تار اطلاع دے دی کہ حضور لاہور جا رہے ہیں۔ اگر ہو سکے تو ملاقات کے لئے لاہور جاؤ۔ چونکہ قادیان پہنچ کر ملاقات کرنے میں زیادہ رخصت لینا پڑتی تھی۔ لاہور جانے پر صرف ایک دن کی رخصت درکار تھی۔ میں لاہور چلا گیا اور شرف ملاقات حاصل کیا اور میرے مولیٰ نے مجھے توفیق دی کہ میں اپنے آپ کو مجوزہ سفر میں خدمت کے لئے پیش کروں جس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ آپ ایک مہینہ کی رخصت منظور کروالیں۔ اگر ہمیں ضرورت ہوئی تو تار بھیج کر بمبئی بلالیں گے لیکن بوجہ اس کے کہ حضور کے ہمراہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب ؓ تھے اور غالباً حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب ؓ بھی تھے مجھے بلائے جانے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

بوجہ انفلوئنزا حضور کی علالت اور خاکسار کو بلانا

جب اکتوبر 1918ء کا دوسرا ہفتہ آتا ہے تو خاکسار کو ایک روز اس مضمون کا تار اچانک ملتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ انفلوئنزا کے حملہ سے سخت بیمار ہیں۔ آپ جلد قادیان آجائیں۔ میں فوراً جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اور حصول رخصت کے لئے اپنے افسر سول سرجن کی کوٹھی پر گیا۔ اوّل تو وہ انکاری ہوا کہ وبائے انفلوئنزا کی وجہ سے ڈاکٹروں کی ہر جگہ ضرورت ہے اور سخت ضرورت ہے۔ لیکن میرے اصرار پر بمشکل دو یوم کی رخصت منظور کی میں نے اسی کو غنیمت جان کر اسی شام قادیان کی راہ لی اور اگلے روز ظہر کے وقت قادیان پہنچ گیا۔ ایک دن کی رخصت تو سفر کی وجہ سے ختم ہو گئی تھی۔ اس لئے میں زیادہ سے زیادہ چوبیس گھنٹے قادیان میں ٹھہر سکتا تھا لیکن حضرت صاحب کی طبیعت متقاضی تھی کہ میں کچھ دن ٹھہر کر طبی خدمت کروں۔ اس وجہ سے میں نے ایک ہفتہ ٹھہرنے کی اور نیت کر لی اور ایک ہفتہ کی رخصت کی درخواست ازخود بھیج دی۔ حضرت صاحب کو پتہ نہ دیا کہ میری رخصت صرف دو دن کی تھی۔ میرے پہنچنے کے تیسرے روز میرے بڑے بھائی صاحب سول سرجن کے مجبور کرنے پر مجھے واپس لے جانے کے لئے قادیان آپہنچے مگر میں نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور ان کو واپس بھیج دیا جب ہفتہ سے بھی چار پانچ دن گزر گئے تو میں نے حضور کو اطلاع دی کہ رخصت کا یہ حال ہے۔ تب حضور نے فوراً حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کو مزید رخصت کی منظوری حاصل کرنے کے لئے پٹیالہ بھجوا دیا۔ شیخ صاحب تین ماہ کی رخصت منظور کروانے میں کامیاب ہو گئے اور میں اطمینان سے خدمت میں لگ گیا۔ اس سوا تین ماہ کے کوائف یہ ہیں۔

1۔ میری رہائش اسی دالان میں رہی جس میں حضرت خلیفۃ المسیح حالت بیماری میں رہتے تھے جو حضرت اماں جانؓ کا دالان کہلاتا تھا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رہائش کا کمرہ تھا جس کے ساتھ بیت الدعا ملحق تھا۔

2۔ رات کو فقط میں ہی حضور کے پاس ہوتا تھا۔

3۔ حضور کا سب سے پہلا حکم مجھے یہ ملا تھا کہ میری اجازت کے بغیر کمرہ سے باہر نہیں جانا۔

4۔ میرا کھانا اسی کمرہ میں حضور کے کھانے کے ساتھ آتا تھا اور ہم دونوں اکثر دفعہ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔

5۔ حضرت اماں جانؓ اس کمرہ سے ذرہ فاصلہ پر ایک کمرہ میں رہتی تھیں۔ جس کے لئے ایک چھوٹا صحن تھا۔

6۔ میرے استعمال میں وہی بیت الخلا تھا جو سیدہ اُمّ ناصر صاحبہ اور ان کے بچوں کے لئے تھا۔

الغرض میں تین ماہ تک خادم بھی بنا رہا، مہمان بھی بنا رہا اور کنبہ کا ممبر بھی۔

میں یہ تو نہیں کہتا کہ میرے علاج سے! ہاں یہ کہتا ہوں کہ میرا رب محسن میرا معین و مددگار رہا اور میرے قیام کے اس عرصہ میں حضور کی صحت میں ترقی ہوئی اور حضور نے میری لمبی رخصت ختم ہونے پر مجھے بخوشی واپس جانے کی اجازت دی۔

گو جہاں تک میرا احساس ہے حضور کی خواہش یہی تھی کہ میں رہ پڑوں اور میرا دل بھی جدائی سے تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ جیسا کہ ایک بچہ جس کا دودھ چھڑایا جائے، روتا اور بلبلاتا ہے میں نے واپس روانہ ہونے سے پہلے جن دلی جذبات کا اظہار کیا۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ

”گو میں حضور کے اجازت دینے پر رخصت کے ختم ہونے کی مجبوری کی وجہ سے واپس جارہا ہوں۔ لیکن میں یہی سمجھتا ہوا جارہاہوں کہ جیسے حضور مجھے کسی ڈیوٹی پر بھیج رہے ہیں“

پھر تحریر میں میرا یہ شعر لکھنا بھی مجھے آج تک یاد ہے۔

یہ سرا سر فضل و احسان ہے کہ میں آیا پسند
ور نہ درگاہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمت گزار

حضور نے عزت افزائی فرماتے ہوئے میرے اعزاز میں ایک وسیع دعوت دی اور مجھے سوار کروانے کے لئے یکوں کے اڈے تک تشریف لے گئے۔ اس وقت میری اہلیہ فاطمہ امۃ الحفیظ اور دونوں بچے عزیزم محمد احمد اور عزیزہ زینب بھی ساتھ تھے۔

الفضل میں چار ایام کی حضور کی صحت کے متعلق اطلاعات درج ہو کر یہ رقم ہے کہ مندرجہ بالا اطلاعیں جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب پٹیالوی کی دی ہوئی ہیں جنہیں ان ایام میں خدا نے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت کا خاص موقع دیا ہے۔

(الفضل 2/ نومبر 1918ء صفحہ 2 جلد 6 شمارہ نمبر 33)

روانگی کے سلسلہ میں زیر ”مدینۃ المسیح“ سے مرقوم ہے۔

”جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب پٹیالوی جو کئی ماہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی خدمت میں رہے رخصت ختم ہو جانے کی وجہ سے واپس تشریف لے گئے ہیں۔ حضور نے ان کی روانگی پر بہت سے احباب کی دعوت فرمائی اور ڈاکٹر صاحب کو قصبہ سے باہر تک وداع کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔“

(الفضل 18/ جنوری 1919ء صفحہ جلد 6 شمارہ نمبر 54)

افضال الٰہی

1905ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کے لئے تضرّعانہ دعا نے تین بار ایسے مواقع بہم پہنچائے۔ حضور کے وصال کے انتہائی غم میں بھی شرکت نصیب ہوئی۔ اس کی قبولیت کا پیڑ پھل دار بنا اور یہ پانچواں پھل تھا جو مجھے نصیب ہوا کہ حضرت محمود نے اپنی علالت میں خدمت کے لئے مجھے بلایا اور روزگار اور اہل وعیال کی پرواہ کئے بغیر اور بھائیوں کی امیدوں کو خاک میں ملاتے ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کی توفیق نصیب ہوئی۔ اور اسی کمرہ میں لا بسایا جس میں حضرت

مسیح موعود علیہ السلام نے ایک زمانہ گزارا تھا اور یَاۤ اَیُّهَا النَّبِيُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَّ کا الہام کرنے والے نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرزند ارجمند کے گھر سے سوا تین ماہ تک دو وقت بلکہ چار وقت کھانا کھلوایا۔ جبکہ کئی بار حضرت اماں جانؓ کے اپنے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا ہوتا تھا۔ 1905ء والی زیارت کے نتیجہ میں حضرت محمود کی زیارت ہوئی تھی اور اب وہ مجھے فرماتے ہیں کہ میری اجازت کے بغیر کمرہ سے نہ نکلیو اور آؤ ہم مل کر کھانا کھائیں۔ کیا ہی ذوالقدرۃ والملکوت ہے وہ جس نے شوق دیدار پیدا کیا۔ یہ ہے خدا جس نے دعا کروائی۔ یہ ہے خدا جس نے کرنل محمد رمضان کو درشتی کے لئے کہا اور مجھ سے زور سے دعا کروائی اور رزق خاص عطا کئے جانے کی دعا سکھائی اور قبول فرمائی۔ غیر معمولی حالات میں ڈاکٹر بنوایا اور پھر محبوب کے قدموں میں آپ کا اپنا بیٹا بنا کر لے آیا۔ پس ایسے محسن رب کا کچھ شکر ادا ہو سکتا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

توفیق ہجرت، حضرت کی طرف سے استقبال

عشق صادق کی آزمائش کہو یا عشق کی بھڑک کا کرشمہ کہ مجھے پٹیالہ گئے ہوئے بمشکل دس دن ہی گزرے ہوں گے کہ حضور کا خط ملا کہ میری طبیعت پھر خراب ہونے لگ گئی ہے۔ آپ یا تو فرلو رخصت لے کر یا مستقل طور پر آجائیں اور ساتھ ہی حضرت یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کو رخصت منظور کروانے کے لئے بھجوا دیا۔ میری چھ ماہ کی فرلو رخصت منظور ہو گئی اور صرف اور صرف تیرہ دن کے قیام کے بعد مہاجر فی سبیل اللہ ہو گیا۔

میں نے اپنے قادیان پہنچنے کا دن اور وقت خط میں لکھ بھیجے تھے۔ جب میری سواری قادیان سے قریباً ایک میل دور تھی تو میں نے دیکھا حضور تانگہ پر سوار میری طرف آرہے ہیں اور اپنے ساتھ مبارک احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کو لائے ہیں۔ یہ غالباً 2/فروری 1919ء کا دن تھا جب سواریاں قریب ہوئیں تو میں اپنی سواری سے نیچے اُتر آیا اور حضور بھی اُتر آئے۔ میں بعد دُعائے سلام مصافحہ کرتا ہوں تو حضور مجھے اپنے تانگے پر بٹھا کر گھر کو واپس چل پڑے ہیں اور مجھے اس بابرکت مکان میں جس کا نام ہی "دارالبرکات" ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے "شریف اصغر" کے لئے بنوایا تھا ٹھہرا دیتے ہیں۔

(زیر عنوان "مدینۃ المسیحؑ"، ہفتہ مختتمہ 06 فروری 1919ء میں (برائے الفضل مورخہ 08 فروری 1919ء صفحہ 1 جلد 6 شمارہ نمبر 60) وارد ہونے والے احباب میں "جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ" کا نام بھی مرقوم ہے اور اسی عنوان کے تحت الفضل مورخہ 11 فروری 1919ء صفحہ 1 جلد 6 شمارہ نمبر 61 میں مرقوم ہے کہ "خوشی کی بات ہے کہ مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب پٹیالوی کو 6 ماہ کی مزید رخصت حاصل ہو گئی ہے اور آپ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت گزاری کے لئے یہاں تشریف لائے ہیں۔" مولف)

حضور کی طرف سے اس عاجز کا ایسے رنگ میں استقبال میرے جیسے محبّ کے لئے تخیلات کا ایک باب کھول دیتا ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ استقبال رسمیات سے پاک تھا۔ اور حضور نے اسے یہ رنگ دیا کہ سیر کو نکلے تھے جو میں آتا ہوا مل گیا۔ پھر یہ طریق ہے کہ جب کسی کو اچھی چیز میسر آتی ہے تو لوگ اسے مبارک باد دیتے ہیں۔ سو میرے ورودِ قادیان پر مجھے زبان سے مبارک باد کہنے کی بجائے صاحبزادہ مبارک احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کو ساتھ لا کر تصویری زبان میں مبارک باد دے دی اور رسمی الفاظ سے اجتناب کیا جس میں میرے لئے خیر کا پہلو تھا کہ مجھے پہلے روز ہی فخر وغیرہ مرض سے بچے رہنے کا سبق دے دیا اور یہ بھی سبق دے دیا کہ تعلقات قلبی محبت کی وجہ سے قائم رہ سکتے ہیں۔

اب میں چھ مہینہ کی لمبی رخصت کی وجہ سے اس طرح مقیم ہو گیا جیسا کہ انسان لمبے سفر کے بعد اپنے گھر میں واپس آ جاتا ہے۔ جب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جنازہ کے ساتھ قادیان آیا تھا تو مجھے شدید خواہش پیدا ہوئی تھی کہ خدمت دین کی خاطر قادیان میں ٹھہر جاؤں سو اللہ تعالیٰ نے یہ خواہش پوری کر دی۔

چونکہ انفلوئنزا کی وجہ سے حضور کو اعصابی کمزوری لاحق ہو گئی تھی اس لئے صحت کی نگرانی زیادہ کرنی پڑی اور حضور کو بھی فکر رہتا تھا کہ تندرستی اور توانائی جلد واپس آ جائے تا کہ اپنے فرائض منصبی کو کماحقہٗ ادا فرما سکیں۔ اس لئے میرے اس لمبے قیام کے پہلے تین ماہ حضور اس جگہ تشریف لے آئے جہاں میں رہتا تھا اور اپنی ڈاک کا کام وہیں بیٹھ کر کرتے تھے اور دفتری کام اور ملاقاتیں بھی وہیں فرماتے اور ایک وقت کا کھانا میرے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ میرا کھانا حضرت سیدہ اُمّ ناصر کے ہاں سے آتا تھا۔

اس طرح پر جب تین ماہ گزر گئے اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ میرا پٹیالے واپس جانا حضور کو پسند نہیں تو ایک روز میں نے عرض کیا کہ کیوں نہ میں اپنا استعفیٰ دے دوں۔ تو حضور نے فرمایا ہاں بھیج دیں۔ میں نے اسی روز اس بارہ میں درخواست بھیج دی۔ اس درخواست کے اگلے ہی روز مجھے چیف میڈیکل آفیسر کی طرف سے بذریعہ ٹیلی گرام حکم آیا کہ ”فوراً ملٹری ہاسپٹل میں اپنی حاضری دو۔“ کیونکہ جنگ عظیم اوّل کی وجہ سے مجھے فوجی ڈیوٹی کے لئے منتخب کر لیا گیا تھا۔

اس پر میں نے بذریعہ ٹیلی گرام یہی جواب دیا کہ ایک روز پہلے ہی میں اپنا استعفیٰ بھیج چکا ہوں۔ یہ الٰہی تصرف تھا کہ ایک ہی روز پہلے میں نے استعفیٰ بھیج دیا تھا۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں مجھے لازمی حاضر ہونا پڑتا۔

اس کے بعد پھر ریاست کی طرف سے مجھے چٹھی آئی کہ

”فوراً اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو جاؤ ورنہ تمہیں اخراجات تعلیم کا روپیہ مع سود ادا کرنا ہو گا۔“

اس کا جواب میں نے لکھا کہ

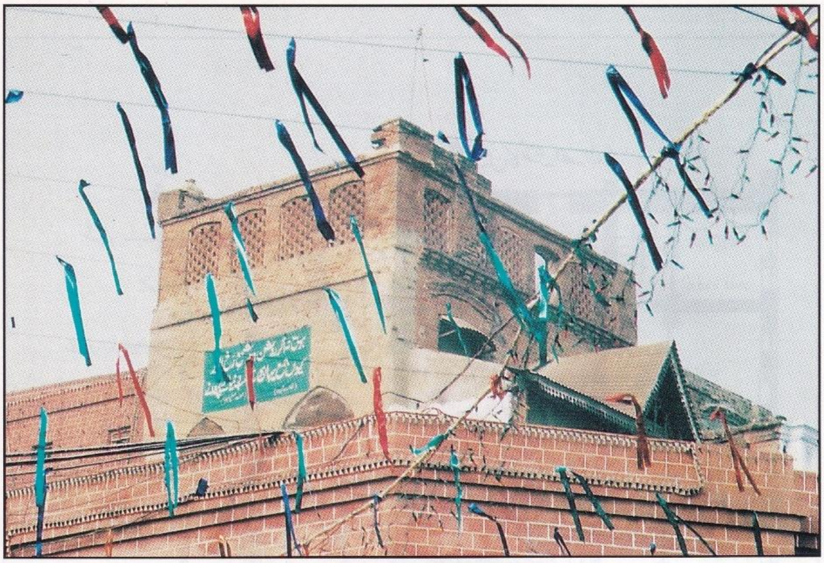
میں اس وظیفہ کے مقابل جو ریاست نے میری تعلیم کے لئے دیا تھا چھ سات سال ریاست کی سروس کر چکا ہوں اس لئے اب مجھ پر ریاست کا کوئی حق نہیں۔

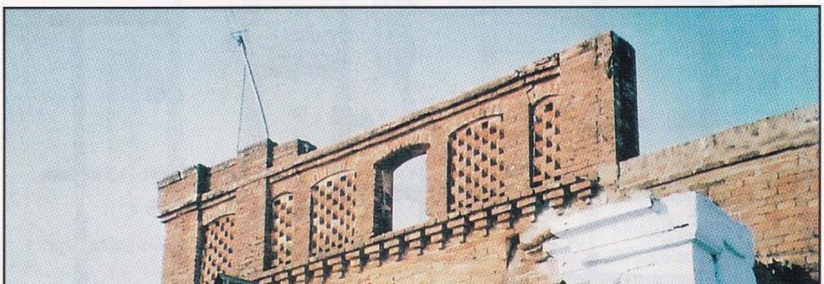
تب میرا پیچھا کرنا بند ہو گیا اگرچہ میرا سول سرجن مجھے واپس بلانے کی انتہائی آرزو رکھتا تھا اور اس نے حضور کو پیغام بھیجا کہ اب تو میرے بیٹے کو واپس بھیج دیں جس پر حضور نے جواب میں فرمایا:

"سول سرجن صاحب کو میری طرف سے کہنا کہ جن کا بیٹا تھا ان کے پاس آگیا۔"

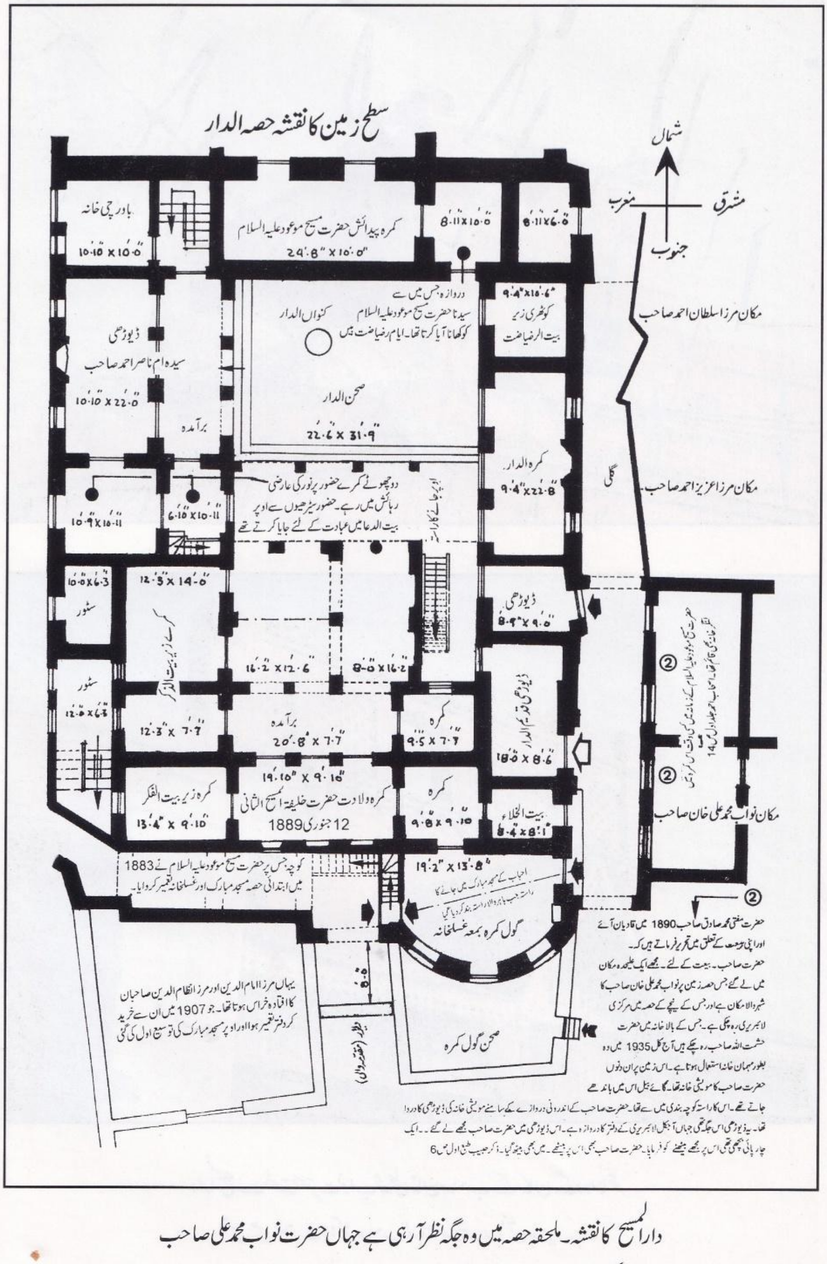
اس کے بعد مجھے مستقل رہائش کے لئے وہ مکان مل گیا جو شہر میں نواب محمد علی خان صاحب کا ہے اور دارالمسیح کے ساتھ ملحق ہے بلکہ اس کا ایک حصہ ہے جس کا تعلق ایک دروازہ کے ذریعہ دارالمسیح سے ہے۔ بسا اوقات حضور کی تشریف آوری میرے ناچیز کے مکان میں ہوتی رہی بلکہ بعض کاموں کی وجہ سے حضور کی آمد ان گنت مرتبہ ہوئی حضور کے اہل بیت بشمول حضرت اماں جان بھی بارہا میرے ہاں تشریف فرما ہوتے رہے اور حضور کے بچے تو گویا میرے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ سب چھوٹے بڑے ایک دوسرے سے بڑھ کر مہربان ہو کر ملتے تھے اور ملتے چلے آرہے ہیں۔ فللّٰہ الحمد

مجھے اس ملحقہ مکان سے حضور کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کی بہت توفیق ملی۔ ابتدائی دو تین سال کے عرصہ میں حضور بسا اوقات میری جائے قیام پر تشریف لاتے اور گھنٹوں رونق افروز رہتے اور کبھی اپنی علالت کی وجہ سے مجھے اپنے پاس بلا لیتے۔





دار المسیح سے ملحقہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے مکان کے دو مناظر
جس میں حضرت ڈاکٹر صاحب لمبا عرصہ تک رہائش پذیر رہے۔



دارالمسیح کا نقشہ۔ ملحقہ حصہ میں وہ جگہ نظر آ رہی ہے جہاں حضرت نواب محمد علی صاحب
کا گھر تھا جس میں حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف لمبا عرصہ قیام پذیر رہے۔

باب نمبر:7
میڈیکل آفیسر انچارج نور ہسپتال کے طور پر
آپ کی گراں قدر خدمات

- نور ہسپتال میں زنانہ وارڈ کا قیام
- نور ہسپتال بعد از تقسیم 1947ء
- نور ہسپتال ربوہ

آپؓ کی گراں قدر خدمات

1918ء کے انفلوئنزا کے وبائی حملہ میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے آپ کو بذریعہ تار اپنے علاج کے لئے پٹیالہ سے بلوایا اور تین ماہ تک آپ حضور کی خدمات سرانجام دینے کے بعد واپس اپنی سروس پر پٹیالہ گئے تو صرف چند روز کے بعد ہی حضور نے بذریعہ خطوط آپ کو اپنی اور حضرت سیدہ امۃ الحیٔ صاحبہ کی بیماری کی اطلاع دی تو حضور کی منشاء اور خواہش پاکر آپ دوبارہ چھ ماہ کی چھٹی آدھی تنخواہ پرلے کر قادیان آگئے اور حضور کے علاج اور خدمات میں مصروف ہوگئے اور پھر حضور کے فرمانے پر کچھ عرصہ بعد آپؓ نے اپنا استعفیٰ پٹیالہ گورنمنٹ کو بھیج دیا اور اپنے آپ کو بکلی حضور کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ اس دوران نور ہسپتال قادیان میں کوئی سند یافتہ ڈاکٹر نہیں تھا۔ اس لئے حضورؓ نے ڈاکٹر صاحبؓ کو فرمایا کہ آپ ہسپتال چلے جایا کریں اور 60 روپے آپ کی تنخواہ مقرر کر دی۔

اس طرح پر 2/ فروری 1919ء کو آپ نور ہسپتال قادیان کے میڈیکل آفیسر انچارج مقرر ہوئے اور 1954ء تک اس عہدے پر جلیل القدر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ الحمد للہ

اس بارے میں مؤرخ تاریخ احمدیت مکرم مولانا دوست محمد شاہد صاحب رقم طراز ہیں۔

”مخدوم و معظم حضرت میر ناصر نواب صاحب کی کوششوں سے 19/ جون 1917ء کو نور ہسپتال کی بنیاد رکھی گئی اور ستمبر 1917ء کو اس کی تعمیر ہوئی۔ ابتداء میں ہسپتال میں کوئی سند یافتہ ڈاکٹر نہیں تھا۔ جب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو حضور نے پٹیالہ سے بلوایا تو 2/ فروری 1919ء کو آپ کو بطور میڈیکل آفیسر انچارج نور ہسپتال مقرر کیا۔ اس سے پہلے حضرت میر محمد اسحق صاحب افسر نور ہسپتال تھے مگر پھر ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب میڈیکل آفیسر انچارج نور ہسپتال مقرر ہوئے۔ آپ کے زمانہ میں ہسپتال نے خوب کام کیا۔ زنانہ وارڈ قائم ہوا۔ آپریشن روم میں ترقی ہوئی اور 1930ء میں اسے سکینڈ گریڈ ہسپتال کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اسی سال اس کے لئے مستقل قواعد و ضوابط تجویز کئے گئے۔ نور ہسپتال متحدہ ہندوستان کا واحد ادارہ تھا جس نے ایک مذہبی جماعت کی نگرانی میں ربع صدی سے زائد عرصہ تک بلا تمیز مذہب خدمت کی“

(تاریخ احمدیت حصہ پنجم صفحہ 220)

آپؓ کی نور ہسپتال کی خدمات کا کسی قدر اندازہ مندرجہ آراء اور واقعات سے ہو سکتا ہے۔

1۔ سر بہادر جوگندر سنگھ وزیر زراعت پنجاب نے ہسپتال کا معائنہ کیا اور مندرجہ ذیل نوٹ لکھا۔

”یہ شفاخانہ مریضوں اور دکھیالوگوں کو آرام پہنچانے کا ایک اچھا مرکز ہے۔ ایسا کام خدا کی نعمتوں میں سے ہے۔“

2۔ ہندوستان کے چیف جسٹس سر مارس گوائر کے۔ بی سی مع اپنے صاحبزادے سر جان گوائر کے قادیان تشریف لائے اور نور ہسپتال کا بھی دورہ کیا۔ ان ڈور بیماریوں کے کمرے میں بھی گئے جو کہ بیماروں سے بھرا ہوا تھا۔ تمام عملہ کام میں مصروف تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے چیف جسٹس صاحب کو بعض خاص آپریشنز کے بارے میں بتایا جو شفاخانے میں ہوئے تھے خصوصاً پتھری کے آپریشن جن میں کافی بڑے حجم کے پتھر نکلے تھے۔ سر موصوف اور سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے نئے وارڈ بھی دیکھے اور معائنہ کی کتاب میں دستخط کرتے ہوئے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

3۔ ہز ہائی نیس مہاراجہ صاحب آف پٹیالہ 1931ء میں صدر انجمن احمدیہ کے اداروں کا معائنہ فرمانے کے لئے مع عملہ تشریف لائے اور سر ظفر اللہ خان صاحب، نواب چوہدری محمد الدین صاحب اور خان صاحب مولوی فرزند علی کی معیت میں تعلیم الاسلام ہائی اسکول و کالج کا دورہ کرنے کے بعد نور ہسپتال تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے انچارج نور ہسپتال ہونے کی حیثیت سے مہاراجہ صاحب کا خیر مقدم کیا اور ہسپتال کا معائنہ کروایا اور ایک قطار میں ان احمدیوں کو کھڑا کیا جو کہ ریاست پٹیالہ کے رہنے والے تھے اور اُن کا تعارف کروایا۔ نیز اپنے سابقہ حالات اور راجندر ہسپتال کی ملازمت کا ذکر کیا۔ مہاراجہ صاحب کے بعض احباب نے آپ کے فن کمال کی تعریف کی۔ اُن کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے تو فرمادیا کہ

"صاحب بہادر! ڈاکٹر صاحب کو پٹیالہ لے چلیں"

اس کے بعد مہاراجہ صاحب کو اپنے آفس میں کرسی پر بٹھایا جبکہ آنریبل سر ظفر اللہ خان صاحب ایگزامینیشن ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ پھر اپنا تحریری ایڈریس پڑھ کر سنایا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

"آپ کی ریاست کو بچانے والے وہ دُعا گو بزرگ ہیں جو رات کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں مانگتے ہیں۔ ایک شیخ کرم الٰہی صاحب اور دوسرے شیخ قطب الدین صاحب ہیں۔ ہر دو احباب کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ ان تمام احمدیوں کا خاص خیال رکھیں جو آپ کی ریاست میں رہتے ہیں اور خاص طور پر ان کی حفاظت کا انتظام کریں۔"

آپ کے بڑے فرزند ڈاکٹر محمد احمد صاحب جو اس دورہ میں آپ کے ساتھ تھے بیان کرتے ہیں کہ ایڈریس کے بعد سر ظفر اللہ خان صاحب نے فرمایا کہ

"ڈاکٹر صاحب نے جو ایڈریس پیش کیا وہ کمال کا تھا اور اس طرح پر بہت تعریف کی۔"

4۔ رپورٹ مجلس مشاورت 1927ء کے مطابق:

خدا تعالیٰ کے فضل سے نور ہسپتال بہت اچھا کام کر رہا ہے اور اس کی ہر دلعزیزی کا ارد گرد کے علاقہ پر نمایاں اثر ہے۔ ابھی کچھ عرصہ ہوا یہاں کے سکھوں نے احمدیوں کے خلاف ارد گرد کے علاقہ میں پروپیگنڈا پھیلانا شروع کیا اور احمدیوں کے خلاف اُن کو اُبھارنا چاہا۔ لیکن چونکہ اس شفاخانے سے اس علاقہ کے لوگ اکثر فائدہ اُٹھاتے رہتے ہیں اس لئے اس علاقہ کے سمجھدار طبقہ کے لوگوں نے ان پروپیگنڈا کرنے والوں کو کہا کہ احمدیہ جماعت کے ہم لوگوں پر بہت احسان ہیں۔ ہمارے مفت علاج ہوتے ہیں۔ تعلیم کے لئے اسکول کھلے ہیں۔ یہ ہماری احسان فراموشی ہوگی اگر ہم اس جماعت کے مقابلہ کے لئے اُٹھیں۔ چنانچہ اس شفاخانہ کی وجہ سے ارد گرد کے علاقہ کا بغض و تباغض کم ہوتا چلا جارہا ہے اور تبلیغ کے لئے راستے صاف ہو رہے ہیں۔

یہ شفاخانہ برابر ترقی کر رہا ہے اور اس کے ذریعہ سے صحت پانے والوں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا ہے۔ ہر ایک مرض کا نہایت اچھی طرح علاج ہوتا ہے۔ اس شفاخانے میں اس وقت تین ڈاکٹر کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اس شفاخانے کے انچارج ہیں جن کی خدمات اس شفاخانہ کے لئے نہایت مفید اور بابرکت ثابت ہو رہی ہیں۔

5۔رپورٹ مجلس مشاورت 1928ء:

خدا تعالیٰ کے فضل سے نور ہسپتال بہت اچھا کام کر رہا ہے اور ارد گرد کے علاقہ پر اس کا نمایاں اثر ہے۔ مقامی جماعت کے علاوہ اپنا شفاخانہ سمجھ کر دور دور کے احمدی احباب برائے علاج یہاں آتے رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ شفاخانہ برابر ترقی کر رہا ہے۔ اس کے ذریعہ صحت پانے والوں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا ہے اور ہر ایک مرض کا نہایت خوبی سے علاج ہوتا ہے۔ اس شفاخانہ کے انچارج ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ہیں جن کی ہر دلعزیزی اور ہمدردی کی وجہ سے شفاخانہ کو خاص قبولیت ہو رہی ہے۔

6۔رپورٹ مجلس مشاورت 1929ء:

نظارت امور عامہ کے ماتحت نور ہسپتال بھی ہے جس کے انچارج ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ہیں۔ڈاکٹر صاحب موصوف نہایت خلیق اور ہر دلعزیز ڈاکٹر ہیں۔کام متعلقہ نہایت محنت سے انجام دیتے ہیں۔

7۔رپورٹ مجلس مشاورت 1944ء-1945ء:

ہسپتال میں دفتری عملہ کی کمی کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب دفتری کام بھی خود سرانجام دیتے تھے۔ اس ضمن میں انجمن کی رپورٹ کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"ہسپتال میں کلریکل ورک کی زیادتی ہے جو ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب انچارج نور ہسپتال اور سب چارج صاحب کو خود کرنا پڑتا ہے لیکن سال زیر رپورٹ کے بجٹ میں ایک آسامی نئی رکھی گئی تھی تا کہ کلریکل کام میں بھی مدد مل سکے مگر بوجہ تنخواہ کی کمی اور باوجود بار بار اعلان کرنے کے یہ آسامی پُر نہیں کی جا سکی۔"

نور ہسپتال میں زنانہ وارڈ کا قیام

ہسپتال میں زنانہ وارڈ کے قیام کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ وارڈ کے لئے چندہ جمع کرنے کی خاطر نہایت دردمندانہ اپیل کی۔ آپؓ فرماتے ہیں۔

"احمدی سلسلہ کے مرکزی مقام میں جو کہ روحانی امراض کے لئے اس زمانہ میں ایک ہی ہسپتال ہے۔ جسمانی امراض کے علاج کے لئے ایک شفاخانہ کا اچھی حالت میں ہونا ضروری ہے۔ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کا خاندان علم طبابت کے ماہر تھے اور ان کے ذریعے سے ہزاروں لاکھوں انسان فائدہ اٹھانے والے ہوئے۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نورالدین رضی اللہ عنہ جیسے حاذق طبیب کا قادیان آکر آباد ہونا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء کے تحت طب کے ایک جدید طریق سے نافع الناس ہونا اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ جسمانی امراض کے علاج کے لئے اچھا شفاخانہ ہونا ضروری ہے جیسا کہ آپ نے اپنی مختلف تحریروں اور تقریروں میں ظاہر فرمایا ہے کہ روحانی ترقی کے لئے جسمانی صحت ضروری ہے بلکہ یہ بھی ثابت کیا ہے کہ بہت سے گناہ صرف جسمانی بیماریوں سے پیدا ہوتے ہیں۔"



نور ہسپتال قادیان۔ جہاں ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب نے لمبے عرصہ طبی خدمات سرانجام دیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ

"معزز بہنوں نے جلسہ کے دوران نور ہسپتال کی عمارت کو دیکھا ہو گا۔ لیکن اندر جا کر یہ دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو گا کہ کس طرح پر دور دراز سے بڑے شوق سے جلسہ پر آنے والے بھائی جو اتفاقاً راستہ میں بیمار ہو گئے تھے شفاخانہ میں زیر علاج ہیں۔ ان میں کوئی پنجابی ہے، کوئی ہندوستانی، کوئی برمی اور کوئی سیلونی جو کم از کم تین چار بار چائے کے بغیر گزارہ نہیں کر سکتے۔

پھر انہوں نے قادیان میں بیمار ہونے والے غریب بھائیوں کو شفاخانہ میں لیٹے ہوئے نہ دیکھا ہو گا کہ کس طرح پر علاج سے مطمئن ہیں اور خدا کا شکر بجا لاتے ہیں۔ الغرض جو کچھ بھی ہے قابل شکر ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا بیمار صرف مرد ہی ہوتے ہیں اور کیا جسمانی امراض سے رہائی پا کر گناہوں سے بچنے اور روحانی ترقی حاصل کرنے کے لئے صرف مرد ہی مخصوص ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جہاں نور ہسپتال میں مردوں کے لئے قیام گاہ ہو وہاں عورتوں کے لئے نہ ہو۔ مگر مردوں میں سے ایک مرد (حضرت میر ناصر نواب صاحب) پیرانہ سالی میں جوان مرد بن کر اُٹھا اور مردوں سے ان کی پسینے کی کمائی میں سے پیسہ پیسہ جمع کیا اور ایک ہسپتال قائم کر دیا جس سے اکثر مرد اور کم و بیش عورتیں بھی فائدہ اٹھاتی ہیں۔ کیا عورتوں میں سے بھی کوئی ہے جو اس طرح پر اُٹھے اور اپنی بہنوں سے پیسہ پیسہ اکٹھا کرے اور زنانہ قیام گاہ کو قائم کرنے کا فخر حاصل کرے۔

اس وقت تک جب کہ کوئی بہن اس طرح پر اُٹھے اور اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے میں تمام احمدی بہنوں کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش کرتا ہوں کہ اپنی اپنی جگہ پر اجلاس کر کے کار خیر کے لئے چندہ جمع کریں اور دفتر محاسب میں جمع کروا دیں۔ میرے نزدیک عید کا موقع بھی اس تحریک کی تکمیل کے لئے بہترین موقع ہے۔"

(الفضل 2/جون 1921ء صفحہ 2 جلد 8 شمارہ نمبر 91-92)

آپ کی پُرزور تحریکات پر اور محترمہ سکینۃ النساء صاحبہ اہلیہ قاضی محمد اکمل صاحب کی تحریکات اور کوششوں اور اہلیہ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی مساعی سے کچھ چندہ اکٹھا ہوا اور یکم اگست 1923ء کو حضرت اماں جان سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ نے اپنے دست مبارک سے نور ہسپتال کے زنانہ وارڈ کی بنیاد رکھی۔ آپ کے ساتھ حضرت سیدہ اُمّ ناصر صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ اور حضرت سیدہ امۃ الحی صاحبہ جنرل سیکرٹری لجنہ اماء اللہ کے علاوہ تقریباً 100 کے قریب مستورات تھیں۔ حضرت سیدہ امۃ الحی صاحبہ نے شفاخانے کے مختصر حال اور کارگزاری کو پیش کرتے ہوئے چندہ کی تحریک کی جس پر ڈیڑھ سو کے قریب چندہ کا وعدہ ہوا اور وارڈ کی عمارت کا کام شروع ہوا۔

اس عمارت کے لئے سب سے زیادہ چندہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی پہلی اہلیہ صاحبہ نے دیا جو کہ تقریباً 500 روپے تھا۔

ہسپتال کے زنانہ وارڈ کے قیام کے لئے کوششوں کے علاوہ جملہ ہسپتال کی ترقی، اس کی کارکردگی کو بہتر بنانے اور بڑھتے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے آپ نے انتھک محنت اور جانفشانی سے کام کیا اور اس کو سکینڈ گریڈ ہسپتال کا درجہ دلوایا۔

گورنمنٹ نے اس ہسپتال کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے لئے ماہوار (Aid) مقرر فرمائی۔ زنانہ وارڈ کی تکمیل کے لئے 5 ہزار روپے عنایت فرمائے اور متعدی امراض کے مریضوں کے لئے ایک علیحدہ کمرہ تیار کیا گیا۔

1925ء کی سالانہ رپورٹ کے اعداد و شمار کے مطابق ایک مختصر خاکہ مندرجہ ذیل ہے۔

	تعداد مریضاں نئے و پُرانے	تعداد مریضاں نئے	تعداد آپریشنز
آؤٹ ڈور	28889	13083	288
ان ڈور	2241	191	88

ان مریضوں میں غیر احمدی، ہندو سکھ اور دیگر اقوام کے لوگ بھی شامل ہیں جو کثرت سے دور دور کے علاقوں سے علاج کے لئے اس ہسپتال کی شہرت کو سن کر آتے ہیں۔

(الفضل 12/جنوری 1926ء صفحہ 5 جلد 13 شمارہ نمبر 76)

نور ہسپتال بعد از تقسیم ہند 1947ء

ہندو پاکستان کے قیام سے قادیان سکھوں کے قبضہ میں چلا گیا اور جماعت احمدیہ کا نیا عارضی مرکز لاہور قائم ہوا اور نور ہسپتال سیمنٹ بلڈنگ لاہور میں کھولا گیا جہاں مریضوں کا علاج کیا جانے لگا اور قیام ربوہ تک وہیں کام کیا جانے لگا۔

جلسہ سالانہ منعقدہ اپریل 1949ء بمقام ربوہ کے موقع پر مکرم افسر صاحب جلسہ سالانہ نے طبّی انتظام کے عنوان کے تحت فرمایا۔

"مہمانوں کی طبّی امداد کے لئے حسب سابق نور ہسپتال ہی یہ خدمت بجالاتا رہا جس کے انچارج مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب تھے۔ گورنمنٹ نے بھی سول ہسپتال چنیوٹ کو ہدایت کی تھی کہ وہ بھی جلسہ کے موقع پر اپنے عملہ کو بھجوائے۔ خوشی کی بات ہے کہ اس قدر کثیر تعداد مجمع میں خدا کے فضل سے ہر طرح خیریت رہی۔"

(الفضل 2/جنوری 1949ء)

مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب ابن ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے بھی اس موقع پر طبی خدمات سرانجام دیں۔ اُس وقت نور ہسپتال تین خیموں میں کام کر رہا تھا۔ ایک خیمہ میں بطور ان ڈور دو تین چارپائیاں تھیں اور آپ رات کو بھی وہیں ڈیوٹی کی وجہ سے سویا کرتے تھے۔

نور ہسپتال ربوہ

اس عنوان کے تحت ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب انبالوی ایم بی بی ایس نے اپنے مضمون میں حسب ذیل امور کا تذکرہ کیا ہے۔

"ربوہ اور اس کے مضافات کی ضروریات کے پیش نظر ہسپتال کا قیام چونکہ ضروری تھا اس لئے جہاں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے دوسرے صیغے اپنے نئے مرکز ربوہ میں تبدیل ہو رہے تھے وہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی تعمیل میں اس کا قیام بھی ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ 12/اپریل 1949ء کو ہسپتال ایک خیمہ میں کھولا گیا جہاں جگہ کی تنگی کے باعث معائنہ کا کمرہ اور ڈسپنسری وغیرہ اکٹھے ہی تھے۔ ایک طرف ڈاکٹر صاحب مریضوں کا معائنہ کر رہے ہوتے تو دوسری طرف

ڈسپنسر دوائیاں تقسیم کر رہا ہوتا تھا۔ مستورات کے لئے بھی حتّی الامکان پردے کا لحاظ رکھتے ہوئے معائنہ کا الگ انتظام کیا جاتا۔

جلسہ سالانہ کے ایام میں جن احباب کو شرکت کا موقع ملا وہ اس بات کے عینی شاہد ہیں کہ ان دنوں نور ہسپتال کن حالات میں خدمات بجالاتا رہا ہے۔ ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب تھے اور ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب ایم بی بی ایس بطور اسسٹنٹ انچارج قادیان سے ہی کام کرتے چلے آرہے تھے۔

یکم اکتوبر 1954ء کو ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نور ہسپتال کی سروس سے ریٹائرڈ ہوئے اور ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب انچارج مقرر ہوئے۔"

ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا کہ

"1954ء میں ہسپتال سے میری ریٹائرمنٹ کے بعد حضور کی خدمت کی ذمہ داری اور صحت کی نگرانی آپ کے فرزند صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کے ذمہ آگئی کیونکہ بفضلہٖ تعالیٰ لائق فائق ہونے کے علاوہ عمر کے لحاظ سے بھی ذمہ داریوں کے سنبھالنے کے لائق ہیں۔ لیکن اس کے باوجود حضور نے ازراہ شفقت اپنے ساتھ رکھا اور مئی 1959ء تک حضور کے علاج کا عملی حصہ مثلاً ٹیکے وغیرہ کرنا میرے بھی حصہ میں رہا"

جب مئی 1959ء میں حضور نخلہ سے بیمار ہو کر ربوہ تشریف لائے تو قصر خلافت کے ہی کمرہ میں ٹھہرنے کا آپ کو ارشاد فرمایا اور وہی الفاظ جو حضور نے 1918ء میں ادا فرمائے تھے کہ

"ڈاکٹر صاحب بغیر اجازت میرے کمرے سے باہر کہیں نہیں جانا دوبارہ 1959ء میں ارشاد فرمائے۔"

چنانچہ حضور کے وصال تک سیدنا مرزا محمود احمد مصلح موعودؓ کا ایاز اُن کے قدموں میں رہا، جب حضور نے 1919ء میں ڈاکٹر صاحب کو ہسپتال کی سروس کے لئے ارشاد فرمایا تو اُن کی اہلیہ صاحبہ نے کہا تھا۔

"میں نے تو آپ سے کہا تھا کہ وہاں جا کر ملازمت نہیں کرنی حضور کی خدمت کرنی ہے جس طرح وہ چاہیں اپنے پاس رکھیں"

اس پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا

"میں حضور کے حکم سے کیسے انکار کر سکتا تھا۔ حضور نے ہسپتال میں مجھے کام کرنے کو کہا اور میں کام کرنے لگ گیا۔"

آپ پٹیالہ سے ہجرت کر کے حضور کی خدمت کے لئے ہی قادیان آئے تھے اور اس کے لئے اپنے آپ کو وقف کر کے حضور کی خدمت میں ہی رہے۔ الحمد للہ۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

باب نمبر:8

دورِ خلافت ثانیہ کے چند چیدہ واقعات

- احمدیہ کرکٹ کلب قادیان کا قیام
- حضور کو ڈاکٹر صاحب کی قلبی کیفیات سے آگاہی
- حضور اپنے دوستوں سے لغویات سننی پسند نہ فرماتے تھے
- سیدنا حضرت محمود کا اپنے ایاز کی علالت میں حسن سلوک
- صاحبزادہ مرزا خلیل احمد کے علاج کی سعادت
- حضرت سارہ بیگم مرحومہ کے متعلق تحریک نکاح
- شادی سیدہ سارہ بیگم
- ولادت مرزا حفیظ احمد صاحب
- تحریک ایک قرضہ ایک لاکھ
- حضرت مصلح موعودؓ کا ایک ارشاد
- حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا موٹر خریدنا
- امرتسر قادیان ریلوے کا افتتاح
- حضرت ڈاکٹر صاحب کے مکان کا سنگ بنیاد
- حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں رسالہ ہدیہ مبارکہ کی پیشکش
- حضرت سیدہ اُمّ طاہر احمدؓ کی تیمارداری
- حضرت ڈاکٹر صاحب کا ذکر خیر
- ترجمہ قرآن پاک کی تکمیل کے لئے تحریک دُعا
- سیرت حضرت اماں جان پر مقالہ
- ایک بچہ سے ملاقات اور اس کے تاثرات
- حضرت ڈاکٹر صاحب کی طرف سے تحریک ہائے دُعا برائے حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ
- حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا وصال
- خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تعلق اور محترم صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب کی شادی
- 40سال پہلے کا واقعہ
- خلافت ثالثہ کے قیام کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا ایک مضمون

احمدیہ کرکٹ کلب قادیان کا قیام

قادیان دارالامان میں احمدیہ کرکٹ کلب قائم کی گئی ہے جس کی غرض یہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ میں ورزش کا شوق پیدا کیا جائے تاکہ کاروبار کے باعث طبیعت میں جو کسل پیدا ہو جاتا ہے وہ دور ہو کر دین کی خدمت میں زیادہ چُستی اور شوق اور محنت سے کام کیا جاسکے۔ لیکن یہ کلب اپنے فیض کو محدود نہیں رکھنا چاہتا۔ بیرون جات کے احباب کو بھی شامل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جو احباب بیرون جات میں رہتے ہیں اس کلب کے چار آنے ماہوار فیس دے کر ممبر بن سکتے ہیں۔ ایسے احباب جب دارالامان میں تشریف لائیں تو اس کلب کی ورزشوں میں حصہ لے سکتے ہیں۔

ڈاکٹر حشمت اللہ (سب اسسٹنٹ سرجن) احمدیہ کرکٹ کلب قادیان

(الفضل 25/ اکتوبر 1919ء صفحہ 2 جلد 7 شمارہ نمبر 33)

حضورؓ کو ڈاکٹر صاحبؓ کی قلبی کیفیات سے آگاہی

ڈاکٹر صاحب بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امور غیبیہ کو حضور پر کھول دیتا ہے۔ آپؓ بیان کرتے ہیں کہ

"1918ء کے انفلوئنزا کے بعد بسا اوقات بعض عوارض نمودار ہو جاتے اور جب کوئی تکلیف معمول میں زیادہ ہو جاتی تو حضور خاکسار کو ہمیشہ اپنے پاس اپنے کمرے میں سلاتے۔

ایک دفعہ حضور، حضرت سیدہ اُمّ ناصر صاحب کے مکان میں زینہ کے پاس والے کمرہ میں بستر علالت پر تھے اور خاکسار بھی حضور کی خدمت میں دن رات جاگتا رہتا تھا۔

ایک روز بعد نماز فجر میری طبیعت حضور کی ایک نظم کے وزن قافیہ اور ردیف کے کہنے کی طرف مائل ہو گئی اور آٹھ دس شعر لکھ دیئے۔ تمام مجھ کو یاد نہیں شاید کاپی میں لکھے ہوئے مل جائیں۔ مگر اس کا آخری شعر یاد ہے جو یہ ہے۔

بڑھے کوئی کسی کے قرب میں خوب
قدم اپنا بھی آگے بڑھاؤں میں

ان شعروں کا کسی کو علم نہیں تھا۔ حضور سوئے ہوئے تھے جب یہ بنے اور صبح کے وقت بنے۔ بعد نماز عشاء جب میں حضور کے کمرے میں قیام کے لئے حاضر ہوا تو اس وقت میرے ساتھ مولوی عبدالرحیم صاحب درد جو اُن دنوں پرائیویٹ سیکرٹری تھے عیادت کے لئے حاضر ہوئے۔ ہم دونوں حضور کی چارپائی کے قریب فرش پر خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور نے فرمایا! ڈاکٹر صاحب آپ خاموش کیوں بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نظم کہی ہوگی وہ سناتے کیوں نہیں۔

میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی اور میں مجبور ہو گیا کہ سوال کروں کہ حضور کو کس طرح معلوم ہو گیا۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ کئی دفعہ مجھے اپنے دوستوں کی قلبی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ بعض اوقات میں اپنی بیویوں کے دل کی بات جو اُس وقت ان کے دل میں ہوتی بتلا دیتا ہوں۔"

حضورؓ اپنے دوستوں سے لغوبات سُننی پسند نہ فرماتے تھے

ڈاکٹر صاحب بیان فرماتے ہیں کہ حضور اپنے دوستوں سے بھی لغوبات سُننی پسند نہ فرماتے تھے۔
ڈلہوزی کے قیام میں حضور ایک مقام جہاں چیل کے درخت زیادہ ہیں سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ اور حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحبؓ بھی ڈلہوزی تشریف لے آئے تھے اور سیر میں شامل ہو گئے تھے۔
اس دن بعض دوستوں نے ایک جگہ بیٹھے ہوئے ذرا اُونچے اُونچے ہنسنا شروع کر دیا۔ حضور کچھ فاصلے پر ایک جگہ آرام فرما رہے تھے۔ ہنسی کی کیفیت کچھ ناپسندیدہ ہو گئی اور لغویت کا رنگ پیدا ہو گیا۔
حضورؓ اس حالت کو دیکھ کر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہو گئے اور کھانا بھی نہ کھایا حالانکہ کھانا بہت انتظار کے بعد پہنچا تھا اور ہر ایک کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ حضور کی اس ناراضگی کو دیکھ کر سب خائف ہو گئے اور کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ مہرِ سکوت توڑ سکے۔ گھر پہنچتے تک ہی بمشکل ناراضگی دور ہو گئی۔

سیدنا حضرت محمود کا اپنے ایاز کی علالت میں حسنِ سلوک

آپ کی اہلیہ محترمہ بیان فرماتی ہیں کہ
"نومبر 1922ء میں ڈاکٹر صاحب ملیریا سے شدید بیمار ہو گئے تھے اور ایک ماہ بیمار رہے۔ جب آپ بیمار ہوئے تو حضور پہلے صبح ہی صبح اندر کی سیڑھیوں سے تشریف لا کر طبیعت کا حال پوچھتے پھر رات کو عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد اندر کے راستے سے ہی ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں آجاتے اور دوسرے لوگ باہر کی سیڑھیوں سے آتے۔ اس طرح 20 یا 22 آدمی حضور کے ساتھ آجاتے تھے اور حضور کا پورا مہینہ یہی دستور رہا۔ رات کے گیارہ بجے تک دوسرے لوگوں کے ساتھ جن میں بزرگ ہستیاں بھی ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھے رہتے۔ ڈاکٹر صاحب بھی اپنا بستر زمین پر لگوا لیتے اور جب تک حضور تشریف فرما رہتے آپ زمین پر لیٹے رہتے۔ حضور نظمیں پڑھواتے جو کبھی درد صاحب پڑھتے، کبھی نیک محمد صاحب پڑھتے اور کبھی احمدیہ سکول کا کوئی طالب علم آجاتا وہ پڑھ کر سناتا۔ اور اندر سے میں خود دو تین دفعہ چائے بنا کر بھیج دیتی۔ غرض یہ مجلس رات گیارہ بجے تک لگی رہتی۔ پھر جب حضور واپس تشریف لے جاتے تو درد صاحب احمدیہ سکول کے دو بچوں کی ڈیوٹی لگا کر جو رات کو ڈاکٹر صاحب کے پاس رہتے گھر چلے جاتے۔"
اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ پر جو اپنی محبت اور شفقت اپنے ناچیز ڈاکٹر صاحب پر اور ہم سب پر فرماتے تھے۔
حضرت ڈاکٹر صاحب کی اس علالت کا پتہ اخبار الفضل کے حسب ذیل اعلانات سے لگتا ہے۔
1۔ جناب ڈاکٹر صاحب بعارضہ بخار بیمار ہو گئے۔

(الفضل 4/دسمبر 1922ء صفحہ 1 جلد 10 شمارہ نمبر 44)

2۔ جناب ڈاکٹر صاحب ملیریا بخار سے علیل ہیں۔ بخار 101 ڈگری سے 103 ڈگری تک رہتا ہے اور سردی لگ کر ہوتا ہے ساتھ سر درد بھی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی علاج فرما رہے ہیں۔

(الفضل 7/دسمبر 1922ء صفحہ 5 جلد 10 شمارہ نمبر 45)

3۔ جناب ڈاکٹر صاحب کو پہلے کی نسبت آفاقہ ہے۔ لیکن بخار تا حال بالکل دور نہیں ہوا۔

(الفضل 14 دسمبر 1922ء صفحہ 5 جلد 10 شمارہ نمبر 47)

صاحبزادہ مرزا خلیل احمد کے علاج کی سعادت

محترم ڈاکٹر صاحب بیان کرتے ہیں کہ

”بوقت واپسی از یورپ عدن میں بذریعہ تار حضور کو حضرت صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب کی ولادت کی خوشخبری ملی۔ میں نے تار برقی کے ذریعے صاحبزادہ صاحب موصوف کی والدہ صاحبہ کو مبارک باد بھیجی۔ آگرہ میں حضور کو سیدہ امۃ الحیٔ صاحبہ والدہ صاحبزادہ صاحب موصوف کی شدید علالت کی وجہ سے قادیان جلد پہنچنے کا تاکیدی تار ملا کہ آگرہ میں ایک دن کا قیام ملتوی کر کے حضور قادیان آجائیں۔ حضور نے اپنا تو پروگرام ملتوی نہ کیا البتہ خاکسار کو فوراً قادیان روانہ فرما دیا۔ چنانچہ میں حضور سے تقریباً 30 گھنٹے پہلے قادیان پہنچ گیا اور اگلے روز حضور تشریف لے آئے۔ لیکن موصوفہ کی بیماری زیادہ سے زیادہ ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ حضور کی واپسی سے دس گیارہ دن بعد وہ وفات پا گئیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

اُن کی وفات سے حضور کو بہت بڑا صدمہ پہنچا کیونکہ حضور کو اُن کے وجود کے ساتھ مستورات کی علمی ترقی وابستہ نظر آتی تھی۔ ایسے حال میں مجھے حضور کے صدمہ کو کم کرنے اور صحت کو بحال رکھنے کی کافی کوشش کرنا پڑی۔

والدہ کی وفات کے بعد میاں خلیل احمد صاحب بہت نحیف تھے۔ پیدائش کے وقت ان کا وزن ساڑھے تین پونڈ تھا۔ لہٰذا اُن کی نانی جان (حرم حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ) کی خواہش کے مطابق اُن کے پاس بھیج دیئے گئے۔ حضرت مولوی عبد اللہ سنوری کی پوتی عزیزہ قدیرہ ان کے لئے دودھ پلائی اور نگہبان مقرر ہوئیں اور یہ عاجز بطور طبی خادم مقرر ہوا۔ مجھے کم از کم دن میں ایک بار اور بعض دفعہ تین بار میاں صاحب موصوف کو دیکھنے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے مکان پر جانا پڑتا تھا اور یہ سلسلہ دو سال تک جاری رہا۔ یہ عجیب بات ہے کہ سفر یورپ کے دوران پیرس میں مَیں نے رؤیا دیکھا تھا کہ

”حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ درس قرآن کریم دے کر مسجد اقصیٰ قادیان سے اپنے گھر کو واپس آنے لگے ہیں تو حضور نے مجھے اپنی بغل میں دبا لیا ہے اور اسی حالت میں اپنے مکان کے اندر پہنچ کر مجھے صحن میں چھوڑ دیا ہے۔“

سو یہ رؤیا اس رنگ میں پوری ہوئی۔“

(اصحاب احمد جلد ہشتم صفحہ 126-127 مولفہ ملک صلاح الدین ایم۔ اے)

حضرت سارہ بیگم مرحومہ کے متعلق تحریکِ نکاح

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔

"غالباً 1924ء کا شروع تھا یا 1923ء تھا جب برادرم پروفیسر عبد القادر صاحب ایم اے قادیان تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہ کچھ بیمار ہوئے اور ان کے لئے ہومیوپیتھک دوا لینے کے لئے ان کی چھوٹی ہمشیرہ میرے پاس آئیں۔ انہوں نے اپنے بھائی کی بیماری کے اسباب کے متعلق کچھ اس فلسفیانہ رنگ میں مجھ سے گفتگو کی کہ میرے دل میں اس کا گہرا نقش ہوا۔ جب وہ دوا لے کر چلی گئیں۔ میں اوپر دوسرے گھر کی طرف گیا۔ جس میں میری مرحومہ بیوی رہا کرتی تھی۔ وہاں کچھ مذہبی تذکرہ ہوا۔ اور ایک برقعہ میں سے ایک سنجیدہ آواز نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی ڈائری کا حوالہ دیا کہ آپ اس موقعہ پر اس طرح فرماتے ہیں۔ یہ آواز پروفیسر صاحب کی ہمشیرہ ہی کی تھی۔ اور حوالہ ایسا برجستہ تھا کہ میں دنگ رہ گیا۔ میری حیرت کو دیکھ کر امۃ الحی صاحبہ مرحومہ نے کہا انہیں حضرت صاحب کی ڈائریوں اور کتب کے حوالے بہت یاد ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فارسی اشعار بھی۔ یہ کہتی ہیں کہ میں نے الحکم اور بدر میں سے اکثر ڈائریاں پڑھی ہیں اور مجھے یاد ہیں۔ میرے دل نے کہا یہ بھی ایک دن خدا تعالیٰ کے فضل سے سلسلہ کے لئے مفید وجود بنے گی۔ میں وہاں سے چلا گیا اور وہ بات بھول گیا۔ جب امۃ الحی صاحبہ مرحومہ کی وفات کے بعد مجھے سلسلہ کی مستورات کی تعلیم کی نسبت فکر پیدا ہوئی تو مجھے اس بچی کا خیال آیا۔ اتفاق سے اس کے والد مولانا عبد الماجد صاحب بھاگلپوری جلسہ پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے اس کا ذکر کیا اور انہوں نے مہربانی فرما کر میری درخواست کو قبول کیا۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو میں نے لڑکی کی صحت کے متعلق رپورٹ کرنے کو بھیجا اور انہوں نے رپورٹ کی کہ صحت اچھی ہے کچھ فکر کی بات نہیں۔ ان کی اس رپورٹ پر میں نے جو خط مولوی صاحب کو لکھا اس کا ایک فقرہ حسب ذیل ہے۔

"ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب آج واپس آئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سارہ سلمہا اللہ تعالیٰ کی صحت ایسی نہیں جس سے کچھ خدشہ ہو چونکہ فیصلہ کی بنا طبی مشورہ پر رکھی گئی تھی اور طبی مشورہ موافق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر مندرجہ ذیل امور میں آپ کی رائے اثبات میں ہو اور سارہ سلمہا اللہ تعالیٰ بھی ایسی ہی رائے رکھتی ہوں تو ان کا نکاح مجھ سے کر دیا جائے۔"

اس خط کی نقل میں نے رکھی ہوئی تھی۔ اتفاقاً آج سارہ بیگم مرحومہ کا پہلا خط تلاش کرنے لگا تو ساتھ ہی اس خط کی نقل مل گئی غرض یہ خط میں نے لکھا اور مولوی صاحب موصوف نے جو کچھ میں نے لکھا تھا اسے بخوشی قبول کیا اور ہمارا نکاح ہو گیا"

(الفضل 27 جون 1933ء صفحہ 3 جلد 20 شمارہ نمبر 154)

شادی سیدہ سارہ بیگم صاحبہ

حضورؓ کی سیدہ سارہ بیگم صاحبہ کے ساتھ شادی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے بیان فرمایا کہ

”حضرت سیدہ امۃ الحی بیگم صاحبہ کی وفات کی وجہ سے جو کمی یا رکاوٹ تعلیم نسواں کے سلسلہ میں نظر آتی تھی اُسے دور کرنے کے لئے حضور نے ایک علمی خاندان کی ایک ہونہار خاتون کو جو سیدہ امۃ الحی بیگم صاحبہ کی سہیلی بھی تھیں اپنے نکاح میں لانے کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کی۔ غالباً اس وقت جبکہ تجویز تقریباً پختہ ہوگئی تو حضور نے اچانک مجھے بھاگلپور جانے کا ارشاد فرمایا اور وہاں پہنچ کر سارہ بیگم صاحبہ (دُختر حضرت مولانا عبد الماجد صاحبؓ کی) صحت جسمانی معلوم کرنے کا ارشاد فرمایا لیکن مجھ پر یہ روشن نہ تھا کہ معائنہ صحت کس غرض سے کروایا جارہا ہے۔ میں مارچ یا اپریل 1925ء میں بھاگلپور پہنچا اور صحت کے اچھا ہونے کی رپورٹ دے دی۔ چنانچہ چند روز بعد ہی حضور نے اپنے نکاح کا اعلان فرمادیا۔ حضور کی دعوت ولیمہ کا کام میرے سپرد ہوا۔“

(اصحاب احمد جلد ہشتم مؤلفہ ملک صلاح الدین ایم۔اے صفحہ 125-126)

6/ مئی کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی دعوت ولیمہ ہوئی جس میں قادیان کے تقریباً تمام احمدیوں کے علاوہ ننگل (قادر آباد) احمد آباد، بھینی اور کھارا کے احمدیوں کو بھی مدعو کیا گیا۔ دعوتی رقعہ جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی طرف سے تھا اور دعوت حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے مکان میں کھلائی گئی۔

(الفضل 09 مئی 1925ء صفحہ 1 جلد 12 شمارہ نمبر 123)

ولادت مرزا حفیظ احمد صاحب

آپؓ بیان فرماتے ہیں کہ

”1925ء میں جب رات کے درمیانی حصہ میں صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی پیدائش ہوئی اُس وقت حضور نے مجھے اپنے پاس بلا لیا کہ ڈاکٹر کا پاس ہونا مفید ہوتا ہے۔ جب خیریت سے پیدائش ہوگئی اور میں نے اپنے گھر جانے کی اجازت مانگی تو فرمایا یہیں سو جاؤ۔ حضرت صاحب کے سونے کا کمرہ دراصل وہ تھا جہاں حضرت سیدہ اُمّ ناصر صاحبہ تھیں جہاں حضرت مرزا حفیظ احمد صاحب کی پیدائش ہورہی تھی۔ اس وجہ سے اس شب دوسرے کمرہ میں جو چھوٹے زینہ کے ساتھ ہے حضور کا بستر فرش پر بچھا ہوا تھا اور فراخ تھا لحاف بڑا تھا۔ اس لئے حضور نے اپنے ساتھ ہی سلا لیا۔“

(اصحاب احمد جلد ہشتم مؤلفہ ملک صلاح الدین ایم۔اے صفحہ 126)

تحریک قرضہ ایک لاکھ

”1925ء میں حضرت مصلح موعود کی تحریک قرضہ ایک لاکھ پر لبیک کہتے ہوئے مخلص جماعت نے بڑھ چڑھ کر قربانی دی۔ اپنی تنخواہ سے زیادہ قربانی کرنے والے احباب میں حضرت ڈاکٹر صاحب کا نام بھی یوں آتا ہے۔ اپنی تنخواہ سے زیادہ دینے والے۔

...ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب۔ -/132 روپے

(الفضل 17 فروری 1925ء صفحہ 2 جلد 12 شمارہ نمبر 90)

حضرت مصلح موعودؓ کا ایک ارشاد

حضرت مصلح موعود معترضین کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"میری صحت کی فکر اُن کو (یعنی معترضین) کو کب سے ہوئی۔ میری صحت کی فکر تو مجھے ہو سکتی ہے یا میرے ڈاکٹر کو اور میری جماعت کو ہو سکتی ہے۔"

(الفضل 23 مارچ 1926ء صفحہ 7 جلد 13 شمارہ نمبر 96)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا موٹر خریدنا

ڈاکٹر صاحب بیان کرتے ہیں۔

"اکتوبر 1926ء کو حضور نے موٹر خریدنے کا ارادہ فرمایا اور ایک انگریز کی سکینڈ ہینڈ شورلیٹ Chevrolet خریدنے کا فیصلہ کیا جسے لاہور سے لانے کے لئے یحیٰی خان مرحوم کو بھجوایا اور مجھے ارشاد فرمایا کہ دعا کریں کہ اچھی موٹر مل جائے۔ خان صاحب -/1600 روپیہ جو کہ طے شدہ تھا ادا کر کے موٹر لے آئے جو بہت عمدہ تھی۔ اس وقت میں نے موٹر کی 1/10 قیمت ادا کرنے کی نیت کر لی اور خدا کے فضل سے قسط وار ادا کر دی۔ اس طرح پر میری پٹیالہ میں اپنی موٹر خریدنے کی اور حضور کو اس میں بٹھا کر سیر کروانے کی نیت کسی حد تک پوری ہوگئی۔ لیکن فرق یہ ہے کہ پٹیالہ میں اپنی خرید کردہ موٹر پر سوار کرا کر حضور کو سیر کروانے سے مراد تو یہ ہوتی میں میزبان ہوتا اور حضور میری موٹر کے مہمان اور اب اس کے الٹ ہے حضور میزبان ہوتے ہیں اور میں مہمان ہوں۔"

(ماہنامہ مصباح دسمبر، جنوری 1964ء)

امرتسر قادیان ریلوے کا افتتاح

آپؓ فرماتے ہیں کہ

"ریلوے پروگرام کے مطابق 19 دسمبر 1928ء کو امرتسر سے قادیان جانے والی پہلی گاڑی روانہ ہونی تھی۔ اس لئے بہت سے مرد اور بچے اس تاریخ کو امرتسر پہنچ گئے اور 3 بجے کے قریب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بنفس نفیس تشریف لے آئے تا قادیان ریلوے کی افتتاحی تقریب پر اس خدائے قدوس کے آگے دست دُعا بلند کریں جس نے محض اپنے فضل و کرم سے موجودہ زمانہ کی اہم ایجاد کو خدام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آرام وآسائش کے لئے مرکز احمدیت تک پہنچا دیا۔ گاڑی کے پاس ہی اذان کہی گئی اور حضور نے نماز ظہر و عصر کی نمازیں ایک بڑے مجمع کو باجماعت پڑھائیں۔ اس کے بعد حضور نے احباب کو شرف مصافحہ بخشا۔ پھر حضور گاڑی کے دروازے میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ریل کا

آنا قادیان میں مبارک کرے۔ یہ کہہ کر حضور نے چند منٹ تک نہایت توجہ اور الحاح سے دُعا کرائی۔ پھر سب احباب گاڑی میں سوار ہو گئے اور گاڑی چل پڑی۔ الحمد للّٰہ"

ریلوے کے افتتاح کے موقع پر آپ (ڈاکٹر صاحب) نے ایک چار صفحہ کا بہت عمدہ اور مؤثر ٹریکٹ تیار کر کے گاڑی کے چلنے کے موقع پر احباب میں تقسیم کر دیا۔ اس ٹریکٹ میں آپ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے اوائل زمانہ کی مشکلات کا نقشہ کھینچا کہ

"جب ہمارے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کے پیارے رب نے خدمت اسلام کا عظیم الشان کام سپرد فرمایا تو ساتھ ہی اس کے چھاپہ خانہ، ڈاک خانہ، تارگھر اور ریل کی سہولتیں بھی بہم پہنچائیں۔ مگر قادیان جیسے گمنام قصبہ میں رہنے والے شخص کے لئے ان سہولتوں سے فائدہ اُٹھانے کا بہت کم موقع تھا۔ آپ اگر دن رات کی عرق ریزی کے ساتھ کوئی کتاب تائید اسلام میں لکھتے تو ویسی ہی مشقت کے ساتھ اس کی طباعت کا انتظام فرماتے۔ سخت گرمی اور سردی کے موسم میں یکے جیسی ناگفتہ بہ سواری میں بیٹھ کر سفر کرنا اور وہ بھی کچی سڑک پر بٹالہ جانا اور پھر امرتسر جانا اور کتاب کے طبع ہونے کا انتظام کرنا یہ کیا ہی مشقت کا کام تھا۔"

پھر آپ نہایت درد بھرے الفاظ میں لکھتے ہیں کہ

"کاش! آج کوئی یکہ سامنے ہوتا اور اُس پر وہ پیارا مسیح بیٹھا نظر آتا جس کے ساتھ کبھی حافظ حامد علی صاحب بیٹھا ہوا ہے، کبھی مولوی عبد اللہ صاحب سنوری بیٹھے ہیں اور کبھی پیارا صادق بیٹھا ہوا دکھائی دیتا ہے اور جس کے ساتھ ہمارا پیارا بھائی احمد نور کابلی بھاگتا نظر آتا ہے۔ کاش ہماری آنکھیں اُس کو دیکھتیں اور ہمارے دل اُس پر نثار ہوتے اور ہماری روح اُس پر صدقے جاتی۔"

پھر آپ لکھتے ہیں کہ

"سالہا سال سے بٹالہ اور قادیان کو ملانے والی کچی سڑک کو پختہ کرنے کی کوشش ہوتی رہی۔ مگر حکام کو اس کے پختہ کرنے کی توفیق نہ ملی۔ آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سچے جانشین کی نظر خاص طور پر خدا تعالیٰ کی طرف اُٹھی اور اس کے فضل کی جاذب بنی۔ اس کے فرشتوں کو جنبش ہوئی اور انہوں نے ریلوے کے ذمہ دار افسروں کو ہلایا اور انہوں نے قادیان تک جلد از جلد ریلوے لے جانے کے حکم صادر فرمائے۔ لیکن ابھی تھوڑا ٹکڑا ہی ریلوے لائن کا بنا تھا کہ اس ریلوے لائن کی کنسٹرکشن کے بند کرنے کے احکام جاری ہوئے اور وہی ریلوے لائن امرتسر قادیان ریلوے لائن بن گئی۔ اور اس ریل کا جاری ہونا خاص تقدیر کے ماتحت ہوا۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت حضرت مصلح موعود کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے کہ دو تین سال پہلے ایک طرف تو دشمنان اسلام نے اسلام کے ہندوستان سے نام و نشان مٹانے کی انتہائی کوشش شروع کر دی جس کا پہلا اور بڑا نشانہ یہ چھوٹی سی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور کردہ خادم اسلام جماعت تھی۔ دوسری طرف ہمارے پیغامی دوستوں نے اس جماعت اور اس کے امام کو اس طور پر نشانہ بنایا گویا کہ یہ ایک نہایت ہی ناپاک گروہ ہے۔ ان حالات میں ظاہر بین نظر تو کیا بصیرت رکھنے والی نظریں اور ایمان سے بھرے ہوئے دل بھی حیران اور پریشان تھے کہ کیا ماجرا ہے؟

کجا ترقی کے وعدے اور کجا یہ حالات مگر وہ خدا تعالیٰ، سلسلہ احمدیہ کا وفادار خدا جب دیکھتا ہے کہ اس چھوٹی سی جماعت کا پیارا امام جس کا دل خدمت اسلام کے جذبات سے لبریز ہے اور جس کے جسم کا ذرہ ذرہ اپنے فرض منصبی کو ادا کرتے ہوئے ہل چکا ہے اس کی نظریں اپنے رب ہی کی طرف اٹھتی ہیں تو وہ جھکا اور محبت کے ساتھ جھکا اور اس گھبراہٹ کی حالت میں تسلی دلانے کے لئے قادیان کی ترقی کے لئے ایک بڑے سامان کو آناً فاناً پیدا کر دیا اور بتلا دیا کہ اے چھوٹی سی جماعت! تسلی رکھ تیرے لئے ترقی مقدر ہو چکی ہے۔ جس طرح میں آج تیز چلنے والی سواری تیری خدمت کے لئے تیرے دروازے پر لا کھڑا کرتا ہوں۔ اسی طرح ہزاروں ہزار اور ذریعوں سے تیری ترقی کے سامان پیدا کرنے پر قادر ہوں۔"

آپ لکھتے ہیں کہ

"اے دوستو! ریل کا آج ایک خاص تقدیر کے ماتحت اور حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کے سچا ہونے اور اسلام کے ہی سچا مذہب ہونے کا ثبوت ہے۔"

اس ضمن میں آپ نے اپنا ایک خواب بھی تحریر فرمایا جو کہ لفظاً لفظاً پورا ہوا۔

آپ لکھتے ہیں کہ

"میں نے دیکھا کہ ایک بڑا جنکشن اسٹیشن ہے جس کی مشابہت امرتسر اسٹیشن سے ہے اور ہمارے پیارے امام حضرت محمود ایک پلیٹ فارم پر کھڑے ہیں اور سفر کرنے کے ارادے سے کھڑے ہیں اور اشارہ کرتے ہیں کہ ریل گاڑی سواری کے لئے آجائے چنانچہ کئی ایک گاڑیوں میں سے جو مختلف پلیٹ فارمز پر کھڑی ہیں ایک گاڑی کو ڈرائیور اور گارڈ چلا کر لا رہے ہیں۔ گاڑی کے چلنے کے وقت کوئی ذمہ دار افسر کہتا ہے کہ اس گاڑی کے چلنے کا نمبر نہیں لیکن اس گاڑی کے ڈرائیور اور گارڈ یہ کہہ کر کہ نہیں۔ یہ گاڑی اسی طرح چلے گی گاڑی لے آتے ہیں اور حضور اپنے خدام سمیت اس میں سوار ہو جاتے ہیں۔"

(یہ مکمل ٹریکٹ الفضل 25/دسمبر 1928ء صفحہ 7-8 جلد 16 شمارہ نمبر 51 پر شائع ہوا)

حضرت ڈاکٹر صاحب کے مکان کا سنگ بنیاد

27 جنوری 1933ء جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ کی کوٹھی کی بنیاد محلہ دارالانوار میں اپنے دست مبارک سے رکھی اور پانچ اینٹیں رکھنے کے بعد حاضرین سمیت دُعا کروائی۔

(الفضل 31 جنوری 1933ء صفحہ 1 جلد 20 شمارہ نمبر 91)

سنگ بنیاد کی تقریب کے موقعہ پر حضرت ڈاکٹر صاحب نے حاضرین کی تواضع مٹھائی سے کی۔

حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں رسالہ "ہدیہ مبارکہ" کی پیشکش

28 ستمبر 1934ء بروز جمعۃ المبارک سیدنا حضرت مصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جماعت احمدیہ کے 180 مخلصین کی طرف سے رسالہ درود شریف موسومہ "ہدیہ مبارکہ" پیش کیا گیا جس کے ابتداء میں ان 180 احباب جماعت کے نام مرقوم ہیں جن میں حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب مرحومؓ کا نام آٹھویں نمبر پر ہے۔ اس رسالہ کے مرتب کنندہ

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحبؓ فاضل پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان تھے۔180 خدام کے اسماء سے قبل ان سب اصحاب کی طرف سے حضور کی خدمت میں حسب ذیل عریضہ مرقوم ہے۔

”خاکساران جن کے نام ذیل میں درج ہیں اس رسالہ کو حضور کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کر کے حضور سے اس دعا کی درخواست کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے خاص فضل و رحم سے اور اپنی ستاری سے اسے ہم سب کی طرف سے قبول فرمائے اور اس میں ایسی برکت ڈالے کہ اس کے ذریعے سے تمام عالم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کو یاد کر کے نہایت محبت اور کمال اخلاص سے آپ پر آپ کے مدارج اور مراتب کی ترقی کے لئے اور آپ کی کامیابیوں کے واسطے درود و سلام بھیجنے کی ایک نہایت پُر زور اور کبھی نہ ختم ہونے والی اور ہر آن میں بے حد ترقی کرنے والی تحریک پیدا ہو جائے جو ابد آباد تک روز افزوں طور پر جاری رہے اور خداوند کریم آپ پر اپنی کامل برکات نازل کرے اور آپ کو تمام عالم کے لئے سرچشمہ برکتوں کا بنادے اور آپ کی بزرگی اور شان و شوکت اس عالم اور اُس عالم میں ظاہر کرے اور آپ کا جلال دنیا اور آخرت میں چمکے۔ نیز آپ کے مظہر اتم اور بروز اکمل حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جن کے ذریعہ سے ہمیں آپ کے محاسن اور احسانات کا پتہ چلا اور جن کے طفیل آج تیرہ سو سال کے بعد دوبارہ آپ کا نورانی چہرہ اپنی حقیقی شان کے ساتھ دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوا ہے اور آپ کے تمام عشاق اور اعوان و انصار پر جو گزر چکے ہیں یا اس وقت موجود ہیں یا آئندہ ہوں گے۔ نیز دعا فرمائیں کہ اس آفتاب حقیقی اور اس کے ماہتاب کے انوار و برکات ہمیشہ اس عالم میں اور آخرت میں ہم سب پر، ہمارے بزرگوں پر، ہماری اولادوں پر، ہماری ازواج پر، ہمارے متعلقین پر، ہمارے احباب پر اور ہمارے تمام محسنوں پر اور بہی خواہوں پر ہر آن بیش از پیش ہوتے رہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے جو اس مقصد کو پانے کا ذریعہ ہیں اور روئے زمین پر کوئی فرد بشر بھی آپ کے فیوض سے محروم نہ رہے۔ آمین خاکساران“

نوٹ: رسالہ ہدیہ مبارکہ (درود شریف) صفحہ 11 مطبوعہ اللہ بخش سٹیم پریس قادیان بار دوئم۔ اس رسالہ میں درود شریف کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیش قیمت ارشادات جمع کر دیئے گئے ہیں۔

حضرت سیدہ اُمّ طاہرؓ کی تیمارداری

حضرت سیدہ اُمّ طاہرؓ کی آخری علالت میں تیمارداری کرنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”مریم بیگم کی بیماری میں سب سے زیادہ شیر محمد خان صاحب آسٹریلیا والے کی بیوی اقبال بیگم نے خدمت کی۔ اڑھائی مہینہ اس نیک بخت عورت نے اپنے بچوں اور گھر والوں کو بھلا کر رات اور دن اس طرح خدمت کی کہ مجھے وہم ہو گیا تھا کہ کہیں پاگل نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے سارے خاندان پر ہمیشہ اپنے فضلوں کا سایہ رکھے۔

پھر ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ہیں جن کو ان کی بہت لمبی اور متواتر خدمت کا موقع ملا... میں ان لوگوں کو سوائے دعا کے اور کیا بدلہ دے سکتا ہوں۔

اے میرے رب! تو اِن پر اور اُن سب پر جن کا میں نام نہیں لکھ سکا یا جن کا مجھے علم نہیں اپنی برکتیں اور فضل نازل کر۔ اے میرے رب! میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ تیرے نیک بندے مجھے سے زیادہ مخلص اور خادم رہنما کے مستحق ہیں۔ میں اور کن لفظوں سے ان کی سفارش تیرے پاس کر سکتا ہوں۔"

(الفضل 12/ جولائی 1944ء صفحہ 7 جلد 32 شمارہ نمبر 161)

ذکر خیر

حضور نے فرمایا کہ

"ایک دفعہ میں نے ایک ایسا ڈبہ منگوایا جو کھیل تماشے کے کام میں استعمال ہوتا تھا تا بچوں کو اس کی حقیقت معلوم ہو۔ انہی دنوں ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے گھر چوری ہوگئی اور ان کے بیوی کا گلوبند جاتا رہا۔ مجھے جب اس واقعہ کا علم ہوا تو مجھے شک گزرا کہ فلاں شخص چور ہے چنانچہ میں نے اسے بلایا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب لوگوں کے محسن ہیں۔ وہ مریضوں کا علاج کرتے اور ان کی تکلیفوں کو دور کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ ان کے گھر کا زیور چرانا بہت بُری بات ہے۔ تم سچ سچ بتاؤ گے تو میں ڈاکٹر صاحب کے پاس تمہارا ذکر نہیں کروں گا۔ میرا مقصد تو صرف اتنا ہے اُن کا زیور انہیں مل جائے گا۔ اس نے اقرار کر لیا اور آخر زیور بھی مجھے لا کر دے دیا۔

دوسرے دن میں نے جب ڈاکٹر صاحب کو زیور واپس کرنا چاہا تو مجھے ایک لطیفہ سوجھا۔ میں نے وہی گلوبند اس ڈبہ کے ایک کونے میں رکھ دیا۔ اور پھر ڈاکٹر صاحب کو بلا کر کہا کہ دیکھیں اس ڈبہ میں کوئی چیز موجود ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا کوئی چیز موجود نہیں۔ اس کے بعد میں نے اس ڈبہ پر ایک رومال ڈال دیا اور کہا جنّو! آ جاؤ اور ڈاکٹر صاحب کا زیور اس ڈبہ میں پھینک دو۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے ڈبہ کھولا تو گلوبند اس میں موجود تھا۔ ڈاکٹر صاحب اسے دیکھ کر حیران ہوگئے کہ یہ کیا بات ہوئی۔"

(الفضل 10/ جنوری 1945ء صفحہ 3 فرمودہ 19 مئی 1944ء بعد از مغرب از حضرت مصلح موعودؓ)

ترجمہ قرآن پاک کی تکمیل کے لئے تحریک دعا

حضرت ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

احباب جماعت نے 3/ اگست کے خطبہ جمعہ میں سن اور پڑھ لیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو خبر دی ہے کہ حضور صحت یاب ہو گئے ہیں جیسا کہ 29 جولائی 1956ء کو آپ کو الہام ہوا کہ

"الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ تو نے مجھے بالکل اچھا کر دیا۔ مگر میں اپنی بدظنی اور مایوسی کی وجہ سے اپنے آپ کو بیمار سمجھتا ہوں۔"

اس الہام کی صداقت کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے حضور کو صحت دے دی ہے۔ اس امر سے ثابت ہوتی ہے کہ حضور نے قیام مری کے دوران میں تقریباً دو ماہ میں قرآن کریم کے بائیس پاروں کا ترجمہ کر لیا۔ اور جیسا کہ حضور نے بیان فرمایا کہ یہ ترجمہ جدید نوعیت کا ہے یعنی اس کے پڑھنے والے کو ترجمہ کے ساتھ ساتھ آیات کا مفہوم بھی معلوم ہوتا جائے گا۔ سُبْحَانَ اللہ

لیکن جہاں ہمیں اپنی خوش قسمتی نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کا ترجمہ ایسی بزرگ ہستی کے ہاتھوں کا ملتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہاں ہمیں یہ بھی نظر آرہا ہے کہ ہمارے شامت اعمال کی وجہ سے اس کی تکمیل میں قریباً دو ہفتہ سے روک پیدا ہو گئی ہے۔ اس کی وجہ سے جہاں ہم نہایت قیمتی چیز سے محروم ہو رہے ہیں وہاں ہمیں حضور کی تکلیف بھی نظر آرہی ہے جو کہ اس نہایت ہی بلند کام کے رک جانے کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ترجمۃ القرآن سے کام کے دوران میں بشارت صحت کا ملنا اس کلام کی خدمت کی وجہ سے ہی تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضور کی صحت کی تکمیل اس ترجمہ کے کام کے ساتھ وابستہ ہے۔ میرے اس خیال کو کوئی قیاس محض کہہ سکتا ہے لیکن میں اسے ایک الٰہی شہادت پر مبنی سمجھتا ہوں۔ وہ الٰہی شہادت یہ ہے کہ

''میں 24-25 جون کی درمیانی شب (جب قصر خلافت کے انتظار ملاقات والے کمرہ میں سویا ہوا تھا) فجر کی نماز سے قبل رویا میں دیکھا کہ ''ایک کمرہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور یہ عاجز راقم بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا درس دے رہے ہیں۔ اس وقت حضور کی صحت نہایت عمدہ، لباس، بہت خوبصورت اور چہرہ نہایت پُر رونق اور پُر نور نظر آتا ہے۔''

اہل عرفان احباب اس سے بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ حضور کا ترجمے کا کام نہایت بابرکت ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پسندیدہ تھا۔

پس درخواست ہے کہ احباب کچھ دنوں کے لئے اس امر کے لئے درددل سے دُعا کریں کہ حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو اس ترجمہ کی تکمیل کی جلد از جلد توفیق ملے۔ جس کے ساتھ علاوہ حضور کی صحت کے سلسلہ اور اسلام کی عظیم الشان برکات وابستہ ہیں اور احباب کی روحانی صحت بھی وابستہ ہے۔''

(الفضل 18/اگست 1956ء صفحہ 5 جلد 10 / 45 شمارہ نمبر 193)

''میں نے... احباب سے درخواست کی تھی کہ سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے لئے خصوصیت سے دُعا کریں کہ ترجمہ قرآن کریم کی تکمیل کی توفیق مل جائے۔ سو الحمدللہ کہ 25/اگست کو ترجمہ ختم ہو گیا۔ اسی روز جب ترجمہ ختم ہونے کے بعد نماز عصر کے لئے مسجد میں حضور تشریف لائے تو حضور کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ اور خوشی کے جذبہ کے ساتھ فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب! آج ترجمہ ختم ہو گیا ہے۔ اس پر خاکسار نے کہا۔ الحمدللہ۔ مبارک صد مبارک اللہ تعالیٰ حضور کی عمر میں برکت دے۔ اس وقت تمام اہل قافلہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اکثر نے کہا کہ آج مٹھائی تقسیم ہونی چاہیے۔ جس پر چندہ جمع کیا گیا اور جب رقم جمع ہوئی جس میں حضور کے اہل بیت کا بھی حصہ تھا تو ایک بکرا صدقہ ذبح کروایا گیا۔ الغرض ہمیں اللہ تعالیٰ نے خوشی کا دن دکھا دیا۔ اس خوشی میں وہ احباب بھی شریک ہیں جنہوں نے میری درخواست پر خاص طور پر تکمیل ترجمہ کی توفیق کے لئے دُعا فرمائی اور وہ بھی مبارک بادی کے مستحق ہیں۔ احباب سے یہ درخواست ہے کہ وہ دُعا کریں اور خاص التزام کے ساتھ جاری رکھیں تا کہ احباب کے ہاتھوں تک ترجمہ پہنچنے کے لئے جو بقیہ کام ہے وہ بھی جلد پایہ تکمیل تک پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ حضور کی صحت، عزم اور عمل میں برکت دے اور اس پاک کتاب کے

پاک کام کے سرانجام دینے میں کوئی روک واقع نہ ہو۔ اور سب سے ضروری امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو بابرکت بنائے۔ اور دنیا کی ہدایت کا موجب بنائے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبارک پیشگوئی کہ "تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔" (تذکرہ صفحہ 139) پوری ہو اور دنیا خدا کے چہرے کو جس کے متعلق شک میں مبتلا ہے دیکھ لے۔ آمین یا رب العالمین۔

اس ترجمہ کے کام میں حضور کے حرم مبارک سیدہ اُمّ متین کی انتھک محنت کا حصہ ہے۔ سو احباب ان کی صحت اور درازی عمر کے لئے بھی دُعا کریں۔ نیز انعامات سماوی کے لئے بھی دُعا کریں۔"

(الفضل 11 ستمبر 1956ء صفحہ 7 جلد 10/45 شمارہ نمبر 213)

سیرت حضرت اماں جانؓ پر مقالہ

مورخہ 20 اپریل 1959ء بعد نماز مغرب مسجد مبارک ربوہ میں مجلس خدام الاحمدیہ حلقہ گول بازار کے زیر اہتمام جلسہ سیرت حضرت اماں جانؓ میں زیر صدارت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بزرگ صحابی اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے قدیم طبی خادم محترم جناب ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب نے حضرت اماں جانؓ کی سیرت طیبہ پر ایک نہایت مبسوط مقالہ پڑھ کر سنایا۔ جس میں آپ نے متعدد چشم دید واقعات بیان کر کے حضرت اماں جانؓ کی اپنی روحانی اولاد پر شفقت، جماعت پر آپ کے بے پایاں احسانات، نازک موقع پر انتہائی صبر وثبات اور توحید خالص کے قیام کو بڑی عمدگی سے واضح فرمایا۔

(الفضل 22 اپریل 1959ء صفحہ 1 جلد 13/48 شمارہ نمبر 93)

ایک بچہ سے میری ملاقات اور اس کے تاثرات

عنوان بالا کے تحت حضرت ڈاکٹر صاحبؓ رقم فرماتے ہیں کہ

"میں کل شام مسجد مبارک کے قریب جا رہا تھا کہ ایک دس بارہ سالہ لڑکے نے (اپنا نام بھی بتلایا جو مجھے بھول گیا۔ وہ مکرم خلیفہ علیم الدین صاحب کا نواسہ تھا) جو سامنے سے آ رہا تھا۔ میرا راستہ روک کر السلام علیکم کہا اور مصافحہ کیا۔ پھر چند لمحہ خاموش رہنے کے بعد بولا۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ پھر کہا کہ کیا حضورؑ نے آپ سے باتیں بھی کی ہیں؟

میں نے کہا نہیں۔ البتہ میں نے حضور کے پاس بیٹھ کر حضور کی باتیں سنی ہیں۔ اور حضور کی تقریریں بھی سنیں ہیں۔ تب عزیز نے میرا راستہ چھوڑ دیا اور کوئی مزید سوال نہ کیا۔

مجھے اس عزیز کے ان سوالوں سے بہت خوشی ہوئی کیونکہ اس کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت نظر آئی۔ اس قدر کہ ایک ضعیف العمر انسان سے اس کا راستہ روک کر اپنے دلی جذبہ کے ماتحت سوال کیا اور حظ اٹھایا اور اللہ تعالیٰ اس

عزیز کی عمر و ایمان میں برکت دے اور یہی روح دوسرے احمدی بچوں کے اندر بھی نفخ فرمائے جو اس بات کا ثبوت بنے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حسن اس دنیا میں قائم اور دائم رہے۔

کاش کہ احمدی احباب بجائے اس کے اپنے کمروں کو حضور کی تصاویر سے سجائیں وہ ان لوگوں سے روحانی فیض حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھنے اور حضور کی صحبت سے مستفیض ہونے کی توفیق پائی۔

اگر وہ عزیز ذرا دیر اور میرا راستہ روکے کھڑا رہتا تو میں اسے بتلاتا کہ جس طرح تم میرے سامنے راستہ روکے کھڑے ہو اسی طرح ہر آن ہمارے پیارے آقا کا حسن و جمال ہماری نظر کے سامنے ہے نہ صرف اسی کا حسن و جمال آنکھوں کو نظر آتا تھا بلکہ دل کی آنکھ اس سے حظ اٹھا رہی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اسی نے اپنے حسن و جمال دکھلا کر اپنے پیارے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حسن و جمال ہمیں دکھلا دیا ہے۔ یہ خدائے بلند و برتر کی تقدیر تھی۔ اس میں کسی انسان کی ذاتی کوشش کو دخل نہیں۔

پھر میں اس عزیز کو یہ بتاتا کہ تم مجھ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کیا پوچھتے ہو۔ انہوں نے تو اپنا نورانی چہرہ اور دل کا نور دکھلا کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب خدا کا چہرہ بھی ہمیں دکھلا دیا ہے ہماری آنکھیں جب نور خداوندی کو دیکھتی ہیں تو نور محمدی اور نور احمدی کے ذریعے ہی دیکھتے ہیں۔ تب ہی تو ہم مجبور ہیں کہ یہ کہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

کہ اے محمد و احمد! تیرے نور کی برکت سے تو نور خداوندی نظر آیا ہے۔ پس تو سلامت رہے۔ اے حقیقی اور یگانہ نبی! اللہ کی رحمتیں اور برکتیں مدام ہوں۔

آج وہ نور (مسیح موعود کا نور) جو نور محمدی سے فیض حاصل کرتا ہے۔ احمدی احباب کے حصہ میں آیا ہے۔ یہی نور ہے جس کی برکت سے جماعت احمدیہ والہانہ طور پر نور اسلام کو دنیا جہان میں پھیلانے میں لگی ہوئی ہے۔ یہی مبارک جماعت ہے جو صحابہ کے رنگ میں رنگین ہے اور نور محمد و احمد کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اس کا چمکنا خدائی تقدیر ہے جسے کوئی نہیں مٹا سکتا۔ حاسد اس کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں جس کی خبر قرآن پاک نے یوں دی ہے۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (سورۃ صف:9)

ناشکرے لوگ نورِ خدا کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کریں گے۔ لیکن یہ تو نور محمدی ہے جو خدا تعالیٰ کے نور سے پیدا شدہ اور اُسی کی نسبت سے وہ نور رنورِ خداوندی ہے، سو اللہ تعالیٰ نے اس نور کو اپنا نور بتلاتے ہوئے فرمایا اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا۔ خواہ یہ ناشکرے کس قدر بُرا منائیں۔ ہمیں اس ذات باری تعالیٰ کے فضل و رحم پر بھروسہ ہے کہ وہ احمدیت کے نور کو تمام دنیا میں جو ابلیسی اندھیرے میں بُری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ پھیلا دے گا اور لوگ

بصدق دل لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پکار اٹھیں گے اور ابلیسی دوزخ سے نکل کر رحمانی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ

(مرقوم 9/ جنوری 1963ء از الفضل 13/ جنوری 1963ء صفحہ 5 جلد 17/ 52 شمارہ نمبر 12)

حضرت ڈاکٹر صاحبؓ کی طرف سے تحریک ہائے دعا بابت حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ

محترم حضرت ڈاکٹر صاحبؓ رقم فرماتے ہیں۔

" حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالیٰ کی علالت بہت دنوں سے چل رہی ہے گو علاج خدا کے فضل سے چنندہ ڈاکٹر کر رہے ہیں لیکن تا حال کوئی افاقہ نہیں بلکہ کمزوری زیادہ ہو گئی ہے اور آپ کی طبیعت ہر وقت بے چین رہتی ہے۔ اندریں حالات ہر مخلص احمدی کا فرض ہے کہ وہ دعاؤں پر خاص طور پر بہت زیادہ زور دے۔

جب میں اپنے رب محسن کے احسانات کو سامنے لاتا ہوں تو میرا دل اس یقین سے بھر جاتا ہے کہ ہمارے رب کی شان رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیٍٔ ہے۔ ہم نے اُسے ہمیشہ ہماری تکلیفوں کو راحتوں سے بدلتے پایا ہے۔ یہی مشاہدہ ہے کہ جس نے میرے دل سے کسی وقت یہ شعر نکلوایا تھا۔

دیتا ہے دردِ دل کو شفا خود ہی بار بار
پھر کیوں بتاؤں دردِ نہاں چارہ گر کو میں

رحمت خداوندی کا مشاہدہ سب سے زیادہ انبیاء کرام کی ذات کے متعلق نظر آتا ہے جبکہ وہ ان پاک اور خادم ہستیوں کو مخلوق خدا کی بہترین خدمت کرنے کے لئے مبعوث کرتا ہے مگر ساتھ ہی جنّ وانس شیطان کو اُن کے مخالف کھڑا کر دیتا ہے۔ اس پر وہ طرح طرح کے ابتلاؤں میں پڑتے ہیں۔ مگر وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کے وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ انہیں بچا لیتا ہے اور ان کے ان گنت عُسروں کو یُسروں سے بدل دیتا ہے۔ یہ بات بھی انہیں جیسے وجودوں کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے کہ جب انہیں ابتلاؤں میں ڈالا جاتا ہے تو وہ نہیں جانتے کہ یہ ابتلاوں کا زمانہ کس قدر لمبا ہے۔ ایک ابتلا تو سخت ہوتا ہے مگر زیادہ دیر نہیں رہتا۔ دوسرا لمبے عرصہ تک چلا جاتا ہے۔

اوّل الذکر کی مثال حضرت یونس علیہ السلام کے وجود میں نظر آتی ہے کہ آپ مچھلی کے پیٹ میں ڈالے گئے۔ گویا زندہ در گور کر دیئے گئے۔ مگر خدائے عظیم القدرت نے انہیں تین دن کے بعد اس قبر سے زندہ نکال لیا۔

دوسری قسم کے ابتلاء کی مثال حضرت ایوب علیہ السلام میں نظر آتی ہے کہ آپ ایک لمبا عرصہ کے لئے جلدی بیماری میں مبتلا کر دیئے گئے جس کا زمانہ تیرہ سال لمبا ہو گیا۔

جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

إِذْنَادٰی رَبَّہٗ أَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطَانُ بِنُصُبٍ وَعَذَابٍ (ص:42)

پس اللہ تعالیٰ کی سنت کے پیش نظر خدا تعالیٰ کی رحمت کے صدقے سچے مومن کبھی مایوس نہیں ہوتے بلکہ تلخیوں کے دنوں میں نور خداوندی کو زیادہ سے زیادہ دیکھ لیتے ہیں۔ نہ صرف وہ خود اپنے اندر کے نور کو دیکھتے ہیں بلکہ اُن کی نورانیت دوسروں کو بھی نظر آنے لگتی ہے پس چاہئے کہ ہم صبر وسکون دکھلاتے ہوئے بتضرّع دعائیں کرتے ہوئے اور صدقات کرتے ہوئے نورِ خداوندی کو زیادہ سے زیادہ جذب کرنے کی کوشش کریں اس وقت نورِ خداوندی کی جھلک اِن ہر دو بزرگوں کے اندر نمایاں طور پر پائی جاتی ہے اور ہر دو ہستیوں کی محبوبیت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ یہی وہ ہستیاں ہیں جن کی طرف خوش قسمت لوگ جن کے اندر محبت الٰہی کا جذبہ ہوتا ہے بصد عشق چلے آتے ہیں۔ ایسے بزرگوں کا بلند مقام بسا اوقات دوسرے مومنوں کو بھی بذریعہ خواب دکھلایا جاتا ہے۔

اس وقت یہ عاجز بھی اس قسم کی اپنی ایک رؤیا پیش کرتا ہے یہ رؤیا خاکسار نے 15/اپریل 1963ء کو صبح کے وقت دیکھی تھی۔ اس رؤیا سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر دو ہستیاں باطنی صفائی کی وجہ سے نور خداوندی سے پُر ہیں۔ میں نے دیکھا کہ کسی ایک مکان کا ہال نما کمرہ ہے جو بجلی کی تیز روشنی سے جگمگا رہا ہے۔ اس ہال میں سات بزرگ نیم حلقہ کی شکل میں بیٹھے ہیں جس میں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بھی ہیں۔ حضرت صاحب کا لباس نہایت سفید ہے، چہرہ نورانی ہے۔ اس قدر کہ نور کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں۔ ایسا ہی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالیٰ کا ہے۔ اس وقت میں اس ہال کے سامنے بالا خانے سے اندرونی زینہ کے راستہ، ہال کمرے میں پہنچا ہوں اور حلقہ بزرگان کے سامنے بچھے ہوئے تخت پوش پر بیٹھ گیا ہوں اور نوروں کا نظارہ کر رہا ہوں۔ کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ مجھے خیال آیا کہ تخت پوش پر بیٹھے رہنا سوئے ادبی ہے۔ چنانچہ میں فوراً نیچے اُتر کر حلقہ میں بیٹھ گیا تب میری آنکھ کھل گئی۔

حضرت صاحب اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے علاوہ پانچوں بزرگ شکل وشباہت، قد و قامت میں ایک ہی جیسے معلوم ہوتے ہیں اور سب ہی ایک قسم کے لباس میں ملبوس تھے۔ لباس سادہ تھا لمبا گرم کپڑے کا چوغہ پہنے ہوئے تھے۔ سر پر پگڑی کی بجائے درویشانہ قسم کی ٹوپیاں تھیں اور سب کے سب میرے لئے ناآشنا تھے۔

مندرجہ بالا رؤیا سے ہمیں ان ہر دو ہستیوں کی روحانی ترقی کا علم ہو جاتا ہے کہ کس قدر نور اللہ سے منور ہیں۔ میں احباب سے عرض کرتا ہوں کہ وہ نشان ہائے رحمت الٰہی کو بار بار سامنے لاتے رہا کریں۔ وہ دیکھیں کہ ان کے پیارے امام نے اُن کو علمی دولت سے کس قدر مالا مال کر دیا ہے۔ یہ خزانہ صدیوں تک ختم ہونے والا نہیں ہے۔ پھر اسلام کی ایک جماعت کو اپنی کشش سے ایک ہاتھ پر جمع کر کے بُنْیَانٌ مَّرْصُوصٌ بنا دیا ہے اور اعلیٰ درجہ کی تنظیم قائم کر کے مضبوط جڑوں والا پھل دار درخت لگا دیا ہے جس کے سایہ میں تمام وہ لوگ جو اسلام کا درد رکھتے ہیں دلی تسکین حاصل کرتے ہیں اور اسی درخت کے شیریں پھل دنیا جہاں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ پھر اس پھل دار درخت کے تادیر قائم رکھنے کے لئے لاکھوں افراد کی ایک تربیت یافتہ جماعت اس کی نگہداشت کے لئے جمع کر دی ہے۔ جو اپنے مالوں کو پانی کی طرح ایک چشمہ رواں کی طرح جاری کئے ہوئے ہے

اور اپنے آنسوؤں کے ذریعہ رحمت الٰہی کے نزول کا موجب بنی ہوئی ہے اور اس درخت کو سرسبز و شاداب بنائے ہوئے ہے۔ جہاں اس کے مال جڑوں کو مضبوط کر رہے ہیں وہاں ان کی دعائیں آسمان تک پہنچ کر رحمت الٰہی کے برسنے کا موجب بنی ہوئی ہیں۔ یہ وہی پاکیزہ درخت ہے جسے قرآن شریف نے یوں بیان فرمایا ہے۔

مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ یعنی پاکیزہ عمل کا حال پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ محکم ہے اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ درخت ہر وقت تازہ بتازہ پھل دیتا ہے جو اپنے رب کے حکم سے ایسا کرتا ہے۔

پس نازاں ہوں احباب اپنی خوش بختی پر کہ رحمت الٰہی کی بارش ان پر برس رہی ہے اور اسلام کا تازہ بتازہ پھل انہیں نصیب ہوا ہے وہ اگر ایک طرف تکلیف دہ احساس رکھتے ہیں تو دوسری طرف اسلام کے باغ کو پھلتا پھولتا دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔

وہ خوش ہوں کہ ان کے محبوب آقا گو بظاہر ناسازی طبع میں مبتلا نظر آرہے ہیں لیکن وہ بلا شبہ رحمت الٰہی سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔ وہ باطنی طور پر خوش ہیں کہ اُن کے بیٹے الٰہی برکتوں سے نوازے جا رہے ہیں۔ ان برکتوں کا نظارہ اس وقت نظر آتا ہے جبکہ یہ روحانی بیٹے جلسہ سالانہ کے موقع پر کثیر تعداد میں جمع ہو کر ضوفشانی کرتے ہیں۔ آج اگر اُن کے آقا جلسہ سالانہ کے جشن بہار میں اپنا حسن دکھلانے کے لئے خود نہیں آتے تو کیا آپ کے لخت ہائے جگر ان کے حسن کی نمایاں جھلک نہیں دکھلاتے۔ پھر کیا حضور کے حسن کا کمال اس وجود باجود کے ذریعہ نظر نہیں آتا جو نہایت پُر لطف انداز سے اپنے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حسن پنہاں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

الغرض حضرت محمود ایدہ اللہ نے اپنے حسن اور اپنے کمالات روحانی کو ہرگز نہیں چھپایا۔ بلکہ اپنی توجہ باطنی سے بہتوں کو حسن ریز بنا دیا۔ جن میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالیٰ نمایاں نظر آتے ہیں۔

پس احباب کو چاہیئے کہ جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالیٰ کی موجودہ علالت کے باعث بتضرّع دعائیں کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر دو مقدس ہستیوں کو صحت کامل و عاجل عطا کرے۔ وہاں خدا تعالیٰ کے اس فضل کو سامنے لاتے رہیں کہ جو ان ہر دو ہستیوں کی تضرّعات کے نتیجہ میں جماعت پر کیا ہے۔"

(الفضل 30/ اگست 1963ء صفحہ 3 جلد 17/ 52 شمارہ نمبر 203)

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا وصال

حضرت ڈاکٹر صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں کہ

"كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ یہ کیا ہی سچا جملہ ہے جو خدا کی پاک کتاب قرآن کریم میں مذکور ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر تا ایندم یہ بجا ثابت ہوتا آرہا ہے۔ بظاہر یہ فقرہ فکر اور غم و یاس کی حالت پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن دراصل یہ فقرہ ایک

خوش خبری ہے جو کہ ایسے مقام میں داخل ہونے کی خبر دیتا ہے جس کی وسعت کی کچھ انتہا نہیں۔ درحقیقت اگر بغور دیکھا جائے تو یہ خبر اس خواہش و تقاضا کو پورا کرنے والی ہے جو انسان کے اندر اس کی پیدائش کے ساتھ ہی ودیعت کر دی گئی ہے۔ اسے یوں سمجھنا چاہئے جیسے کہ کوئی شخص بغرض حصول تعلیم کسی کالج میں داخل ہوتا ہے۔ جب اسے ایک زمانہ تعلیم حاصل کرتے گزر جاتا ہے تو اس کا نفس کوفت محسوس کرتا ہے اور تقاضا کرنے لگتا ہے کہ اب کوئی امتحان لے اور مجھے کامیاب کرے۔ تو میں اپنی زندگی کی آسائش دیکھ لوں۔

پس مومنوں کے لئے جو خدا تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں یہ ایک خوش خبری ہے کہ چند دن تلخی کے گزارنے کے بعد ان شاء اللہ ہمیں وہ مقام نصیب ہو جائے گا جہاں ہمیشہ کی خوش کن زندگی حاصل ہو جائے گی۔ یہ لامتناہی ابدی زندگی کیونکر نصیب ہو گی ؟ وہ یوں ہو گی کہ جب ایک سچا مومن محبت الٰہی کی چنگاری دل میں لئے ہوئے اس دنیا کو برضا ورغبت خیر باد کہہ دے تو اسے عالم ثانی میں ایسا وجود مل جائے گا جو حسن خداوندی کو ایسے رنگ میں دکھلائے گا کہ اس کی آنکھ ایک طَرفَةُ العَین کے لئے بھی اِدھر اُدھر نہیں ہو گی اور وہ خدا میں محو ہو کر رہ جائے گا۔ اور ازلی ابدی خدا کے ساتھ اس نسبت کی وجہ سے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دنیا پر رہنے اور گزر جانے والے کاملین نے اس دن کو (وفات کے دن) یوم وصال کہا ہے جیسا کہ کسی بزرگ نے کہا ہے۔

عروسی بود نوبت ماتمت
اگر برنکوئی بود خاتمت

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے بھی اس دن کی قدر و قیمت کا اظہار عجیب رنگ میں کیا ہے۔ جس روز بوقت صبح آپ کی وفات ہوئی اس سے پہلی رات آپ بحالت مرض بار بار یہ ہندی فقرہ پڑھتے رہے۔

اج ملاؤ کی سنی سکھی
سب جگ دینودا

یعنی آج یوم وصال ہے میں سارا جہاں قربان کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعودؑ، پسر موعود اور اپنی دیگر اولاد کے متعلق الہام ہے کہ

”دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ فرزند دلبند گرامی ارجمند مَظْهَرَ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهُ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ“

"دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ حسب بشارت سیدہ حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہ کو بطور زوجہ مطہرہ عطا فرمایا تھا۔ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آپ کے ہاں آمد دوشنبہ کے روز ہوئی تھی پس آں سیدہ کا وصال بذریعہ موت بھی بروز دوشنبہ ہی ہوا۔ پھر ان الہام میں فرزند گرامی ارجمند کا تذکرہ اشارہ کرتا ہے کہ کوئی فرزند ہے جس کی صفت بیان ہوئی ہے کہ اس کا تعلق دوشنبہ سے ہے۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مبارک احمد کی پیدائش کا واقعہ دوشنبہ کو ہوا تھا۔ لیکن آٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہو گیا۔ لیکن دوشنبہ تو مبارک بن گیا۔ اب حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا یوم وصال بھی دوشنبہ کو ہوا ہے۔ یہ جو مبارک دوشنبہ ہے جس سے جہاں آپ کا وصال نہایت مبارک ثابت ہوتا ہے وہاں آپ کے صفات کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

حضرت میاں صاحب کا دم واپسیں آخری وقت سورج کے غروب ہونے کے معاًبعد تھا۔ گویا ایک پہلو سے سہ شنبہ یعنی منگل کا دن لگ گیا۔ اس میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ یوم وصال کے لحاظ سے اگر ایک طرف حضرت ام المؤمنین کے ساتھ مشابہت معلوم ہوتی ہے تو دوسری طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ بھی مشابہت ہوتی ہے جو منگل کو فوت ہوئے تھے۔ پس کیا ہی پیارا روشن وجود ہے۔ کیا ہی خدا کے نور کو دکھلانے والا وجود آپ کا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر ہر آن رحمتیں نازل فرماتا رہے اور آپ کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت اماں جان کا قرب حاصل ہو۔ اور ہم پسماندگان کے گناہوں کو بخشے اور ہمارا بھی انجام بخیر فرمائے۔"

(خان حشمت اللہ)

(الفضل 06/ستمبر 1963ء صفحہ 5 جلد 17/52 شمارہ نمبر 209)

خاندان حضرت مسیح موعودؑ سے تعلق اور محترم صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب کی تقریب شادی

(ا) کنری: یہ امر باعث مسرت ہے کہ مورخہ 07 جنوری 1964ء جماعت احمدیہ کنری کو مکرم جناب مرزا خلیل احمد صاحب ابن سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی بارات (جو حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب (امیر قافلہ) محترم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب، محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب، محترم میاں عبد الرحیم احمد صاحب اور متعدد خواتین پر مشتمل تھی) کا استقبال کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک بزرگ صحابی اور حضور علیہ السلام کے خاندان کے متعدد صاحبزادگان اور بعض دیگر افراد کی تشریف آوری مقامی احباب کے لئے از حد خوشی اور مسرت کا باعث ہوئی۔

محترم جناب مولوی عبد الباقی صاحب ایم اے جنرل منیجر سندھ جننگ اینڈ پریسنگ فیکٹری کنری کے افراد خاندان اور مقامی جماعت کے احباب بارات کے استقبال کے لئے پہلے سے بہت کثیر تعداد میں ریلوے اسٹیشن پر پہنچے ہوئے تھے۔ ساڑھے بارہ

بجے بعد دوپہر گاڑی کے ذریعہ بارات کنری پہنچنے پر احباب نے مکرم صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب اور بارات کے دیگر ارکان کا نہایت پُر تپاک طریق پر خیر مقدم کیا۔ احباب نے دولہا میاں اور دیگر معزز مہمانوں کو پھولوں کے ہار پہنائے۔ اورانہیں اَھْلاً وَّسَھْلاً وَّمَرْحَبًا کہا۔ اسٹیشن سے بارات جیپوں کے ذریعہ دلہن کے والد محترم جناب مولوی عبد الباقی صاحب ایم اے کے مکان واقع فیکٹری پہنچی جہاں لجنہ اماء اللہ مقامی کی مستورات کی ممبرات نے بارات کے ساتھ تشریف لانے والی معزز خواتین کو خوش آمدید کہا۔

اگلے روز مورخہ 08 جنوری کو محترم مولوی عبد الباقی صاحب نے بارات کے اعزاز میں ایک چائے پارٹی کا اہتمام کیا جس میں ربوہ سے تشریف لائے ہوئے معزز مہمانوں کے علاوہ شہر کے رؤساء اور علم دوست اصحاب بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ پارٹی کے بعد اسماء طاہرہ صاحبہ بنت محترم مولوی عبد الباقی جن کا نکاح محترم صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب سے 26 دسمبر 1960ء کو ہوا تھا، کی تقریب رخصتانہ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کی صدارت میں شروع ہوئی۔ محترم مولوی عبد الباقی صاحب، محترم میاں عبد الرحیم احمد صاحب کے والد حضرت پروفیسر علی احمد صاحب مرحوم کے بھتیجے ہیں۔ تقریب کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا جو مکرم مولوی رحمت اللہ خان صاحب مربی سلسلہ ضلع تھرپارکر نے کی۔ بعدہٗ عزیز میاں ظہیر الدین منصور احمد صاحب ابن محترم میاں عبد الرحیم احمد صاحب نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعائیہ نظم "محمود کی آمین" میں چند دعائیہ اشعار خوش الحانی سے پڑھ کر سنائے۔ اس کے بعد مکرم مولوی عطاء اللہ صاحب نے اسی نظم کے بعض اور اشعار پڑھے۔ آخر میں صاحب صدر حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب نے مکرم صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب کے تعارف کے سلسلہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام، سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا بہت محبت بھرے الفاظ میں ذکر فرمایا۔ نیز خاندان حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کے ساتھ اپنے دیرینہ تعلق اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے سفر انگلستان کے بعض متعلقہ واقعات بھی بیان کئے۔ مزید برآں آپ نے اپنے بعض دعائیہ اشعار بھی جو آپ نے خاص اس تقریب کے لئے کہے تھے سنائے۔ جن سے جملہ حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے رشتہ کے بابرکت ہونے کے لئے ایک لمبی اور پُر سوز اجتماعی دعا کرائی۔ اس طرح رخصتانہ کی یہ بابرکت تقریب اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعا پر اختتام پذیر ہوئی۔

ایک بجے بعد دوپہر بارات دلہن کے ہمراہ جیپوں کے ذریعہ اسٹیشن روانہ ہوئی۔ احباب نے بارات کو دلی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ دوبجے بعد دوپہر بارات کا یہ مبارک قافلہ بذریعہ ٹرین عازم ربوہ ہوا۔

(الفضل 14/ جنوری 1964ء صفحہ 8 جلد 18/53 شمارہ نمبر 12)

(2) ربوہ: سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ 11 جنوری 1964ء بروز ہفتہ بعد نماز عصر اپنے فرزند مکرم صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی دعوت ولیمہ کے سلسلہ میں وسیع پیمانے پر ایک چائے پارٹی کا

اہتمام کرایا جس میں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی، ناظر و وکلاء صاحبان، صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے افسران صیغہ جات اور کارکنان نیز دیگر متعدد مقامی اور بیرونی جماعتوں کے احباب شریک ہوئے۔ اس پارٹی کا اہتمام محترم میاں عبدالرحیم صاحب وکیل الزراعت کی کوٹھی میں کیا گیا تھا۔

چائے پارٹی کے بعد حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کی زیر صدارت ایک مختصر سی مجلس منعقد ہوئی جس کا آغاز تلاوت کلام مجید سے ہوا جو مکرم حافظ محمد رمضان صاحب فاضل نے کی۔ ازاں بعد مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب وکیل المال تحریک جدید نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی دعائیہ نظم "محمود کی آمین" کے چند اشعار خوش الحانی سے پڑھے۔ آخر میں حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب نے مکرم صاحبزادہ مرزا خلیل احمد سلمہ اللہ تعالیٰ جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے پوتے اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں کی ولادت کا ذکر کرنے کے بعد آپ کے بچپن کے بعض واقعات سنائے اور اس ضمن میں آپ کی والدہ صاحبہ حضرت سیدہ امۃ الحی صاحبہ مرحومہ کے بعض اوصاف کا بھی ذکر کیا اور آخر میں رشتہ کے بابرکت اور مثمر ثمرات ہونے کے لئے دعا کی پُر زور تحریک کی اور اپنی ایک دعائیہ نظم بھی آپ نے خاص اس موقع کے لئے کہی تھی پڑھ کر سنائی۔ اس مختصر خطاب اور دعائیہ نظم کے بعد آپ نے رشتہ کے بابرکت ہونے کے لئے اجتماعی دعا کرائی۔

بارات جو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعدد افراد پر مشتمل تھی۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کی قیادت میں 06 جنوری 1964ء کو بذریعہ ٹرین ربوہ سے کنری کے لئے روانہ ہوئی تھی جہاں 08 جنوری کو رخصتانہ کی تقریب عمل میں آئی تھی اور بارات اسی دن کنری سے روانہ ہو کر 09 جنوری کی شام کو چناب ایکسپریس سے ربوہ پہنچی اور 11 جنوری کو دعوت ولیمہ ہوئی۔

(الفضل 14/ جنوری 1964ء صفحہ 1، 8 جلد 18/53 شمارہ نمبر 12)

40 سال پہلے کا ایک واقعہ

حضرت ڈاکٹر صاحبؓ فرماتے ہیں۔

"یہ وہ دن تھا جس دن کہ حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مسجد لندن کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ یورپ میں سب سے پہلی مسجد تھی۔ اس روز حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نہایت خوش تھے۔ تمام دن بڑی خوشی سے گزرا، رات کو پھر خوشی کے جذبات موجزن تھے۔ نیند کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے حضور نے بجائے لیٹ کر آرام کرنے کے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد اور اس عاجز کو اپنے کمرے میں بلالیا۔ اور ہم دونوں سے اپنا پاکیزہ کلام خوش الحانی کے ساتھ پڑھوا کر سنتے رہے۔ آخری نظم جو رات کے قریباً بارہ بجے پڑھی گئی۔ اس سے ہم دونوں بھی خاص طور پر متأثر تھے۔

پچھلے دنوں حسن اتفاق سے وہ نظم میرے سامنے آگئی اور مجھے آج سے 40 سال پہلے کا وقت یاد آگیا اور دل میں ایک خاص حالت پیدا ہوگئی۔ ایک طرف درد صاحب مرحوم کی یاد سے دل میں رقت پیدا ہوگئی اور دوسرے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی جوانی کی عمر میں خدمت اسلام کی ولولہ خیزی اور انتہائی جانثاریاں یاد آ گئیں اور پھر آج حضور کی علالت کے خیال نے دل کو بہت درجہ حزیں بنادیا اور نظم کے مضمون نے آج کے مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت کو سامنے کر دیا۔ لہٰذا میں نے ضروری سمجھا کہ نظم کو احباب کے سامنے لے آؤں تا احباب حقیقت حال کو پیش نظر رکھ اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کے لئے اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت کاملہ کے لئے درد دل سے اور استقلال کے ساتھ دعاؤں میں لگ جائیں حضور کی نظم درج ذیل ہے۔

صید و شکار غم ہے تو مسلم خستہ جان کیوں
اُٹھ گئی سب جہان سے تیرے لئے امان کیوں
بیٹھنے کا تو ذکر کیا بھاگنے کو جگہ نہیں
ہو کے فراخ اس قدر تنگ ہوا جہان کیوں
ڈھونڈتے ہیں تجھی کو کیوں سارے جہاں کے ابتلاء
پیستی ہے تجھی کو کیوں گردش آسمان کیوں
کیوں بنیں پہلی رات کا خواب تیری بڑائیاں
قصہ ما مضیٰ ہوئی تیری وہ آن بان کیوں
سارے جہاں کے ظلم کیوں ٹوٹتے ہیں تجھی پہ آج
بڑھ گیا حد صبر سے عرصہ امتحان کیوں
تیری زمین ہے رہن کیوں ہاتھ میں گبر سخت کے
تیری تجارتوں میں ہے صبح و مساء زیاں کیوں
کیوں ہیں یہ تیرے قلب پر کفر کی چیرہ دستیاں
دل سے ہوئی ہے تیرے محو خصلت امتنان کیوں
تجھ کو اگر خبر نہیں اس کے سبب کی مجھ سے سن
تجھ کو بتاؤں میں کہ برگشتہ ہوا جہان کیوں
منبع امن کو جو تُو چھوڑ کے دور چل دیا
تیرے لئے جہاں میں امن ہو کیوں امان کیوں

ہو کے غلام تو نے جب رسم و داد قطع کی
اس کے غلام در جو ہیں تجھ پر ہوں مہربان کیوں

مجھے امید ہے کہ اس نظم کو پڑھنے والے احباب اسی طرح متأثر ہوں گے جس طرح آج سے 39 سال پہلے ہم متأثر ہوئے تھے۔ ہمارا متأثر ہونا غیر موزوں نہ تھا کہ ہم ان دنوں عیسائیوں کی دنیوی برتری اور ان کی اسلام دشمنی لنڈن میں بیٹھے خوب دیکھ رہے تھے۔ اور ہم 80 لاکھ کی آبادی کے اس شہر میں ایک مسجد کی بنیاد بمشکل رکھ پائے تھے اور ہم اپنی اس بیچار گی کا اس سے بھی مشاہدہ کر رہے تھے کہ اس کار خیر میں غیر از جماعت احباب نے ہماری کوئی مدد نہ کی تھی۔"

(الفضل 23/ اپریل 1964ء صفحہ 4 جلد 18/ 53 شمارہ نمبر 96)

خلافت ثالثہ کے قیام کے بارے ایک مضمون

جماعت احمدیہ کی دس سالہ تضرّعات اور ان کی قبولیت کے شیریں پھل

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے خلیفہ ثالث بننے کی 21 سال پہلے الٰہی شہادت

جماعت ہائے احمدیہ 1955ء سے 1965 تک جس قدر تضرّع سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحت یابی کے لئے دعائیں کرتی رہیں اور صدقات دیتی رہیں۔ اُس کی مثال رُوئے زمین پر نہیں مل سکتی۔ بار بار دعا کے لئے خاص تحریکات کی جاتی رہیں اور جب بظاہر حضور کو کامل صحت نہ ہوئی تو بعض لوگوں نے یہ گمان کیا کہ جماعت کی دعائیں قبول نہیں ہوئیں۔ لیکن خالق کائنات خوب جانتا تھا کہ یہ دعائیں اور صدقات ضائع نہیں ہوں گے بلکہ یہ کسی نہ کسی رنگ میں اُس کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل کریں گے۔ اور وہ ایک دن ضرور اُن کا نتیجہ دکھائے گا اور دعا کرنے والوں پر خوب عیاں ہو جائے گا کہ ان کی دعائیں ضائع نہیں ہوئیں بلکہ احسن طور پر قبول ہو کر ایک احسن تخلیق کا موجب بنی ہیں۔ خدائے رحیم و کریم ان دعاؤں کو جمع کرتا جارہا تھا۔ وہ ہمارے صدقات کو محفوظ کر رہا تھا۔ اور وہ جماعت احمدیہ کو گریہ اور تضرّع اور ابتہال کا موقع دے رہا تھا۔ اسے اپنے در کا فقیر بنائے چلا جارہا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنی رحمانیت کے صدقے مخفی طور پر ایک اور روحانی وجود کی تخلیق کر رہا تھا تا ایک دن وہ جماعت احمدیہ پر وہ وقت لے آئے جب وہ یقین کی آنکھ سے دیکھ لے کہ اُس کا رحیم و کریم خدا اجر دینے میں کتنا صادق اور وفادار ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو وفات دے دی تو اس کے ساتھ ہی وہ اپنی مخفی تخلیق کو سامنے لے آیا۔ اور جماعت کو بتادیا کہ وہ آج ان کی سب دعاؤں کا بدلہ خلافت ثالثہ کے رنگ میں دے رہا ہے۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے قیام خلافت ثالثہ کی شکل میں جو احسان جماعت پر ہوا ہے اس کا وہ جتنا شکر بھی کرے کم ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی عمر دراز کرے۔ آپ کے قدم کو ہمیشہ راستی پر قائم رکھے اور روحانی بلندیاں عطا کرے تا کہ جماعت احمدیہ کی خوش بختی میں اور ترقی ہو۔

احباب جماعت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی نَافِلَةً لَّكَ والی پیش گوئی کے پورا ہونے اور حق بمقدار رسید کے اظہار سے آشنا ہو چکے ہیں لیکن علاوہ اس مستقل پیشگوئی کے جماعت کے بعض افراد کو بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے متعلق مبشرات سے نوازا ہے۔ جو وقتاً فوقتاً احباب کے سامنے آئیں۔ اور ان شاء اللہ آئندہ بھی آتی رہیں گی۔ اسی قسم کی ایک رؤیا اخبار الفضل مورخہ 18/مارچ 1944ء کے صفحہ 4 پر درج ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ خلافت کا تاج حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کو پہنانے والا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر شیخ عبداللطیف صاحب دہلی سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مجھے ماہ جنوری 1944ء کے آخری پندرہ دن میں دو خوابیں آئیں جو درج ذیل ہیں۔ (1) میں دیکھتا ہوں کہ حضور کی زندگی کے کم و بیش ہونے کا سوال بارگاہ الٰہی میں پیش ہے۔ پھر دیکھتا ہوں کہ کسی کو بہت بڑا رتبہ ملنے والا ہے۔ اس کے بعد میری آنکھوں کے سامنے ناصر احمد صاحب کا نام اور شکل بہت دیر تک گھومتی رہتی ہے۔ (ناصر احمد صاحب مراد حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد ہیں) پھر میری آنکھ کھل گئی۔"

(الفضل 18 مارچ 1944ء)

یہ عجیب قدرت الٰہی ہے کہ آج سے اکیس سال قبل ایک شخص کا نظارہ دکھایا جاتا ہے کہ اب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو خدا تعالیٰ اپنے پاس بلا لے گا تو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ جماعت کے امام اور آپ کے جانشین ہوں گے۔ اور خلافت کا عظیم انجام انہیں عطا ہوگا اور پھر اسے جماعت کے اخبار میں بھی شائع کروا دیا تا وہ محفوظ رہے اور آئندہ آنے والوں کے لئے ایمان واخلاص کی زیادتی کا موجب ہو۔

میں ایک اور واقعہ بھی ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں جس سے ہمارے موجودہ امام کی شان اور ان کا وہ مقام ظاہر ہوتا ہے جو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ کی نظر میں تھا۔ وھوھذا۔

"1921ء میں حضور خلیفۃ المسیح الثانی بغرض تبدیلی آب و ہوا کشمیر تشریف لے گئے اور ایک ڈیڑھ ماہ کے لئے احمدی ڈار خاندان کے گاؤں آسنور میں قیام پذیر ہوئے۔ انہی دنوں حضور نے کوثر ناگ جھیل کی جو 14 ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے سیر بھی کی۔ سیر کے لئے جو قافلہ بنا قریباً 30 آدمیوں پر مشتمل تھا۔ جن میں مردوں کے علاوہ مستورات اور بچے بھی شامل تھے۔ جھیل چونکہ بہت زیادہ بلندی پر واقع تھی اور قافلہ میں بچوں والی عورتیں، چھوٹے بچے اور مردوں میں بعض بھاری جسم والے اور پیدل چلنے کی عادت نہ رکھنے والے مرد شامل تھے۔ اس لئے قافلہ بڑے تنگ وقت میں جھیل پر پہنچا۔ اور اسے وہاں ٹھہرنے کا بہت کم موقع ملا۔ کیونکہ بارش اور ژالہ باری کا خطرہ تھا۔ اس لئے حضور بہت جلد واپس لوٹ آئے لیکن اس کے

باوجود قافلہ بارش کی زد میں آ گیا کچھ دور چلنے کے بعد حضور نے قافلہ کے افراد کی حاضری لی اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو موجود نہ پا کر اونچی آواز سے پکارا۔ ناصر احمد کہاں ہے؟ کشمیری بھائیوں میں سے ایک نے جواب دیا۔ حضور! وہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے ہمراہ چشمہ کی دوسری جانب سے تشریف لا رہے ہیں حضور سفر جاری رکھیں۔ وہ بھی ان شاء اللہ پہنچ جائیں گے۔ حضور نے بڑے زور سے فرمایا! میں اپنے بیٹے کو چھوڑ کر آگے نہیں جا سکتا۔ لیکن جب کشمیری بھائیوں نے یقین دلایا کہ وہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے ساتھ درست راستہ پر آ رہے ہیں اور کچھ دور آگے جا کر ہم نے بھی ان کے ساتھ مل جانا ہے تو حضور آگے چل پڑے۔

آج کے واقعات کو دیکھ کر اس بات کا علم ہوتا ہے کہ حضور کو اس وقت حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا کیوں اتنا فکر تھا۔ دراصل وہ ایک قیمتی وجود تھا جسے حضرت مصلح موعودؓ جیسا صاحب فراست باپ چھوڑ کر آگے نہیں جا سکتا تھا۔

اس کے بعد میں اپنے متعلق بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

احباب کو معلوم ہے کہ یہ ناچیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدس خاندان کا قریباً پچاس سالہ وفادار خادم رہا ہے۔ ابتداء میں خدمت کا موقع 1918ء میں ملا اور اس کے بعد متواتر خدمت کرتے چلے جانے کا شرف حاصل ہوا۔ حضور نے 1924ء میں یورپ کا سفر اختیار فرمایا تو اس عاجز کو بھی حضور کی معیت کا شرف نصیب ہوا سفر پر روانہ ہونے سے دو تین روز قبل حضرت اُمّ ناصر رضی اللہ عنہا نے خاکسار کو بلوا کر فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب! آپ اپنا فوٹو میرے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھنچوا کر دے جائیں۔ چنانچہ حسب ارشاد فوٹو کھنچوایا گیا۔ جس میں شامل ہونے والے اصحاب مندرجہ ذیل ترتیب سے بیٹھے ہیں۔

دائیں سے بائیں (حشمت اللہ، صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب) تقسیم ملک تک یہ فوٹو اس عاجز کے پاس موجود تھا۔ بعد میں یہ قادیان رہ گیا لیکن بہر حال اس سے اس تعلق کا علم ہوتا ہے جو مجھے حضرت خلیفہ المسیح الثانی اور حضور کے صاحبزادگان سے ہے۔"

(الفضل 11 / فروری 1966ء صفحہ 3 جلد 20/55 شمارہ نمبر 35)

باب نمبر:9

خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے واقعات پر اظہار خیال

- حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی بیعت اور ذکر خیر
- حضرت سیدہ اُمّ طاہر احمدؓ کی شادی و وفات
- حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی وفات
- حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی بیعت اور ذکر خیر

حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کا ذکر خیر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحبؓ فرماتے ہیں۔

”حضرت مرزا سلطان احمد صاحب جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پہلی زوجہ محترمہ کے بطن سے تھے نے ایک لمبے عرصے تک کھلے طور پر احمدیت قبول کرنے کا اعلان نہ کیا تھا لیکن آپ کی روح احمدیت کو قبول کئے ہوئے تھی۔ آپ نہایت درجہ فہیم، علم دوست اور بلند اخلاق کے مالک تھے اور خوب سمجھتے تھے کہ اسلام کی روح جو اُن کے گرانقدر والد مسلمانوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ روح مسلمانوں میں مفقود تھی اور خود مرزا سلطان احمد صاحب پر بھی ماحول نے اثر ڈالا ہوا تھا اور وہ اپنے آپ کو ان نقوش پر جن پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام چلانا چاہتے تھے کہ بندہ دنیا نہ رہے بلکہ بندہ خدا بن جائے پر چلنے سے عاری سمجھتے تھے لیکن آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس استغناء سے بھی واقف تھے کہ خدا کی راہ میں حائل ہونے والے کو خواہ وہ حضور کا جگر گوشہ ہی کیوں نہ ہو ذرہ بھر وقعت نہ دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ گوشہ تنہائی اور دور رہنے میں عافیت سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود ہر آن حضور کے حکم کی جو کاروبار دنیا کے متعلق ہوں تعمیل کرنے کو حرز جان سمجھتے تھے اور حضرت اقدس کی شخصیت کے متعلق نہایت غیرت رکھتے تھے۔ اُدھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی جبر کے سخت خلاف تھے۔ بلکہ آپ کی ماموریت کا کارنامہ ہی یہ تھا کہ لوگوں کو اسلام کا حسین چہرہ دلائل، حسن اخلاق اور نور سماوی کی جھلک کے ذریعے دکھلائیں۔ حضور ہرگز یہ گوارہ نہ فرماتے تھے کہ اپنے بیٹے کو جبری حکم کے ذریعے اسلام کے جملہ احکام کا پابند فرمائیں۔ یہی وجہ ہے کہ باپ اور بیٹے میں بُعد جاری رہا۔ حتّٰی کہ حضرت اقدس کا وصال ہو گیا اور احمدی دنیا اور دوسرے لوگ یہی سمجھتے رہے کہ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب احمدیت کے قائل نہیں لیکن خدائے علیم و بصیر ان کے دل کی حالت کو جانتا تھا کہ وہ نہ صرف حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے جسمانی بیٹے ہیں بلکہ ان کو روحانی فرزند ہونے کا بھی مقام حاصل ہے جو اس لطف خداوندی سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کے وصال کے روز آپ کو ماتم پرسی کے الہام سے نوازا اور آپ کے قلب میں اس کی یہ تعبیر ڈالی گئی کہ والد صاحب فوت ہو گئے ہیں لہٰذا آپ اس یقین کے ساتھ تمام روکوں کو دور کر کے اپنے دورہ کے مقام سے قادیان روانہ ہو گئے اور حضرت اقدس کے جنازہ میں شامل ہوئے۔

پھر آپ کی احمدیت سے وابستگی اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ چند مخلص احمدی احباب جو آپ سے دوستانہ اور بے تکلّفانہ تعلق رکھتے تھے آپ کی خدمت میں وفد کے طور پر حاضر ہوئے تا کہ انہیں حلقہ احمدیت میں لانے کی کوشش کریں۔ آپ نے ان کی باتوں کو سن کر فرمایا۔

”میں اپنے والد صاحب کے مقام کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔ ظاہری بیعت سے جو رکا چلا آرہا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں حضور علیہ السلام کی فرمودہ تعلیم کی بجا آوری کا تاب تواں اپنے اندر نہیں رکھتا۔“

اسی طرح فتنہ ارتداد کے زور سے زمانے میں چند متعصّب لوگ جو غیر از جماعت تھے آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کی زمین کے دو چھوٹے ٹکڑے میاں محمود آپ کی اجازت کے بغیر زیر کاشت لے آئے ہیں۔

"اس پر آپ ان لوگوں پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ میاں محمود میرے بھائی ہیں۔ اگر وہ میرے مکان کی چھت پر بھی ہل چلوا دیں تو بھی میں ان سے اختلاف نہیں کروں گا۔"

یہ بظاہر ایک وقتی بات تھی لیکن اس کے اندر یہ شہادت پائی جاتی ہے کہ آپ بخوبی سمجھتے تھے کہ حضرت محمود جس کارِ دین کو سرانجام دے رہے ہیں وہ وہی کام ہے جسے ان کے گرانقدر والد حضرت مسیح موعود علیہ السلام سرانجام دے رہے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد جب مخالفین نے حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے خلاف شر انگیز خبریں اڑائیں اور یہ کوشش شروع کی کہ کسی طرح آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری زوجہ محترمہ حضرت اماں جان سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ کی اولاد کی مخالفت پر آمادہ کیا جائے تو اس پر آپ نے ایک دوست کے نام مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا جو کہ پیسہ اخبار میں شائع ہو گیا تھا۔

مکرم بندہ!

والانامہ پہنچا۔ مشکور فرمایا۔ ہمیشہ لوگ اپنی ذات پر اور اپنے نفس پر دوسروں کا فیصلہ کیا کرتے ہیں۔ ذاتی کاوشوں کو مذہبی رنگ میں لا کر نتائج نکالنے کے عموماً عادی ہوتے ہیں۔ جن جلد بازوں نے میرے متعلق یہ خبریں اڑائیں انہوں نے یہ سمجھا کہ سچا اسلام صرف یہی ہے کہ ایک لڑکا اپنے باپ کے مرنے پر شرارت اٹھائے اور قفل بندی کر دے۔ لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ میں اس قسم کے اسلام سے بیزار ہوں اور میری رائے میں جو اسلام یہ سکھاتا ہے کہ باپ کی بے عزتی اور بے وقری کی جائے اور باپ کے پسماندگان کے ساتھ فساد کیا جائے وہ کفر اور ارتداد سے بھی بدتر ہے۔ اگر ایسے شرمناک اسلام کی وجہ سے بہشت بھی مل سکے تو میری رائے میں وہ دوزخ سے بھی بدتر ہے۔

لعنتی ہے وہ بیٹا اور کم بخت ہے وہ لڑکا جو باپ کی میت کو خراب کرے اور چھوٹے بھائیوں سے ناحق الجھے۔ مسلمان ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ ماں باپ کے قدموں کے نیچے بہشت اور دوسری طرف یہ امید رکھتے ہیں کہ ایک سمجھدار لڑکا باپ کی تخریب کا موجب ہو اور دین و دنیا میں روسیاہی سہیڑے اور میں اگر یہ حرکت کرتا بھی تو کیا اس تصور پر کہ قادیان میں ان کی بدولت روز و شب قرآن کریم کی تلاوت اور آذان کی آواز گونجتی ہے۔ میں سست اعمال تھا۔ مجھے اسلامی جوش اس قدر مجبور کرتا کہ میں اس قدر مومن ہو جاتا کہ قرآن خواں جماعت کو قادیان سے نکالنے کی فکر کرتا۔ حاشا و کلا

مرزا صاحب میرے والد تھے اگر وہ مجھ پر میری بعض کوتاہیوں کی وجہ سے ناراض تھے تو اس کا بدلہ تھا کہ میں ان کی قفل بندیاں کرتا پھرتا۔ گو مجھے بعض مسلمان بھائی اس خاموشی کی وجہ سے کافر کہیں گے اور یہ کہ میں غیرت مند مسلمان

نہیں ہوں لیکن میں ایسوں کو یاد دلاتا ہوں کہ وہ اسلام مجھے ہر گز منظور نہیں جو والدین کی بے عزتی کو موجب رضائے خدا قرار دیتا ہے۔ میں ایسا اسلام کا قائل ہوں جو تعلیم دیتا ہے کہ ماں باپ کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

مسلمانوں نے صرف افواہوں پر ہی بس نہیں کی بلکہ تحریک بھی کی کہ اب اسلام کی مدد کا وقت ہے۔ یہ مسلمانوں کا اسلام ہے کہ باپ کو بے عزت کرا کے لڑکے کو جنت کا ورثہ دلاتے ہیں۔ اختلاف خیال ایک جدا رنگ ہے۔ میں خوش ہوتا کہ مرزا صاحب کے مخالف باوجود مخالفت کے مجھے یہ لکھتے کہ اگرچہ ہماری مذہبی مخالفت ہے مگر تم کوئی ایسی حرکت خلاف آبرو والی نہ کرنا۔ افسوس مسلمانوں نے تو یہ افواہیں اڑائیں اور ایک عیسائی افسر نے جب مسلمانوں کی اڑائی ہوئی یہ خبر سنی تو بذریعہ چٹھی کے یہ لکھا "ہم امید نہیں کرتے کہ تم سے کوئی ایسی ناجائز حرکت سرزد ہو"

آپ میرے پُرانے دوست اور بھائی ہیں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں ایسے معاملات میں کیسی طبیعت رکھتا ہوں۔ خیر مجھے بعض مسلمانوں کا مذاق طبیعت اور اسلامی جوش معلوم ہو گیا کہ وہ اسلام کا منشاء صرف فساد ہی جانتے ہیں اور ان کی نگاہ میں ادب بُردباری اور احترام بزرگان خاندان کوئی شے نہیں۔

قادیان کی جماعت خدا کے فضل و کرم سے بمقابلہ میرے ہزاروں درجہ نیک، متقی، عامل شریعت، شب بیدار اور پرستار خدائے لایزل ہے اور میرے اعمال آپ خوب جانتے ہیں کیا ہیں۔ کیا باوجود ان اعمال کے ایسی جماعت کی مخالفت کر سکتا ہوں۔ لوگ انہیں کافر سمجھیں اور قابلِ دار۔ وہ مجھ سے حد درجہ نیک اور قابل عزت ہیں اور میں ان کو مسلمان جانتا ہوں۔ میرا مذہب یہ ہے، جو خدا کو واحد، رسول عربیؐ کو نبی اور قرآن کو خدا کا کلام مانتا ہے وہ مسلمان ہے۔ باقی رہے فروعی جھگڑے ان پر کوئی بھی مسلمان باقی نہیں رہا۔

مرزائی ٹولہ کو اگر خدا اپنی مرضی سے قادیان سے نکالے تو نکالے۔ نہ وہ سلطان احمد کے کہنے سے نکلتے ہیں اور نہ سلطان احمد ان کو نکالتا ہے بلکہ ان کی مناسب دلجوئی پر مستعد اور تیار ہے۔ میں کیا؟ کل خاندان سے کسی ایک نے بھی مخالفت نہیں کی۔ آخر غیرت بھی تو کوئی شے ہے اور وہ منجملہ فرائض اسلام کے ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں نہ مجھ سے کوئی ایسی شرمناک حرکت سرزد ہوئی اور نہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہو گی۔"

سلطان احمد جالندھر

02جون1908ء

(الحکم14جولائی1908ء)

آپ کے مندرجہ بالا خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ باوجود بیعت نہ کرنے اور دور دور رہنے کے آپ نے نہ صرف مخالفت نہ کی بلکہ نہایت غیرت مندی کا ثبوت دیا اور انکساری دکھائی۔ درحقیقت آپ کی روح احمدیت قبول کئے ہوئے تھی۔ اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ جب آپ کے بیٹے حضرت مرزا عزیز احمد صاحب نے 1906 یا 1907ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی

بیعت کی تو آپ کی تائی صاحبہ نے طنزاً آپ سے کہا کہ میرا بیٹا بھی ایساویسا ہو گیا ہے تو اس پر آپ نے برجستہ یہ جواب دیا کہ
”اچھا ہوا نماز تو پڑھا کرے گا۔“
اسی طرح جب صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب علی گڑھ کالج میں پڑھا کرتے تھے تو آپ سے یہ غلطی سرزد ہوگئی کہ آپ سٹوڈنٹس کی سٹرائیک میں شامل ہو گئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں فوراً جماعت سے خارج کر دیا۔ اس پر مرزا عزیز احمد صاحب کو سخت صدمہ پہنچا۔ سوائے معافی نامہ پیش کرنے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن حضرت اقدس کا رعب ودبدبا تھا کہ مرزا عزیز احمد صاحب کو اس کا مضمون نہ سوجھتا تھا۔ ایسے آڑے وقت میں ان کے والد مرزا سلطان احمد صاحب نے جو کہ خود احمدیت میں داخل نہ ہوئے تھے لیکن حضرت مسیح موعودؑ کے مزاج شناس تھے معافی نامہ کا مضمون لکھ کر ان کو علی گڑھ بھیج دیا۔ چنانچہ اس معافی نامہ کے پہنچنے پر حضرت اقدسؑ نے ان کو معاف کر دیا اور احمدیت کے قلعہ عافیت میں انہیں دوبارہ داخل کر لیا۔ یہ واقعہ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کا احمدیت کے ساتھ دلی وابستگی کا ثبوت بن گیا۔
حضرت مرزا سلطان احمد صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں 25دسمبر 1930ء کو بیعت کی۔ اس بیعت کے بارے میں ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ مرزا سلطان احمد صاحب اپنی لمبی بیماری کے دوران جو انہیں پنشن کے کچھ عرصہ بعد لاحق ہوگئی تھی پہلے لاہور تشریف فرما تھے۔
پھر آپ قادیان آ گئے اور یہاں علاج معالجہ کا سلسلہ شروع ہو گیا اسی لمبی اور آخری بیماری کے دوران خاکسار کو بہت کچھ طبی خدمت کا موقعہ ملتا رہا۔ آپ فرماتے ہیں کہ
”میں نے کبھی مرزا صاحب کو مغموم نہ پایا۔ اکثر لطائف کے رنگ میں بات کرتے تھے۔“
ایک روز خاکسار نے مندرجہ ذیل رؤیا مرزا صاحب کو سنایا۔
”خاکسار نے 12/رمضان 1930ء کو جب میں فجر کی نماز کے بعد لیٹ گیا تھا تو رؤیا میں دیکھا کہ شور بپا ہے اور اعلان سا ہو رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (دوبارہ دنیا میں) آ رہے ہیں پھر دیکھا کہ حضرت امیر المؤمنین مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی جن کے ہمراہ اس وقت صرف یہ ناچیز راقم ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استقبال کے لئے چوک مسجد مبارک سے ریلوے اسٹیشن سے آنے والے راستہ کی طرف بڑھے ہیں اور ابھی تھوڑا سا آگے بڑھے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سامنے سے تشریف لاتے ہوئے اس مقام پر نظر آئے ہیں جو کہ حکیم مولوی قطب الدین صاحب کے مطب کے سامنے ہے۔ اس وقت حضور نے نہایت سفید نقاب پہنا ہوا ہے جس کو حضور نے جب اُتارا تو حضور کا چہرہ مبارک ایسا منور نظر آیا جس کی مثال بیان نہیں کی جا سکتی۔ اس وقت تھوڑے توقف کے بعد پہلے حضرت خلیفۃ المسیح نے مصافحہ کیا اس کے بعد خاکسار راقم نے۔ حضور پُرنور نے خاکسار کے ہاتھ کو کچھ زیادہ دیر تک اپنے ہاتھ میں تھامے رکھا ابھی میرا ہاتھ حضور کے ہاتھ میں ہی تھا کہ ایک طرف تو حضور کی شکل میں کچھ تبدیلی نظر آئی اور حضرت مرزا سلطان احمد صاحب

کی شبیہ سے کچھ مشابہ ہو گئی اور دوسری طرف میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ مرزا سلطان احمد صاحب لاہور میں بیمار تھے۔ وہ تندرست ہو کر آئے ہیں۔ مگر یہ خیال زیادہ غالب نہ آیا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت جب میں نے یہ خواب دیکھا تو میرا بدن خوشی کے اثر سے جو رؤیا کی حالت میں پہونچی تھی۔ چارپائی پر تھر تھرا رہا تھا۔"

جب میں نے یہ رؤیا مرزا صاحب کو سنائی تو آپ اسے سن کر بہت مخموم ہو گئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور رقت قلب کے ساتھ خاکسار سے مخاطب ہوئے کہ

"ڈاکٹر صاحب! میرے لئے دعا کریں کہ میں بھی انسانوں میں شامل ہو جاؤں۔"

آپ نے یہ الفاظ کچھ ایسے رنگ میں کہے تھے کہ میرے دل پر ان کا بہت گہرا اثر ہوا۔

میں ان کے لئے دعا کرتا رہا اور علاج معالجہ بھی چلتا رہا اور کبھی سلسلہ احمدیہ کا تذکرہ بھی ہو جاتا تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وہ دن لے آیا کہ مرزا صاحب کے اہل بیت کی طرف سے خاکسار کو بلایا گیا کہ میں حضرت صاحب (حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی) کی خدمت میں عرض کر کے حضور کو بلا لاؤں تا کہ حضور مرزا صاحب کی بیعت لے لیں۔ اس وقت مجھے بے حد خوشی پہنچی اور خدا تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ سامنے آ گیا کہ بڑا بھائی چھوٹے بھائی کے ہاتھ پر خدا کی راہ میں بکنے لگا ہے۔ میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں حضرت مرزا صاحب کے ہاں تشریف لے جانے اور بیعت لینے کے لئے عرض کیا۔ حضور اسی وقت میرے ہمراہ حضرت مرزا صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے اور اس کمرہ میں تشریف لے گئے جہاں مرزا صاحب بستر علالت پر تھے۔ مرزا صاحب کی طبیعت اس وقت اچھی تھی۔ کوئی بخار وغیرہ یا کسی قسم کا عارضہ نہ تھا بجز اس تدریجی کمزوری کے جو ٹانگوں میں پیدا ہو گئی تھی اور آپ کھڑے نہ ہو سکتے تھے۔

جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مرزا صاحب مرحوم کی چارپائی کے پاس کرسی پر بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا کہ دونوں بھائیوں پر خاموشی طاری تھی... کچھ توقف کے بعد میں نے مرزا صاحب مرحوم کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ جیسا کہ آپ خواہش ظاہر کر چکے ہیں اب آپ ہاتھ بڑھائیں اور بیعت کر لیں۔ چنانچہ آپ نے برضا و رغبت ہاتھ بڑھایا اور حضرت خلیفۃ المسیح نے ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تا کہ اس دیر سے بچھڑے ہوئے بھائی کو اپنے عالی مقام والا شان خدا کے جری کے آغوش شفقت میں داخل کر لیں۔

بیعت شروع ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح دھیمی آواز میں بیعت کے الفاظ مونہہ سے نکالتے اور مرزا صاحب مرحوم ان کو دہراتے تھے۔ جس وقت یہ الفاظ بولے گئے کہ

"آج میں محمود کے ہاتھ پر اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر کے احمدی جماعت میں داخل ہوتا ہوں۔"

تو اس وقت میرے قلب کی عجیب کیفیت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب نظارہ آنکھوں کے سامنے آگیا کہ ایک چھوٹے بھائی کو جو بڑے بھائی سے عمر میں بہت چھوٹا ہے بلکہ اس کی اولاد کے برابر ہے خدا تعالیٰ نے وہ مرتبہ دیا ہے کہ وہ اپنے بڑے

بھائی سے یہ الفاظ کہلوا رہا ہے کہ میں آج اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر کے جن میں مَیں گرفتار تھا سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوتا ہوں۔ پھر اس کے بعد یہ الفاظ بھی دہرائے گئے کہ آئندہ بھی ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ شرک نہیں کروں گا۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا اور جو آپ نیک کام بتائیں گے ان میں آپ کی فرمانبرداری کروں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تمام دعووں پر ایمان رکھوں گا۔ وغیرہ وغیرہ

ان الفاظ کے خاتمہ پر حسب معمول حضور نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور مرزا صاحب مرحوم اور دیگر حاضرین نے بھی ہاتھ اٹھا کر دعا میں شمولیت اختیار کی۔ دعا کے کچھ دیر بعد حضرت خلیفۃ المسیح ثانی اپنے مکان پر واپس تشریف لے گئے اور یہ ناچیز بھی خوشی سے لبریز دل کے ساتھ اپنے کام پر چلا گیا۔

...مرزا صاحب نے میرے رؤیا بیان کرنے پر مجھ سے جو برقّت قلب کہا تھا کہ

ڈاکٹر صاحب دُعا کریں کہ میں بھی انسانوں میں داخل ہو جاؤں۔ کچھ ایسے رنگ میں یہ الفاظ کہے گئے تھے کہ خدا تعالیٰ کے حضور قبولیت پکڑ گئے اور حضرت مرزا صاحب مرحوم کو سلسلہ میں داخل ہونا اور بہشتی مقبرہ میں اپنے عالی شان والد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں سونا نصیب ہوا۔ اللھم صل علیٰ محمد"

(الفضل 11/دسمبر 1940ء صفحہ 3 جلد 28 شمارہ نمبر 281)

حضرت مرزا صاحب نے 25/دسمبر 1930ء کو بیعت کی تھی اور دو جولائی 1931 کو وفات پائی۔

آپ کی بیعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئی جو موعود فرزند کے بارے میں تھی کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا پوری ہوئی اور آپ کا بیعت کرنا ایک غیر معمولی اہمیت کا حامل ہوا۔

حضرت سیدہ اُمّ طاہر احمدؓ۔ شادی و وفات

حضرت سیدہ اُمّ طاہر احمدؓ جن کو دو بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہو بننے کا شرف حاصل ہوا کے بارے میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا۔

"سیدہ موصوفہ کا انتخاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے خاندان میں حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے لئے فرمایا۔ لیکن جب منشاء الٰہی کے تحت اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس جگر گوشہ کو کم سنی میں اپنے پاس بلا لیا تو سیدہ موصوفہ کا خاندان اسیر غم بنا ہوا تھا اور وہ کسی اور خاندان میں سیدہ کی شادی کرنا نہ چاہتے تھے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لخت جگر نے جن کی شان یہ تھی کہ وہ حسن و احسان میں حضور کا نظیر ہوگا اور اسیر ان کی رستگاری کا موجب ہوگا حضور علیہ السلام کی قائم مقامی میں اپنے لئے چن لیا۔ اس طرح پر آں سیدہ کا مرتبہ بہت بلند نظر آتا ہے کہ نہایت ہی پیارے پسر چہارم کے لئے حضرت اقدس کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور جب پسر چہارم کی عمر نے وفا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو پسر موعود کی

زوجہ مطہرہ بنا کر اور خلافت ثانیہ کی مدد گار و معاونہ بنا کر اس بات کو روشن کر دیا کہ آپ کے قیمتی وجود کا خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی رفیقہ حیات بننا مقدر تھا۔ مزید یہ کہ آپ بحیثیت حضور کی زوجہ مطہرہ کے نہایت جان نثاری کے ساتھ امور دینیہ میں عمر بھر معین و مددگار بنی رہیں۔"

آپ رقم فرماتے ہیں۔

"آپ کے نکاح کا دن نہایت مبارک اور خوشی کا دن تھا۔ اس کو دیکھنے والے احباب خوب جانتے ہیں کہ اعلان نکاح کے بعد جو فجر کی نماز کے بعد مسجد مبارک کے قدیم حصہ میں ہوا تھا۔ بکثرت احباب، طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک تقریباً تمام دن خوشی کے ولولے کے ساتھ جمع رہے۔ اس کی خوشی کے آثار احمدی احباب کے قلوب پر گہرا اثر رکھنے والے تھے۔ بہت سے لوگوں نے اس موقعہ کے مناسب حال خوش الحانی سے نظمیں پڑھ کر سنائیں۔ حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد نے اعلیٰ درجہ کی خوش الحانی کے ساتھ محمود کی آمین والی ساری نظم سنائی۔ یہ دن مبارک تھا چنانچہ میری آنکھ نماز فجر سے بہت تھوڑا وقت پہلے کھلی اور مسجد مبارک میں جلد پہنچنے کا مجھے فکر تھا۔ میرا دل خوشی سے لبریز تھا جس کی ترجمانی یہ شعر کرتے ہیں جو وضو کرتے کرتے چند لمحات میں میری زبان پر جاری ہوئے۔

دل میرا کیوں آج پھر مسرور ہے
رنج و غم اس سے ہوا سب دور ہے
صبح دم وقت سحر وقت طلوع
نور سے آکر ملا اک نور ہے
ہو رہا ہے حسن یوسف کا ظہور
لا جرم یہ وقت، وقتِ طور ہے

(نوروں سے مراد دولہا دلہن ہیں)

آخری شعر کی ترجمانی اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ بعد اعلان نکاح جو دعا ہوئی اس کی کیفیت عجیب تھی جسے وہ لوگ ہر گز نہیں بھول سکتے جنہیں دعاؤں کی کیفیات دیکھنا نصیب ہوتی ہیں۔ رحمت الٰہی کا نزول آسمان سے ہوتا نظر آتا تھا۔ ایک مخلص باعلم دوست کی معافی ہو کر ایک سخت قسم کی قید سے اس کی رستگاری وقوع میں آئی جو بہت دنوں سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے زیر عتاب چلے آرہے تھے۔ میرے قلبی سرور کا اس سے علم ہوتا ہے کہ میں نے اپنے مکان میں مدرسہ احمدیہ کے جملہ طلباء کی تواضع چائے اور مٹھائی سے کی۔"

آپ مزید بیان کرتے ہیں۔

"احباب یہ سننے کے منتظر ہوں گے کہ جس طرح نکاح کے دن ایک جشن کی کیفیت پیدا ہو گئی اسی طرح رخصتانہ کے دن بھی بارات وغیرہ کا اہتمام ہوا ہو گا کہ نہیں؟ بلکہ حضور نے نہایت سادگی کے ساتھ رخصتانہ لیا؟ رخصتانہ کے مقررہ دن شام کے وقت حضرت محمود ایدہ اللہ نے مجھے فرمایا کہ تانگہ لانے کو کہوں۔ تانگہ لانے پر حضور نے کچھ نہیں فرمایا کہ کہاں جانا ہے۔ اگلی سیٹ پر حضور خود تشریف فرما ہوئے اور پچھلی سیٹ پر صرف اس ایاز (خاکسار ڈاکٹر حشمت اللہ) کو بٹھایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے لئے یہ بات کس قدر پُر مسرت تھی۔ اُن دنوں حضرت ڈاکٹر سید عبد الستار شاہ صاحب کا قیام خان بہادر شیخ رحمت اللہ صاحب کی کوٹھی میں تھا جو دارالعلوم میں نور ہسپتال کے قریب ہے۔ حضور مکان کے اندر گئے۔ میں باہر رہا اور دس پندرہ منٹ اندر ٹھہرنے کے بعد حضور باہر آ گئے اور ہم دونوں پھر تانگہ پر واپس آ گئے اور مغرب کی نماز پڑھانے کے لئے حضور مسجد میں تشریف لے آئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں۔ پھر حضرت اماں جان وہاں تشریف لے گئیں اور اپنے ہمراہ دلہن کو رات کا کچھ حصہ گزرنے پر دارالمسیح لے آئیں۔ 23/فروری کو قریباً 500 افراد ولیمہ پر مدعو کئے گئے۔ ولیمہ کے منتظم حضرت درد صاحب تھے۔ تقریب شادی کی خوشی میں مدارس میں تعطیل کی گئی۔"

(الفضل 24 فروری 1921ء جلد 8 شمارہ نمبر 64)

آں سیدہ کی وفات پر آپ رقم طراز ہیں کہ

"سیدہ موصوفہ کے حضور کے گھرانے میں آنے کے بعد اس گھر کی رونق دوبالا ہو گئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کی خوش اخلاقی نمایاں ہو گئی۔ احمدی مستورات بڑی بے تکلفی سے آپ کے پاس آتیں اور آپ بھی ان کی آمد سے بہت خوش ہوتیں۔ آپ میں دینی شغف بہت تھا۔ ارکان اسلام کی نہایت پابند تھیں اور خواہش رکھتی تھیں کہ دوسری مستورات بھی اس رنگ میں رنگین ہو جائیں۔ آپ چاہتی تھیں کہ جملہ دینی کام مثلاً درس القرآن وغیرہ آپ کے ہاں ہوا کریں۔ چنانچہ حضور نے آپ کے مکان میں درس دینا شروع کر دیا۔ درس کے بعد بہت سی مستورات آپ کے کمرے میں جمع ہو جاتیں اور بعض دفعہ محبت کی بنا پر گھنٹہ گھنٹہ جمع رہتیں اور آپ ان کے ساتھ نہایت خوش خلقی کا سلوک فرماتیں۔ ایک دفعہ حضور نے یہ تلقین کی کہ مستورات کسی مکان میں اکٹھی ہو کر نماز با جماعت پڑھا کریں۔ اس پر آپ نے لبیک کہتے ہوئے اپنے ہی مکان میں بعض نمازوں کے لئے جمع ہونے کا اہتمام کیا اور خود بطور امام ان کو نماز پڑھاتی رہیں۔ لجنہ اماء اللہ کی طرف سے جب سال میں تین بار یتامیٰ و بیوگان کی دعوت ہوتی تو اس کا انتظام آپ ہی فرماتیں۔ آپ غرباء کی امداد نہ صرف خود کرتیں بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں ان کی سفارش کرتیں اور امداد بہم پہنچاتیں۔

آپ کو اپنے میاں سے گہری محبت تھی جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ علاوہ عام زوجیت کے حقوق بصورت احسن ادا کرنے کے اپنے عظیم الشان شوہر کے جماعتی کاموں میں حصہ لینے میں خاص انہماک تھا اور کئی کاموں میں شادی اور غم میں شریک ہو کر

اپنے شوہر کی قائم مقامی کا حق ادا فرماتی تھیں۔ ان کے اس طرح کے بیسیوں کاموں کو دیکھ کر میں کئی بار کہہ دیا کرتا تھا مجھے تو اب دو حضرت صاحب نظر آتے ہیں۔ ایک حضرت صاحب تو حضرت خلیفۃ المسیح ہیں دوسرے آپ۔ میں اس امر کا گواہ ہوں کہ اپنے خاندان کے علاوہ دوسرے احمدی احباب کی شادی اور غمی میں آپ اس قدر انہماک سے حصہ لیتی تھیں کہ اپنے بچوں کے راحت و آرام کا فکر نہ رہتا اور کئی بار بچوں کو یہ کہتے سنا کہ امی بھی عجیب ہیں۔ ابھی بیماری کی حالت میں چارپائی پر ہائے ہائے کر رہی ہیں اور ابھی تھوڑی دیر میں موٹر پر سوار ہو کر فلاں جگہ پہنچ گئی ہیں۔

آپ کے بطن سے پیدا ہونے والے چھ بچوں میں سے دو چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے۔ چار خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہیں لیکن بیٹا طاہر احمد بہت محبوب ہے۔ آں سیدہ کی بچیوں میں نمازوں اور دعاؤں کا خاص شغف ہے۔ مثلاً بڑی صاحبزادی امۃ الحکیم بیگم سلمہا یاد الٰہی اور دعا گوئی میں قابل رشک نمونہ ہیں۔ نماز تہجد کی پابند ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے سب کام اپنی دعاؤں کے ذریعے انجام دے لیں گی۔

صاحبزادہ میاں طاہر احمد صاحب کا ایک واقعہ میں تا زیست نہ بھولوں گا۔ 1939ء کی بات ہے جب حضرت خلیفۃ المسیح دھرمسالہ میں قیام پذیر تھے اور جناب مولوی عبد الرحیم صاحب درد بطور پرائیویٹ سیکرٹری حضور کے ہمراہ تھے۔ ایک دن درد صاحب نے اپنے خاص لب و لہجہ کے ساتھ کہا کہ میاں طاہر احمد صاحب آپ نے یہ بات نہایت اچھی کہی ہے جس سے میرا دل بہت خوش ہوا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کو کچھ انعام دوں۔ بتلائیں آپ کو کیا چیز پسند ہے۔ تو اس بچہ نے جس کی عمر اس وقت ساڑھے دس سال تھی برجستہ کہا کہ ”اللہ“ درد صاحب حیران ہو کر خاموش ہو گئے۔ میں نے کہا کہ درد صاحب! اگر طاقت ہے تو اب میاں طاہر احمد صاحب کی پسندیدہ چیز دیجئے مگر آپ کیا دیں گے اس چیز کے لینے کے لئے آپ خود ان کے والد کے قدموں میں بیٹھے ہیں۔

میری اہلیہ سناتی ہیں کہ ڈاکٹروں نے حضور کے لئے چکی کے آٹے کی روٹی تجویز کی تو مرحومہ نے فوراً چکی منگوا کر آٹا پیسنا شروع کر کے دیسی روٹی کا اہتمام شروع کر دیا۔ آپ اپنے میاں کی بہت راز دان تھیں۔ میاں بھی تقریباً تمام باتیں اس بیوی سے کہہ دیا کرتے تھے۔ خصوصاً اپنے خدام کے متعلق اپنے رائے ضرور ان کے سامنے بیان کر دیتے تھے اور اس ناچیز کے ساتھ جب کبھی حضور کی خفگی ہوتی تو اس کو دور کرنے میں آپ اکثر مدد فرمایا کرتیں۔ گویا میرے لئے مسیحا بنی رہتیں۔ یعنی اگر میں علاج معالجہ کی صورت میں ان کے لئے مجازی مسیحا بنتا تو وہ میرے لئے روحانی رنگ میں دس گنا مسیحا بن کر میری زندگی کا موجب بنتیں۔

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ نے مجھ سے کل ہی بیان فرمایا کہ حضرت صاحب نے جب سیدہ سارہ بیگم کی وفات پر ایک مضمون میں ”میری سارہ“ کا لفظ استعمال فرمایا تو اس وقت سیدہ اُمّ طاہر نے کہا کہ اگر حضرت صاحب میری نسبت یہی لفظ استعمال فرمادیں تو میں ابھی مرنے کو تیار ہوں۔ یہ اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ حضور سے آپ کو کس قدر محبت تھی۔“

آپ کی آخری بیماری میں جس طرح حضور نے آپ کے علاج، تیمارداری اور دلجوئی کا خیال رکھا اس سے آپ کی قدر و قیمت کا پتہ چلتا ہے۔ جب قادیان میں علاج سے آپ کو فائدہ نہ ہوا اور ڈاکٹرز نے لاہور لے جا کر علاج کروانے کا مشورہ دیا تو حضور خود تین ماہ کے لئے قادیان سے لاہور تشریف لے گئے اور لاہور کے سب سے بڑے ہسپتال پہلے لیڈی ولنگٹن ہسپتال اور پھر سر گنگارام ہسپتال میں علاج کروایا۔ جہاں حضور نے علاج پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا وہاں دعائیں بھی بہت کیں اور آپ کے احساسات کا بہت خیال رکھا۔ حضور کے علاوہ جملہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور احباب جماعت احمدیہ نے بہت ہی خشوع و خضوع سے آپ کی صحت یابی اور درازئی عمر کے لئے دعائیں کیں اور جس طرح بھی موقعہ ملا آپ کی خدمت اور تیمار داری کا حق ادا کیا۔ ان چیدہ ہستیوں میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت میر محمد اسماعیل صاحب۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت سیدہ اُمّ وسیم احمد صاحبہ، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی خدمات اور خلوص قابل قدر ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر غلام مصطفی صاحب، احسان اللہ صاحب ابن ملک خدا بخش صاحب، مولوی عبد الرحیم درد صاحب نے اپنے آرام اور ضروریات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی طاقت اور ہمت سے بڑھ کر خدمت کی۔ پھر قابل رشک خاتون محترمہ اقبال بیگم صاحبہ والدہ رشید نے تو وہ خدمت کی کہ آسمان سے ان کی خدمت کی گواہی ملی۔ ان کی جان نثاری کا تو یہ عالم تھا کہ گویا وہ اس خدمت میں اپنی جان سے بھی گزرنے کو تیار ہیں۔ خاکسار ڈاکٹر حشمت اللہ کی ڈیوٹی بھی حضور نے 24 گھنٹے کے لئے ہسپتال میں لگادی اور آپ کے ساتھ والے کمرے میں ٹھہرنے کا انتظام فرمادیا۔

میرے آقا حضرت محمود نے مجھ پر اس قدر احسان فرمایا ہے۔ کہ اگر میرے جسم کا ذرہ ذرہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد حضور کا شکر ادا کرے تو شکر کا حق ادا نہیں ہو سکتا کہ کس شفقت سے خدمت کا کام اس ناچیز کے سپرد کیا اور کس یقین کے ساتھ اس عاجز کی خدمت کو ضروری سمجھا اور پھر میرے مہربان مولیٰ نے مجھے خواب میں بھی دکھا دیا کہ

”آں سیدہ میرے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر رہی ہیں اس سے مجھے اطمینان ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس ناچیز کی خدمت گزاری کو رحم کی نظر سے دیکھا ہے۔“

حضور خود روزانہ دو وقت ہسپتال پہنچتے اور آپ کا دل بہلاتے تھے اور ان کی پسندیدہ چیزیں مہیا فرماتے۔

ان کی بیماری اور حالت کے باعث ہر وقت غمزدہ اور دعاؤں میں مصروف رہتے تھے۔

آخر غم کی شدت اور دعاؤں میں تضرّع اور انکساری وہ وقت لے آئی کہ آپ پر واضح کشف و رؤیا اور الہام کے ذریعے آپ کا مصلح موعود ہونا اللہ تعالیٰ نے حضور پر منکشف کر دیا اور حضور نے بیان فرمایا کہ اس قسم کے رؤیا و کشوف انتہائی غم کی گھڑیوں میں ہوا کرتے ہیں۔

آں سیدہ کی وفات کے وقت میں اپنے دل کا حال جانتا ہوں کہ شدید صدمہ ہوا اور میری قلبی کیفیت نے جس طرح سیدہ اُمّ طاہر احمدؓ کے نکاح کے دن خوشی کی لہر کی وجہ سے چند شعر میری زبان پر جاری کروائے تھے اسی طرح اس صدمہ کے وقت بھی ذیل کے شعر میری زبان سے نکلوائے۔

دل مرا کیوں آج پھر رنجور ہے
چین اور راحت ہوئی سب دور ہے
دن کے روشن وقت کی گھڑیوں میں جب
ہو گئی ہم سے جدا وہ حور ہے
دل پر میرے بوجھ غم کا اس قدر
آ گرا گویا کہ کوہ طُور ہے

ان کی وفات سے بارہ گھنٹے پہلے حضور نے بھی اپنا ڈیرہ ہسپتال میں لگالیا اور ان کی حالت کے باعث ہر وقت غمزدہ اور دعاؤں میں مصروف رہے۔ ان کی وفات کے دو روز کے بعد حضور نے مجھ سے فرمایا۔

"آپ بتلائیں آیا امۃ الحیٔ مرحومہ کی وفات کے وقت میرا غم زیادہ تھا یا موجودہ غم؟"

اس عاجز نے جواب دیا۔

"اس وقت وہ غم زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ آج یہ غم زیادہ ہے۔"

اس پر حضور مطمئن ہو گئے۔

جب ان کا جنازہ بذریعہ بس قادیان لے جایا گیا تو اس پر بطور نگران اس خادم کو بٹھایا۔ گویا خدائی منشا یہی تھا کہ 23 سال قبل رخصتانہ کے وقت بھی خاکسار اکیلا خادم حضرت صاحب کے ساتھ گیا تھا اور تا وفات خادم رہا اور بس میں نعش لے جانے کے وقت مجھے نگرانی پر مقرر کیا تا کہ میں آنسو بہاؤں۔

آخر میں یہ عاجز دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! جس طرح مرحومہ ہم ناچیزوں کے ساتھ محبت شفقت کا سلوک فرمایا کرتی تھیں تو بھی ان پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کی بارش برسا اور اپنی محبت سے نواز اور اپنے فضل سے ان کے رتبے کو بلند فرما۔ آمین

(تابعین اصحاب احمد جلد سوئم۔ سیرت حضرت سیدہ اُمّ طاہر احمد مؤلفہ ملک صلاح الدین ایم۔ اے ماخوذ از صفحہ 121-132)

حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی وفات

محترم حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد رضی اللہ عنہ کی وفات پر محترم ڈاکٹر صاحب نے "ایک نورانی شمع" کے عنوان کے تحت ایک مضمون سپرد قلم فرمایا۔

آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ ہم سے اچانک جدا ہو گئے اور ایسے طریق پر جدا ہو گئے کہ نوحہ گروں کو تو نوحہ گری کا بھی موقع نہ دیا۔ یقیناً آپ ہمارے دل و جان کا ٹکڑا تھے۔ جس کی جدائی میں اگر رویا جائے تو دنیا جہاں کے نوحہ گر شرمندہ ہو جائیں لیکن اس وجود نے ایسے ہی چاہا کہ ظاہری نوحہ گری اور اعزہ داری کو قریب نہ آنے دیا جائے۔ ہم اپنے محسن کے حضور بجز انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کچھ نہیں کہتے اور وہی کہتے ہیں جو حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا تھا۔

”خداوند نے دیا خداوند نے لے لیا“

یہ ناقابل تردید صداقت ہے کہ جب کوئی چیز اپنی مقررہ جگہ سے ٹل جاتی ہے تو خلا چھوڑ جاتی ہے اور جس قدر عظیم چیز ہو گی اسی قدر عظیم خلا چھوڑے گی۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ خلا کے ارد گرد کی زمین خلا کو پُر کرنے کے لئے مُستعد ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات اس قدر تیزی سے مستعد ہو جاتی ہے کہ ایک زلزلہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ہم عاجزوں اور ہم غریبوں کا آج یہی حال ہے۔ بے شک ہمارے پیارے محسن آقا نے ہمارے شریف اصغر کو ہم سے لے لیا۔ لیکن ہماری بے بسی اور غربت بھی قابل رحم اور قابل معافی ہے کہ ہمارے دل اس خلا کے باعث ڈوبے جاتے ہیں مگر ہم نوحہ گر نہیں ہیں۔ لیکن ہم اس سے بچ نہیں سکتے کہ ہمارے دل ڈوبیں اور ہماری آنکھیں ڈبڈبائیں۔ ہم سے ایسا ہونا ہماری بشری کمزوری کے باعث ہے۔ جس کی غفر ہم اپنے سچے مولا سے ہی چاہتے ہیں اور اسی کو ملجاء اور ماویٰ گردانتے ہیں۔

ہم ناچیز کیا ہیں کہ ہم بجز کرم ہائے خاکی کے کچھ نہیں۔ ہم وہ ہیں کہ جس وقت سے ہم نے وجود حاصل کیا مور وغضب اعداء چلے آ رہے ہیں۔ ہمارا پیارا روحانی باپ اور اس زمانے میں ہمارا راہنما یعنی مسیح علیہ السلام ہمیشہ ہی مور دغضب اعداء رہا۔ اس نے جب سے عشق خالق و مالک حقیقی اور عشق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دم بھرا۔ اس وقت سے ہی کافر وملحد نام رکھوایا۔

26/مئی 1908ء کو ہم یتیم ہوئے تھے اور ہم عاجزی اور مسکینی میں گر کر از خود رفتہ ہو گئے تھے کہ قریب تھا کہ ہماری زندگیوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ جس وقت چودھویں کا چاند 26/مئی 1908ء کو غروب ہوا تو عاشقان روئے مبارک کا یہی حال تھا جو لکھا گیا۔ کیونکہ عاجز بھی اس وقت لاہور میں موجود تھا۔ واللہ! وہ دن نہ تھا بلکہ اندھیری رات تھی۔ وہ غم واندوہ ایسا نہ تھا کہ جس کی شہادت آنسوؤں سے دی جاسکتی تھی۔ وہ غم وہ تھا جو دلوں کو کھا جاتا تھا۔ اور آنکھوں کو پتھرائے جا رہا تھا۔ اس وقت زبان سے بولنا یا نوحہ کرنا تو کیا آنکھوں سے اشارہ کرنا بھی بڑی بات تھی۔ ہم اپنی عاجزی، غریبی اور بے بسی کیا بیان کریں عین اس وقت جس وقت ہمارے پیارے آقا کا جسد اطہر ہمارے سامنے پڑا تھا۔ باہر مخالفین ہمارے خلاف مظاہرے کر رہے تھے۔ یہ منظر ہی ایک بڑا ثبوت تھا ہماری بے کسی کا مگر چونکہ خدائے رحمن نے ہم عاجزوں کی ڈھارس کے لئے ایک بشارت قدرت ثانیہ کے ملنے کی دے رکھی تھی۔ پس جب از خود رفتگی سے کچھ باہر

آئے تو ہمیں ایک مربی نظر آیا جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا لباس پہنا دیا تھا وہ ہمارے لئے بڑی حد تک ڈھارس بنا اور چھ سال تک ہم یتیموں کا سہارا بنا رہا اور ایک حسین شمع پر سے پردہ اٹھا کر چلا گیا۔ یہ شمع کیا تھی یہ وہی چاند تھا جو کہ 26/مئی 1908ء کو چھپ گیا تھا۔ خدا کی قسم! اس چاند نے ہمیں اپنا گرویدہ بنالیا۔ گرویدہ نہیں اپنا دیوانہ بنالیا۔

اپنا حال تو ہوا جو کچھ ہوا۔ اس شمع نورانی کے ساتھ چار شمعیں اور ان شمعوں کے کمالات اس طریق پر تو ظاہر نہیں ہوئے جس طریق شمع محمود سے ظاہر ہوئے تھے لیکن ان کے انوار کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ چاروں شمعیں اپنی اپنی جگہ چمکتی رہیں اور اپنے اپنے حلقہ میں ضیاء ریزی بھی کرتی رہیں لیکن ان کے نور قلب کا کمال یہ ہے کہ اپنی ضیاء کو ضیاء محمود میں شامل کر دیا۔ اور خود فقیر در محمود بن گئے۔

میں اس جگہ بزور کہتا ہوں کہ اس کی مثال روئے زمین پر نہ ملے گی۔ یہ ان ہستیوں کی شرافت اور نجابت ہے کہ آپ دم بخود ہو گئیں اور تفرقہ کو راہ نہ دی۔ اے اللہ! ان ہستیوں پر ہاں ان مقدس ہستیوں پر وہی انعام نازل فرما جو تو نے ان کے والد علیہ السلام پر نازل فرمائے۔

ان چار شمعوں میں سے ایک شمع آج ہمارے سامنے سے ہٹ گئی ہے۔ لیکن یہ یونہی زمین کے اندر مدفون نہیں ہو گئی بلکہ تیس چالیس ہزار مومنین کے کندھوں پر سوار ہو کر اپنی قرار گاہ میں تشریف لے گئی۔ یہ کندھے معمولی کندھے نہ تھے۔ یہ دل وجان کے کندھے آج ہمارا شریف اصغر، شریف اکبر نظر آرہا ہے۔ یہ وہ ہستی تھی جو ہر کہ ومہ کے پیار کو کھینچنے والی ہستی تھی۔ غرور، تکبر، بڑائی اور کبرائی کا شائبہ تک اس کے اندر نہ تھا۔ ماں باپ کا وہ سب سے زیادہ لاڈلا تھا۔ واللہ! جب کبھی بھی میرے گھر میں تشریف لائے کچھ ایسا معلوم ہونے لگتا کہ گویا جو کچھ گھر میں موجود ہے سب کچھ ان کا ہے۔ اس بزرگ ہستی نے اپنے انفاس مقدسہ سے دنیا کو نفع پہنچایا۔ اور آج احمدی دنیا دست بدعا ہے بلکہ دل کے ذرہ ذرہ کو لئے دعا کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے پیار کرے اور اسے اپنے والد علیہ السلام کا قرب نصیب کرے۔ جہاں ان کی پیاری والدہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ پیار کے لئے موجود ہوں گی۔"

(الفضل 11 جنوری 1962 صفحہ 3 جلد 16 / 51 شمارہ نمبر 9)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات

یقیناً حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کی وفات تمام جماعت کے لئے بلکہ میری بصیرت تو کہتی ہے کہ تمام دنیا کے لئے ایک صدمہ عظیمہ ہے۔ اگرچہ جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک پختہ کار جماعت ہے اور بڑے بڑے صاحب علم وفضل اصحاب خدا کے فضل سے جماعت میں موجود ہیں اور وہ ایک مکان کی مضبوط دیواروں کی طرح ہیں لیکن ستون ہونے کا مقام حاصل نہیں ہے۔

حضرت میاں صاحب کا مقام بمنزلہ ستون کے تھا۔ پس جو نتیجہ ایک مکان کے ستون گرنے سے نکلتا ہے وہ حضرت میاں صاحب کی وفات سے نکلنا لازمی امر ہے۔ لیکن اگر خوش قسمتی سے سب سے بڑا استون موجود ہے اور دیواروں کی مضبوطی اعلیٰ درجہ کی ہو اور وہ اپنے اندر بہت سے چھوٹے ستون بھی رکھتی ہو تو باوجود ایک ستون کا سہارا ہٹ جانے سے چھت سلامت رہ جائے گی۔

جماعت کی دیوار سے مراد جماعت کی ذاتی یک جہتی اور مضبوطی ہے اور چھوٹے ستونوں سے مراد ان بزرگوں کا وجود ہے جو ہدایت کا اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں اور خداداد عقل و شعور اور سچے ایمان کے ساتھ سلسلہ کی خدمت (جس سے مراد خلق خدا کی انتہائی بھلائی ہے) سرانجام دے رہے ہیں جماعت اور ترقی کرے گی۔

لیکن یہ امر واضح ہے کہ بڑے ستون کے گرنے سے دیواروں پر چھتوں کا بوجھ زیادہ آن پڑتا ہے اور بسا اوقات کچھ اینٹوں کے نکل جانے کا بھی امکان ہوتا ہے لیکن اگر باوجود ایسے شدید نقصان کے اگر دیواریں اپنے مقام پر کھڑی رہیں تو پھر ان کی مضبوطی میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اتنا ظاہری اور باطنی نور عطا کیا تھا کہ جس کی نظیر اس زمانہ میں نہیں ملتی۔ ابھی آپ نے دعویٰ بھی نہیں کیا تھا کہ آپ کا نور پاک باطنی لوگوں کو نظر آنے لگ گیا تھا اور ان کا ایک مختصر گروہ یہ یقین کر چکا تھا کہ آپ ہی وقت کے امام ہیں۔ چنانچہ وہ آپ کے دعویٰ امامت پر لبیک کہنے کو تیار تھے۔ ساتھ ہی آپ کے حاسد بھی پیدا ہو گئے تھے اور آپ کے غلاموں کے لئے ابتلاؤں کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ مگر باوجود ان تمام امور کے جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے محفوظ ہے اور ترقی کی راہ پر تیزی کے ساتھ گامزن ہے اور جماعت کے ذریعے خدمت اسلام کا عظیم الشان کام سرانجام پا رہا ہے۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے قصرِ جماعت کی بنیادیں اور دیواریں مضبوط ہیں اور مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جا رہی ہیں۔

لہٰذا ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس خدا کی رحمتوں سے ناامید ہوں جس نے بار بار رحم اور فضل کا سلوک ہم سے کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ کی وفات سے جو صدمہ جماعت کو پہنچا ہے۔ وہ مولیٰ اس سے جماعت کو صحیح و سالم نکال لے گا۔ بلکہ ہمارے صبر و استقلال کے نتیجے میں وہ خاص رحمتیں ہم پر نازل فرمائے گا جو ہم پر سجدہ شکر واجب کر دیں گی۔ جیسا کہ صابر مومنوں کے لئے آیا ہے۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پر شرط یہ ہے کہ سچا صبر و سکون دکھایا جائے اور جماعت کی سلامتی کے لئے دعائیں کی جائیں۔ اس غم کے وقت میں اگر غفلتوں کو چھوڑ کر خاص طور پر ذکر الٰہی میں لگ جائیں۔ روزے رکھیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور انفرادی اور اجتماعی طور پر درد و سوز و گریہ و بکا کے ساتھ دعاؤں میں مصروف ہو جائیں تو امید ہے کہ ہم اس نقصان کا خمیازہ بھگتنے سے بچ جائیں جو حضرت میاں صاحب کی جدائی سے رونما ہوا ہے۔

آج ہم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی علالت اور حضرت میاں صاحب کی مفارقت سے یتیم کی طرح ہو گئے ہیں تو کیا ہمیں خدا کا رحم والا معاملہ یتیموں کے ساتھ خاص رنگ والا نظر نہیں آتا۔ یعنی اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ترجمہ: کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا تھا پس پناہ دی۔ کیا ہم قرآن نہیں پڑھتے۔ پس جہاں آج ہم نہایت دکھ کی حالت میں ہیں وہاں ہمیں یہ بھی موقعہ ملا ہے کہ احکم الحاکمین کی مدد طلب کریں۔ دیکھو! ہم سب ایسے کام پر متعین ہوئے ہیں جو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔ یعنی اشاعتِ دینِ اسلام جو خدا کی طرف سے ہمیں ملا ہے۔ ہزاروں رحمتیں ہوں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کہ اِدھر ان کا دل و جان سے پیارا آقا دنیا کو چھوڑ کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملتا ہے۔ اُدھر وہ ممبر پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور بڑے ہی حقیقت افروز کلام سے ہزاروں دلوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں اور اپنے ہاتھ پر جمع کر لیتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت ابو بکرؓ کے اس فعل کو اسلام کا از سر نو زندہ کر دینا قرار دیا ہے۔ حضور تحفہ گولڑویہ کے صفحہ 95 پر فرماتے ہیں۔

"ایسا ہی خدا نے تمام صحابہؓ کے سامنے حضرت ابو بکرؓ کے کاموں کو برکت دی اور نبیوں کی طرح اس کا اقبال چمکا۔ اس نے مفسدوں اور جھوٹے نبیوں کو خدا سے قدرت اور جلال پا کر قتل کیا تا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم جانیں کہ جس طرح خدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اس کے ساتھ بھی ہے۔"

حضور اسی کتاب کے صفحہ 96 پر فرماتے ہیں۔

"ایسا ہی حضرت ابو بکرؓ کو بغاوت کے طوفان کے وقت خدا تعالیٰ سے قوت ملی۔ جس شخص کو اس زمانہ کی اسلامی تاریخ پر اطلاع ہے وہ گواہی دے سکتا ہے کہ وہ طوفان ایسا سخت طوفان تھا کہ اگر خدا کا ہاتھ ابو بکرؓ کے ساتھ نہ ہوتا اور اگر در حقیقت ابو بکرؓ خلیفہ حق نہ ہوتا تو اس دن اسلام کا خاتمہ ہو گیا تھا۔"

پس ہمارا کام ہے اور وقت کا تقاضا ہے کہ ہم دینِ خدا کے کام کو تعطل میں نہ پڑنے دیں اور ساتھ ہی دعائیں کریں اور منعم علیہ گروہ میں شامل ہونے کے لئے درددِل سے دعا کریں۔ ہماری اس وقت کی تکلیف حقیقی دُعا کا موقعہ بہم پہنچا رہی ہے۔

خدا تعالیٰ نے ایک چھوٹی لڑکی کو جو کراچی میں رہتی ہے رؤیا میں دکھایا اور یہ رؤیا اس نے حضرت میاں صاحب کی وفات سے صرف ایک روز قبل دیکھا کہ ربوہ کے مکانوں کی چھتیں اُڑ گئی ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میاں صاحب کا وجود ہمارے لئے سایہ رحمت تھا جو آج ہم پر سے اُٹھ گیا ہے۔ دنیا اسی طرح آباد رہے گی۔ جیسا کہ اب آباد ہے اور ہم دین و دنیا کے کام بھی اسی طرح سرانجام دیتے نظر آئیں گے مگر ہمیں میاں صاحب کی پُر شفقت آواز کہاں سنائی دے گی۔ آپ کے پیارے الفاظ "آپ کا کیا حال ہے؟" کہاں سنائی دیں گے۔

آپ کی دور رس نگاہ، آپ کی حق شناس نظر، آپ کا وفاداروں کی وفاداری کو محسوس کرنے کا جذبہ اور عملی ہمدردی اور آپ کے اعلیٰ صائب اور نیک مشورے، آپ کی تسلی دلانے والی گفتگو کہاں ملے گی۔ آپ کی بیگم صاحبہ کی لمبے عرصے تک

غم خواری، آپ کی اپنی والدہ حضرت اماں جانؓ سے محبت اور خادمانہ سلوک اور آں سیدہ کی ہر وقت دلداری کا نمونہ ہم کہاں پائیں گے؟

پھر حضرت میاں صاحب کی خلیفہ وقت کی انتہائی اطاعت گزاری اور سچی نصرت اور حضرت محمود ایدہ اللہ کے زیر سایہ درویشانہ زندگی بسر کرنا اور اپنے وجود کی کلی نفی کرنا ہمیش ہمیش یاد رہے گا۔ جون 1957ء میں حضرت میاں صاحب نے خاکسار کے نام تحریر فرمایا۔

"اعصابی تکلیف بھی کچھ بڑھ گئی ہے اور گھبراہٹ رہتی ہے۔ آپ دعا فرماتے رہیں اور کبھی کبھی حضرت صاحب کی خدمت میں بھی عرض کر دیا کریں۔ مجھے اکثر یہ احساس رہا ہے کہ میں اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اتنا خوش نہیں رکھ سکا جتنا کہ میرے دل کی خواہش ہے اور مجھے رکھنا چاہئے۔"

اس تحریر سے خوب عیاں ہے کہ امام وقت کی اطاعت کے متعلق آپ کے جذبات کیا تھے۔ آپ نہ صرف اطاعت گزار تھے بلکہ اپنے امام پر دل و جان سے نثار تھے آپ کا احساس کہ میں حضرت صاحب کو اتنا خوش نہیں رکھ سکا جتنا کہ میرے دل کی خواہش ہے آپ کو ہمیشہ بے چین کئے رکھتا تھا اور انہی جذبات کے ساتھ آپ جان بحق ہو گئے۔ آپ نہ صرف حضرت محمود کے ہی جانثار تھے بلکہ آپ کی جانثاری حضور کے بچوں کے ساتھ بھی تھی۔ آپ حضور کے بچوں کے ساتھ اپنے بچوں سے بھی زیادہ پیار و محبت کرتے تھے۔ آج کوئی حضرت محمود کے بچوں کی دلفگاری کا جائزہ لے کر دیکھ لے وہ یقیناً میرے اس خیال کو ان شاء اللہ درست پائے گا۔

اب میں آپ کے اوصاف حمیدہ اور نہایت قابل قدر اور قابل نمونہ خوبیوں کے حسن سے آپ کے بلند مرتبہ کے حسن کا ذکر کرتا ہوں۔

اوّل: آپ نے قرآنی تعلیم کہ "اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو" کے مطابق اطاعت کا کامل نمونہ دکھایا۔ آپ نے اپنی غیر معمولی علمی قابلیت کے باوجود اور اعلیٰ درجہ گویائی کی موجودگی میں ہمیشہ اپنی آواز کو حضرت محمود کی آواز کے تابع رکھا جس طرح ایک شاگرد اپنے استاد کے سامنے رہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے گزشتہ دو تین سالوں میں حضرت میاں صاحب کی قابلیتوں اور قوت گویائی کو جماعت کے سامنے نمایاں کرنے کا موقعہ عطا فرمایا جبکہ احباب، جلسہ ہائے سالانہ کے مواقع پر اپنی خوش قسمتی سے حضرت میاں صاحب کی پُر سوز اور دلربا آواز سن کر وجد میں آجاتے تھے۔

دوم: خدا تعالیٰ نے آپ کے اندر بعض علمی قابلیتیں رکھی تھی۔ آپ کو دینی امور پر وسیع عبور حاصل تھا۔

سوم: آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش کے مطابق ایم اے کیا جس کے ذریعے آپ کو جدید علوم کی بھی خاص قابلیت عطا ہوئی تھی۔ آپ نے اس قابلیت کو بھی حضرت محمود کی تائید اور نصرت میں لگائے رکھا۔

چہارم: پھر آپ نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے لاثانی محبت کو بھی خوب نمایاں کر کے دکھایا۔ اپنے اندر بھی اسی جذبۂ محبت رسول کو پیدا کیا اور سیرت خاتم النبیین جیسی اعلیٰ پایہ کی کتاب تصنیف فرمائی۔

پنجم: آپ نے کتاب ہمارا خدا لکھ کر زندہ اور قادر خدا کی محبت دکھلا دی۔

الغرض ہمیشہ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے زیر سایہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو خدا اور اس کے دین کی ترقی کے لئے وقف کئے رکھا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس خُلق کو بھی جو مہمانوں کی خدمت اور حاجت مندوں کی مدد کرنے سے تعلق رکھتا ہے اُجاگر کر دکھایا۔ آپؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم "تم میں بڑا وہ ہے جو غریب کی بات تحمل سے سنے۔" کو اپناتے ہوئے اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھایا۔

حضرت میاں صاحب کو اپنی وفات سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک حد کی مشابہت ہو گئی تھی اور اس مشابہت کی بناء آپ کے حق میں ہونے والا الہام "یَأْتِیْ قَمَرُ الْاَنْبِیَاءُ" ...ہے کیونکہ قمر الانبیاء کا نام ایک بڑی مشابہت کی دلیل ہے جس سے مراد یہ ہے کہ حضرت میاں صاحب اپنی باطنی قوت کی وجہ سے اور خدمت دین کا مقدس کام سرانجام دینے کی وجہ سے اپنے آئینہ قلب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دکھا رہے تھے اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حسب الہام "جَرِیُ اللّٰہِ فِیْ حُلُلِ الْاَنْبِیَاءِ" جملہ انبیاء کے انوار کو اپنے اندر دکھلانے والے تھے۔ پس جو وجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے آئینہ دل میں دکھلائے گا لازمی طور پر انبیاء کے انوار کو دکھلانے والا ہوگا۔

میں جو ایک ادنیٰ قسم کا وجود ہوں۔ جملہ احباب جماعت سے عرض کرتا ہوں کہ آپ اس وقت سرتاپا خدائے غفور ورحیم کے حضور جھکیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی دعا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ مانگتے ہوئے عجز وانکسار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگ جائیں۔ اس وقت زخم دل تیز و تازہ ہے اس لئے الحاح کے سنے جانے کا امکان زیادہ ہے۔ اس نازک وقت میں ہمارے لئے خاص قسم کی دعائیں کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہمارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کو اپنی علالت کے دنوں میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی وفات کا صدمہ پہنچا ہے۔ اس صدمہ کی شدت کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔ پس اس لحاظ سے ہم پر شدید طور پر لازم آجاتا ہے کہ ہم حضور کی سلامتی کی دعا کا خاص خیال رکھیں۔ کہ اے ہمارے قادر وتوانا خدا! تو ہمارے گناہ بخش اور ہمارے روحانی باپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو صحت وتوانائی بخش تاکہ ہم حضور کے پدرانہ سایہ تلے رہتے ہوئے فلاح دارین حاصل کر سکیں اس وقت حضرت قمر الانبیاءؓ کی وفات ہمارے لئے ایسی ہے جیسے کسی کی ماں فوت ہو جائے۔ پس ماں کا جدائی کے بعد باپ کی شفقت کے سایہ کی احتیاج زیادہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہزاروں لاکھوں رحمتیں نازل کرے حضرت قمر الانبیاءؓ پر کہ ایک

طرف تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی علالت کا غم کھاتے رہے اور دوسری طرف جماعت کے کمزوروں اور غریبوں کا غم بھی برداشت کرتے رہے۔ آمین

میں جو مذکورہ بالا ہستیوں کا ہم عصر ہوں۔ احباب جماعت کی خدمت میں اپنے لئے درخواست دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان ہستیوں کے طفیل زندگی کے بقیہ ایام کامل اطاعت شعاری میں بسر کرنے کی توفیق دے۔ میری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرمائے اور ہر لحاظ سے انجام بخیر کرے۔ آمین

خاکسار

حشمت اللہ

(الفضل 29 ؍ اکتوبر 1963ء خاص نمبر بیاد گار حضرت مرزا بشیر احمدؓ صفحہ 24 جلد 17 / 52 شمارہ نمبر 253)

:

باب نمبر:10
حضرت مصلح موعود کے چند اسفار کا بیان

- سفر دھرمسالہ 1920ء اور ایک پاکیزہ صحبت
- سفر ڈلہوزی 1920ء اور ایک انوکھا عید کارڈ
- سفر کشمیر 1921ء
- خدام کی وفاداری کا ایک منظر
- پہلا سفر یورپ 1924ء
- سفر یورپ کے رفقاء
- سفر ڈلہوزی 1926ء
- سفر پھیروچچی 1920ء
- سفر شملہ 1927ء
- سفر لاہور 1929ء
- سفر کشمیر 1929ء اور باریک تقویٰ کی راہ
- سفر ڈلہوزی 1932ء اور ایک یادگار فوٹو
- سفر سندھ 1938ء اور ایک ایمان افروز شہادت
- سفر کراچی 1940ء
- سفر ہوشیارپور 1944ء
- سفر سندھ 1948ء
- سفر سندھ 1952ء
- دوسرا سفر یورپ 1955ء

سفر دھر مسالہ 1920ء اور ایک پاکیزہ صحبت

1920ء کے موسم گرما میں تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے حضور نے دھر مسالہ کا سفر اختیار کیا۔ قادیان سے روانہ ہو کر پٹھان کوٹ ایک روز قیام کیا۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب، مرزا گل محمد صاحب، خلیفہ تقی الدین صاحب ابن ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب، سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی سید محمود اللہ شاہ صاحب، مولوی عبد الرحیم درد صاحب (پرائیویٹ سیکرٹری)، بھائی عبد الرحمن قادیانی صاحب، بابا رحیم بخش صاحب سنوری، نیک محمد خان صاحب غزنوی اور یہ ناچیز راقم (ڈاکٹر حشمت اللہ) تھے۔

اس روز دریائے چکی کی سیر کے لئے تشریف لے گئے اور دریا میں نہانے کا فیصلہ فرمایا۔ حضور کے ساتھ جانے والے ساتھیوں میں سے سب کے سب تو حضور کے ساتھ نہانے میں مصروف ہو گئے لیکن سید محمود اللہ شاہ صاحب نے اجتناب کیا۔ گو ہم سب کی یہی خواہش تھی کہ وہ بھی شریک ہوں مگر وہ شریک نہ ہوئے۔ ایک وقت میں وہ دریا کے عین قریب جا کھڑے ہوئے۔ اس وقت خلیفہ تقی الدین صاحب اور حضور نے ان پر کچھ چھینٹے پھینکے اور خلیفہ تقی الدین صاحب نے تو پکڑ کر پانی میں لے آنے کا بھی فیصلہ کیا لیکن وہ بچ نکلے۔

تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ محمود اللہ شاہ صاحب عین کنارے پر کھڑے ہوئے ہیں اور بالکل بے فکر ہیں۔ خلیفہ تقی الدین صاحب نے پھر حملہ کیا اور پکڑنے کی کوشش کی۔ اس مرتبہ شاہ صاحب اطمینان سے کھڑے رہے اور بجائے بھاگ جانے کے خود بخود پانی میں داخل ہونے لگ گئے اور چند قدم اندر جا کر ایسے طریق پر لڑکھڑا کر پانی میں گرے گویا ان کا پاؤں پھسل گیا ہے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر سب ناظرین ہنسنے لگے۔ شاہ صاحب سنبھل کر جو اُٹھے تو دیکھا کہ جو کپڑے وہ زیب تن کئے ہوئے تھے وہ خلیفہ تقی الدین صاحب کے تھے۔ پھر تو ناظرین کی ہنسی کی کوئی حد نہ رہی اور جناب شاہ صاحب کی ہوشیاری پر صد آفرین کہنے لگے۔

حضور اس سے اگلے روز ٹمٹموں کے ذریعہ دھر مسالہ روانہ ہوئے۔ ایک جگہ ایک شخص برلب سڑک آم کا ٹوکرہ بغرض فروخت لئے بیٹھا تھا۔ حضور نے خدام میں سے کسی کو فرمایا کہ کچھ آم خرید لئے جائیں آگے چل کر کہیں ٹھنڈے پانی میں ٹھنڈے کر کے کھائیں گے۔ چنانچہ دو تین خادم آم خریدنے کے لئے ٹمٹموں میں سے اُتر گئے۔ آم آنے میں کچھ دیر لگی تو حضور نے فرمایا کہ کیا ابھی تک آم نہیں خریدے گئے؟ عرض کیا گیا کہ آم خرید لئے گئے ہیں لیکن قیمت کا ابھی کچھ جھگڑا ہے۔ فرمایا جھگڑا کیوں ہے کیا قیمت پہلے سے طے نہ ہوئی تھی؟ جواباً عرض کیا گیا۔ نہیں! اس پر آپ نے فرمایا یہ بہت بڑی غلطی ہے اس لئے اب تمہیں جھگڑنے کا کوئی حق نہیں اور جو قیمت وہ مانگتا ہے وہ تمہیں دینی چاہئے۔

حضور دوستوں کی اس غلطی پر اور بے احتیاطی پر اس قدر خفا ہوئے کہ آموں کو منہ تک نہ لگایا اور دیر تک خاموشی اختیار کئے رکھی۔

دھر مسالہ پہنچنے پر وہاں بارش کی زیادتی کی وجہ سے آب و ہوا صحت کے لئے ناموافق ثابت ہوئی اس لئے ڈلہوزی میں مکان کی تلاش کروا کر وہاں پہنچ گئے۔ یہاں کی آب و ہوا حضور کو موافق آئی۔

(الفضل 5/ اگست 1920ء صفحہ 1 جلد 8 شمارہ نمبر 8-9)

سفر ڈلہوزی 1920ء اور ایک انوکھا عید کارڈ

1920ء کے موسم گرما میں حضور تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے ڈلہوزی پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ انہی دنوں میں عید الاضحیٰ بھی آئی۔ جس دن یوم حج تھا اُسی دن حضور نے پروگرام بنایا کہ نماز ظہر کے بعد باہر جا کر دعا کریں گے اور آپ ایک بلند پہاڑی پر تشریف لے گئے۔ اس پہاڑی کا نام بکروٹا تھا۔ ایک علیحدہ جگہ پر جا کر باجماعت نفلوں میں دعا کا بتا کر نیت باندھ لی اور لمبے سجدوں کے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ میں 4 رکعت نفل ادا کئے اور باوجود کمزور ہونے کے بڑے عزم کے ساتھ دُعا کا حق ادا کیا جبکہ آپ کے قافلہ کے احباب کو بعض دفعہ نیند کا ٹھونکا آجاتا تھا۔ اس کے بعد نماز عصر ادا کی اور نماز کے بعد فرمایا۔

”لوگوں نے بھی پیسہ خرچ کر کے کچھ عید کارڈ بھیجے تھے۔ ہم نے بھی آج عید کارڈ بھیجے ہیں اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خوب ہی درود شریف پڑھ کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ ان کو اور ان کے خلفاء کو اور تمام اولیائے اُمت کو اور تمام پچھلے انبیاء کو حضور کی طرف سے متقدیوں (ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب، سید ولی اللہ شاہ صاحب، خلیفہ تقی الدین صاحب، محمود اللہ شاہ صاحب، نیک محمد صاحب، عبد الاحد صاحب، عبد القادر صاحب) کی طرف سے اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے جو پیچھے کوٹھی میں رہ گئے ہیں سب کی طرف سے تحفہ عید پہنچایا جائے۔ اور تحفہ وہ ہو جو اللہ تعالیٰ مناسب اور بہتر سمجھے۔ آمین۔ اسی طرح آپ نے اسلام کے لئے، جماعت کی ترقی کے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے بہت دعائیں کیں۔ بعد از نوافل آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ وقت زیادہ گزر گیا تھا اس لئے کچھ دُعا کاٹنی پڑی۔ پھر فرمایا کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں علیحدگی ہو۔ لیکن ایسی جگہ نہ ملنے پر فرمایا۔ اچھا چلو راستے میں ہی دعائیں مانگتے جائیں گے اور دعائیں مانگتے ہوئے حضور واپس کوٹھی تشریف لے گئے۔“

(الفضل 30/ اگست 1920ء صفحہ 7 جلد 8 شمارہ نمبر 15)

اسی سفر میں جب حضور کو مسجد لندن کے لئے زمین خرید لئے جانے کی اطلاع ملی تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا ”کل چائے کی دعوت کی جائے اور خوشی کا جشن منایا جائے“ اور فرمایا پھر اہل قافلہ اس خوشی میں ایک ایک نظم سنائے۔ چنانچہ یہ جلسہ نہایت شاندار طریق پر منایا گیا۔

ڈلہوزی کے مضافات میں ایک اور دلکش مقام چنبہ ہے جو حضور کی جائے قیام سے 23 میل کے فاصلہ پر تھا سو حضور نے ایک روز مع تمام قافلہ کے وہاں جانے کا فیصلہ فرمایا۔ یہ تمام سفر پیدل کا تھا۔ چنانچہ حضور معہ اپنے قافلہ کے چلتے چلتے ایک خوش منظر کھجیار نامی جگہ پر پہنچ گئے اور یہاں پر ٹھہر کر کھانا کھا کے آگے جانا تھا۔ چنانچہ میدان میں ایک عمدہ جگہ پر پڑاؤ کیا اس سفر میں حضرت ولی اللہ شاہ صاحب کے لئے ایک گھوڑی کا انتظام حضور نے کیا تھا۔ میدان میں پہنچ کر آپ نے گھوڑی کھلی چھوڑ دی۔ خدا تعالیٰ نے حضور کی سیر کو پُر لطف بنانا تھا اس لئے کچھ مزاحیہ سی صورت حال پیدا ہو گئی وہ اس طرح کہ جو گھوڑی ولی اللہ شاہ صاحب کے لئے تھی وہ انہوں نے جب کھلی چھوڑ دی تو مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل نے گھوڑی کی سواری کے شوق میں چھلانگ لگا کر گھوڑی پر بیٹھنے کا قصد کیا لیکن مولوی صاحب کی بد قسمتی اور قافلہ کی خوش قسمتی سے چھلانگ بجائے سوار ہونے کی جگہ کے دُم کے قریب حصہ پر لگ گئی پھر کیا دیکھتے ہیں گھوڑی بدک رہی ہے اور مولانا صاحب چھلانگ کی جگہ بیٹھے رہنے کی کشمکش میں لگے ہوئے ہیں۔

اس کو دیکھ کر حضور اور تمام اہل قافلہ بے اختیار ہنسنے لگے۔ لہٰذا حضرت مولوی صاحب ناکام نیچے اُتر آئے اور سب کے مذاق کا نشانہ بن گئے۔ حضرت ماموں جان میر محمد اسماعیل صاحب کے لئے تو بلّی کے بھاؤ چھینکا ٹوٹا کے مترادف تھا اور انہوں نے اس واقعہ کو نظم کا جامہ پہنا کر ہی دم لیا۔

الغرض لطائف اور کھانا کھانے میں دیر لگ گئی اور چنبہ دیر سے پہنچے۔ اگلے روز حضور نے چنبہ کو ایک نظر دیکھے بغیر واپسی اختیار کر لی کیونکہ وہاں قافلہ والوں کو کھانا نہیں مل سکا تھا۔ کھجیار واپس پہنچنے پر ڈاک بنگلہ میں رکے اور خود کھانا پکایا۔ حضور نے بھی روٹی سازی میں حصہ لیا۔ حضرت ماموں جان کے پیٹ میں کھانا پڑنے کے بعد ان کو چنبہ اور کھجیار پر ایک نظم سوجھی۔ سب احباب اس سے بہت محظوظ ہوئے اور ڈاک بنگلے کے خانساماں کو تو اس قدر پسند آئی کہ اس نے اس کی نقل لے کر ڈاک بنگلہ میں لٹکائی۔

نظم کے چند شعر یہ ہیں۔

بس گیا دل میں میرے ماہ لقائے کھجیار
سامنے پھرتی ہے آنکھوں کے فضائے کھجیار
وادیٔ عشق کے افسردہ دلوں سے کہہ دو
روح پرور ہے عجب آب و ہوا کھجیار
آزمائیں جو اس کو کبھی اطبائے زماں
سب دوا چھوڑ دیں جُز خاکِ شفائے کھجیار

زندگی اس کی بھی کیا خاک ہے اس دنیا میں
جو کہ ہوتے ہوئے وسعت کے نہ آئے کھجیار
جس کی مخلوق میں حسن اور دلآویزی ہو
کس قدر خود وہ حسین ہو گا خدائے کھجیار

سفر کشمیر 1921ء

حضور کو گلے کی تکلیف کافی دیر سے تھی اور گلے کے ماہر ڈاکٹر نے مشورہ دیا تھا کہ پانی کے پاس مثلاً دریا، جھیل یا چشمہ کے کنارے آپ زیادہ وقت گزارا کریں اور اس کے ساتھ مچھلیاں پکڑنے کا شغل اختیار کریں۔ اس مشورہ کے پیش نظر حضور نے 1921ء میں کشمیر جانے کا پروگرام بنایا۔ اس دلچسپ سفر میں 31 افراد کا ایک بڑا قافلہ آپ کی معیت میں تھا جس میں حضرت اماں جان کے علاوہ آپ کی تین حرم نیز حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب، حضرت میاں شریف احمد صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب اور دوسرے کئی صحابی، خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کئی احباب اور بچے تھے۔ ساڑھے تین ماہ کا یہ سفر حضور کی فیاضی کی ایک دلنواز مثال اور بہت ہی دلچسپ تھا جو تبلیغی اور علمی لحاظ سے بھی بڑا مفید رہا۔ اس سفر کے چند ایک واقعات درج ہیں۔

ایک روز جبکہ ہم سرینگر میں مقیم تھے اور مردانہ مجلس خوب گرم تھی ایک خوبصورت کشمیری نوجوان ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں ایک پیرزادہ ہوں کشمیری باشندہ ہوں۔ میں حضرت صاحب کی زیارت کے لئے قادیان پہنچا تھا جہاں پر معلوم ہوا کہ حضور تو ہمارے ہی وطن میں تشریف فرما ہیں تب میں ایک دو روز کے قیام کے بعد واپس لوٹ آیا۔ اور آج ہی سرینگر پہنچ کر حاضر خدمت ہوا ہوں۔ ہمیں اس نوجوان کی ہمت اور شوق پر تعجب ہوا اور اُسے زیارت کا نہایت درجہ مستحق جانا اور اسے ٹھہرالیا اور مناسب تواضع کی۔ دوران گفتگو ہم میں سے کسی نے اس سے دریافت کیا کہ قادیان میں آپ نے کیا دیکھا اور کس کس سے ملاقات کی؟ تو کہنے لگا وہاں ایک مہمان خانہ ہے جس کے منتظم خوبصورت، موٹے، قد آور نوجوان ہیں۔ وہاں ایک ڈاکٹر صاحب ہیں جو آدھی کٹی ہوئی عینک پہنتے ہیں اور جلدی جلدی باتیں کرتے ہیں۔ وہاں ایک دو منزلہ مسجد ہے جس کے پیش امام اس قدر لمبی نماز پڑھاتے ہیں جو کشمیریوں کی سال بھر کی نماز کے برابر ہوتی ہے۔

اُس کی باتیں سن کر ہماری ہنسی کی کوئی حد نہ رہی اور یہ بات کہ وہ قادیان ہو کر آیا ہے حق الیقین تک پہنچ گئی۔

سرینگر میں کچھ عرصہ قیام کے بعد حضور نے اسلام آباد سے ہوتے ہوئے احمدیوں کے ایک گاؤں آسنور جانے اور کچھ عرصہ وہاں ٹھہرنے کا پروگرام بنایا۔ سرینگر سے اسلام آباد 20 میل کے فاصلے پر جس کے دو راستے ہیں ٹانگوں کے ذریعے پکی سڑک

سے بھی جا سکتے ہیں اور کشتیوں پر دریائے جہلم کے ذریعے۔ کیونکہ یہ شہر دریائے جہلم پر واقع ہے۔ کشتیاں لمبی اور بڑی ہوتی ہیں جن کو ڈونگہ کہتے ہیں۔ جس روز روانہ ہونا تھا اس روز بھائی عبدالرحمن صاحب کو کشتی کرایہ پر لانے کے لئے حضور نے فرمایا لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکے پھر خاکسار کو فرمایا تو تلاش بسیار کے بعد ایک کشتی لانے میں کامیاب ہوا۔ چونکہ شام ہوگئی اس لئے اگلے روز روانگی کا پروگرام پکا ہو گیا۔ لیکن اگلے روز بھی سامان کشتی تک لے جانے اور لادنے میں ظہر کا وقت ہو گیا۔ سامان کیا تھا ایک ٹیلہ کا منظر پیش کر رہا تھا اور کشتی کا تقریباً تین چوتھائی حصہ رک چکا تھا۔ خیر سامان لادنے کے بعد اطلاع دے دی گئی۔ لیکن پھر بھی پانچ بجے دریا پر پہنچے۔ کشتی میں بیٹھنے کی جگہ کم ہونے کی وجہ سے حضور سخت پریشان ہوئے اور خاموشی اختیار کر لی۔ اور تمام خدام غمزدہ اور خوفزدہ ہوگئے اور خاکسار سب سے زیادہ پریشان ہوا کہ کشتی لانے والا تھا۔ اب حضور کی بلند کرداری دیکھیں کہ شام ہو چکی تھی۔ بادل سر پر منڈلا رہے تھے کشتی میں صرف ایک چوتھائی حصہ قافلے کا سوار ہو سکتا تھا باقی تین بٹا چار کو پیدل چلنا پڑتا تھا حضور نے کشتی کو روانہ ہونے کا کہہ کر خود پیدل چلنا شروع کر دیا اور تمام خدام حراساں و ترساں پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ حضور کی خاموشی اور چہرے کی کیفیت اجازت نہ دیتی تھی کہ کچھ عرض کریں کہ سفر کل صبح تک کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔ غرض چلتے چلتے صرف دو میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ سورج غروب ہونے لگا اور بادلوں نے بھی دن کی روشنی کو اندھیرے کا جامہ پہنا دیا اور مرے کو مارے شاہ مدار کا واقعہ ظہور پذیر ہو گیا کہ تیز بارش شروع ہوگئی۔ اس تکلیف دہ حالت میں حضرت محمود کے خدا نے پناہ گزینی کا غائبانہ انتظام فرما دیا۔ وہ یہ کہ جس جگہ زیادہ اندھیرا چھا گیا اور بارش زور پکڑ گئی عین اس جگہ ایک خالی سرکاری عمارت مل گئی جو متروک چنگی خانہ تھا اور چند روز پہلے ہی خالی ہوا تھا۔ اس خوان نعمت کو کیا دیکھتے اللہ کا بہت شکر ادا کیا کہ حضرت محمود کو رات گزارنے کی جگہ مل گئی اور اس کے طفیل تمام اہل قافلہ کو بھی۔ جب اگلی صبح ہوئی تو دوسری کشتی کی تلاش شروع ہوئی جس کا ملنا محال تھا۔ حضرت صاحب خود پریشان تھے۔ اور آپ نے یہ کہہ کر دعا شروع کی کہ وقت پر ضروری سامان کا مل جانا بھی تو نشان الٰہی ہے حضور یہ دعا کر رہے تھے اور ابھی دعا کی حالت میں ہی تھے کہ ایک خالی کشتی اسلام آباد جانے والی حضور کے عین پاس سے گزرتی نظر آئی۔ حضور نے کشتی بان کو خود ہی آواز دی اور اس سے خود ہی کرایہ طے کر لیا جو کہ پہلی کشتی کے کرایہ سے بھی کم تھا۔ تب حضور نے خوشی خوشی اطلاع دی کہ کشتی مل گئی اور اپنی دعا کا بھی ذکر فرما دیا۔ لہٰذا سب سوار ہوگئے اور کشتیاں چل پڑیں لیکن اگلی رات راستے میں ہی گزارنی پڑی اور ایسی جگہ رات آئی جہاں ڈاکہ کی وارداتیں ہوتی رہتی تھیں۔ لہٰذا حضور کا اور حضرت اماں جان کا بندوقوں کے ساتھ پہرا دیا گیا۔ حضرت میاں شریف احمد صاحب، مرزا گل محمد صاحب اور میں (یعنی ڈاکٹر حشمت اللہ) پہرہ دینے والے تھے۔ اگلے روز دوپہر 3 بجے اسلام آباد پہنچ گئے۔ اس سے اگلے روز اچھابل کی سیر کی جہاں ایک مصفّٰی سرد پانی کا چشمہ تھا اور فواروں کا میدان اور ٹراؤٹ مچھلی چشمہ میں تیرتی نظر آتی تھی۔

اگلے روز حضور نے ایک دلکش اور صحت افزا مقام ویری ناگ دیکھنے کا پروگرام بنایا اور نیک محمد صاحب اور خاکسار کو تانگوں کا انتظام کرنے کے لئے فرمایا۔ تانگوں کا انتظام تو دو میل دُور ان کے اڈے پر جا کر ہو گیا لیکن رات کو موسلا دھار بارش ہونے کی وجہ سے کچی سڑک جو ویری ناگ جاتی تھی نہایت مخدوش ہو گئی اور تانگے والوں نے وہاں جانے سے انکار کر دیا بصد منت وہ اس شرط پر تیار ہوئے کہ ان کے گھوڑوں کی قیمت ان کے چوہدری کے پاس رکھوا دیں تا کہ اگر گھوڑے مر گئے تو وہ نئے خرید لیں۔ اب ان کو جانے کے لئے راضی کرنے کے لئے پہلے ان کے چوہدری صاحب کے پاس گئے پھر تحصیل دار صاحب کے پاس سے ہوتے ہوئے ڈپٹی کمشنر صاحب کے پاس گئے۔ وہ بڑی عزت سے پیش آئے اور انہوں نے اپنا ایک چپڑاسی ہمارے ساتھ روانہ کیا تا کہ تحصیل دار کو کہہ کر ہمارا کام کروا دیں لیکن تانگے والے پھر بھی نہ مانے۔ اس پر ہم دو خدام دو تانگے والوں اور ہر دو چپڑاسی ایک تحصیل دار صاحب کو اور ایک ڈپٹی کمشنر صاحب کو لے کر حضور کی خدمت میں ڈرتے ڈرتے پہنچے کہ مبادا دیر ہو جانے کی وجہ سے حضور ناراض نہ ہوں۔ حضور ہمارے انتظار میں باہر ہی تشریف فرما تھے۔ اس وقت ہماری فوج حضور کے سامنے تھی۔ ہم نے سارا قصہ بیان کیا۔ تانگے والوں نے یہاں بتایا کہ ایک پکی سڑک بھی ویری ناگ جاتی ہے لیکن 12 میل تک اور آگے پانچ میل پیدل کا راستہ ہے۔ اگر اس سڑک سے چلیں تو ہم تیار ہیں۔ حضور نے پکی سڑک سے چلنے سے تامّل فرمایا۔ پھر کہا کہ اچھا حضرت اماں جان سے پوچھ لو اگر آپ پانچ میل پیدل چل سکتی ہوں تو ہم چلتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اماں جان کو بصد دلیری تیار پایا اور حضور کا منشاء پاتے ہی تانگے فوراً حاضر کر دیئے گئے اور حضور بمع حضرت اماں جان، تمام اہل بیت اور خدام ویری ناگ کے لئے چل پڑے۔ بارہ میل تو تانگوں پر سفر کیا اور پانچ میل اچھی خاصی چڑھائی والا پیدل سفر طے کیا اور بمشکل چار بجے ویری ناگ پہنچے۔ تب دن کا کھانا کھایا اور ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کیں۔ اس طرح پر سیر کا وقت باقی نہ رہا اور نہ ہی واپسی کا کیونکہ تانگے والوں نے بعض مخدوش حالات کی وجہ سے رات کو سفر کرنے سے انکار کیا تھا۔ اس لئے حضور نے وہاں کی بارہ دریوں یا محرابوں میں سما جانے کا ارادہ کر کے رات ٹھہر جانے کا فیصلہ کیا اور اس ناچیز خادم کے ذمہ رات گزارنے کے لئے کمبلوں اور لوئیوں کو مہیا کرنے کا کام لگا دیا۔ بظاہر اس قدر احباب کے لئے کمبل دستیاب ہونا مشکل تھا۔ لیکن حضرت محمود جب اپنے ایاز کو کسی کام کا حکم دیتے تو وہ کبھی ناکام و خالی نہ لوٹتا۔ چنانچہ یہ عاجز ان لوگوں کے پاس گیا جو اس جگہ کے محافظ تھے تو ان لوگوں نے بخوشی کمبل مہیا کر دیئے۔ اس طرح پر رات کاٹنے کا انتظام ہو گیا۔

رات کاٹی، صبح ناشتہ کیا اور حضور ویری ناگ کے چشمہ کی سیر کے لئے نکلے اور نہایت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ اگر اس جگہ کو نہ دیکھتے تو ہمارا آنا نہ آنا برابر ہوتا۔ حضور نے اس موقعہ پر بتایا کہ مغل بادشاہ جہانگیر مرض الموت کے وقت کہہ اٹھا تھا کہ کاش! میں ویری ناگ میں مرتا۔ الغرض حضور نے خوب سیر کی اور پھر واپس چلے اور رات کے آٹھ بجے جائے قیام پر پہنچ گئے۔ پھر ایک روز کے بعد اسلام آباد سے چل کر اُسی روز رات کو آسنور پہنچے۔ آپ کا قیام ڈار فیملی کے فراخ باغیچہ میں ہوا۔ حضور دو منزلہ عمارت میں بمع حضرت اماں جان اور اہل بیت قیام پذیر ہوئے جبکہ باقی جملہ مردوں کا رین بسیرا سیبوں کے جمع کرنے

والے شیڈ میں لگا اور سب کے لئے محمدی بسترے لگ گئے۔ خاکسار اور حضرت میر محمد اسماعیل صاحب پڑوسی تھے۔ یہاں پہنچ کر قافلہ کو بہت آرام اور سکون ملا۔ ڈار خاندان جو معزز زمینداروں کا خاندان ہے بصد اخلاص خدمت کناں ہوا اور میرے جیسے کمزور منتظم کو آرام ملا اور حواس درست ہوئے۔ اس آرام یافتہ حالت میں خاکسار نے چند شعر بھی کہے۔

آسنور میں حضور کا قیام تقریباً ایک ماہ رہا۔ اس دوران حضور نے کوشر ناگ کی جھیل کی سیر کی۔ یہاں تک پہنچنے میں دو دن اور دو راتیں صرف ہوتی تھیں اور سفر بذریعہ گھوڑوں کے تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرزند ارجمند جن کو فاتح ہند محمود غزنوی پر بدرجہا فضلیت حاصل ہے۔ جب ایک کام کا ارادہ کر لیتے تو پورا کرتے۔ لہٰذا حضرت صاحب کے ارشاد پر 14 گھوڑے مہیا کئے گئے اور قافلہ کے بیشتر احباب نے اس سفر میں شرکت کی۔ حضرت اماں جی (حرم حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ) بھی اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ اس میں شریک ہوئیں۔ کوشر ناگ جھیل کے راستے میں دو جگہ قیام کرتے ہوئے کوشر ناگ جھیل پر جو تیرہ ہزار فٹ کی بلندی پر ایک میل لمبی جھیل ہے پہنچے۔ یہاں پر کھانا کھایا۔ لیکن بہت زیادہ بلندی پر ہونے کی وجہ سے سٹوو (stave) نہ جل سکے اور چائے جس کی اشد طلب سب کو تھی نہ بن سکی اور بغیر چائے پیئے ہی صبر کے گھونٹ پی کر واپس چل پڑے۔

واپسی پر راستے میں ایک چشمہ تھا جس کے دائیں اور بائیں دونوں کناروں پر چل کر منزل طے ہو سکتی تھی۔ لیکن کچھ دور جا کر چشمہ کو عبور کر کے بائیں کنارے پر ہی جانا تھا۔ حضور دائیں کنارے پر چل پڑے اور تمام اہل قافلہ بھی۔ لیکن حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو لے کر بائیں کنارے پر چل پڑے۔ اس سفر کے شروع میں ہی موسلا دھار بارش نے آلیا اور مردوں کی پگڑیاں، ٹوپیاں اور کوٹ وغیرہ نالے بن گئے اور مستورات کے برقعے شرابور تھے۔ لیکن چلنا تو بہر حال تھا۔ راستے میں حضور نے ایک جگہ رک کر قافلے والوں کی حاضری لی اور میاں شریف احمد صاحب اور میاں ناصر احمد صاحب کو نہ پا کر استفسار کیا۔ جب لوگوں نے کہا کہ وہ، حضرت میاں شریف احمد صاحب کے ساتھ دوسرے کنارے سے آرہے ہیں حضور سفر جاری رکھیں تو اس پر آپ نے فرمایا۔

"میں اپنے بیٹے کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

لیکن جب حضور کو یہ بتایا کہ کچھ دور جا کر ہم نے بھی اُسی کنارے پر جانا ہے تو پھر حضور چل پڑے۔ آگے جا کر ہم نے وہ چشمہ عبور کیا جو اب بارش کی وجہ سے دریا کی شکل اختیار کر چکا تھا اور بائیں کنارے پر پہنچ کر چلتے چلتے راستے میں مہ ناگ پر پہنچے چونکہ رات ہو چکی تھی اس لئے ٹھہرنا ناگزیر ہو گیا۔ اہل قافلہ بکریوں کے باڑے میں پناہ گزین ہو گئے اور حضور ایک چھوٹا خیمہ جو اُس باڑے کی چھت پر تھا ٹھہرے اور خاکسار نے چھجے کے نیچے رات بسر کی۔

آسنور واپس پہنچنے کے بعد حضور نے ایک عظیم الشان آبشار اہرہ بل کی سیر کا پروگرام بنایا۔ یہاں صوفی عبد القدیر صاحب کی ولیمہ کی دعوت کا انتظام کروایا جس کے پیسے عبد اللہ سنوری صاحب نے بھجوائے تھے۔ اس کے بعد 6/ ستمبر کو آسنور سے

واپس سرینگر کے لئے روانہ ہوئے اور قریباً دو ہفتہ وہاں گزار کر بذریعہ راولپنڈی 29/ستمبر کو بخیر وعافیت قادیان پہنچ گئے۔ الحمد للہ

کشمیر جنت نظیر کی پُرلطف سیر جہاں ہمارے اولوالعزم آقا کی صحت کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی وہاں حضور کے طفیل آپ کے خدام کو بھی اس پُر فضا، پُرکشش اور پُرلطف جگہ سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔

(ماہنامہ مصباح ربوہ، دسمبر، جنوری 1964ء صفحہ 65-67)

خدام کی وفاداری کا ایک منظر

آسنور کے قیام کے دوران میں اُمّ ناصر احمد سلمہا تیز بخار میں مبتلا ہو گئیں۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب معالج تھے۔ بعض دواؤں کی ضرورت پیش آئی جو ہمراہ نہ تھیں اور سرینگر سے مل سکتی تھیں۔ سرینگر کا فاصلہ 70-80 میل تھا۔ نیک محمد خان جو خادم سفر تھے تیار ہوئے اور کہا کہ اگر گھوڑا مل جائے تو میں جلد سے جلد لے آتا ہوں۔ چنانچہ ایک گھوڑا ان کو آسنور سے دیا گیا۔ اور دوسرے کا راستہ میں مل جانے کا انتظام کیا۔ اور خدا کے فضل سے 140-160 میل کا سفر ایک دن اور ایک رات میں طے کر کے مطلوبہ دوائیں حاضر کر دیں۔

اس وقت ہمیں معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کارکن دیئے تھے اسی طرح حضور کو بھی عطا ہوئے ہیں۔

(الحکم جوبلی نمبر دسمبر 1939ء صفحہ 53)

پہلا سفر یورپ 1924ء

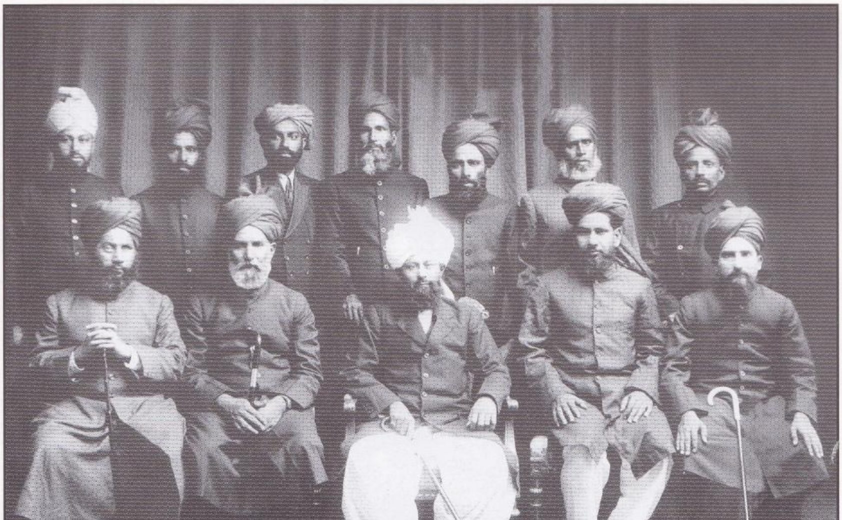
یوں تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے تمام اسفار ہی اللہ تعالیٰ کے خاص فضل اور نشانات کے حامل ہیں۔ لیکن آپ کا سفر یورپ 1924ء خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور تاریخی سفر ہے۔ یہ وہ سفر ہے جب حضور نے یورپ میں پہلی مسجد یعنی مسجد فضل لندن کی بنیاد رکھی۔ جہاں سے اب اللہ تعالیٰ کے پیشگوئیوں کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر کی تکمیل ہو رہی ہے یعنی

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح
نیز بشنو از زمین آمد امام کامگار

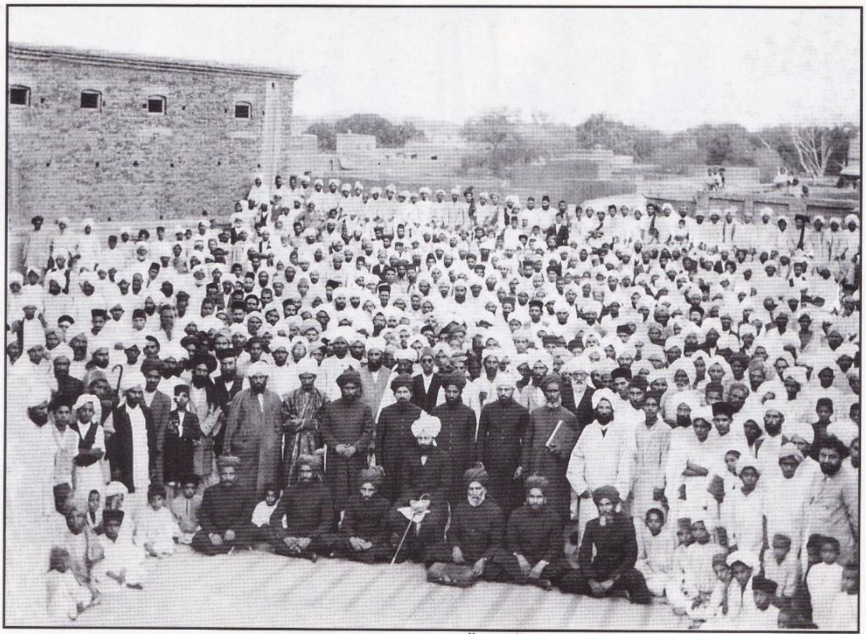
یہ وہی مسجد ہے جہاں سے اب MTA کے ذریعہ دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا پیغام پہنچ رہا ہے۔



1924ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی لندن میں اپنے وفد کے ساتھ-ایاز،سیدنا محمود کے قدموں میں



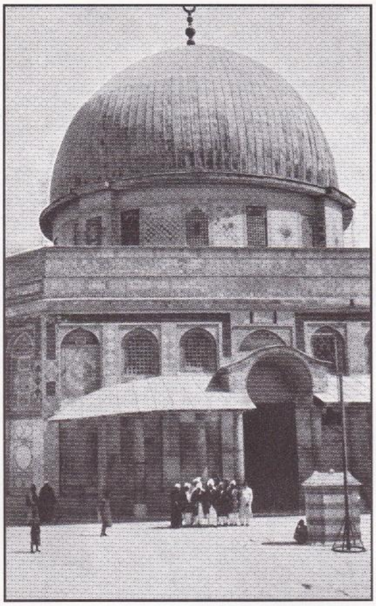
سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے سفر یورپ1924ء میں اپنے رفقاء کے ساتھ ایک اور گروپ فوٹو-ایاز سیدنا محمود کے عقب میں



سفر یورپ 1924ء پر روانگی سے قبل قادیان کے احباب کے ساتھ ایک یادگار فوٹو
اس سفر میں ایاز کو اپنے آقا سیدنا محمود کی معیت کی سعادت نصیب ہوئی۔



حضرت خلیفۃ المسیح الثانی پیرس (فرانس) کی بیت زیر تعمیر میں۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نمایاں نظر آرہے ہیں۔



حضرت خلیفۃ المسیح الثانی یورپ (1924ء) جاتے ہوئے یروشلم بیت المقدس کی مسجد عمر میں



حضرت خلیفۃ المسیح الثانی لندن میں ویمبلے کانفرنس میں اپنے رفقاء اور دیگر احباب کے ساتھ - ایاز، سیدنا محمود کے دائیں طرف

اس مبارک سفر کے حالات حضرت ڈاکٹر صاحب اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

1920ء میں حضور کے قیام ڈلہوزی کے دوران حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال مشنری لندن نے حضور کو بذریعہ تار اطلاع دی کہ لندن میں مسجد کے لئے زمین خرید لی گئی ہے۔ اس پر آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ

"ایک جشن منایا جائے جس میں تمام اہل قافلہ ایک ایک نظم سنائیں۔"

خاکسار نے اس موقعہ پر جو نظم سنائی وہ یہ ہے۔

بڑا آج فضلِ خدا ہو رہا ہے
کہ محمود جلوہ نما ہو رہا ہے
ہزاروں ہی سجدے کریں میری آنکھیں
کہ حاصل انہیں مدعا ہو رہا ہے
سنا لے تو اس کو ابھی چند باتیں
کہ رو اس کا شفقت نما ہو رہا ہے
ستائے نہ کوئی میرے دل کو پھر سے
کہ کسی خوبرو پر فدا ہو رہا ہے

زمین خرید لئے جانے کے چار سال بعد جب یہ فیصلہ ہوا کہ حضور بذات خود مسجد کی بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لے جائیں تو حضور نے متعدد احباب کو دُعا اور استخارہ کے لئے فرمایا جن میں مَیں بھی شامل تھا۔ میں نے دُعا شروع کر دی اور دو یا تین روز کے بعد رؤیا دیکھا کہ مولوی فضل الدین صاحب مشیر قانونی صدر انجمن احمدیہ اسباب سفر باندھ رہے ہیں اور میں بھی ساتھ ساتھ تیاری میں مشغول ہوں اور مدد دے رہا ہوں۔ میں نے یہ رؤیا حضور کی خدمت میں لکھ بھیجی اور ساتھ ہی تعبیر بھی کہ سیدنا حضرت فضل عمر سفر پر جائیں گے اور میں بھی ساتھ جاؤں گا۔ اس سے قبل میری اہلیہ نے پٹیالہ میں خواب دیکھی تھی کہ میں یورپ گیا ہوں۔ اس پر حضور نے فرمایا تھا کہ ڈاکٹر صاحب آپ میرے بغیر کیسے جائیں گے۔

دُعا اور استخارہ کے بعد حضور نے اپنا پہلا سفر یورپ اختیار کیا۔ یہ سفر جولائی کے مہینہ میں بذریعہ بحری جہاز کرنا قرار پایا۔ حضور کا قافلہ 12 جولائی 1924ء کو قادیان سے بمبئی کے لئے روانہ ہوا اور 14 جولائی کو عید الاضحی کے دن بمبئی پہنچا۔ حضور نے نماز عید پڑھائی اور مختصر خطبہ دیا۔ 15 جولائی کو حضور نے بحری جہاز کے ذریعے سفر پر روانہ ہونا تھا۔ سفر پر روانگی کے وقت اللہ تعالیٰ کی تائید سے متعلق فرماتے ہیں کہ

"قادیان سے ہی ایسے اسباب پیش آتے گئے کہ وقت پر پہنچنا اور روانہ ہونا مشکل تھا۔ مگر ہر موقع پر خدا تعالیٰ نے غیب سے سامان اور آسانیاں پیدا کر دیں۔"

جہاز پر سوار ہونے کے بعد حضور دوسرے احباب کے کمروں میں تشریف لے گئے اور پھر اپنا کیبن دیکھا۔ اس عرصہ میں سمندر میں طوفانی کیفیت شروع ہو گئی۔ اس کیفیت کو دیکھ کر مجھے حضرت اماں جان بہت یاد آئیں۔ آپ تھوڑے سے پانی کو دیکھ کر گھبرا جاتی تھیں۔ حضور جب سفر پر روانہ ہونے لگے تو آپ موٹر تک تشریف لائیں اور جب خاکسار آپ کے پاس سے گزرا تو فرمانے لگیں میرے لختِ جگر! اللہ کے حوالے۔ آپ کے یہ الفاظ سنتے ہی میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اس سمندری طوفان کے موسم میں آپ کے دو لختِ جگر سیدنا حضرت محمود احمد اور صاحبزادہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور آپ کو کیا معلوم تھا کہ کس طرح سفر کر رہے ہیں۔ جولائی کا مہینہ سمندری طوفانوں کا ہوتا ہے۔ سمندر کو دیکھنے والی آنکھیں اور جہاز کے ہچکولوں کو محسوس کرنے والے قلب ہی شہادت دے سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ تکلیف دہ سفر شاید ہی کوئی اور ہو گا۔ جہاز پر سوار ہوتے ہی طوفانی کیفیت کی وجہ سے سب اہل قافلہ سوائے دو کے، کی طبیعت خراب ہو گئی۔ حضور کو بھی متلی ہوئی۔ لیکن آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ مجھے متلی ہوئی ہے۔ طوفانی حالت سے جہاز کی حالت ایسی مخدوش تھی کہ خود جہاز کا عملہ بھی مایوس تھا۔ جہاز کا ایک سرا اگر 20 گز اوپر ہوتا تو دوسرا پانی میں۔ جہاز کا تقریباً تمام عملہ بھی بیمار ہو گیا لیکن ان خطرات اور حالات کے باوجود ہمارے دلوں میں سکینت طاری تھی اور وہ حضور کی معیت کا پَرتَو تھا۔

حضرت اقدس کے لئے ایک علیحدہ چھوٹے سے کمرہ کا انتظام تھا۔ آپ 3 دن کے عرصہ میں صرف دو مرتبہ باہر نکل سکے وہ بھی تھوڑی دیر کے لئے۔ نمازیں بھی بیٹھ کر ادا کرتے رہے۔ کھانا برائے نام کھانے کی وجہ سے ضعف اور کمزوری ہو گئی اور کچھ حرارت بھی ہو گئی۔

آپ فرماتے ہیں۔

حضور کی حالت دیکھ کر حضور کے کمرے میں ہی پڑا رہتا۔ گو حالت میری بھی اچھی نہ تھی لیکن حضور کی حالت ناسازی کا احساس اپنی سب حالت کو بھلا دیتا۔ حسب ضرورت حضور کی خدمت میں لگا رہا۔ اس حالت ناسازی کے باوجود حضور کو اہل قافلہ کے آرام کا خیال رہتا۔ حتّٰی کہ اس خادم کا بھی جو آپ کے کمرے میں خدمت پر مقرر تھا۔ اس کی بھی طبیعت خراب ہو گئی تو اس کے کام کا بوجھ بہت ہلکا کر دیا۔ مزید برآں حضور کو بعض احباب نے اعلیٰ قسم کے قلمی آم تحفۃً دیئے تھے اُن میں سے آپ نے اس خادم اور دوسرے عملہ کو بھی دیئے۔ یہ آپ کی شفقت کا دل نواز نمونہ ہے۔ اسی طرح قافلہ کے عملے کا بھی خیال رہتا کہ ان کو وقت پر ٹھیک کھانا مل جائے اس کے لئے حضور نے چوہدری فتح محمد صاحب کی ڈیوٹی لگا دی تھی۔

جب آپ کی طبیعت ذرا سنبھلتی تو آپ اپنے کیبن سے باہر تشریف لا کر احباب کے پاس بیٹھتے اور دل بہلانے اور غم غلط کرنے کے لئے نظمیں سنتے۔ جب آپ کی نظم پڑھی جاتی تو قادیان کی محبت اور اس کی کشش کا ایک زبردست جوش پیدا ہو جاتا۔ قادیان کے مناظر اور شعائر اللہ کی تصویریں نظروں کے سامنے آ جاتیں اور سب کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ پڑتے۔ حضور نے شروع میں ہی اپنے صحابہ کو فرما دیا تھا کہ سفر سفر نہیں بلکہ محنت کشی کا کام ہے۔ اس لئے ہر ساتھی محنت سے کام

کرے، دعائیں کرے اور تبلیغ کرے۔ تبلیغ کے بارے میں ہر اہل قافلہ کے لئے حکم دیا تھا کہ جہاز کے مسافروں کو ایک ایک آدمی پکڑ لے اور تبلیغ کرے۔ حضور خود بھی فرسٹ کلاس کے مسافروں کو تبلیغ فرماتے۔

19 جولائی کو جب حضور کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو حضور نے اپنے جملہ احباب سمیت نماز عصر جہاز کے صحن میں ادا فرمائی اور بعد نماز حضور مصلے پر تشریف فرما ہوئے تو جہاز کے ڈاکٹر نے جس کا نام مینگلی تھا اور وہ اٹلی کا رہنے والا تھا وہ مجھ سے اکثر ملتا بھی رہتا تھا اس نے مجھے اشارے سے بلایا اور حضور کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگا۔

Jesus Christ and his twelve Disciples

یعنی مسیح اور اس کے بارہ حواری (حضور کے قافلے میں 12 احباب شامل تھے۔)

یہ سن کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ پوپ کی بستی کا رہنے والا ایک نہایت ہی سچی اور عارفانہ بات کہہ رہا ہے۔ اس ڈاکٹر کو حضور کی فوٹو لینے کا بہت شوق تھا۔ اس نے حضور سے اجازت لے کر پہلے حضور کا فوٹو لیا اور پھر آپ کا مع آپ کی پارٹی کے اور بہت ہی خوش تھا کہ کوئی نعمت غیر مترقبہ حاصل ہے۔

اس سفر میں حضور نے اہرام مصر کی بھی سیر کی اور پھر دمشق میں قیام فرمایا۔ جب حضور دمشق پہنچے تو رہائش کے لئے کافی دقت پیش آئی اور ٹھہرنے کو کوئی مناسب جگہ نہ ملی۔ قیام دمشق کے بارے میں حضور کا اپنا بیان جو الفضل میں 4/ دسمبر 1924ء کو چھپا درج ذیل ہے۔ حضور نے فرمایا۔

”جب ہم دمشق گئے اوّل تو ٹھہرنے کو جگہ نہ ملتی تھی مشکل سے انتظام ہوا مگر دو دن تک کسی نے توجہ نہ دی میں بہت گھبرایا اور دعا کی کہ اے اللہ! پیشگوئی جو دمشق کے متعلق ہے کس طرح پوری ہوگی۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم ہاتھ لگا کر چلے جائیں تو اپنے فضل سے کامیابی عطا فرما۔ جب میں دعا کرکے سویا تو یہ الفاظ میری زبان پر جاری ہوئے عَبْدٌ مُکَرَّمٌ یعنی ہمارا بندہ جس کو عزت دی گئی۔ چنانچہ دوسرے ہی دن جب اُٹھے تو لوگ آنے لگے۔ یہاں تک کہ صبح سے رات کے بارہ بجے تک دو سو سے لے کر بارہ سو تک لوگ ہوٹل کے سامنے کھڑے رہتے۔ اس سے ہوٹل والا ڈر گیا کہ فساد نہ ہو جائے۔ پولیس بھی آگئی۔ پولیس افسر کہنے لگا کہ فساد کا خطرہ ہے۔ میں نے یہ دکھانے کے لئے کہ لوگ فساد کی نیت سے نہیں آئے۔ مجمع کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چند ایک نے گالیاں بھی دیں لیکن اکثر محبت کا اظہار کرتے اور ھٰذَا اِبْنُ الْمَھْدِیْ کہتے اور سلام کرتے۔ مگر باوجود اس کے پولیس والوں نے کہا کہ اندر بیٹھیں۔ ہماری ذمہ داری ہے اور اس طرح ہمیں اندر بند کر دیا گیا۔ اس پر ہم نے برٹش قونصلیٹ کو فون کیا۔ اس پر ایسا انتظام کر دیا گیا کہ لوگ اجازت لے کر اندر آتے رہے۔ غرض عجیب رنگ تھا۔ کالجوں کے لڑکے اور پروفیسرز آتے۔ کاپیاں ساتھ لاتے اور جو میں بولتا لکھتے جاتے۔ اگر کوئی لفظ رہ جاتا تو کہتے یا استاذ! ذرا ٹھہرئے۔ یہ لفظ رہ گیا ہے۔ گویا انجیل کا وہ نظارہ تھا کہ جہاں یا استاذ ذکر کے حضرت مسیح کو مخاطب کرنے کا ذکر ہے۔ پھر منارۃ المسیح کا بھی

عجیب معاملہ ہوا۔ ایک مولوی عبد القادر صاحب جو حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب کے دوست تھے اُن سے میں نے پوچھا کہ وہ منارہ کہاں ہے جس پر تمہارے نزدیک حضرت عیسیٰ نے اُترنا ہے؟ کہنے لگے مسجد امویہ کا ہے۔ لیکن ایک اور صاحب نے کہا کہ عیسائیوں کے محلے میں ہے۔ ایک اور نے کہا کہ حضرت عیسیٰ خود آکر بنائیں گے۔ اب ہمیں حیرت تھی کہ کون سا منارہ ہے۔ دیکھ تو چلیں۔ صبح کو میں نے ہوٹل میں نماز پڑھائی اس وقت میں، ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور ذوالفقار علی خان صاحب تھے یعنی میرے پیچھے دو مقتدی تھے۔ جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا سامنے منارہ ہے اور ہمارے اس کے درمیان صرف ایک سڑک کا فاصلہ ہے۔ میں نے کہا یہی وہ منارہ ہے اور ہم اس کے مشرق میں تھے۔ یہی وہاں سفید منارہ تھا اور کوئی نہ تھا۔ مسجد امویہ والے منارے نیلے رنگ کے تھے۔ جب میں نے اس سفید منارہ کو دیکھا اور پیچھے دو ہی مقتدی تھے تو میں نے کہا کہ وہ حدیث بھی پوری ہو گئی۔

”یعنی مسیح دو فرشتوں کے کندھوں پر دمشق میں مشرق کی جانب دو فرشتوں کے کندھوں پر اُترے گا۔“

حضور کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لخت جگر، حسن واحسان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نظیر کا اس مقام پر نازل ہونا گویا خود حضرت مسیح موعود کا نزول تھا۔

دمشق کے قیام کے بعد پیرس سے ہوتے ہوئے حضور لندن پہنچے اور 19/ اکتوبر 1924ء کو آپ نے مسجد فضل لندن یعنی یورپ میں پہلی مسجد کی بنیاد رکھی اور 24/ اکتوبر کو آپ نے اس مسجد میں پہلا جمعہ پڑھایا۔ اس وقت قلوب کی عجیب حالت تھی۔ مسجد کیا تھی صرف محراب کی چھوٹی چھوٹی دیواریں کھڑی تھیں اور فرش زمین پر بچھایا گیا تھا اگر فرش نہ ہوتا تو مسجد نبوی کی اس حالت کا نمونہ تھا کہ سجدہ میں کیچڑ سے پیشانیاں لت پت ہو جائیں۔ اس مسجد میں پہلا جمعہ پڑھنے والے 30 افراد تھے جن میں دو انگریز اور ترکی بھی تھے۔ لندن میں حضور نے مذاہب کی کانفرنس میں اسلام کے متعلق لیکچر دیا۔ وہاں کے مختلف اخبارات مثلاً دی ٹائمز، مارننگ پوسٹ، ڈیلی ٹیلی گراف، ڈیلی نیوز اور دوسرے اخبارات نے آپ کے لیکچر کی بہت تعریف کی۔ اور منتظمین کانفرنس اور لندن کے مشہور پادری ڈاکٹر والٹر واش نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اس کانفرنس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اسلام زندہ مذہب ہے اور یہی وہ غرض تھی جس کو لے کر جماعت احمدیہ کے امام یہاں تشریف لائے تھے۔ اسی طرح حضور نے اور بھی لیکچر دیئے۔

لندن میں حضور کے قیام کا نظارہ لندن کے ایک نامہ نگار نے یوں بیان کیا! ہز ہولینیس (His Holiness) جو کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت احمدیہ کے امام ہیں زندہ مذہب کی کانفرنس میں شمولیت کے لئے لندن میں تشریف لائے ہیں۔ لندن کے مکان کے ملاقاتی کمرے میں یہ مشرقی فلاسفر فرش پر بچھے ہوئے نماز پڑھنے کے قالین پر اپنے اخلاص مند پیروؤں کے ساتھ اس طرح تعلیم دیتا ہے جس طرح آج سے ہزار سال پہلے پیغمبر اور آئمہ اسلام دیتے رہے ہیں۔ ایک عالی قدر صوفی کی حکیمانہ دانشمندی کے ساتھ وہ اپنے حواریوں کے سوالات کا جواب دیتا ہے۔ اس کے خوبصورت زیتونی رنگ کے چہرے پر

روحانی طمانیت اور تسکین چھائی ہوتی ہے۔ مجمع میں جو اسے گھیرے ہوئے ہیں اس کے متبعین سفید پگڑیاں باندھے ہوئے، سبز چوغے پہنے ہوئے ان نوجوان ہندی طلباء میں ملے جلے بیٹھے ہیں جو لندن کے ویسٹ اینڈ کے جدید تراش کے چست لباس میں ملبوس ہیں۔

حضور 25/ اکتوبر 1924ء کو لندن سے واپس قادیان کے لئے روانہ ہوئے اور 24/ نومبر کو بروز دوشنبہ مبارک دوشنبہ بٹالہ سے بذریعہ موٹر کار قادیان پہنچے اور سیدھے بہشتی مقبرہ مزار اقدس پر دُعا کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ پہلے اکیلے دُعا کی پھر اپنے صحابہ کو بھی بلالیا۔ عصر کے وقت تعلیم الاسلام ہائی سکول کی طرف سے حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے باغ میں گارڈن پارٹی دی گئی۔ اس میں حضور نے تقریباً ایک گھنٹہ نہایت روانی کے ساتھ انگلش میں تقریر کی۔ اسی روز دوپہر کے وقت حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے اپنی کوٹھی پر حضور اور تمام صحابہ کی پُر تکلف دعوت کی۔

قادیان کی ایک تقریب میں اپنے اس سفر کے بارے میں فرمایا۔

”آخر میں مضمون ختم کرنے سے پہلے میں اس سفر کے ساتھیوں کے متعلق بھی یہ اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک ان سے ہو سکا انہوں نے کام کیا۔ انسانوں سے غلطیاں ہوتی ہیں اور ان سے بھی ہوئیں۔ میں ان پر بعض اوقات ناراض بھی ہوا ہوں مگر میری ناراضگی کی مثال ماں باپ کی ناراضگی کی سی ہے جو ان کی اصلاح اور اس سے بھی زیادہ پُر جوش بنانے کے لئے ہوتی ہے۔ مگر انہوں نے اچھے کام کئے اور بڑے اخلاص کا نمونہ دکھایا ہے اور میرے نزدیک وہ جماعت کے شکریہ کے مستحق ہیں خصوصاً اس لئے کہ انہیں میرے جیسے انسان کے ساتھ کام کرنا پڑا۔ جب کام کا زور ہوتا ہو تو میں چاہتا ہوں کہ انسان مشین کی طرح کام کرے نہ اپنے آرام کا اسے خیال آئے نہ وقت بے وقت دیکھے۔ جب اس طرح کام لیا جائے تو بعض اوقات اچھے سے اچھا کام کرنے والے کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔ مگر انہوں نے اخلاص سے کام کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ حق رکھتے ہیں کہ ان کے لئے خصوصیت سے دُعائیں کی جائیں۔“

(الفضل 04/ دسمبر 1924ء صفحہ 5،6،9 جلد 12 شمارہ نمبر 61)

سفر یورپ کے رفقاء:

1۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب

2۔ حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحبؓ

3۔ حضرت مولوی رحیم بخش صاحب پرائیویٹ سیکرٹری (حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد)

4۔ حضرت ذوالفقار علی خان صاحب۔ جنرل سیکرٹری

5۔ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ۔ پریس رپورٹر

6۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب۔ عالم

7۔ شیخ عبدالرحمان صاحب مصری۔ عالم وترجمان

8۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب۔ مشیر طبی

9۔ حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی۔ خادم خاص

10۔ حضرت چوہدری علی محمد صاحب۔ خادم خاص

11۔ حضرت میاں رحیم الدین صاحبؓ۔ باورچی

12۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب

مکرم ایڈیٹر صاحب "الفضل" نے اس تاریخی مبارک سفر کے بارہ میں لکھا:

"میں نے اُن احباب میں سے بعض سے جنہیں سفر یورپ میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی ہے چلتے وقت یہ عرض کی تھی کہ چونکہ جماعت حضور کے مفصّل سے مفصّل حالات معلوم کرنے کی نہایت مشتاق رہے گی اس لئے جس قدر موقع ملے اپنے اپنے رنگ میں حالات سفر سے اطلاع دیتے رہیں اور یہ گزارش میں نے خاص طور پر ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب سے کی تھی جنہیں خوش قسمتی سے حضور کی خدمت میں رہنے کا سب سے زیادہ موقع میسر ہوتا ہے۔ میں ممنون ہوں کہ جناب ڈاکٹر صاحب نے جو وعدہ فرمایا تھا اسے سب سے پہلے خط بھیجنے کے موقع پر عدن سے ملا انہوں نے ایفا کیا ہے۔ ان کے تحریر کردہ حالات پڑھ کر احباب اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان ضروری اور ایمان افروز حالات کو جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ذات خاص کے متعلق ہیں کو تحریر میں لانے کا شرف آپ کو ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ امید ہے جناب ڈاکٹر صاحب موصوف اس نہایت ضروری فرض کو جس کے لئے ساری جماعت ان کی نہایت ہی شکر گزار ہوگی۔ آئندہ بھی ادا فرماتے رہیں گے۔

ان حالات میں اور بہت سی دلچسپ اور سبق آموز باتوں کے علاوہ یہ بھی معلوم کر سکیں گے کہ ہمارے پیارے امام کو اس بحری سفر میں کس قدر تکلیف برداشت کرنی پڑی۔ اور آپ کی جسمانی حالت کیسی رہی۔"

(الفضل 14/اگست 1924ء صفحہ 5 جلد 12 شمارہ نمبر 15)

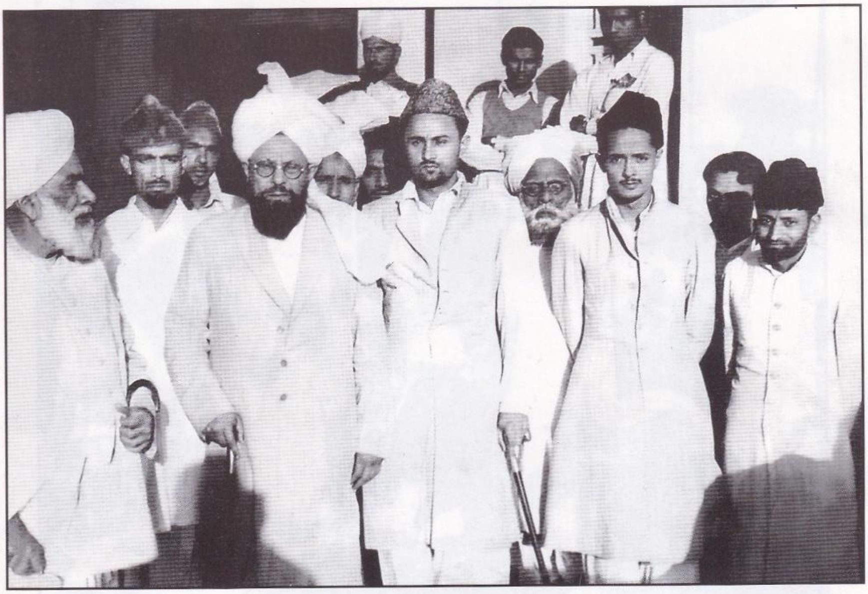
سفر ڈلہوزی 1926ء

ڈلہوزی کے لئے حضور قادیان سے 29/جولائی کو روانہ ہوئے اور 30/جولائی کو پہنچ گئے۔ اس سفر کے کچھ واقعات اور حضور کی صحت کی رپورٹس دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔

1۔ 12/اگست کی شام کو گلے میں نزلہ کی شکایت یک بیک ہوگئی اور رات کو بھی طبیعت خراب رہی۔ اس دن حضرت اقدس کی ملاقات کے لئے شیخ مختار احمد صاحب بارایٹ لاء گورداسپور اور کیپٹن کمال الدین صاحب تشریف لائے۔ یہ دونوں صاحب



حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ڈلہوزی میں سیر کے دوران حضرت ڈاکٹر صاحب بھی نمایاں نظر آ رہے ہیں (1926ء)



رتن باغ لاہور میں ایاز اپنے آقا سیدنا محمود کے ہمراہ 1949ء



حضرت مصلح موعود جون 1953ء کو سندھ فارمز پر ایاز سیدنا محمود کے نقش پا پر چلتے ہوئے۔



حضرت مصلح موعود، چوہدری عبدالجلیل خاں صاحب ایبٹ آباد کے مکان پر بعد از نماز مغرب
سنتیں ادا کرتے ہوئے۔ ایاز پہلو میں بیٹھے سنتیں ادا کر رہے ہیں۔

نزدیک کی کوٹھیوں میں سکونت رکھتے تھے۔ تقریباً دو گھنٹے تک گفتگو ہوتی رہی جو مختلف امور پر مشتمل تھی جس کا بیشتر حصہ مسلمانوں کی سیاسی حالت پر تبصرہ تھا۔

2۔13/ اگست حضور نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں آیت اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ پر تقریر فرمائی۔ فرمایا۔ مسلمانوں کو اس آیت کی طرف خاص توجہ بہت عرصہ پہلے کرنی چاہئے تھی اس میں مسلمانوں کے ساتھ ایک وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے امید قائم کر دی ہے کہ اسلام بحیثیت مذہب ہرگز نیست و نابود نہ ہو گا اور وہ لوگ جو قرآن شریف کی حفاظت کی طرف متوجہ رہیں گے ہرگز ضائع نہ ہوں گے۔ باوجود ناموافق حالات کے قرآن کریم کی لفظی حفاظت اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور ایسی حفاظت فرمائی کہ ایک شوشہ بھی نہیں بدلا۔ اس کے مقابل پر توریت اور انجیل میں بہت کچھ تغیّر و تبدّل ہو گیا ہے۔ پس خدا تعالیٰ وہ حفاظت بھی ضرور فرمائے گا جس کے ذریعے اسلام بحیثیت مذہب کے اور لوگ بحیثیت خادم قرآن کے قیامت تک رہیں۔

اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم کی حفاظت کی طرف متوجہ رہیں۔

3۔15/ اگست بوقت صبح بیداری کے وقت سر درد تھا۔ دن میں حضور کالاٹوپ کی سیر کے لئے مع اہل و عیال اور حضرت اماں جان تشریف لے گئے۔ کالاٹوپ ایک پہاڑی گھنا جنگل ہے جہاں سبزہ زار اور پھول بہت ہیں۔ ایک جگہ ریاست چنبہ کا سرکاری بنگلہ بنا ہوا ہے جس کے قریب ایک چشمہ ہے جس کا پانی نہایت سرد اور ہاضم ہے۔ یہ جنگل ہماری جائے رہائش سے پانچ چھ میل کے فاصلہ ہے۔ حضور خود پیدل تشریف لے گئے جبکہ مستورات کے لئے ڈانڈیاں تھیں۔ پیدل ہی حضور واپس آئے۔ حضور کی طبیعت بشاش رہی۔ الحمد للّٰہ علی ذالك

(خاکسار حشمت اللہ از ڈلہوزی)

4۔16-17-18 - اگست حضور کی طبیعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اچھی رہی۔ شام کے وقت تھوڑی دیر کے لئے باہر سیر کے لئے تشریف لے جاتے رہے لیکن ہر روز معمولی چڑھائی کے وقت سانس پھول جاتا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے سفروں میں خاص طور پر 1920ء کے سفر ڈلہوزی میں تیز رفتاری کے ساتھ لمبی لمبی چڑھائی چڑھتے ہوئے بھی یہ کیفیت نہ ہوتی تھی۔

خاکسار حشمت اللہ

(الفضل 24 اگست 1926ء صفحہ 1 جلد 14 شمارہ نمبر 16)

5۔20/ اگست آج طبیعت کسی قدر خراب تھی۔ دس گیارہ بجے کے قریب حضور ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ اس روز خطبہ وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا پر پڑھا اور جماعت کو کام کرنے کا طریقہ سمجھایا۔

6۔23/ اگست طبیعت اچھی رہی ہے کل کالاٹوپ کی سیر کے لئے تشریف لے گئے جس کی وجہ سے کچھ کوفت ہوئی۔

خاکسار حشمت اللہ

(الفضل 27 اگست 1926ء صفحہ 1 جلد 14 شمارہ نمبر 17)

سفر پھیرو چچی 1920ء

یہ جگہ قادیان سے کچھ فاصلے پر دریائے بیاس پر واقع ہے۔ حضور اکثر یہاں بغرض صحت تشریف لے جاتے تھے اور ڈاک بنگلہ میں چند روز قیام فرماتے تھے یہ واقعہ 1920ء کا ہے۔

اس سفر میں حضور نے یہ جانتے ہوئے کہ مجھے ریوڑیاں پکانی آتی ہیں خاکسار کو فرمایا کہ ریوڑیاں کھانے کو دل چاہتا ہے۔ لہٰذا میں ریوڑیاں پکانے کا اہتمام کر کے باورچی خانے میں جا کر پات تیار کرنے لگ گیا۔ پات پکنے میں کافی دیر لگتی ہے اس لئے مجھے باورچی خانے میں کچھ دیر لگ گئی تو حضرت صاحب کو کچھ خیال پیدا ہوا کہ ضرورت سے زیادہ دیر لگ رہی ہے اور عبد الاحد خان پٹھان کو باورچی خانہ میں بھجوایا کہ جا کر دیکھے۔ آیا ریوڑیاں پکائی جا رہی ہیں یا کچھ اور بھی۔ چنانچہ اس وقت عبد الاحد خان صاحب کو جو نظارہ نظر آیا وہ یہ تھا۔

"کڑاہی چولہے پر چڑھی ہوئی ہے اور حشمت اللہ صاحب پات کو کفگیر سے ہلا رہا ہے اور درد صاحب قریب پیڑھی پر بیٹھے ہوئے ریوڑیوں کے تیار کرنے کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔"

میاں عبد الاحد صاحب نے حضرت صاحب سے باورچی خانہ کا دیکھا ہوا نقشہ یوں بیان کیا۔

"چولہے پر کڑاہی چڑھی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس میں چمچہ پھرا رہے ہیں اور درد صاحب عورتوں والی چیز پر پاس بیٹھے ہیں۔"

اس پر حضرت صاحب نے زور سے دریافت کیا۔ عورتوں والی چیز کیا کہتے ہو؟ تو خان صاحب نے کہا کہ وہ چیز جس پر عورتیں گھر میں بیٹھا کرتی ہیں۔ مراد اس سے پیڑھی تھی۔ تب حضور قہقہہ مار کر ہنسے اور اس لطیفہ کو کبھی نہ بھلایا۔

(ماہنامہ مصباح ربوہ، دسمبر، جنوری 1964ء)

سفر شملہ 1927ء

حضورؓ کے سفر شملہ کی چند اطلاعات مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ 28/اگست حضرت صاحب کی صحت خدا کے فضل سے اچھی ہے اور حضور کام میں سخت مشغول ہیں۔ کل ایک جرمن سیاح جو ترکی، مصر، بغداد اور پرشیا وغیرہ کا سفر کر کے آیا تھا حضور سے ملاقات کے لئے آیا اور مختلف حالات سلسلہ کا ذکر سنتا رہا۔ اس کے چلے جانے کے بعد خان محمد نواز خان صاحب رئیس اعظم کیمبل پور (حال اٹک) وممبر اسمبلی، جناب محسن مرزا صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج کیمبل پور (اٹک)، ہیڈ ماسٹر صاحب چیفس کالج لاہور اور خان بہادر عبد الاحد ریٹائرڈ انجینئر نے حضور سے ملاقات کی اور دیر تک سلسلہ گفتگو جاری رہا۔ خان صاحب سے خصوصیت سے قانون تحفظ عزت انبیاء پر گفتگو ہوتی رہی۔ مسوّدہ جو سلسلہ احمدیہ کی طرف سے پیش ہونے کو ہے۔ انہوں نے سنا اور بہت کچھ جرح کے بعد اس سے کلی اتفاق کیا۔

(الفضل 02/ستمبر 1927ء صفحہ 1 جلد 15 شمارہ نمبر 19)

2۔ یکم ستمبر 3 بجے سہ پہر کا وقت ہز ایکسی لینسی His Excellency وائسرائے ہند نے ملاقات کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو دیا تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس مع مفتی محمد صادق صاحب کے جو بحیثیت ترجمان کے ہمراہ گئے تھے۔ وائسریگل لاج میں پہنچے۔ حضور کے پہنچنے پر وائسرائے نے آگے بڑھ کر حضور سے ہاتھ ملایا۔ مزاج پرسی کے بعد تقریباً نصف گھنٹہ حضرت صاحب کے ساتھ موجودہ واقعات پر گفتگو کی اور فرمایا کہ آپ بھی کوشش فرمائیں کہ ہندو اور مسلمانوں میں صلح ہو جائے۔ بہت تفصیلی گفتگو حالات حاضرہ پر ہوتی رہی۔

3۔ مورخہ 3/ستمبر اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری وائسرائے مسٹر ایجرٹن کو حضرت اقدس نے چائے پر مدعو کیا اور ایک گھنٹے تک مختلف امور پر گفتگو رہی۔

4۔ یکم تا5/ستمبر حضور کی طبیعت ان ایام میں ناساز رہی۔ پیچش، متلی، سر درد اور پاؤں میں کسی قدر تشنج کی تکلیف تھی۔ لیکن اس کے باوجود حضور دن رات اہم امور میں مصروف رہے۔

5۔ 4/ستمبر کو ہندوستان کے چیدہ شاعروں کا مشاعرہ تھا جس کے پریذیڈنٹ سر عبدالقادر تھے۔ حضور کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت آئی اور ہمراہیوں کے لئے کئی ایک خاص ٹکٹ آئے۔ یہ ٹکٹ سوائے مشہور اور معزز لوگوں کے اور کسی کو نہ دیئے گئے تھے۔ چنانچہ حضور مشاعرہ میں تشریف لے گئے اور تقریباً5 گھنٹے تشریف فرما رہے۔ میاں عبدالرحمن صاحب نے حضور کی نظم

ساغر حسن تو پُر ہے کوئی میخوار بھی ہو

خوش الحانی سے پڑھی اور لوگ نہایت محظوظ ہوئے۔ جناب ذوالفقار علی خان صاحب نے بھی دو نظمیں سنائیں جو موقع کے لئے مناسب تھیں۔

(الفضل 13 ستمبر 1927ء صفحہ 1 جلد 15 شمارہ نمبر 22)

سفر لاہور 1929ء

حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی 12 جنوری کو بذریعہ موٹر کار قادیان سے لاہور تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک جگہ موٹر خراب ہو گئی۔ وہاں قریب ہی کرکٹ کی کھیل ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی خواہش پر حضرت اقدس کھیل کے میدان میں تشریف لے گئے۔ وہاں ہندوستان کے ایک مشہور مسلم لیڈر آ گئے اور حضور کو وہاں دیکھ کر حیرانی سے فرمانے لگے کہ آپ بھی یہاں آ گئے۔ حضور نے فرمایا یہاں آنے میں کیا حرج ہے۔ کہنے لگے کہ یہاں کھیل ہو رہی ہے۔ آپ نے جواب دیا میں خود ٹورنامنٹ کرواتا ہوں اور کھیلنے بھی جاتا ہوں۔ پہلے فٹ بال کھیلا کرتا تھا مگر اب صحت اسے برداشت نہیں کرتی۔ انہیں یہ باتیں سن کر بہت تعجب ہوا۔ گویا پڑھے لکھے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال ہے کہ دین اور ورزش ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

جناب مولوی صدر الدین صاحب مجاہد ایران کا کہنا ہے کہ ابتدائے زمانہ خلافت میں حضرت اقدس نے قادر آباد میں ٹینس کے لئے ایک فیلڈ بھی بنوائی تھی جس میں حضرت اقدس، حضرت میاں بشیر احمد صاحبؓ، حضرت میاں شریف احمد صاحبؓ، حضرت مولوی عبد المغنی صاحبؓ، حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب دردؓ، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ، نیک محمد خان صاحب اور چوہدری محمد علی صاحب وغیرہ کھیلا کرتے تھے۔

(تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ 24 حاشیہ)

سفر کشمیر 1929ء اور باریک تقویٰ کی راہ

05 جون 1929ء حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ دوسری مرتبہ بغرض صحت اور تبدیلی آب و ہوا کشمیر تشریف لے گئے اور 30/ستمبر کو حضور کی قادیان واپسی ہوئی۔ اس سفر میں حضور نے مختلف مقامات کی سیر کے علاوہ خواجہ کمال الدین صاحب کی عیادت کی۔ اس کی رپورٹ الفضل 5/جولائی 1929ء میں اس طرح شائع ہوئی۔

”اس سفر میں حضور بذریعہ موٹر کار صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو لے کر خواجہ کمال الدین صاحب کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جو نشاط باغ سے آگے سرینگر سے 500 فٹ کی بلندی پر خیمہ میں رہائش پذیر تھے۔ حضور ایک گھنٹہ تک خواجہ صاحب کے پاس تشریف فرما رہے۔“

ڈاکٹر نے حضور کو مشورہ دیا تھا کہ گلے کی خرابی کی وجہ سے علاج کے لئے کچھ وقت کے لئے تقریر کرنا چھوڑ دیں اور دریا کے کنارے پر وقت گزاریں اور ساتھ مچھلی کا شکار وغیرہ بھی کریں۔ حضور کو مچھلی کے شکار کا قطعاً شوق نہیں تھا۔ مگر ڈاکٹری ہدایت کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ سامان کنڈیاں وغیرہ منگوانے کا ارشاد خاکسار کو فرمایا اور سفر میں ساتھ رکھ لی گئیں۔ کشمیر پہنچ کر معلوم ہوا کہ مچھلی پکڑنے کے شغل کے لئے بعض پانیوں پر پانچ روپے کا لائسنس ہے اور بعض پر اس سے بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ ایک لائسنس حضور نے پانچ روپے کا اپنے نام سے حاصل کر لیا اور بمشکل صرف ایک روز اس شغل کے لئے دریا کے کنارے تشریف لے گئے اور بس۔

خاکسار کو مچھلی کے شکار کا بچپن سے ہی شوق تھا۔ حضور ایک مقام گاندربل پر کچھ روز کے لئے تشریف لے گئے۔ اس نالہ میں اکثر لوگ مچھلی پکڑا کرتے تھے۔ خاکسار نے یہ سوچ کر کہ لائسنس تو ہمارے پاس ہے ہی نالہ میں کنڈی ڈالنا شروع کر دی اور ایک یا دو دفعہ ہی ڈالی تھی۔ حضور نے خاموشی سے میرے اس شوق کو دیکھا اور میرے علم کے بغیر ہی سید محمود اللہ شاہ صاحب کو جو اس سفر میں حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے میرے نام کا لائسنس لانے کو بھیجا اور وہ لے آئے اور حضور کے ارشاد سے جب میں کنڈی ڈالے کھڑا تھا اور اپنے دھیان میں لگا ہوا تھا وہ لائسنس میری جیب میں ڈال دیا۔

پھر حضور کے ایماء پر مجھ سے سوال کیا کہ آپ جو نالے پر کھڑے مچھلی پکڑ رہے ہیں آپ کے پاس لائسنس بھی ہے۔ میں کچھ دیر تو خاموش رہا پھر کہا! حضور لائسنس تو ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ آپ کا تو نہیں اور مچھلی آپ پکڑ رہے ہیں۔ پھر خود ہی فرمانے لگے کہ شاید آپ بھول رہے ہیں۔ ہو گا تو ضرور ذرا اپنی جیب وغیرہ تو دیکھ لیں۔ مجھے اس میں قطعاً کوئی شک نہ تھا کہ میرے پاس کوئی لائسنس نہیں حضور کے فرمانے سے میں جیب سے کیسے تلاش کرتا کیونکہ نہ تو میں نے پانچ روپے خرچ کئے

تھے اور نہ لائسنس حاصل کیا۔ لیکن میرا ہاتھ اتفاقاً جیب میں جو پڑا تو ایک کاغذ سا معلوم ہوا۔ نکال کر دیکھا تو میرے نام کا لائسنس تھا۔

عجب ہے حضور کا تقوی، عجب ہے حضور کی ذرہ نوازی

سفر ڈلہوزی 1932ء اور ایک یادگار فوٹو

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ موسم گرما 1932ء میں ڈلہوزی تشریف لے گئے اور ڈاکٹر صاحب مع فیملی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اُس وقت حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) تقریباً ساڑھے تین سال کے تھے اور کریم احمد نعیم ابن ڈاکٹر صاحب اُن سے چند ماہ چھوٹے تھے اور دونوں کی آپس میں دوستی تھی اور مل کر خوب کھیلتے تھے۔ حضرت سیدہ اُمّ طاہر احمد صاحبہ کو دونوں بچے بہت پیارے لگتے تھے اور ان کی دوستی کو یادگار بنانے کے لئے آپ نے از خود دونوں کے لئے شنیل کے ایک سے لباس تیار کروائے جس کی تیاری میں صاحبزادی بی بی امۃ الرشید صاحبہ اور ناصرہ بیگ، (بھتیجی ڈاکٹر صاحب) نے آپ کی مدد کی۔ دونوں بچوں کو تیار کر کے آپ نے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب (ایم ایم احمد) کو کہا کہ ان کی اکٹھی فوٹو اُتاریں۔ الحمد للہ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی یہ فوٹو محفوظ رہی۔ اور چند سال پہلے حضور کے بچپن کے دوست (کریم احمد نعیم) نے انلارج کروا کر حضور کو دکھائی تو حضور بہت خوش ہوئے اور نعیم صاحب کی درخواست پر اس پر اپنے دستخط کر دیئے ایک فوٹو اپنے پاس رکھ لی اور ایک نعیم صاحب کو دے دی جس کی کاپی بنوا کر انہوں نے اپنے سب بچوں میں بانٹ دیں۔

سفر سندھ 1938ء اور ایک ایمان افروز شہادت

حسب سابق جب حضور اپریل 1938ء میں سندھ کے دورے پر تشریف لے گئے اور مئی کے آخر میں آپ کی واپسی ہوئی تو واپسی کے دوران سفر میں ایک نہایت ایمان افروز واقعہ پیش آیا اور احمدیت کی صداقت کا ایک عجیب آسمانی نشان ظاہر ہوا۔ سفر کے دوران جس اسٹیشن پر بھی گاڑی ٹھہرتی احمدی احباب حضور کی زیارت کے لئے موجود پائے جاتے تھے جو نہایت اشتیاق کے ساتھ حضور سے مصافحہ و ملاقات کرتے۔ جب گاڑی لودھراں اسٹیشن پر رکی تو خاکسار حضور کے کمپارٹمنٹ میں دریچے کے پاس کھڑا تھا۔ اسی اثناء میں ملتان کے ایک ہندو رئیس لالہ کلیان داس نے مجھ سے کہا کہ میں حضور سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں آپ اجازت لے دیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ گو حضور کو میں آج پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں لیکن میرے لئے حضور نئے نہیں۔ میں نے پہلے بھی حضور کو عرصہ 4 سال کا ہوا بغداد میں دیکھا تھا جبکہ میں وہاں ایک زیارت پر تھا۔ میرے لئے ان کا یہ بیان کسی قدر تعجب کا باعث ہوا مگر فوراً سمجھ میں یہ بات آئی یہ کوئی کشف یا خواب کی بات ہے۔ بہر حال جب حضور سے ملاقات کی درخواست کی گئی تو حضور نے بخوشی اجازت دے دی اور وہ معزز دوست گاڑی کے اندر تشریف لائے اور گفتگو کرنے کی بجائے دیر تک خاموش کھڑے رہے اور اتنی دیر تک خاموش رہے کہ ہمیں تعجب ہونے لگا اور جب ان کے چہرے

پر نظر پڑی تو دیکھا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور ہچکی سی بندھ رہی ہے۔ اس پر حضور نے ان کو اپنے پاس بلا کر سیٹ پر بیٹھایا اور کچھ دیر بعد انہوں نے اپنا بیان شروع کیا اور اپنا ایک کشفی واقعہ بیان کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

”میں عرصہ چار سال کا ہوا کہ کربلائے معلّٰی، نجف شریف، کوفہ، کاظمین اور بغداد شریف وغیرہ زیارتوں پر گیا تھا۔ بغداد شریف میں حضرت سلمان فارسی کی درگاہ شریف پر مجھے بہت شانتی نصیب ہوئی اور میں نے کھڑے ہو کر اپنی آنکھیں بند کر کے دُعا کی تو مجھے حضرت سلمان فارسی کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد میں نے ایران، بلوچستان اور ہندوستان کا چپہ چپہ دیکھا لیکن مجھے اس جیسی یا اس سے ملتی جلتی کوئی شکل نظر نہیں آئی۔ مگر آج میں نے حضور کو خان پورا سٹیشن پر جو دیکھا تو مجھے حضرت سلمان فارسی کی زیارت والا واقعہ یاد آ گیا۔ حضور کی شکل بالکل ویسی ہی ہے جیسی کہ مجھے حضرت سلمان فارسی کے مزار پر نظر آئی تھی۔ اُس شکل اور حضور کی شکل میں ایک بال برابر کا بھی فرق نہیں۔ ان کے سامنے آنے سے حضرت سلمان فارسی کا نقشہ سامنے آ جانا ایک معجزہ ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کل کا واقعہ ہے اور یہ وہی شکل ہے وہی شکل ہے اور یہ وہی شکل ہے۔“

اس کے بعد اس معزز رئیس نے اگلے اسٹیشن پر حضور سے رخصت چاہی۔ حضور نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر وہ مصافحہ کی بجائے پاؤں کی طرف جھکے اور حضور کے منع کرتے کرتے پاؤں چوم لئے۔ اور کہا کہ ہاتھ تو اوروں کے لئے ہیں میرے لئے تو پاؤں ہیں۔ یہ کہہ کر گاڑی سے اُتر گئے۔ واپس جانے کے بعد جو اُن معزز ہندو رئیس نے شکریہ کا خط لکھا اور کافی تفصیل کے ساتھ اپنا بیان درج کیا اس کا کچھ حصہ مختصراً قارئین کرام کے پیش خدمت ہے۔

”مکرم بندہ ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب

تسلیم!

میں آپ کی مہربانی اور عنایت کا از حد مشکور اور ممنون ہوں کہ آپ نے کل مورخہ 30 مئی کو از راہ کرم حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہو کر عرض کرنے کا موقع مجھے لے کر دیا۔ اگر آپ مہربانی نہ فرماتے تو مجھے اس ٹرین سے قادیان جانا پڑتا کیونکہ میری اندرونی حالت بہت کشمکش میں تھی اور آپ سب صاحبان اس وقت میری طبیعت کا نقشہ دیکھ کر خود ہی حیران تھے کہ یہ کیا سین بن گیا ہے۔

مختصراً عرض یہ ہے کہ مجھے خانپورا سٹیشن پر اطلاع ملی کہ حضرت صاحب میل ٹرین سے سفر کر رہے ہیں۔ مجھے ان کے ایک مرید کے خلاف کچھ شکایت کرنے کی سوجھی اور میں اس جذبہ کے تحت ان کے سکینڈ کلاس کے ڈبہ کے سامنے آ موجود ہوا وہاں ایک شخص بنام مسٹر عمر علی ملے جو شاید مجھے جانتے تھے اور مجھے حضور کے پیش کیا (شکل دکھائی) وہاں ان کی طرف نظر کرتے ہی معاملہ اور ہو گیا۔ مجھے شکایت وغیرہ کرنی تو بھول گئی اور میری آنکھوں کے سامنے ایک حقیقت آشکار ہو گئی اور میں اسی طرح واپس اپنے ڈبہ میں چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر میں دیدہ دانستہ کئی قسم کے شکوک اٹھاتا رہا اور پھر ڈیرہ نواب اسٹیشن پر ان کے ڈبے کے سامنے آ موجود ہوا اس وقت میرے شکوک دور ہو گئے اور پھر میں واپس اپنے ڈبہ میں چلا گیا وہاں جا کر بہت سوچتا رہا۔ لیکن دل و دماغ ہرگز نہ مانا کہ میں غلطی پر ہوں۔ آخر پھر سمہ سٹہ اسٹیشن پر مزید تصدیق کے لئے ان کے ڈبہ کے

سامنے آیا اور اسی طرح پھر بہاولپور اسٹیشن پر۔ مجھے حد درجہ بے چینی اور بے قراری تھی کیونکہ میں اس معاملے کو حضرت صاحب کے سامنے پیش کر کے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔
آخر لودھراں اسٹیشن پر آپ نے میری استدعا پر مہربانی فرمائی اور حضرت صاحب سے اجازت لے کر مجھے اس ڈبہ میں بیٹھنے دیا۔ جو نقشہ آپ نے میرا وہاں دیکھا وہ آپ پر بخوبی عیاں ہے۔ کہ میرے آنسو جاری تھے اور ہچکی بندھ گئی تھی منہ سے بات بھی نہیں نکلتی تھی۔ حضرت صاحب نے محبت سے مجھے اپنے پاس بٹھا کر تسکین دی اور پوچھنے کو فرمایا۔ یہ بھی ایک معجزہ تھا۔ بھلا میرے جیسا نڈر آدمی اور ایک خدا پرست کے سامنے جھکے۔ لیکن میری اندرونی حالت کا مجھے ہی علم تھا۔ اس وقت آپ لوگوں کو اس کا احساس نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ میں کسی مقدمہ میں بطور ملزم پیش نہیں تھا بلکہ میں سمجھتا تھا کہ میں ایک سچی سرکار کے سامنے ہوں، یہ ان کا جلال تھا جس کا مجھ پر اس قدر گہرا اثر تھا۔ کیونکہ پچھلا گزرا ہوا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے تھا۔
وہ نقشہ کیا تھا جو کہ میں نے حضرت صاحب کے سامنے پیش کیا کہ عرصہ چار سال کا ہوا ہے کہ میں کربلائے معلی، نجف شریف، کوفہ، کاظمین اور بغداد شریف وغیرہ زیارتوں پر گیا تھا۔ ہر ایک درگاہ پر گھنٹوں بیٹھ کر استدعا کیا کرتا تھا کہ مجھے اندرونی تسکین ملنی چاہئے اور کاظمین میں ضرور میں نے اپنے اندر نور ہی نور دیکھا۔ اس قدر شانتی مجھے زندگی بھر میں آج تک کسی جگہ محسوس نہیں ہوئی اور مجھے ڈیڑھ گھنٹہ اس قدر رونا آیا کہ میں خود حیران تھا کہ رونے کی بات تو کوئی نہیں۔ خواہ مخواہ کیوں! اس قدر بے ساختہ رونا آرہا ہے۔ یہ بھی ان کا ایک معجزہ تھا۔ خیر میں تخت قیصر دیکھنے کے لئے بغداد شریف آگیا اور وہاں جب میں سلیمان فارسی کی درگاہ پہ گیا تو مجھے بہت شانتی نصیب ہوئی میں نے وہاں کھڑے ہو کر آنکھیں بند کر کے استدعا کی تو مجھے صاف زیارت نصیب ہوئی۔ یہ وہی شکل تھی جو چار سال بعد خانپور اسٹیشن پر نظر پڑی جس وجہ سے مجھے سخت حیرانی ہوئی اور یہی وجہ تھی کہ میں ہر اسٹیشن پر ہوش و حواس میں تھا اور سلیمان فارسی کی درگاہ پر بھی۔ مجھے شک کی گنجائش نہ تھی۔ لیکن پھر بھی انسانی فطرت ہے۔ سلیمان فارسی کی درگاہ سے واپس بغداد آکر میں سوچتا رہا کہ کیا ماجرا ہے کیونکہ اس شکل کا کوئی انسان تمام عراق میں نہیں دیکھا پھر تصور کیسے ہو سکتا ہے۔
ان کے (حضرت صاحب) سامنے آجانے سے سلیمان فارسی والا نقشہ سامنے آجانا بھی یہ معجزہ ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کل کا معاملہ ہے۔ ایسی یاد تازہ ہوگئی تھی۔ میں نے بہت خلاف سوچا لیکن دل و دماغ اور ضمیر نے یہی کہا کہ یہ وہی شکل ہے۔ اصل میں شکل تھی بھی وہی۔ وہاں سے ایران گیا اور بہت شہر دیکھے۔ بلوچستان وغیرہ۔ ہندوستان کا چپہ چپہ۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد لاکھوں انسانوں کو دیکھا لیکن کبھی محسوس نہ کیا کہ وہ شکل یا اس سے ملتی جلتی کوئی شکل نظر آئی ہو۔ صرف یہی شکل تھی جو بالکل وہی تھی جو سلمان فارسی کی درگاہ میں، مَیں نے دیکھی تھی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جس شخص کی میں نے شکایت کرنی تھی اس کا نام تک نہ لیا تھا۔ بلکہ حضرت صاحب کے سامنے دعا کی تھی کہ دن دگنی، رات چوگنی ترقی خداوند کریم اس کو دے جن کی بدولت میں آپ کی زیارت کر سکا۔
میری طرف سے حضرت صاحب کی خدمت میں دست بستہ نیاز کر دیں۔ پھر میں قادیان حاضر ہو کر نیاز حاصل کروں گا۔"
بندہ کلیان داس ملتان

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں۔

ان صاحب کو صحیح تلفظ کا علم نہیں اس لئے برجستہ سلمان کی بجائے سلیمان لکھا ہے۔

پھر تحریر کرتے ہیں کہ

”آج سے 1400 سال پہلے خدا کے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب سورۃ جمعہ نازل ہوتی ہے اور جب یہ آیت پڑھی جاتی ہے۔وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْابِهِمْ۔

تو صحابہ رضوان اللہ علیہم چونک کر یہ کہتے ہیں کہ کیا حضور ہی دوبارہ ان لوگوں میں آئیں گے جو بعد میں آنے والے ہیں اور ہم سے نہیں۔ اس پر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ والٖہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر بھی چلا گیا تو ایک فارسی الاصل شخص اسے دوبارہ زمین پر لائے گا اور کفر و شرک کی زمین کو ایمان سے لبریز کر دے گا۔ قرآن کریم کی آیت اور حدیث نبوی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو چودھویں صدی کے سر پر دین محمدی کے احیاء کے لئے مبعوث فرمایا اور عین اس وقت جب مسلمان کہلانے والوں کا ایمان خدائے اسلام پر سے اٹھ گیا تھا۔ اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار وبرکات کا نئی شان سے ظہور ہوا۔ اور ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جس نے صحابہؓ کی یاد تازہ کر دی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فارسی النسل تھے۔ آپ کا ایک عربی الہام ہے۔خُذُوا التَّوْحِيْدَ اَلتَّوْحِيْدَ يَا اَبْنَاءِ الْفَارِسِ۔ اے ابنائے فارس! توحید کو تھام لو۔

پھر اُس جماعت کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ آپ کے فرزند ارجمند مُظْهَرُ الْحَقِّ وَ الْعَلاَءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ کے سپرد کر دیتا ہے اور اس کے زیر سایہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر طرح ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ قاعدہ ہے کہ شیطان نیک کاموں میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرتا ہے اور مختلف وقتوں میں مختلف طریق پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اس کا آخری حملہ منافقوں کے بھیس میں کیا گیا جنہوں نے حضور کی والاصفات پر گندے الزام تراشے۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے جو قدرت نمائی دکھائی وہ ایک غیر قوم کے معزز رئیس سے شہادت دلوادی کہ یہ وہی وجود ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور پیشگوئی کے ماتحت کھڑا ہوا ہے۔ جس نے اسلام کے علم کو دنیا میں بلند کرنا ہے۔ الحمد للّٰہ ثم الحمد للّٰہ

یہ مضمون بعنوان ”حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حق میں لالہ کلیان داس صاحب رئیس اعظم ملتان“ کی شہادت میں شائع ہوا تھا۔

(مکمل مضمون۔ الفضل 7/ جولائی 1938ء صفحہ 4-7 جلد 26 شمارہ نمبر 153، الفضل 21/ جولائی 1938ء صفحہ 5-6 جلد 26 شمارہ نمبر 165)

سفر کراچی 1940ء

حضرت اقدس کے سفر 1940ء کے دوران 16/ فروری کو جناب سلطان احمد صاحب کھتانہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اعزاز میں ایک شاندار پارٹی دی جس میں بہت سے معززین شریک ہوئے۔

یکم مارچ محمد نواز صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ کراچی نے بذریعہ تار الفضل کو مطلع کیا کہ خان بہادر اللہ بخش صاحب وزیر اعظم سندھ نے کل دوپہر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اعزاز کی دعوت دی۔ مدعونین میں سر غلام حسین ہدایت اللہ صاحب منسٹر آف لاء اینڈ آرڈر، پیر الٰہی بخش صاحب وزیر تعلیم، مسٹر حاتم علوی، مسٹر جمشید الدین مہتہ ایم ایل اے، نواب محمد عبداللہ خان صاحب آف مالیر کوٹلہ، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب بی اے، ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب، ملک صلاح الدین صاحب اور مسٹر اے کے احمدی پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ شامل تھے۔

(الفضل 06/ مارچ 1940ء صفحہ 2 جلد 28 شمارہ نمبر 52)

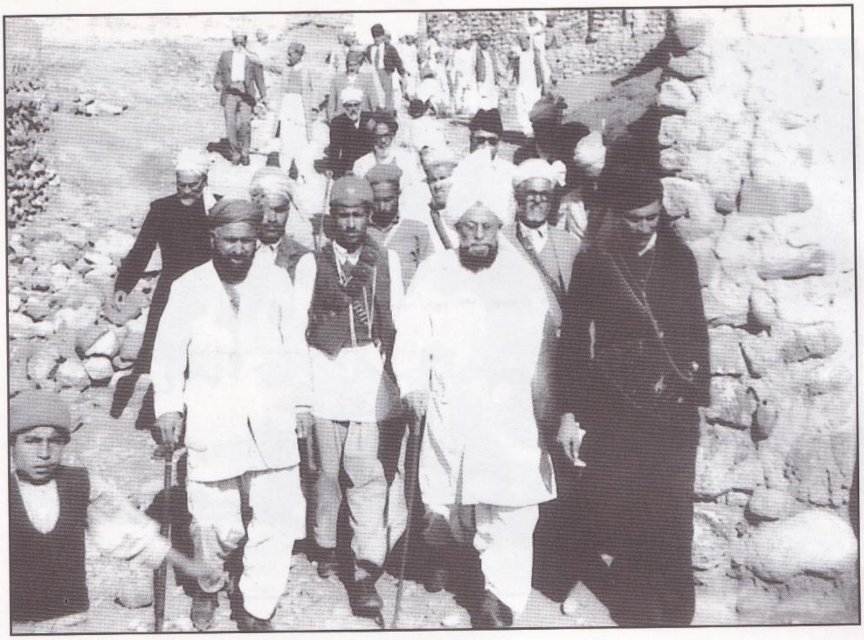
سفر ہوشیار پور 1944ء

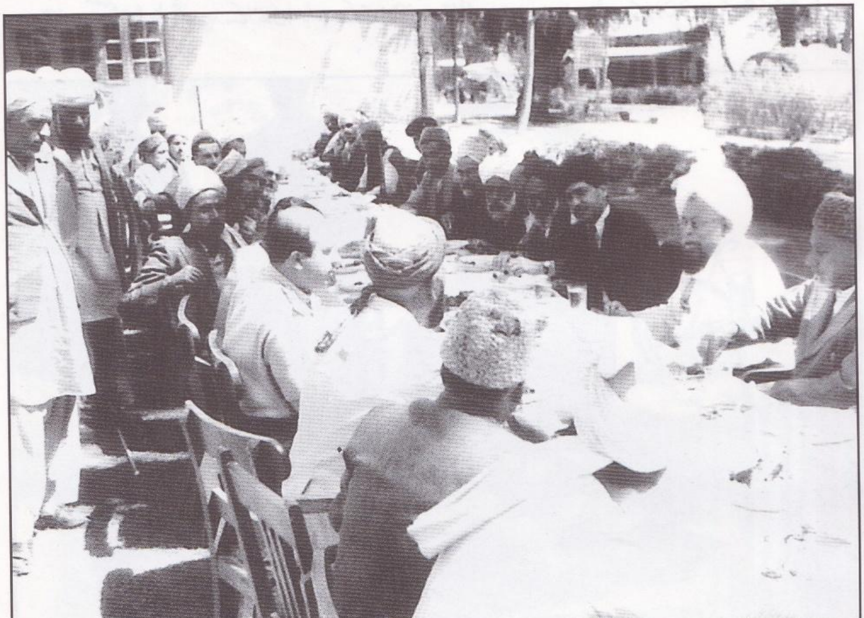
فروری 1944ء میں حضرت سیدنا مصلح موعود لاہور سے ہوشیار پور تشریف لے گئے۔ جہاں 20/ فروری کو پیشگوئی المصلح الموعود کے ظہور کے متعلق ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں حضور نے اپنے دعویٰ المصلح الموعود کے ثبات میں ایک ولولہ انگیز تقریر فرمائی۔ اس کے بعد اس کمرہ میں اجتماعی دعا کے لئے تشریف لے گئے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 40 روز تک چلہ کشی میں دعائیں فرمائی تھیں۔ اس اجتماعی دعا کے موقع پر 35 خاص خاص احباب جماعت کو اس کمرہ کے اندر اس اجتماعی دعا میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان میں ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب بھی شامل تھے۔ باقی احباب نے باہر کھڑے ہو کر دعا میں شمولیت اختیار کی۔

(الفضل 24/ فروری 1944ء صفحہ 3-4 جلد 32 شمارہ نمبر 45)

سفر سندھ 1948ء

14/ فروری 1948ء بروز ہفتہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی لاہور سے سندھ روانہ ہوئے۔ اس سفر میں ڈاکٹر صاحب کو بھی حضور کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ دوران سفر حضور کی طبیعت ناساز تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ سفر سے ایک روز قبل ہی حضور کو نقرس کا دورہ شروع ہو گیا تھا جس کی سفر میں اور بھی زیادتی ہو گی۔ مزید بر آں جب منٹگمری سے گاڑی روانہ ہوئی تو اس وقت حضور اپنے کمپارٹمنٹ میں کھڑکی کے قریب بیٹھے تھے کہ اچانک گاڑی کے جھٹکے سے کھڑکی کا شیشہ جو نہایت وزنی ہوتا ہے زور کے ساتھ نیچے آگرا اور حضور کی کلائی پر لگا جس سے حضور کو سخت چوٹ آئی اور حضور نے ڈاکٹر صاحب کو بلوا کر پٹی کروائی اس چوٹ کی وجہ سے حضور کی طبیعت دوران سفر اور بھی ناساز ہو گئی۔

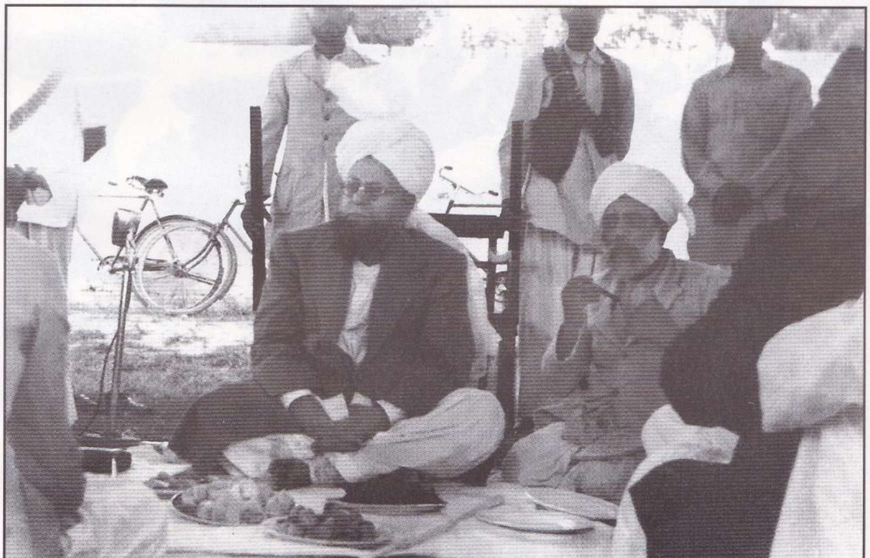




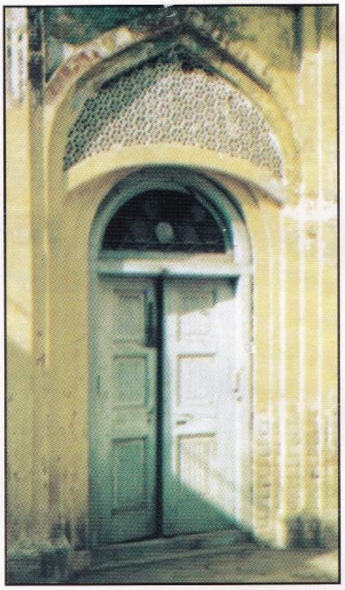
پاکستان بننے کے معاً بعد دورہ پشاور میں حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف کو
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی معیت حاصل ہوئی۔ اس موقعہ کے دو فوٹو گراف

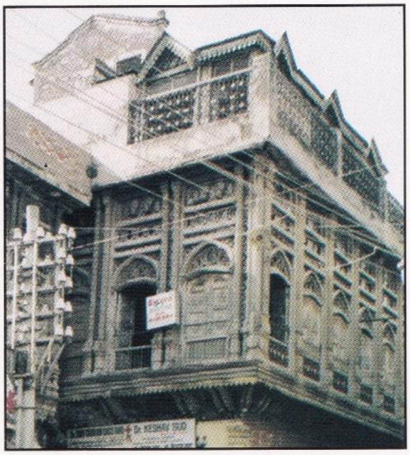


حضرت مصلح موعود طورخم سرحد کے احمدی احباب کے ہمراہ حضرت ڈاکٹر صاحب کرسیوں والی رو میں (06 راپریل 1948ء)



دورہ پشاور کے دوران ایاز اپنے آقا سیدنا محمود کے پہلو میں بیٹھے صحبت سے محظوظ ہو رہے ہیں۔







ہوشیار پور میں وہ مکان اور کمرہ جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چلہ کشی فرمائی
اور حضرت مصلح موعود نے مصلح موعود ہونے کا جب اعلان فرمایا تو حضرت حشمت اللہ خاں صاحب کو بھی ہمراہی کی سعادت نصیب ہوئی۔

رات کو اڑھائی بجے کے قریب جب حضور کو اور بھی زیادہ تکلیف تھی تو آپ نے ڈاکٹر صاحب سے دریافت کروایا کہ آیا Vitamin B آپ کے پاس ہے؟ توڈاکٹر صاحب نے عرض کیا کہ حضور! ہے۔اس پر حضور نے فرمایا۔ صبح مجھے اس کا ٹیکہ کر دیں۔ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا۔ حضور ابھی کیوں نہ ٹیکہ کر دیا جائے؟ چنانچہ حضور کے فرمانے پر اسی وقت ڈاکٹر صاحب نے ٹیکہ کر دیا جس سے حضور کو کچھ افاقہ محسوس ہوا۔

(الفضل 27/ فروری 1948ء صفحہ 4 جلد 6 شمارہ نمبر 42)

سفر سندھ 1952ء

25 فروری 1952ء بروز سوموار صبح کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ربوہ سے بذریعہ چناب ایکسپریس سندھ کے لئے روانہ ہوئے مخلصین جماعت کی ایک بڑی تعداد حضور کو الوداع کہنے کے لئے پلیٹ فارم پر موجود تھی۔ حضور کے لئے 4 سیٹوں کا ایک سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ ربوہ سے حیدرآباد سندھ کے لئے ریزرو کروایا گیا تھا۔ قیام ربوہ کے بعد یہ پہلا سفر تھا جو حضور اقدس نے ربوہ سے بذریعہ ریل فرمایا تھا۔

حضور کا قافلہ 34 احباب پر مشتمل تھا۔ حضرت اقدس کے ہمراہ اہل بیت میں سے حضرت اُمّ وسیم احمد صاحبہ حرم ثانی، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اور صاحبزادی امۃ الباسط صاحب معہ اپنی نو عمر بچی کے تھیں۔ باقی خوش قسمت افراد میں سے جنہیں اس سفر میں حضور کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب، میاں عبدالرحیم صاحب درد اور مکرم مولوی عبدالرحمن انور صاحب پرائیویٹ سیکرٹری کے نام قابل ذکر ہیں۔

28/ فروری 1952 کو مکرم چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ منیجر ظفر آباد اسٹیٹ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو لا بنی میں دعوت طعام دی۔ یہ جگہ بشیر آباد سے 5 میل کے قریب جانب مشرق واقع ہے۔ قافلہ کے باقی احباب نے بھی اس میں شرکت کی۔ حضور بذریعہ جیب کار لا بنی پہنچے جبکہ کچھ دوست گھوڑوں پر اور کچھ پیدل وہاں پہنچے۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد حضور نے اجتماعی دعا کروائی۔

(الفضل 05/ مارچ 1952ء صفحہ 4 جلد 6/40 شمارہ نمبر 56)

حضور 24/ مارچ کو دس بجے صبح کے قریب ناصر آباد اسٹیٹ سے میر پور خاص کے لئے روانہ ہوئے۔ اسی روز مکرم ابوالخیر صاحب صدیقی اور محترمہ سلیمہ بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب صدیقی کی طرف سے حضور کی خدمت میں ایک ٹی پارٹی دی گئی۔ شام ساڑھے 4 بجے کے قریب حضور ڈاکٹر صاحب موصوف کے مکان پر تشریف لے گئے اور 7 بجے تک وہیں تشریف فرما رہے کیونکہ مکرم ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب صدیقی قریباً دو ماہ سے سخت بیمار ہیں۔ آپ نہایت مخلص احمدی

ہیں۔ حضور آپ کی عیادت کے لئے ان کے کمرہ میں تشریف لے گئے اور ڈیڑھ گھنٹہ تک آپ کے پاس رہے۔ اس ٹی پارٹی میں قافلہ کے افراد کے علاوہ بعض غیر احمدی معززین کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

(الفضل یکم اپریل 1952ء صفحہ 5 جلد 6/40 شمارہ نمبر 79)

دوسرا سفر یورپ 1955ء

حضور کی طبی خدمات کی کلی ذمہ داری ڈاکٹر صاحب کے ذمہ 1954ء تک رہی۔ پھر جب صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نور ہسپتال ربوہ کے انچارج ہو گئے تو حضور کی صحت کی نگرانی بھی آپ کے ذمہ آ گئی لیکن اس کے باوجود حضور نے از راہ شفقت اپنے عاجز خادم کو بھی اپنے ساتھ رکھا اور مئی 1955ء تک حضور کے علاج کا عملی حصہ مثلاً ٹیکے وغیرہ کرنا ان کا ہی حصہ رہا۔

جب حضور 1955ء میں بغرض حصول طبی مشورہ یورپ تشریف لے جا رہے تھے تو سفر سے دس بارہ روز قبل حضور کو علم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کا پاسپورٹ تیار نہیں کرایا گیا۔ اس پر حضور سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر ان کا پاسپورٹ نہ بنا تو میں بھی نہ جاؤں گا خواہ میرا دو لاکھ روپیہ بھی کیوں نہ خرچ ہو گیا ہو۔ سفر پر روانگی کے وقت قافلہ دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک حصہ سیدھا لندن گیا جن میں حضور کے گھر کے افراد اور ڈاکٹر صاحب تھے۔ سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحبہ، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب مع بیگم صاحبہ اور صاحبزادی خورد، مرزا رفیق احمد صاحب، مرزا خلیل احمد صاحب، مرزا حنیف احمد صاحب، مرزا طاہر احمد صاحب، سید میر داؤد احمد صاحب خلف حضرت میر محمد اسحق صاحب، صاحبزادی امۃ الباسط صاحبہ اور سید قمر سلیمان احمد صاحب، سیدہ اُمّ وسیم احمد صاحب، صاحبزادی امۃ المصور صاحبہ بنت حضرت سید داؤد احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا نعیم احمد صاحب اور ڈاکٹر صاحب۔ یہ قافلہ سیدھا لنڈن گیا۔

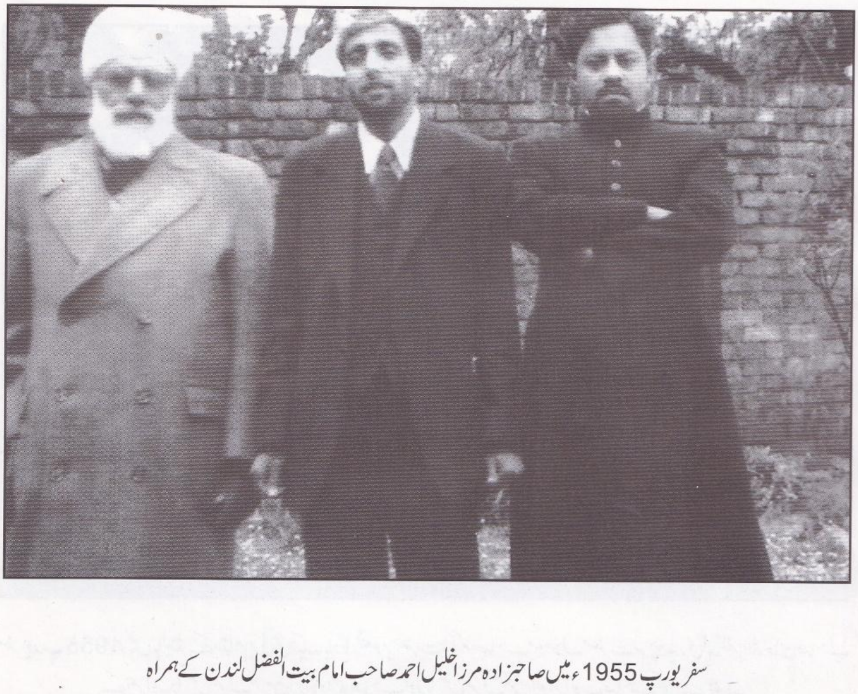
دوسرا قافلہ جس میں حضور کے ہمراہ سیدہ اُمّ متین صاحبہ، صاحبزادی امۃ المتین صاحبہ، سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ (مہر آپا)، صاحبزادہ مرزا ڈاکٹر منور احمد صاحب، صاحبزادی امۃ الجمیل بیگم صاحبہ اور چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب تھے۔ یہ افراد قافلہ 28/ اپریل کو دمشق اور وہاں سے روم پھر جینوا اور وہاں سے 8/ مئی کو زیورچ پہنچے جہاں حضور نے معائنہ اور علاج کروانا تھا۔ اور لنڈن ڈاکٹر صاحب کے نام ارشاد بھجوادیا کہ 8/ مئی تک زیورچ پہنچ جاؤں۔ لیکن آپ وہاں 9/ مئی کو پہنچ سکے۔ وہاں حضور 4 ہفتے کے قیام کے بعد دیگر ممالک یورپ سے ہوتے ہوئے 2/ جولائی کو لنڈن پہنچے۔

آپ فرماتے ہیں کہ

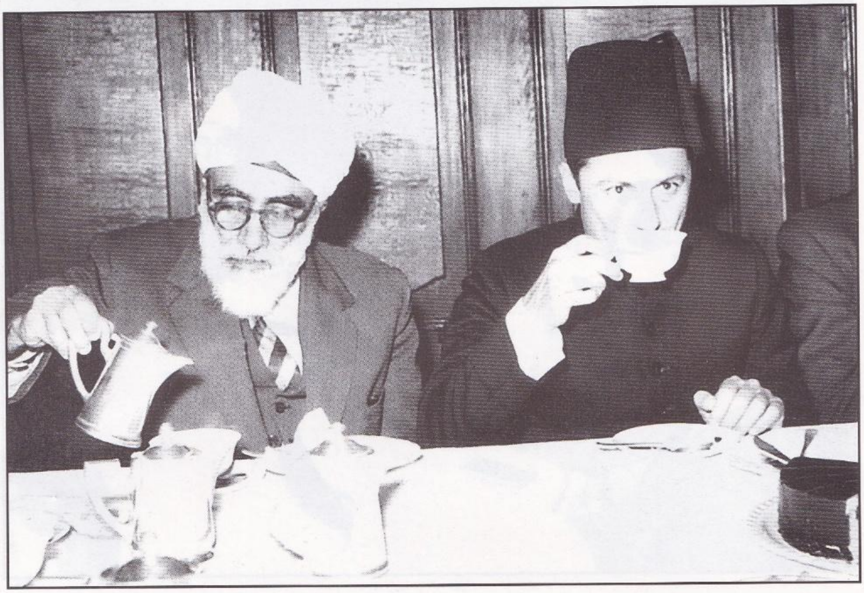
حضور نیورمبرگ جرمنی میں دو تین روز کے لئے قیام پذیر تھے کہ ایک روز حضور کی طبیعت رات کو بہت خراب ہو گئی آپ اس وقت مردانہ پارٹی میں بیٹھے کھانا کھانے لگے تھے اور ابھی کھانا شروع ہی ہوا تھا کہ حضور نے آپ کو اپنے کمرے میں بلا لیا اور اپنی گھبراہٹ اور بے چینی کی شکایت کی۔ جب آپ نے حضور کو دیکھ لیا اور دوائی دے دی تو فرمایا کہ آپ ایک کمرہ میں



سفر یورپ 1955ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی اہم شخصیات سے ملاقات حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف نمایاں نظر آ رہے ہیں۔



سفر یورپ 1955ء میں صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب امام بیت الفضل لندن کے ہمراہ



سفر یورپ 1955ء میں حضرت ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کے ہمراہ



سفر یورپ 1955ء میں ہالینڈ کے مقام پر لی گئی ایک یادگار تصویر حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ہمراہ۔ دائیں طرف مکرم میر داؤد احمد صاحب اور بائیں طرف مکرم ابوبکر ایوب صاحب کھڑے ہیں۔

پاس ٹھہریں اور ان کا بستر فرش پر لگوا دیا۔ چونکہ آپ نے اس وقت کھانا چکھا بھی نہ تھا اس لئے بہرہ دو مرتبہ آپ کو کھانے کے لئے بلانے آیا لیکن آپ حضور کو چھوڑ کر نہ گئے۔ آخر کچھ دیر کے بعد بہرے سے کہہ دیا کہ میرا کھانا برآمدہ میں رکھ دو اگر موقع ملا اور حضور کو نیند آ گئی تو میں کھا لوں گا ورنہ خیر۔ آپ فرماتے ہیں کہ بارہ بجے کے قریب مجھے کھانا کھانے کا موقع مل گیا۔ جبکہ حضور کو نیند آ گئی اور باقی تمام رات آپ نے حضور کے پاس سوتے جاگتے گزاری۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے سمجھ آیا کہ حضور مجھے کیوں اس قدر اصرار کے ساتھ سفر پر لائے تھے۔

لنڈن کے قیام کے دوران حضور کا طبی معائنہ ڈاکٹر چارلس سائمنڈ نے کیا اور انہوں نے یہ بتلایا کہ حضور کو Thrombosis of Carroted Artery ہوا جس سے سخت گھبراہٹ ہوئی لیکن آپ نے واضح دلائل سے ثابت کیا کہ تشخیص محض قیاسی ہے یقینی نہیں۔

جس سے حضور کو ایک گونہ تسلی ہو گئی۔ انہی دنوں قیام لنڈن کے دوران حضور کی رخسار کی ہڈیوں کے اندر درد کی تکلیف شروع ہو گئی۔ ناک اور گلے کے ماہر چوٹی کے ڈاکٹر نے ایکسرے کے نتیجے کے پیش نظر ہڈی کے اندر کے خلاء سے سُوا داخل کر کے اندر کے مواد کا باہر نکال لینا تجویز کیا۔ لیکن اپنے تجربے کی بناء پر آپ نے حضور کو Catarhalvaccive کے ٹیکے کرنے شروع کر دیئے جس سے مرض میں کسی قدر کمی تو محسوس ہوئی۔ لیکن جب کئی ڈاکٹروں نے سُوا لگوا لینے کا مشورہ دیا تو حضور نے ایک ماہر سے مشورہ لینا چاہا اور ایک اور ایکسرے بھی ہوا۔ اس دوسرے ماہر کا بھی یہی مشورہ تھا اور یہی مشورہ ڈاکٹر محمد بشیر صاحب کا پاکستان سے بھی آیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ لیکن میں مُصر تھا کہ اس تکلیف دہ علاج سے پہلے ویکسین کے ٹیکوں کا اثر دیکھا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ٹیکوں سے ہی بغیر آپریشن کے افاقہ ہو گیا۔ الحمد للہ

اس سفر میں حضور نے ہمہ وقت آپ کو ساتھ رکھا۔ ڈاکٹروں سے مشورہ اور معائنہ کے وقت حضور کی ہدایت پر آپ ساتھ ہی رہتے اور حضور کی معیت میں ہی واپس ربوہ پہنچے۔

باب نمبر:11

گلہائے عقیدت

- حضرت سیدہ اُمِّ ناصر صاحبہ کی یاد میں

از طرف فاطمہ امۃ الحفیظ اہلیہ حضرت ڈاکٹر صاحب

- ڈاکٹر صاحب کی یاد میں

رقم فرمودہ اہلیہ حضرت ڈاکٹر صاحب

- آپ کی اہلی زندگی
- ہماری اماں جی
- کریم احمد نعیم کے تاثرات
- بدرگاہ ایزدی نظم
- نظم برائے محمد احمد
- بیگم صاحب حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کا ایک خواب

حضرت سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحبہ کی یاد میں

فاطمہ امۃ الحفیظ اہلیہ ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب

جس وقت میں پہلی مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پٹیالہ سے قادیان آئی تو حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے مکان میں ٹھہری۔ اس وقت سیدہ امۃ الحی صاحبہ چھوٹی سی تھیں۔ اُن کو میرے ساتھ بہت محبت ہو گئی وہ مجھے پٹیالے والی آپا کہہ کر پکارنے لگ گئیں۔ ایک دو بار پھر مجھے قادیان آنے کا اتفاق ہوا تو اس وقت بھی حضرت اماں جی کے پاس ٹھہری اور حضرت اماں جان کی زیارت کے لئے جایا کرتی تھی اور حضرت سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحبہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتی تھی۔ آں سیدہ مجھے بہت محبت سے ملا کرتی تھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے 1918ء میں اپنی بیماری کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو قادیان بلایا اور بعد میں مَیں بھی اپنے ابا کے ساتھ قادیان آ گئی اور حضرت سیدہ امۃ الحیٔ صاحبہ کے پاس جو کہ اُس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے حرم میں آ چکی تھیں ٹھہری۔ کچھ روز بعد حضرت سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحبہ نے کسی عورت سے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کی بیوی سارا دن اُوپر ہی بیٹھی رہتی ہیں میرے پاس نہیں آتیں۔ میں اُس عورت کے ساتھ آپ کے پاس چلی گئی۔ اس کے بعد میری آپ سے بے تکلفی ہو گئی اور میری محبت بھی آپ کے ساتھ بڑھتی چلی گئی۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت کی وجہ سے میں نے حضور سے عرض کر کے باہر ہسپتال کے کوارٹر میں رہائش کے لئے جانے سے انکار کر دیا اور عرض کر دیا کہ ہم حضور کے قدموں میں رہنا چاہتے ہیں۔ اس پر حضور نے ازراہ شفقت حضرت نواب محمد علی خان صاحب والا مکان جو کہ دارالمسیح سے متصل تھا اور جس کا راستہ اندر سے ہی دارالمسیح میں جاتا تھا ہماری رہائش کے لئے خالی کروا دیا۔ اس مکان میں آنے کے دو ماہ بعد تک حضرت سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحبہ نے مجھے اپنے گھر میں کھانا پکانے نہ دیا۔ آپ خود ہی ہم سب کا کھانا تیار کروا کے بھیج دیتیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے آرام سے کھاتے۔ میرے بچوں کی پیدائش پر آپ بہت خوشی کا اظہار فرماتیں۔ میرے لڑکے سلیم احمد مرحوم کی پیدائش کے بعد آپ فوراً ہی میرے پاس پہنچیں اور دائی سے فرمانے لگیں بچے کو نہلا کر میری گود میں دے دو۔ جب اس نے نہلا کر تولئے میں لپیٹ کر آپ کی گود میں دے دیا تو میری بیٹی زینب سے کپڑے نکلوا کر اس کو پہنائے اور جب ڈاکٹر صاحب مغرب کی نماز کے بعد گھر آئے آپ نے بچے کو ان کے پاس باہر بجھوا دیا کہ آذان دے دیں۔ آذان کے بعد آپ نے اس کو اندر منگوا کر اپنے مبارک ہاتھوں سے شہد چٹایا اور میرے ساتھ الٹا لٹا کر کہنے لگیں کہ اب یہ سو جائے گا تم بھی سو جاؤ اور مجھے یخنی پلا کر آپ واپس تشریف لے گئیں۔

اپنی سب سے چھوٹی بیٹی ثمینہ کی پیدائش پر میں سخت بیمار ہو گئی تھی اور ڈاکٹر صاحب اس وقت حضور کے ہمراہ پالم پور گئے ہوئے تھے۔ آپ میری بیماری کی اطلاع پاتے ہی میرے پاس پہنچیں۔ اس وقت میں بے ہوش تھی۔ جب مجھے کچھ ہوش آئی تو میرے کانوں میں آپ کے یہ الفاظ پڑے۔

"یا اللہ! ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں تو ان کو اپنے رحم سے اچھا کر دے اور یا اللہ! ڈاکٹر صاحب بھی جلدی سے واپس پہنچ جائیں۔"

یہ آپ کی اس وقت کی دعا جو اللہ تعالیٰ کے حضور فوراً ہی قبول ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت عطا فرمائی۔

1946ء میں ہم اپنے دارالانوار والے مکان میں رہتے تھے جو کہ اسی محلہ میں حضور کی کوٹھی بیت الحمد کے قریب تھا اور وہاں میاں مبارک احمد سلمہ اور میاں منور احمد سلمہ رہتے تھے۔ میاں منور احمد سلمہ اکثر ہمارے پاس گنے اور سبزیاں بھیجتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ میں دارالمسیح میں آں سیدہ کے پاس ملنے کے لئے گئی اور باتوں باتوں میں ذکر بھی آگیا کہ میاں منور احمد سلمہ ہمارے ہاں سبزیاں، پھل اور گنے وغیرہ بھیجتے رہتے ہیں۔ اس پر آپ فرمانے لگیں کہ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میاں منور احمد اپنے ہمسائیوں کا خیال رکھتے ہیں۔

میرے ہر بچے کی شادی میں آپ نے بہت خوشی سے حصہ لیا اور اپنے ہاتھوں سے تحفے دیئے۔ میرے لڑکے عزیزم ڈاکٹر محمد احمد صاحب کی شادی کے وقت حضور لاہور تشریف رکھتے تھے کیونکہ سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ کا گلے کا آپریشن ہوا تھا۔ سیدہ بشریٰ بیگم (مہر آپا) اور سیدہ اُمّ وسیم احمد سلمہا بھی لاہور میں ہی تھیں اور بعد میں آپ بھی لاہور چلی گئیں۔ ڈاکٹر صاحب بھی وہیں تھے۔ جس وقت ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت سیدہ اُمّ ناصر احمدؒ بھی لاہور تشریف لے آئی ہیں اب حضرت ام المؤمنین ہی شادی میں شامل ہوں گی کیونکہ حضرت اماں جان اس وقت قادیان میں تشریف فرما تھیں۔ اس بات کا آپ کو رنج ہوا تو آپ نے بطور شکوہ حضرت سیدہ اُمّ ناصر صاحبہ سے عرض کیا کہ آپ بھی محمد احمد کی شادی میں شامل نہ ہوں گی۔ اس بات کا آپ کے دل پر بہت اثر ہوا اور آپ حضور سے اجازت لے کر تیسرے روز ہی لاہور سے قادیان واپس تشریف لے آئیں اور محمد احمد کی دعوت ولیمہ میں شامل ہو گئیں اور اس کے لئے تحفہ بھی لائیں۔ مجھے فرمانے لگیں کہ ڈاکٹر صاحب باہر برآمدہ میں بیٹھے ہیں ان کو میرا "السلام علیکم" کہہ دو اور کہو کہ میں محمد احمد کی شادی میں شامل ہو گئی ہوں اب آپ ناراض نہ ہوں۔

شادی کے 24 روز کے بعد جب میرا جوان بیٹا سلیم احمد وفات پا گیا تو سب سے پہلے آپ ہی میرے پاس پہنچیں۔ میں اُس وقت دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھی تھی آپ پاس زمین پر ہی بیٹھ گئیں اور مجھے گلے لگا لیا اور بہت تسلی دی اور صبر کی تلقین کرتی رہیں۔ قادیان سے ہجرت کے بعد میں اکثر بیمار رہنے لگ گئی جب کبھی ٹھیک ہوتی تو رتن باغ لاہور میں آپ سے ملنے کے لئے جاتی۔ آپ ہر بچے کی شادی میں مجھے بہنوں کی طرح یاد رکھتیں اور شامل ہونے کے لئے بہت تاکید کرتیں۔

ربوہ رہائش کے دوران آپ جب کبھی میاں رفیق احمد سلمہ کے ہمراہ لاہور تشریف لاتیں تو عزیزہ سیدہ امۃ العزیز کے ہاں جو دھامل بلڈنگ میں قیام فرماتیں۔ ہم بھی اس وقت جو دھامل بلڈنگ میں ہی رہتے تھے اور ہمارے فلیٹ کا راستہ اندر کی طرف سے ہی صاحبزادی امۃ العزیز کے فلیٹ کی طرف تھا اس لئے آپ مجھ سے ملنے کے لئے ضرور آجاتیں۔

اپنی بیٹی عزیزہ سلیمہ بیگم کی شادی پر جو دار الہجرت ربوہ میں ہوئی تھی میں نے آپ کو کہلا بھیجا کہ آپ دوپہر کا کھانا ہمارے ہاں آکر کھائیں۔ آپ 3 بجے کے قریب دو خادماؤں کے ساتھ آئیں اور ساتھ ہی ایک مخملی جائے نماز خود اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے لائیں۔ میں نے آپ کو سلیمہ کے پاس لے جاکر بٹھا دیا آپ نے اسے گلے لگایا اور پیار کیا۔

اسی سال جب فروری میں حضور سندھ کے دورے پر تشریف لے گئے اور آپ لاہور تشریف لائیں اور ہمارے گھر بھی آئیں میں اس وقت نمونیے میں بیمار تھی اور فلیٹ کے اوپر حصہ میں تھی۔ محمد احمد کی بیوی نے آپ کو بتایا کہ اماں جی اوپر نمونیے سے بیمار ہیں تو آپ کو بہت افسوس ہوا اور فرمانے لگیں کہ میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جا نہیں سکتی اور وہ نیچے نہیں آسکتیں۔ اچھا پھر مل لیں گے۔

ربوہ جاکر آپ مارچ میں میری بیٹی سلیمہ کو ملیں اور نہایت محبت اور اصرار سے فرمایا کہ تمہاری اماں لاہور میں بیمار ہیں تم ان کے پاس لاہور چلی جاؤ۔ اس پر سلیمہ بیگم نے آپ کو بتایا کہ ابا جی ان کو علاج کے لئے ربوہ ہی لا رہے ہیں جس سے آپ کو تسلی ہوئی۔

ایک عید الاضحیٰ کے موقع پر آپ ربوہ میں ہی تشریف فرما تھیں حضور غالباً کسی سفر پر گئے ہوئے تھے اور ڈاکٹر صاحب بھی حضور کے ساتھ ہی تھے۔ میں اپنی دونوں چھوٹی بیٹیوں کو لے کر ربوہ آگئی تو آپ نے عید سے اگلے روز ہم تینوں کو دوپہر کے کھانے پر بلایا اور خود اپنے مبارک ہاتھوں سے پلاؤ بنایا جو کہ اتنا خوش ذائقہ اور مزیدار تھا کہ ہم نے اس سے پہلے کبھی اتنا اچھا پلاؤ نہ کھایا تھا پھر آپ کی شفقت اور محبت بھی تو اس میں شامل تھی۔

آپ کی وفات سے پہلے میں ربوہ گئی اور یہی سوچتی رہی کہ میری طبیعت بھی سنبھلے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ لیکن اس دوران حضور نخلہ تشریف لے گئے اور آپ بھی حضور کے ہمراہ تشریف لے گئیں اور میری آپ سے آخری ملاقات نہ ہو سکی۔ آہ! اللہ تعالیٰ کو شاید یہ منظور نہیں تھا کہ میری آپ سے ملاقات ہوتی۔ آپ کی آخری علالت میں ڈاکٹر صاحب آپ کے معالج تھے۔

(الفضل 30/ اگست 1958ء صفحہ 3-4 جلد 12 / 47 شمارہ نمبر 202)

ڈاکٹر صاحب کی یاد میں

رقم فرمودہ اماں جی (اہلیہ ڈاکٹر حشمت اللہ خان)

مورخہ 12/ نومبر 1969ء

"میرے سر تاج ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کو وفات پائے ہوئے تقریباً اڑھائی سال ہو گئے ہیں۔ یاد تو ان کی دم واپسیں تک دل سے نہ نکلے گی۔ لیکن آج مجھے وہ وقت یاد آرہا ہے جب وہ حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں 48 گھنٹے کی چھٹی پر حضور کے بیمار ہونے پر پٹیالہ سے قادیان آئے تھے۔ یہ اکتوبر 1918ء تھا اور جمعہ کا دن تھا۔ ڈاکٹر صاحب پٹیالہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھانے کے بعد ابھی مسجد کی محراب میں ہی بیٹھے تھے اور میرا بیٹا محمد احمد ان کے پاس کھڑا یہ نظم پڑھ رہا تھا۔

تم	فخر	رسول	ہو	سیدنا
تم	فضل	عمر	ہو	سیدنا

ہم سب گھر کی عورتیں بھی ان کی نظم سننے کے لئے بیٹھی ہوئی تھیں۔ مسجد ہمارے گھر کے بالکل سامنے تھی۔ عین اس وقت اچانک ڈاکیا تار لے کر آگیا جو کہ ڈاکٹر صاحب کے نام حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب کی طرف سے تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ

"حضور بہت سخت بیمار ہیں آپ آجائیں۔"

ڈاکٹر صاحب تار لے کر ننگے پاؤں اور ننگے سر مسجد سے نکل کر اپنے گھر آئے اور بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے کیوں اتنے گھبرائے ہوئے ہیں؟ تو کہنے لگے کہ حضرت میاں صاحب کا تار آیا ہے کہ حضور نے مجھے بلایا ہے۔ میں نے کہا کہ پھر جائیں۔ کہنے لگے تمہاری طرف سے اجازت ہے جانے کی اور ہسپتال میں اس وقت دو ڈاکٹروں کے سوا کوئی ڈاکٹر نہیں اور انفلوئنزا کی وباء آج کل پھیلی ہوئی ہے چھٹی ملنی مشکل ہے مگر میں کوشش کرتا ہوں تم وحید خان کمپونڈر کو کچھ روپے، ایک جوڑا کپڑوں کا اور لوٹا اور گلاس دے کر ہسپتال بھیج دینا۔

جب آپ ہسپتال پہنچے تو دوسرا ڈاکٹر پہلے ہی چھٹی کے لئے کھڑا تھا اس کی بیوی بیمار تھی اور بچہ ہوا تھا۔ اس وقت پنڈت گنگا بشن ہسپتال میں سول سرجن تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے چھٹی کی درخواست دی تو پنڈت جی کہنے لگے کہ تم نہیں جاؤ گے دوسرا ڈاکٹر جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ اس سے پہلے مجھے چھٹی کی ضرورت ہے اس کی بیوی بیمار ہے اور میرے خلیفہ صاحب بیمار

ہیں ایمان کا معاملہ ہے۔ پنڈت جی نے اصرار کیا کہ تم نے نہیں جانا اس پر آپ نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور اس کو کہہ دیا کہ میں جارہا ہوں آپ منظور کریں یا نہ کریں۔

اس پر پنڈت جی ہنس پڑے اور دیکھا کہ یہ رکنے والے تو ہیں نہیں تو کہنے لگے کہ 24 گھنٹے کی چھٹی پر تم دونوں ہی چلے جاؤ۔ پھر ڈاکٹر صاحب ہسپتال سے ہی قادیان کے لئے روانہ ہوگئے اپنا سامان کمپونڈر کو بھیج کر گھر سے منگوالیا۔

قادیان پہنچے تو اس وقت حضور بہت بیمار تھے اور آپ نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے پاس ہی بلا لیا اور فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب آپ اس کمرہ سے میری اجازت کے بغیر باہر نہ جائیں۔ پھر کیا تھا ڈاکٹر صاحب حضور کے پاس بیٹھ کر سب کچھ بھول گئے۔ نہ ان کو دنیا کی پرواہ رہی نہ نوکری اور نہ بیوی بچوں کی کہ کہاں ہیں۔ اُدھر پٹیالہ ہسپتال میں بہت شور پڑا ہوا تھا کہ ڈاکٹر صاحب دو دن کی چھٹی پر گئے تھے اب تک واپس نہیں آئے۔ گھر پر کبھی کمپونڈر، کبھی چپڑاسی سب ہی پوچھنے آتے کہ ڈاکٹر صاحب آئے کیوں نہیں؟ آخر ایک ماہ بعد میں نے ڈاکٹر صاحب کے بڑے بھائی محمد یوسف صاحب کو قادیان بھیجا کہ آپ ہی پتہ کریں کہ ڈاکٹر صاحب نے واپس آنا ہے یا نہیں؟

بھائی محمد یوسف صاحب کو قادیان آئے ہوئے دو دن ہوگئے اور ڈاکٹر صاحب کا کوئی پتہ نہ لگا کیونکہ ان کو کمرہ سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی کسی کو اندر آنے کی۔ تیسرے روز ڈاکٹر صاحب خود ہی کسی خادم کو حضور کی دوائی لانے کے لئے کہنے کو باہر آئے تو دیکھتے ہیں کہ بڑے بھائی سامنے بیٹھے ہیں اور انہوں نے آپ کو بتایا کہ پٹیالہ میں ہسپتال میں شور پڑا ہوا ہے۔ تم نے کب چلنا ہے میں تمہیں لینے کے لئے آیا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا بڑے بھائی! آپ چپ کر کے واپس چلے جائیں۔ کیونکہ حضور بیمار ہیں۔ ہم نے تو ان کے لئے جانیں قربان کی ہوئی ہیں میں تو نہیں جاسکتا۔ بڑے بھائی نے کہا میں اتنی دور سے آیا ہوں حضور کی زیارت ہی کروادیں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب کہنے لگے میں حضور سے اجازت لے کر بتاؤں گا۔ اندر واپس آکر آپ کچھ پریشان سے کھڑے تھے کہ حضور سے اجازت کیسے لوں۔ حضور نے خود ہی ان کے چہرے سے پہچان کر پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب آپ پریشان کیوں ہیں؟

ڈاکٹر صاحب نے عرض کی حضور میرے بڑے بھائی پٹیالہ سے آئے ہیں اور حضور کی زیارت کرنی چاہتے ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا اندر بلا لو۔ بڑے بھائی اندر حاضر ہوئے اور زیارت کے بعد جانے لگے تو عرض کی کہ حضور ان کی چھٹی تو دو دن کی تھی اور ہسپتال میں شور پڑا ہوا ہے۔ روزگار کا معاملہ ہے حضور دعا فرمائیں۔ حضور نے فرمایا اچھا! اور پھر حضور نے حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب کو ہوم سیکرٹری کے پاس بھیج کر ڈاکٹر صاحب کی تین ماہ کی چھٹی منظور کروالی۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مجھے بھی قادیان بلوالیا۔ میرے اس وقت دو بچے تھے عزیزم ڈاکٹر محمد احمد اور عزیزہ زینب بیگم۔ حضور نے مجھے سیدہ امۃ الحی صاحبہ کے اس کمرے میں جگہ دی جو مسجد مبارک کے ساتھ ملحق تھا اور اس کا دروازہ مسجد مبارک کی طرف کھلتا تھا اور دوسرا حضرت سیدہ امۃ الحیٔ صاحبہ کے صحن میں تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی تین ماہ کی چھٹی پوری ہونے کے بعد

ہماری واپسی کا دن آیا تو حضور نے بڑے پیمانے پر الوداعی دعوت کا انتظام کیا جس میں دوسو کے قریب بزرگ صحابہ حضرت مسیح موعودؑ اور احباب جماعت شریک ہوئے۔ کھانے سے کچھ دیر پہلے حضور، حضرت سیدہ امۃ الحی صاحبہ کی طرف تشریف لائے۔ اس وقت حضرت اماں جی (حرم حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ) وہاں بیٹھی تھیں۔ انہوں نے حضور سے پوچھا۔ "میاں یہ کیا ہو رہا ہے؟" آج کس کی دعوت ہے کہ اتنے کھانے پک رہے ہیں۔ اس پر حضور فرمانے لگے کہ آج ڈاکٹر صاحب کا رخصتانہ ہے۔

اماں جی نے فرمایا ان کی بیوی تو میرے پاس بیٹھی ہے کیا کہیں اور شادی کرا لی ہے۔ اس پر حضور ہنس کر فرمانے لگے کہ ڈاکٹر صاحب واپس پٹیالہ جا رہے ہیں۔ کھانے کے بعد حضور نے ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کرائیں اور پھر اپنے خدام کو لے کر ڈاکٹر صاحب کو الوداع کرنے کے لئے یکوں کے اڈے پر تشریف لے گئے۔ اڈے پر جا کر حضور رک گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے زار زار روتے ہوئے حضور کے ہاتھوں کو چوما اور بار بار مصافحہ کیا۔ پھر حضور نے دعا کروائی اور ہمیں سوار کروا کر قادیان تشریف لے گئے اور ایک خادم ہمارے ساتھ پٹیالہ تک کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب قادیان سے پٹیالہ تک زار زار روتے رہے اور بار بار یہی کہتے تھے کہ میرا اب پٹیالہ میں کیسے دل لگے گا۔

ابھی پٹیالہ پہنچے دس دن ہی گزرے تھے کہ حضور کا خط ڈاکٹر صاحب کے نام ملا کہ ڈاکٹر صاحب! آپ کے جانے کے بعد میری طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔ خط کا سارا مضمون یاد نہیں یہی فقرہ یاد رہا۔ دو روز بعد پھر حضور کا خط اسی مضمون کا ملا۔ گویا ڈاکٹر صاحب کو پٹیالہ بھیج کر خود پریشان ہو گئے۔ ادھر ڈاکٹر صاحب کا بھی یہی حال تھا کہ پَر ہوں اور اُڑ کر قادیان چلے جائیں۔ اسی طرح خط و کتابت میں سولہ سترہ دن گزر گئے۔ پھر جو حضور کا خط ملا اس میں لکھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب میں خود تو بیمار تھا لیکن امۃ الحیٔ بھی سخت بیمار ہو گئی ہیں۔ آپ نے اپنے استعفیٰ کا کوئی انتظام کیا یا نہیں۔ پس پھر کیا تھا؟

ڈاکٹر صاحب فوراً تیار ہو گئے کہ اب میں پٹیالہ میں نہیں رہ سکتا کیونکہ حضور کا منشاء یہی ہے۔ میں واپس قادیان چلا جاؤں گا۔ دوسرے روز ہی چھ ماہ کی چھٹی کی درخواست دے دی۔ اس پر افسر کہنے لگا بغیر تنخواہ کے ملے گی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کوئی پرواہ نہیں۔ اس پر کچھ ہمدرد لوگوں نے آدھی تنخواہ پر چھٹی منظور کروا دی اور ڈاکٹر صاحب مختصر سامان لے کر قادیان روانہ ہو گئے۔ مجھے اور بچوں کو پیچھے چھوڑ کر کہ تم بعد میں تیاری کر کے پھوپھا جی (میرے والد صاحب) کے ساتھ آ جانا۔ جب ڈاکٹر صاحب قادیان پہنچے تو حضور نے ان کے لئے حضرت میاں شریف احمد صاحب کے مکان کا کمرہ خالی کروا دیا کیونکہ اس وقت حضرت میاں صاحب، نواب محمد علی خان صاحب کے پاس ان کی کوٹھی میں رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب چھ ماہ تک اسی کمرے میں رہے اور حضور کے ساتھ کھانا کھاتے رہے۔ بعد میں اس مکان میں حضرت سیدہ اُمّ طاہر صاحبہ کی رہائش ہوئی اور انہوں نے اسے اپنا کمرہ بنایا۔ اس کے بعد حضور نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپ ہسپتال چلے جایا کریں اور 60 روپے ان کی تنخواہ مقرر ہوئی۔ چھ ماہ بعد ریاست والوں نے پھر شور مچا دیا کہ چھٹی پوری ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب آتے نہیں۔ ڈاکٹر صاحب تو پٹیالہ نہ آئے۔ بلکہ مجھے لکھ دیا کہ تم آ جاؤ۔ میں قادیان آ کر سیدہ امۃ الحیٔ صاحبہ کے پاس رہی۔ مسجد مبارک کے ساتھ والے کمرے میں جس میں پہلے بھی ٹھہرے تھے۔

چند روز کے بعد حضور، سیدہ امۃ الحیٔ صاحبہ کے پاس آئے اور حضرت اماں جی سے فرمانے لگے کہ ڈاکٹر صاحب کے لئے مکان خالی ہو گیا ہے۔ محمد احمد صاحب کی والدہ سے کہیں کہ انہوں نے اپنے مکان میں جانا ہو گا۔ اماں جی میرے پاس آکر فرمانے لگیں کہ لو۔ امۃ الحفیظ تمہارے لئے مکان خالی ہو گیا ہے۔ اب تم ہمارے پاس سے چلی جاؤ گی۔ میں نے کہا اماں جی کون سا مکان خالی ہوا ہے اور وہ کہاں ہے؟ اماں جی فرمانے لگیں ہسپتال کے پاس محلہ دار العلوم میں ہے۔ میں نے پوچھا یہاں سے کتنی دور ہے تو آپ نے فرمایا کہ دور تو کافی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم مہینے کے بعد بھی ہمارے پاس نہ آسکو گی کیونکہ تمہیں پھرنے کی عادت نہیں ہے۔ میری تو اس وقت عجیب حالت تھی رنج سے۔ ایک طرف تو وطن اور عزیزوں کو چھوڑ آئے تھے پھر حضرت صاحب کے خاندان سے بھی دور چلے جائیں گے۔ میں نے اماں جی سے کہا کہ میں تو اس مکان میں نہیں جاتی۔ میں تو پٹیالہ چلی جاؤں گی۔ دوری چند قدم کی بھی اور چند میل کی بھی۔ جب دور ہی رکھنا ہے تو پھر پٹیالہ ٹھیک ہے۔

حضرت صاحب کو ڈاکٹر صاحب کی ضرورت ہے۔ وہ ڈاکٹر صاحب کو رکھ لیں۔ ہم پٹیالہ واپس چلے جاتے ہیں۔ قادیان میں رہیں گے تو حضور کے پاس ہی رہیں گے۔ دور بھیجنا ہے تو پٹیالہ ہی ٹھیک ہے۔ اس پر حضور ہنس پڑے اور سوچنے لگ گئے اور کچھ دنوں کے بعد حضرت نواب محمد علی خان صاحب والا مکان جو حضرت اماں جان کے مکان کے ساتھ تھا۔ اس کے اوپر کا حصہ ہمارے لئے خالی کروا دیا۔ اس مکان کا دروازہ حضرت اماں جان کے صحن کی طرف کھلتا تھا اور حضرت اماں جان کے گھروں کا راستہ اندر سے ہی تھا۔

ایک روز حضور مسکراتے ہوئے آئے اور فرمانے لگے۔ اماں جی! والدہ محمد احمد سے کہیں اپنا مکان دیکھ آئیں خالی کروا دیا ہے۔ پس وہ اس میں رہیں۔ اماں جی نے مجھ سے فرمایا۔ امۃ الحفیظ آؤ اپنا مکان دیکھ آؤ۔ میں نے کہا اچھا اماں جی برقعہ پہن لوں۔ اماں جی کہنے لگیں کہ برقعے کی ضرورت نہیں ہے یہ تو اندر سے ہی راستہ ہے۔ حضرت اماں جان کے ایک صحن کو چھوڑ کر دوسرے صحن میں سیڑھیاں چڑھ کر چلے جائیں گے۔ سو میں اماں جی کے ساتھ چلی گئی اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر کے اس قدر قریب مکان دیکھ کر بے حد خوش ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائی اور دوسرے روز ہم اس مکان میں آگئے۔

ڈاکٹر صاحب مجھ سے کہنے لگے۔ تمہارا ہی حوصلہ تھا کہ تم نے اتنی بے تکلفی سے حضور سے عرض کر دیا۔ میں تو کبھی نہ کہتا اور جہاں بھیجتے چلا جاتا۔ میں نے اس پر کہا! کہ تبھی ساٹھ روپے کی نوکری پر ہسپتال جانے لگ گئے تھے۔ میں نے تو آپ سے کہا تھا کہ وہاں جا کر ملازمت نہیں کرنی، حضور کی خدمت کرنی ہے۔ جس طرح وہ چاہیں رکھیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کہنے لگے۔ میں حضور کے حکم سے کیسے انکار کر سکتا تھا۔ انہوں نے مجھے ہسپتال میں کام کرنے کو کہا میں کام کرنے لگ گیا۔

اس مکان میں آنے کے دو ماہ بعد بھی ہمارا کھانا حضور کی طرف سے ہی آتا تھا۔ دو ماہ بعد حضور سے اجازت لے کر ہم نے اپنا کھانا پکانا شروع کیا اور سب سے پہلے ڈاکٹر صاحب نے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جملہ افراد کی دعوت کی۔

ڈاکٹر صاحب کو اس مکان میں آکر اس قدر خوشی تھی جیسے جنت میں آگئے ہوں اور تھا وہ بھی ہمارے لئے جنت کہ خاندان اور حضور کا قرب حاصل تھا۔ تھوڑی سی تنخواہ تنگی اور تکلیف سے گزر ہوتی تھی مگر حضور کے قرب کی وجہ سے کوئی پرواہ نہ تھی۔ حضور بیمار ہوتے تو ڈاکٹر صاحب کو اپنے پاس ہی رکھتے اور ڈاکٹر صاحب کو بھی جب تک حضور کی صحت بحال نہ ہوتی اپنے کھانے پینے کا ہوش نہ رہتا۔ دن رات خدمت میں لگے رہتے حتّٰی کہ حضور کے Bed Pan بھی خود ہی اٹھا کر پھینک دیتے۔ جب حضور کے لئے دوائی بنانے لگتے تو خوراک بنا کر پہلے خود پی کے دیکھتے کہ ٹھیک ہے یا نہیں اور دوسری خوراک حضور کے لئے تیار کرتے۔ اور خود ہی پلانے کے لئے لے جاتے۔ جس وقت دوائی بنانے لگتے تو اس دوران کسی کو اجازت نہ تھی کہ بات کرے اور نہ خود بات کرتے مبادا دوائی بنانے میں غلطی نہ ہو جائے بلکہ دوائی بناتے وقت دعا کرتے تھے۔ روز مرہ کا یہی کام تھا۔ نماز فجر کے بعد پہلے حضور کی طبیعت پوچھنے کے لئے حضور کی جس گھر میں باری ہوتی تھی چلے جاتے بعد میں ہسپتال جاتے۔

حضرت اماں جان اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواتین مبارکہ کی میرے پاس بھی بے تکلف آمدورفت تھی۔ جس سے مجھے کبھی تنہائی کا احساس نہ ہوا۔ حضرت سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحبہ، حضرت سیدہ امۃ الحی صاحبہ، حضرت سیدہ اُمّ طاہر احمد صاحبہ، حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ اور حضرت سیدہ اُمّ وسیم صاحبہ سب ہی بے تکلفی سے آتیں۔ مجھے مفید مشورے دینا اور میرے کاموں میں ہاتھ بٹانا۔ بیمار ہوتی تو بیمار پُرسی کرنا۔ سب ہی بہت اچھا لگتا تھا۔ سب سے زیادہ خوشی اور طمانیت حضرت اماں جان کے آنے سے ہوتی تھی۔ آپ نہایت بے تکلفی سے آکر میرے پاس باورچی خانہ میں پیڑھی پر بیٹھ جاتی تھیں۔ میرے بچوں کی شادیوں میں سب نے حصہ لیا۔ مجھے جب کبھی تکلیف ہوتی یا کوئی ضرورت محسوس ہوتی تو میں حضرت اماں جان کے پاس چلی جاتی۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اس قدر قرب پانا محض اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے ورنہ ہماری کیا حیثیت ہے۔ الحمد للہ"

آپ کی اہلی زندگی

آپ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جو شروع سے ہی دین دار اور احکامات الٰہی پر عمل کرنے والا تھا۔ آپ کے والد صاحب مذہبی امور کے پابند اور اپنی اولاد کا خاص خیال رکھنے والے بزرگ تھے۔ باوجود کثیر العیال ہونے اور اپنے بڑھاپے کے انہوں نے نہ صرف ڈاکٹر صاحب کی تعلیم کا خرچ اپنی وفات تک برداشت کیا بلکہ ان کی شادی بھی چودہ سال کی عمر میں کر دی۔ لیکن ان کی بیوی کی زندگی نے وفا نہ کی جس روز آپ کا میٹرک کا نتیجہ کا اور آپ کو کامیابی کی خوشی نصیب ہوئی اس سے دوسرے روز وہ وفات پا گئیں۔ اگرچہ بہت دنوں سے بیمار چلی آرہی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب امتحان کی تیاری میں مصروف تھے اور شہر سے باہر جا کر امتحان میں کامیابی اور اپنی اہلیہ کی صحت کے لئے دعا کرتے تھے۔ ایک روز سجدہ میں دعا کرتے ہوئے آپ کی زبان پر یہ آیت جاری ہوگئی۔ مَانَنۡسَخۡ مِنۡ آيَةٍ أَوۡ نُنۡسِهَا نَأۡتِ بِخَيۡرٍ مِنۡهَا اَوۡ مِثۡلِهَا۔ اس پر آپ سمجھ گئے کہ

اہلیہ وفات پا جائیں گی۔ گویا غم کی خبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر یا ویسی ہی رفیقہ حیات عطا کرنے کی خوش خبری بھی دے دی۔ چنانچہ 1910ء میں جبکہ آپ ابھی ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے اور اس کے دو سال باقی تھے آپ کی پھوپھی زاد فاطمہ امۃ الحفیظ سے آپ کی شادی ہوگئی جو کہ قرآن کریم کے ترجمہ سے واقف، کتب سلسلہ سے شغف رکھنے والی اور عزیز واقارب سے حسن سلوک کرنے والی تھیں۔ ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کو اولاد بھی عطا کی۔ حضرت اماں جان اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام، سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحبہ، سیدہ امۃ الحیٔ صاحبہ، سیدہ اُمّ طاہر احمد صاحبہ، سیدہ اُمّ مظفر احمد صاحبہ، سیدہ سارہ بیگم صاحبہ، سیدہ اُمّ وسیم صاحبہ اور سیدہ بو صاحبہ (زوجہ محترمہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب) سے گہرا تعلق رکھنے والی تھیں اور ان سب کا بھی آپ سے محبت کا سلوک رہا۔ آپ کو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قریب رہنے کی انتہائی تمنا تھی اور اسی کو دیکھتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے حضرت نواب محمد علی خان صاحب کا مکان خالی کروا کر رہائش کے لئے عطا فرمایا۔ اولاد کی نیک تربیت کا بوجھ آپ نے پوری طرح اُٹھایا اور ڈاکٹر صاحب کو حضور کی خدمت کے لئے وقف رکھا۔

آپ کے والد صاحب حکیم رحمت اللہ صاحب بفضل خدا1902ء میں بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے اور کئی بار ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔ آپ کی والدہ صاحبہ نے بھی بفضل تعالیٰ احمدیت قبول کی۔ آپ نے خود دس سال کی عمر میں خط کے ذریعے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔ اور خلافت اولیٰ، ثانیہ اور خلافت ثالثہ کی اولین بیعت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ آپ نہ صرف موصیہ تھیں بلکہ باوجود تنگ دستی کے جماعت کے چندوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والیوں میں تھیں تحریک جدید کے پنج ہزاری مجاہدین میں آپ کا اور ڈاکٹر صاحب اور خوردہ سال بچگان کا چندہ دو ہزار تیس روپے اور نو آنے ہیں۔ آپ کی بڑی صاحبزادی اور ڈاکٹر محمد احمد صاحب کا چندہ اس کے علاوہ ہے جو کہ ساڑھے دس صد ہے۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے لئے اولاد کی تعلیم اور چندہ وصیت کے اخراجات ادا کرتے ہوئے ایسی گراں قدر رقم تحریک جدید میں بھی ادا کرنا اپنی رفیقہ حیات کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں۔ تحریک چندہ مسجد برلن پر لبیک کہتے ہوئے آپ نے اپنا وعدہ پیش کرتے ہوئے ادا بھی کر دیا۔ اسی طرح ہر تحریک پر دل وجان سے لبیک کہا۔

لجنہ اماء اللہ قائم ہوئی تو اس میں فوراً شمولیت اختیار کی اور اس کے اجلاس با قاعدگی سے اٹینڈ کئے۔ خود دعائیں کرنے والی تھیں اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دعائیں لینے والی تھیں اور اس طرح پر اپنی اولاد کی پرورش کرنے، ان کو تعلیم دلوانے اور سب کے فرائض سے بطریق احسن سبکدوش ہونے میں کامیاب ہوئیں۔

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا

آپ کی تمام اولاد اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی ہے۔ الحمد للہ

۞۞۞

ہماری اماں

ماں کا لفظ کس کو پیارا نہیں ہوتا اور ماں کس کس کو پیاری نہیں ہوتی۔ لیکن ہم سب بہن بھائیوں کو وہ زیادہ ہی پیاری تھیں تبھی تو ہمارے بھائی نعیم نے جب ہم اپنی اماں جی کی وفات پر میر پور خاص سے ربوہ جانے کے لئے فیصل آباد اسٹیشن پر اُترے تو ہم تینوں بہنوں کو گلے لگا کر روتے ہوئے کہا تھا کہ ”ہم آج یتیم ہوئے ہیں۔“ بچے یتیم تو باپ کی وفات کے بعد ہوتے ہیں اور ہمارے والد سات برس پہلے ہی برضائے الٰہی اپنے پیارے روحانی باپ سیدنا حضرت محمود رضی اللہ عنہ کی ایازی میں حاضر ہو چکے تھے جن کے در پر انہوں نے ساری زندگی گزاری تھی اور جن کی خدمت کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ پھر اپنے پیارے آقا و خلیفہ کے ارشاد کے مطابق نور ہسپتال قادیان کی ذمہ داری بطور انچارج میڈیکل آفیسر اپنے کمزور کندھوں پر اٹھائی تھی اور اس طرح آپ پر دوہری ذمہ داری تھی لہٰذا اپنی اولاد کی تربیت و تعلیم کی بیشتر ذمہ داری والدہ کے سپرد ہی تھی اس طرح آپ ماں اور باپ دونوں کے فرائض سرانجام دیتی رہیں۔ خود زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھیں۔ صرف اردو اور عربی پڑھنا جانتی تھیں لیکن دینی ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے دین کا علم اور دین سے محبت بہت زیادہ تھا۔ سب بچوں کو چھوٹی عمر میں نہ صرف قرآن کریم ناظرہ پڑھوایا بلکہ ترجمہ بھی سکھایا اور اسی میں ان کو اُستانی مریم صاحبہ اہلیہ حافظ روشن علی صاحب کا تعاون بھی حاصل تھا جو کہ ہمارے ہمسایہ میں ہی رہائش پذیر تھیں۔ استانی مریم صاحبہ کا احترام آپ کے دل میں بہت تھا۔ قادیان سے ہجرت کے بعد اور ربوہ میں رہائش پذیر ہونے پر اکثر ان سے ملنے چلی جاتیں اور ہر خوشی کے موقع پر ان کو ضرور یاد رکھتیں اور خاص اہتمام سے ان کو اپنے گھر بلواتیں۔ حضرت اماں جی (حرم حضرت خلیفۃ المسیح الاول) سے بھی بہت محبت تھی اور وہ بھی آپ سے انتہائی شفقت کا سلوک فرماتیں۔ اسی طرح اہلیہ صاحبہ مولوی بقاپوری صاحب سے بھی آپ کو بہت اُنس تھا۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جملہ خواتین مبارکہ سے بے انتہا محبت اور ان کی عزت اور احترام آپ کے دل میں تھا اور انہی جذبات کے ساتھ آپ نے اپنی اولاد کی بھی تربیت کی۔ ہر دم یہ خیال رکھا کہ کسی بچے سے کوئی ایسی غلطی سرزد نہ ہو جس سے شرمندگی ہو۔ تمام خواتین مبارکہ بھی اور خاص طور پر حضرت اماں جان آپ سے بہت محبت اور شفقت کا سلوک کرتیں اپنے گھر میں سب بہنوں سے چھوٹی تھیں اور والدین خصوصاً والد کی بہت لاڈلی تھیں لیکن اپنی روحانی والدہ کے زیر سایہ آکر سب کچھ بھول گئیں اور قادیان کے ماحول میں اپنے آپ کو ایسا سمو لیا کہ اس کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا لیا۔

والد صاحب کی محدود آمدنی میں گھر کے سب اخراجات پورے کئے اور جماعتی چندوں کے ادا کرنے اور ضروریات پورا کرنے کے لئے اپنا زیور بھی فروخت کیا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک آپ کا سونے کا گلوبند ہوتا تھا جو کہ کافی وزنی تھا۔ جب کبھی انتہائی ضرورت درپیش ہوتی اس کی ایک ٹکیہ پٹی پر سے اُتار کر مجھے دیتیں کہ مرزا مہتاب بیگ صاحب کے پاس لے جاؤں کہ وہ اس کو فروخت کر کے رقم دے دیں۔ اس طرح پر آپ نے گھر کا خرچ چلایا۔ مہمان نوازی میں تو والد صاحب اور والدہ صاحبہ

دونوں ہی ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے کثیر تعداد میں جلسے کے مہمانوں کی مہمان نوازی کے علاوہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعوت کر کے دونوں انتہائی خوشی اور راحت محسوس کرتے اور پھر ان کی پسندیدہ چیز پکا کر بھیجنا دونوں کا محبوب مشغلہ تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ کو ریوڑیاں بہت پسند تھیں۔ والد صاحب بہت شوق اور اہتمام سے ریوڑیاں بنا کر حضور کی خدمت میں پیش کرتے۔ اسی طرح ہماری اماں جی دہی بڑے بہت لذیذ بناتی تھیں جو کہ خاندان میں بہت پسند کئے جاتے تھے۔ اس زمانے میں بلینڈر وغیرہ تو نہیں ہوتے تھے۔ آپ سل بٹے پر ماش کی دال نہایت محنت سے باریک پیس کر بناتی تھیں اور ڈش ایسا سجاتیں کہ طبیعت خوش ہو جاتی اور پھر میری اور میری چھوٹی بہن کی ڈیوٹی تھی کہ حضرت اماں جان، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی، حضرت سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحبہ، حضرت سیدہ اُمّ طاہر احمد صاحبہ، حضرت سیدہ اُمّ وسیم احمد صاحبہ اور حضرت سیدہ اُمّ مظفر احمد صاحبہ کے پاس لے کر جائیں۔ آپ کے دہی بڑے خاندان میں بہت مقبول تھے۔

ویسے روزمرہ کا کھانا نہایت سادہ اور صاف ستھرا ہوتا تھا کیونکہ والد صاحب کی خوراک بہت کم اور سادہ تھی مصالحوں کی تیزی اور گھی کی زیادتی ان کو بالکل پسند نہ تھی۔ دیسی گندم کے باریک اور چھوٹے پھلکے ایسے بناتیں کہ کھانے والا کھاتا چلا جائے اور اس کی نیت سیر نہ ہو۔ صاحبزادی بی بی امۃ القیوم صاحبہ اور بی بی امۃ الرشید صاحبہ۔ ہماری آپا زینب، ناصرہ اور سلیمہ کی سہیلی تھیں اور جب بھی ہمارے ہاں تشریف لاتیں ان پھلکوں سے لطف اندوز ہوتیں۔ خواہ چٹنی پیس کر ہی کھاتیں۔ اسی طرح صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب میرے بھائی نعیم کے ہم عمر اور دوست تھے وہ بھی پھلکے Enjoy کرتے اور بعد میں بھی ہمیشہ ان کو یاد کرتے رہے۔

ہماری اماں جی بہت زیادہ صفائی پسند تھیں۔ گھر چھوٹا تھا اور سامان زیادہ۔ خاص طور پر سلسلہ کا لٹریچر، میڈیکل، جرنلز اور کتابیں اور دوائیاں جن کی ضرورت حضور کو رہتی تھی بہت زیادہ تھیں۔ لیکن ان سب کے باوجود گھر کو بہت صاف ستھرا اور چمکا کر رکھتیں۔ ہمارے والد صاحب بعض دفعہ از راہ مذاق بچوں سے کہتے تمہاری اماں کہیں ہر نامی کی رشتہ دار تو نہیں۔ ہر نامی ہمارے گھر کی خاکروبہ تھی۔ صفائی کرنے سے مٹی آپ کے گلے کو بہت نقصان پہنچاتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ آپ کو دمہ کا مرض لاحق ہو گیا۔

ہاتھ سے کپڑے سینے میں آپ کو بہت مہارت تھی۔ مشین کی سلائی اس لئے نہ کرتی تھیں کہ دھاگہ ٹوٹنے پر سوئی میں دھاگہ ڈالنا مشکل ہوتا تھا لہٰذا ہاتھ سے ہی کپڑے سیتی تھیں کلیوں والے کُرتے نہایت صفائی سے رنگتیں اور سی لیتی تھیں۔ محدود آمدنی کی وجہ سے آپ کے اور بچوں کے پاس بہت کم کپڑے ہوتے لیکن ہمیشہ صاف ستھرے رکھتیں۔ گرمی کے موسم میں ہلکے رنگ کے ململ کے 3 کُرتے اور چست پاجامے کے جوڑے آپ کے استعمال میں ہوتے تھے۔ ململ کے دوپٹے ہاتھ سے نہایت باریک چنتیں اور اوڑھ لیتی تھیں۔ اکثر خواتین مبارکہ بھی آپ کے پاس دوپٹے چننے کے لئے بھجوا دیتیں کیونکہ اس زمانے میں زیادہ تر چنے ہوئے دوپٹے اوڑھے جاتے تھے۔ گوٹا کناری لگانے میں بھی آپ کو خاص مہارت تھی۔ بھائی محمد احمد

صاحب کی شادی پر خاص طور پر دہلی سے بذریعہ پارسل سُچا گوٹا کناری منگوا کر سب اپنے ہاتھ سے لگا کر بری تیار کی۔ بری کا گوٹہ کناری کا کام زیادہ تر رات کو کرتیں۔ لیکن یہ بات یہاں قابل ذکر ہے کہ پہلے بیٹے کی شادی کی وجہ سے جہاں وہ بہت خوش نظر آتی تھیں ان کا دل اندر سے بہت غمگین تھا کیونکہ ہمارے منجھلے بھائی سلیم احمد صاحب ایف اے میں پڑھتے ہوئے کالج کے اخراجات پورے نہ ہونے کی وجہ سے پڑھائی چھوڑ کر بغیر بتائے ہوئے فوج میں بھرتی ہو گئے تھے۔ ان دنوں جنگ عظیم دوئم جاری تھی۔ اور تقریباً دو ماہ سے ہمارے بھائی کی کوئی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہیں۔ سوا پنے کام نپٹانے کے بعد آپ نفل پڑھنے لگ جاتیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی سلامتی اور بخیریت واپسی کی دعا مانگتیں۔ یہ آپ کی التجائیں اور تضرّع ہی تھا کہ ہمارے بھائی کی بارات کے دن دوپہر کے وقت اچانک بھائی سلیم قادیان پہنچ گئے ان کو بیماری کی وجہ سے کچھ روز کے لئے فوج سے چھٹی ملی تھی۔ اس طرح آپ کی خوشی دوبالا ہو گئی۔ اُن کی آمد کی خبر سنتے ہی آپ سجدہ میں گر گئیں اور دیر تک اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتی رہیں لیکن افسوس کہ یہ خوشی عارضی تھی۔

چونکہ بھائی سلیم بیمار تھے اور قادیان پہنچنے پر باوجود تمام علاج کے جانبر نہ ہو سکے اور صرف 23 دن کی بیماری کے بعد ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ماں باپ کی نظروں کے سامنے جان دی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے مدرسہ احمدیہ کے صحن میں ایک کثیر مجمع کے ساتھ ان کا جنازہ پڑھا اور جنازہ کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے۔

(الفضل 05 رمئی 1945ء صفحہ 1 جلد 33 شمارہ نمبر 106)

ان کی وفات کے بعد ہماری اماں جی نے بھابھی جان سے کہا کہ نعیم (میرے تیسرے نمبر کے بھائی) کو تم اپنا بھائی سمجھنا، دیور نہ سمجھنا۔ ہماری بھابھی جان کا کوئی بھائی نہ تھا اور بھائی سلیم کی وفات کا صدمہ جہاں اماں جی کو بہت تھا۔ بھائی نعیم نے بھی اس کا بہت اثر لیا تھا۔ اس طرح پر بھابھی جان کو ایک چھوٹا بھائی مل گیا اور بھائی نعیم کو پیار اور شفقت کرنے والی بڑی بہن مل گئی۔ ہمارے بھائی کے سب بچے بھائی نعیم کو ماموں ہی کہتے ہیں چچا نہیں کہتے۔

بھائی سلیم کی وفات کے بعد اور پاکستان سے ہجرت کے بعد آپ کافی بیمار رہنے لگ گئی تھیں خصوصاً بدلتے موسم اور سردی کے موسم میں لاہور میں جہاں آپ 1947ء سے 1960 تک مقیم رہیں۔ دمہ کی تکلیف شدت اختیار کر لیتی تھی۔ والد صاحب تو ربوہ رہتے تھے یا حضور کے ساتھ سفروں پر۔ لیکن آپ کو بچوں کی کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم کی وجہ سے لاہور رہنا پڑا۔ باہمت بہت تھیں۔ بیماری برداشت کرتی رہیں۔ ایک پل کو بھی کبھی یہ نہ سوچا یا خواہش ظاہر کی کہ والد صاحب حضور کو چھوڑ کر لاہور ان کے پاس آجائیں۔ البتہ اگر حضور اجازت دے دیتے تو وہ دیکھنے کے لئے لاہور آجاتے اور بڑے بھائی ڈاکٹر محمد احمد کو جو کہ ان کا علاج کرتے تھے علاج وغیرہ میں مشورہ دے دیتے۔ ربوہ سے باقاعدہ بذریعہ خطوط خیریت معلوم کرتے رہتے۔ بیماری میں لیٹے لیٹے دعائیں بہت کرتی تھیں اور اگر ذرہ بھی طبیعت ٹھیک ہوتی گھر کا کوئی نہ کوئی کام سنوار دیتیں۔ یہ ان کی دعائیں ہی

تھیں جو ان کی بیماری سے پریشانی میں امتحان دینے والے بچے اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے۔ پھر سب بچوں کی شادیوں کے انتظامات خود کئے اور ہر فرض کو بہت اچھا نبھایا۔ پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کے چلے کروائے۔ بہوؤں اور بیٹیوں کا یکساں خیال رکھا۔ اپنی اولاد میں ہمارے بھائی نعیم احمد سے بہت زیادہ پیار تھا۔ جب وہ 1960ء میں ملازمت کی وجہ سے داؤد خیل چلے گئے اور آپ ربوہ آگئیں تو اُن کو بہت یاد کرتی تھیں۔ اور ان کی آمد کی منتظر رہتیں تھیں۔ بڑے بھائی اگر طبّی خدمت کر کے دعائیں لیتے تھے تو یہ مجسم خدمت بن کر اپنی اماں کی دُعائیں سمیٹتے تھے۔

ہمارے لئے آپ ایک مثال تھیں۔

نعیمہ بیگم بنت ڈاکٹر حشمت اللہ

کریم احمد نعیم کے تاثرات

ہماری اماں جی سلسلہ کے بزرگوں کا بہت خیال رکھتی تھیں اور خاص طور پر جب وہ ہمسائے بھی ہوں۔ قادیان سے لاہور آنے کے بعد ہم جودھامل بلڈنگ میں رہائش پذیر تھے اور کچھ عرصہ بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا دفتر بھی ہمارے فلیٹ کے سامنے والے فلیٹ کے ایک کمرے میں بن گیا جہاں حضرت میاں صاحب کام کیا کرتے تھے۔ اسی فلیٹ میں بعد میں میاں حمید احمد صاحب رہائش رکھتے تھے۔ اماں جی کو معلوم تھا کہ حضرت میاں صاحب دفتر میں لگاتار کام میں مصروف رہتے ہیں تو اُن کی تھکن کا احساس کر کے آپ ان کے لئے دوپہر سے کچھ پہلے گرم چائے اور چپس یا بسکٹ وغیرہ بھجوا دیتیں۔ جس سے حضرت میاں صاحب بہت خوش ہوتے۔

پارٹیشن کے کچھ عرصہ بعد حضرت مختار احمد صاحب شاہجہانپوری بھی جودھامل بلڈنگ میں ایک کمرے میں آباد ہو گئے اور سارا وقت تبلیغ دین میں مصروف رہتے۔ اُن کے پاس کثرت سے لوگ آتے تھے۔ اُن کے لئے بھی آپ کھانا یا چائے بجھواتی رہتیں جو کہ میری چھوٹی بہن ثمینہ لے کر جاتی تھی۔ میری بہن کو حضرت حافظ صاحب جانتے تھے کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی بیٹی ہے اور کھانا وغیرہ قبول فرمالیتے تھے۔ ورنہ ہر کسی کے گھر سے آپ کچھ بھی قبول نہ کرتے۔ ایک مرتبہ اماں جی نے میرے ہاتھ ان کی خدمت میں کھانا بھجوایا چونکہ وہ مجھے پہچانتے نہ تھے اس لئے کھانا واپس کروا دیا۔ لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ میں ڈاکٹر صاحب کا بیٹا ہوں تو آپ نے بہت معذرت کی۔

یہ اُن کی عزت نفس تھی کہ ہر کسی کی طرف سے کچھ لینا پسند نہ کرتے تھے۔

بدرگاہ ایزدی

بزبان والدہ محمد احمد

(از ڈاکٹر حشمت اللہ)

ترحم ترحم میرے پیارے آقا
تو ہی میرا والی تو ہی میرا مولیٰ
ہیں احسان پیارے تیرے مجھ پر بے حد
کرم مجھ پہ بے حد ہے اے میرے آقا
میں ناچیز بندی تھی تیری پیارے
مگر تیری رحمت نے مجھ کو نوازا
دیئے مجھ کو لڑکے ہیں اور لڑکیاں بھی
کرم ہے کریما کرم ہے کریما
بڑا لڑکا میرا ہے نام اس کا احمد
محمد کا انعام ساتھ اس کے بخشا
ہے ایمان بخشا، ہے عرفان بخشا
کہ ہے چلنے والا وہ راہ ھدیٰ کا
بہن اس کی زینب جو ہے نیک اختر
دیا اس کو شوہر جو طالب رضا کا
الٰہی! یہ بن کر رہیں تیرے بندے
یہ حیدر، یہ زینب، یہ عثمان، فریدہ
میری بیٹی دوئم سلیمہ پیاری
دیا اس کو انعام فہم و ذکا کا
میاں اس کا بھی نیک اور پارسا ہے
ملا اس کو جوہر ہے صدق و صفا کا

تو کر فضل ان پر تو کر رحم ان پر
بنا ان کو مرجع تو اپنی عطاء کا
منور تو کر دے دل و جان ان کے
بنا اُن کو وارث تو عقل رسا کا
وہ سجدہ کناں ہوں ترے در پہ ہر دم
جو خیال آئے دل میں تو تیری رضا کا
رہے دُور ان سے ہمیشہ ہی شیطاں
بنیں نہ نشانہ یہ اُس کے دغا کا
ہے بھائی نعیم ان کا ان سے جو چھوٹا
نشان فضل کا تیرے میرے کریما
یہ ٹکڑا جگر کا ہے میرے پیارے
میں دیکھوں کہ تو نے اسے ہے نوازا
تو کر فضل اس پر تو کر رحم اس پر
کہ بن جائے آخر کو بندہ خدا کا
نعیمہ ثمینہ جو ہیں دونوں چھوٹی؟
کرم ان پر بے حد تو کر میرے مولیٰ
یہ مسکین ہیں اور یہ نا چیز ہیں
مگر میں نے بھی تیرے در کو ہے تاکا

۞۞۞

نظم برائے محمد احمد

(فرزند خود)

میرا پیارا احمد جو ہے بھولا بھالا
تو رحمت کو اس کی لطیفہ لے کو لایا
بنی پھر جو صبر و سکوں کی وہ پیکر
تو آغوش میں اُس کے لڑکے کو لایا
وہ فضلوں کو لایا وہ رحمت کو لایا
مبشر بنا ساتھ فضلوں کو لایا
تو حکمی کو لایا تو منصور لایا!
تو رحمت سے آیا، تو رحمت سے آیا
ہو احساں کا تیرے ادا شکر کیونکر
اے پیارے خدایا! اے پیارے خدایا!

(ابمر اد محترمہ امۃ اللطیف صاحبہ)

۞۞۞

بیگم صاحبہ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کا خواب

محترمہ بیگم صاحبہ مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب نے اپنی ایک خواب حضرت سیدہ اُمّ متین صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو لکھ کر ارسال فرمائی جو افادہ احباب کے لئے درج کی جاتی ہے۔

عزیزم سلمہا

السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں اس خط کے ذریعے سے آپ کو ایک خواب لکھ رہی ہوں جو کہ میں نے 1939ء میں دیکھا تھا اور اسی روز صبح کو حضور کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ اس روز سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ دین کے بادشاہ حضور ہی ہیں۔ اس خواب کے ساڑھے چار سال

بعد جب حضور نے اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا۔ تو اُسی وقت سے ہی میرا اور میری اولاد کا یہی ایمان ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصلح موعود ہیں اور خلیفہ برحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولیٰ کریم میرا اور میری اولاد کا اسی ایمان پر خاتمہ کرے۔ آمین

اس سے قبل بھی جب حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ڈاکٹر صاحب (مکرم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب) قادیان میں موجود تھے۔ جب وہ واپس پٹیالہ گئے تو میرا اُن سے پہلا سوال یہ تھا کہ خلیفہ کون بنا؟ اس پر ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ کیا سچ مچ خلیفہ کی ضرورت ہے۔ میں نے جواب دیا کہ خلیفہ کے بغیر جماعت کیسے رہ سکتی ہے۔ خلیفہ کا ہونا ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ میاں محمود خلیفہ ہوئے ہیں۔ اور کہنے لگے کہ کیا تمہاری طرف سے خط لکھ دوں۔ میں نے کہا ہاں! آپ خط لکھ دیں۔ اللہ تعالیٰ جب مجھے توفیق دے گا تو میں قادیان جا کر خود حضور کی بیعت کروں گی۔

اب میں اپنا خواب تحریر کرتی ہوں۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ

"کوئی جگہ ہے جہاں حضور سیر کے لئے یا کسی اور مقصد کے لئے گئے ہیں۔ حضور کے ہمراہ میں اور ڈاکٹر صاحب بھی ہیں۔ مکان کی نچلی منزل میں ہم رہتے ہیں۔ اور اوپر کی منزل میں جس کے کئی کمرے ہیں۔ حضور قیام فرما ہیں۔ میں اپنے نیچے کے کمرے سے نکل کر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گئی ہوں۔ تو اُمّ وسیم احمد صاحبہ ایک کمرے میں بیٹھی ہیں اور اس کمرے کے آتشدان پر پرانی چابیوں کے کئی گچھے پڑے ہیں۔ میں ان کو "السلام علیکم" کہہ کر آگے چلی گئی ہوں۔ آگے جا کر دیکھا کہ حضور برآمدے میں بیٹھے وضو کر رہے ہیں۔ میں نے حضور کو السلام علیکم کہا۔ اور پیچھے کھڑی ہو گئی۔ حضور وضو کر کے جلدی سے اُٹھے اور ایک کمرے کی طرف چلے گئے۔ جہاں پر اُمّ ناصر احمد صاحبہ کھڑی ہیں اور فرمانے لگے کہ تم نے میرے کپڑے نکال دیئے۔ اس پر اُمّ ناصر احمد صاحبہ نے کہا۔ نہیں۔ حضور بہت جلدی میں ہیں اور جیب سے چابیاں نکال کر اس صندوق کا تالا کھولنے لگے ہیں جس میں ان کے کپڑے ہیں۔ میں بھی پاس ہی کھڑی ہوں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ایک دفعہ حضور سے عطر کی شیشی نہیں کھلتی تھی۔ اور مجھے عطر کی شیشیاں کھولنے کی ترکیب یاد تھی کہ وہ گرم کر کے کھل جاتی ہیں۔ اور میں نے اُمّ طاہر احمد صاحبہ مرحومہ سے شیشی لے کر کھول دی تھی۔ یہی خیال کر کے شاید اللہ تعالیٰ، تالا بھی مجھ سے کھلوا دے۔ میں نے حضور سے چابی لے لی۔ اور جب تالے میں گھمائی تو وہ تالا کھل گیا۔ اور اُمّ ناصر احمد صاحبہ نے حضور کے کپڑے نکال دیئے۔ حضور اپنے کپڑے لے کر اُسی جگہ چلے گئے جہاں پر وضو کر رہے تھے اور کپڑے بدل لئے۔ میں اسی جگہ کھڑی تھی۔ کپڑے بدل کر حضور کھڑے ہوئے تو حضور کی شلوار اس قدر چمک رہی تھی جیسے پہاڑوں پر برف چمکی رہی ہو۔ قمیض اس سے بھی زیادہ چمکدار تھی۔ جب حضور نے سر پر پگڑی باندھی تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پگڑی پر آسمان سے نور برس رہا ہو۔ اس پگڑی کی وجہ سے حضور کا چہرہ بھی ڈھانپا گیا تھا اس کے بعد جب حضور نے اچکن پہنی تو ایسے معلوم ہوا جیسے

بادشاہ ہیں اور حضور کے اوپر سرخ رنگ کا جھول پڑا ہوا ہے۔ میں بہت حیران ہو کر حضور کی طرف دیکھے جا رہی ہوں۔ اتنے میں سامنے سے مجھے حضرت اماں جان آتی نظر آ رہی ہیں اور ایک طرف کو بڑی ممانی جان بھی کھڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔ حضرت اماں جان نے مجھے بلند آواز سے پکار کر کہا۔ او لڑکی! او بیگم! تم کیا دیکھ رہی ہو۔ اس پر میں اماں جان کو خوشی سے کہتی ہوں کہ دیکھیں اماں جان! میں کیا دیکھ رہی ہوں۔ حضور بادشاہ بن گئے ہیں۔ بس اتنا دیکھنے کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔"

نوٹ:

ڈاکٹر صاحب نے یہ الفاظ کہ کیا خلیفہ کی ضرورت ہے؟ مجھے اس لئے کہے تھے کہ دیکھیں میرا خیال کیا ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب تو حضور کی بیعت کر کے قادیان سے گئے تھے۔ لیکن جو دوسرے شخص ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تھے وہ پیغامی ہو گئے تھے اور انہوں نے حضور کی بیعت نہیں کی تھی۔ جب میں نے یہ کہا کہ خلیفہ کا ہونا ضروری ہے تو ڈاکٹر صاحب کو اطمینان ہو گیا اور وہ بہت خوش ہوئے۔

خاکسار والدہ ڈاکٹر محمد احمد

(الفضل یکم ستمبر 1956ء صفحہ 5 جلد 10 / 45 شمارہ نمبر 205)

زندگی تیری جہاں گزری ایاز احمدی
حضرت فضل عمر کا وہ مکاں یاد آگیا

باب نمبر:12

اولاد

- ڈاکٹر محمد احمد
- زینب بیگم اہلیہ ڈاکٹر غلام حیدر صاحب آف لاہور
- سلیمہ بیگم اہلیہ ڈاکٹر عبدالرحمن صدیقی آف میرپور خاص سندھ
- سلیم احمد مرحوم
- ایک سعید بچے کی وفات پر ایک باپ کے جذبات
- میرا غریب سلیم
- نومولود بچی (امینہ) کی پیدائش و وفات
- کریم احمد نعیم
- نعیمہ بیگم
- ثمینہ بیگم
- شجرہ نسب

1۔ڈاکٹر محمد احمد صاحب

آپ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے سب سے بڑے فرزند ہیں۔ آپ پٹیالہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد میڈیکل اسکول حیدرآباد میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی اور چار سالہ کورس کے بعد بمبئی یونیورسٹی سے ایل سی پی ایس کی ڈگری حاصل کی۔ کچھ عرصہ تک ٹریننگ کے طور پر حیدرآباد سندھ میں متعین رہے۔ اس کے بعد قادیان آگئے اور پرائیویٹ پریکٹس شروع کر دی۔

قادیان میں اپنی پرائیویٹ پریکٹس کے دوران آپ کو اپنے والد گرامی کے ہمراہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے دیگر بزرگوں کی طبی خدمات بجالانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جن میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ، حضرت سیدہ اماں جان، بیگم صاحبہ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب، بیگم صاحبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحبہ، حضرت سیدہ اُمّ طاہر احمد صاحبہ، حضرت سیدہ اُمّ وسیم صاحبہ، حضرت سید میر محمد اسماعیل صاحب، حضرت میر محمد اسحق صاحب شامل ہیں۔ 1947ء میں آپ پاک وہند کی تقسیم کے بعد کھلر بلڈنگ واقع نکلسن روڈ لاہور میں اپنی پرائیویٹ پریکٹس کرتے رہے۔ پھر 1956ء میں آپ نے میر پور خاص سندھ میں ریلوے کی ملازمت اختیار کر لی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہی جب فضل عمر ہسپتال ربوہ میں ڈاکٹرز کی اشد ضرورت تھی تو سیدنا حضرت مصلح موعود نے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو فرمایا کہ "محمد احمد کہاں ہے؟ اس کو بلائیں۔" اس پر ڈاکٹر صاحب نے ان کو ربوہ بلا لیا اور آپ فضل عمر ہسپتال میں 1957ء سے بطور فزیشن خدمات سرانجام دیتے رہے اور اپنی وفات تک کام کرتے رہے۔ آپ 28 نومبر 1979 کو ربوہ میں فوت ہوئے اور بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔

آپ کے لاہور اور ربوہ کے قیام میں بھی اپنی ہسپتال کی ڈیوٹی کے علاوہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طبی خدمت کی توفیق ملتی رہی۔ 1953ء کے فسادات میں حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ جبکہ آپ رتن باغ لاہور میں مقیم تھیں آپ کی طبی خدمت کی توفیق ملی۔ اسی طرح والد صاحب کی غیر موجودگی میں جبکہ آپ اپنے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اسفار پر چلے جاتے تو اپنے افراد خاندان اماں جی اور چھوٹے بہن بھائیوں کا علاج بھی آپ کرتے اور خیال بھی رکھتے۔ چھوٹے بھائی نعیم احمد دو مرتبہ شدید بیمار ہوئے تو آپ کے علاج سے ہی صحت یاب ہوئے۔ اماں جی کی ڈاکٹری کی خدمت کی خوب توفیق ملی۔ اسی طرح جلسہ سالانہ کے ایام میں آپ گراں قدر ڈیوٹیز سرانجام دیتے رہے۔ 1949ء میں ربوہ میں منعقدہ پہلے جلسہ سالانہ کے بارے میں آپ بیان فرماتے ہیں کہ اس وقت نور ہسپتال تین خیموں میں کام کر رہا تھا۔ ایک خیمہ میں ان ڈور کی دو تین عدد چارپائیاں تھیں۔ خاکسار رات کو بھی وہیں ڈیوٹی کی وجہ سے سویا کرتا تھا۔



مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب فرزند اکبر حضرت حشمت اللہ خاں صاحب

والد صاحب کی آخری بیماری کے دوران آپ نے ان کی انتھک خدمت کی۔ تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے آپ کو میرپور خاص اور کراچی بھی لے کر گئے اور آپ 24 گھنٹے کی ڈیوٹی دیتے رہے۔ والد صاحب کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

”میں آپ کو قریب سے دیکھنے والا ہوں۔ مجھے بے حد خوشی ہے کہ آپ نے اپنے والدین کے حقوق کو کماحقہٗ ادا کیا اور ان کی خدمت اور فرمانبرداری میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ یہ بات آپ کو مبارکباد کا مستحق بناتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ آپ کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ حضرت مرحوم کی اولاد میں بھی وہی خوبیاں نظر آتی ہیں جو اُن میں تھیں۔ اللہ تعالیٰ اُن میں اور بھی ترقی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین“

اور خدمات کے علاوہ آپ اپنی والدہ صاحبہ کو قادیان سے دہلی لے کر گئے اور جلسہ مصلح موعود اٹینڈ کروایا۔

آپ کا نکاح 20؍ستمبر 1944ء کو محترم محمد اشرف خان صاحب فیروزپوری کی بڑی بیٹی امۃ اللطیف صاحبہ سے ہوا جو اس وقت اپنے ماموں جان ڈاکٹر سید عنایت اللہ شاہ صاحب کے پاس علی گڑھ میں تعلیم پارہی تھیں۔ آپ کی والدہ محترمہ عائشہ بیگم صاحبہ حضرت سید فضل شاہ صاحب مخلص وفدائی صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دختر نیک اختر تھیں۔ حضرت سید فضل شاہ صاحب کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ازالۂ اوہام جلد دوم میں ان الفاظ میں کیا ہے۔

”حبی فی اللہ سید فضل شاہ صاحب لاہوری اصل سکنہ جموں نہایت صاف باطن اور محبت اور اخلاص سے بھرے ہوئے ہیں اور کامل اعتقاد کے نور سے منور ہیں اور مال وجان سے حاضر ہیں اور ادب اور حسن ظن جو اس راہ میں ضروریات سے ہے ایک عجیب انکسار کے ساتھ ان میں پایا جاتا ہے۔ وہ تہ دل سے سچی اور پاک اور کامل ارادت اس عاجز سے رکھتے ہیں اور للّٰہی تعلق اور حب میں اعلیٰ درجہ انہیں حاصل ہے اور یک رنگی اور وفاداری صفت ان میں صاف طور پر نمایاں ہے۔ اور ان کے برادر حقیقی نصر شاہ بھی اس عاجز سے تعلق بیعت رکھتے ہیں اور ان کے ماموں منشی کرم الٰہی بھی اس عاجز کے یک رنگ دوست ہیں۔“

(ازالۂ اوہام، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 532)

آپ کا نکاح سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے باوجود اپنی ناسازی طبع کے پڑھایا اور ذیل کا خطبہ نکاح ارشاد فرمایا۔ آیات مسنونہ کی تلاوت کے بعد آپؓ نے فرمایا۔

”میں نے یہ اعلان کیا ہوا ہے کہ سوائے اپنے عزیزوں کے یا ایسے لوگوں کے جن کے تعلقات دینی یا تمدنی لحاظ سے اس قسم کے ہوں کہ جن کی وجہ سے وہ گویا اقرباء ہی سمجھے جانے کے قابل ہیں جب تک میری صحت اچھی نہیں ہوتی میں کوئی نکاح نہیں پڑھایا کروں گا۔

اس اعلان کے بعد میں نے بعض واقفین تحریک جدید کے نکاح پڑھے ہیں کیونکہ جو شخص زندگی وقف کرتا ہے وہ ایک ایسی تعلق دین اور اسلام سے پیدا کر لیتا ہے گویا وہ سلسلہ کی اولاد ہے اور جو سلسلہ کی اولاد ہو جائے وہ کسی صورت میں ہمیں اپنی اولادوں سے کم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا تعلق دینی لحاظ سے ہے اور رشتہ داروں کا دنیوی لحاظ سے۔ گو رشتہ داروں کا دینی لحاظ سے بھی تعلق ہوتا ہے مگر ظاہری اور ابتدائی تعلق ان کا دنیوی لحاظ سے ہی ہوتا ہے۔ آج بھی اس اصول کے تحت میں ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے لڑکے کا نکاح پڑھنے کھڑا ہوا ہوں۔ میں نے یہ بھی اعلان کیا ہوا ہے کہ جب میں ایک نکاح کے اعلان کے لئے کھڑا ہوں تو اگر کوئی اور فارم بھی ساتھ ہوں تو ان نکاحوں کا اعلان مجھ پر کوئی بوجھ نہیں ڈال سکتا۔ آج بھی بعض فارم آئے ہیں۔ ان کے متعلق بھی اعلان ساتھ ہی کروں گا۔

ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اپنی ذات میں واقف زندگی ہیں۔ یعنی انہوں نے اپنی زندگی سلسلہ کے لئے وقف کر رکھی ہے اور ایک لمبے عرصے سے جو 25 سال سے بھی زائد ہے وہ اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے ہیں۔ پھر ان کا ذاتی تعلق بھی میرے ساتھ اس قسم کا ہے کہ جو ان کو اس بات کا مستحق بنا دیتا ہے کہ ان کے ساتھ خاص سلوک کیا جائے اور اسی وجہ سے میں آ بھی گیا ہوں ورنہ مجھے درد کی ایسی تکلیف ہے کہ سجدہ کرنا اور بیٹھنا مشکل ہے اور اس وقت درد بھی صبح کی نسبت کچھ زیادہ ہی ہے۔"

(الفضل 14 اکتوبر 1944 صفحہ 3 جلد 32 شمارہ نمبر 241)

محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹے اور دو بیٹیاں عطا کیں۔

i۔ مبشر احمد خان

آپ کے سب سے بڑے فرزند ہیں اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے سب سے بڑے پوتے۔ ان کی پیدائش پر گھر میں بہت خوشی منائی گئی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد احمد صاحب کی شادی کے صرف 25 دن کے بعد ڈاکٹر صاحب کے جواں سالہ بیٹے سلیم احمد کا انتقال ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے سب رنجیدہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر مندرجہ ذیل نظم بھی تحریر فرمائی۔

ہو شکر ہم سے کیونکر کچھ بھی ترا خدایا
کیسا ہے تو نے ہم کو خوشیوں کا دن دکھایا
تھے سال بھر سے جبکہ ہم مبتلا الم میں
دے کر ہمیں مبشر کیسا ہے پھر ہنسایا
کیسی ہے بھولی صورت اک موہنی سی مورت
اک نور کا ہے پتلا آنکھوں کو کیسا بھایا

اس خوبرو کو پیارے رکھیو ہمیشہ خوشتر
ہو باپ اس کا خوشتر، خوشتر ہو جس نے جایا
اے پیارے بھائی احمد بے حد ہوں فضل تم پر
فضلوں سے تو نے پیارے بیٹا ہے اچھا پایا
سجدہ کناں ہیں مولیٰ کہتے ہیں ہم خوشی سے
صد شکر ہے خدایا صد شکر ہے خدایا

مبشر احمد نے تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے ایف ایس سی پری انجینئرنگ پاس کی اور پھر پاکستان نیوی میں بھرتی ہو گئے اور وہاں سے ریٹائرمنٹ لے کر 1991ء سے جرمنی میں مقیم ہیں۔ مبشر احمد نیک اور صالح، خاموش طبع ہیں۔ بزرگوں کی صحبت سے مستفید ہونا ان کا شیوہ ہے۔

ان کی شادی اپنی خالہ زاد مسرت بیگم صاحبہ سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے اور دو بیٹیاں عطا کیں۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے مظفر احمد ماشاء اللہ عرصہ 6 سال سے صدر مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی ہیں اور جماعت کی خوب خدمت کر رہے ہیں۔ یہ ایک بیٹے کے والد بھی ہیں جس کا نام ثمر احمد ہے۔ ان کی شادی زینب بیگم صاحبہ کی نواسی سدرہ جمیل سے ہوئی۔

ان کی تاریخ پیدائش 11 فروری 1974ء ہے۔ انہوں نے BSc Computer Science کی ہے اور پیشہ کے اعتبار Software Consultant ہیں۔

جماعتی خدمات

	سیکرٹری تعلیم و تربیت	مجلس اطفال الاحمدیہ میرپور خاص
	ناظم اشاعت	مجلس خدام الاحمدیہ میرپور خاص
1994ء	ناظم رجسٹریشن	سالانہ اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی
1995ء	ناظم اسپورٹس	سالانہ اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی
1996ء	ناظم تربیت نومبائعین	سالانہ اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی
1997ء	سیکرٹری اسٹیج و ممبر اجتماع بورڈ	سالانہ اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی
1998ء- 2000ء	ممبر اجتماع بورڈ	سالانہ اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی
1992ء-1993ء	مجلس ناظم صحت جسمانی، ناظم مال، معتمد	
1992ء-1993ء	ایڈیشنل مہتمم خدمت خلق	

1993ء-1994ء	مہتمم تجنید
1994ء-1995ء	ایڈیشنل مہتمم صحت جسمانی
1995ء-1996ء	ایڈیشنل مہتمم تربیت نومبائعین
1996ء-1997ء	ایڈیشنل معتمد
1997ء-1999ء	نائب صدر اول، معتمد
1999-2000ء	نائب صدر اول
2000ء-2006ء	صدر مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی
2002ء	ایسٹ جرمنی ڈسٹرکٹ Winhenberg کی طرف سے سیلاب زدگان کی خدمت کے سلسلہ میں ڈسٹرکٹ کی طرف سے ایوارڈ بھی وصول کیا۔

ii۔ امۃ الحکیم عائشہ

ڈاکٹر محمد احمد صاحب کی بڑی بیٹی ہیں۔ انہوں نے جامعہ نصرت ربوہ سے فرسٹ ڈویژن میں بی اے پاس کیا اور پھر پنجاب یونیورسٹی سے انگلش میں ایم اے کرنے کے بعد اکتوبر 1970ء سے مئی 1994ء تک جامعہ نصرت ربوہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتی رہیں۔ ان کی شادی محترم سلطان محمود انور صاحب کے بڑے بیٹے نعمان سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹی انیلہ نعمان عطا کی۔ آج کل لندن میں مقیم ہیں۔ انہوں نے اپنے دادا جان سے ایک مرتبہ آٹوگراف پر کچھ لکھنے کو کہا تو آپ نے ایک بہت ہی نصیحت آموز خط لکھا جو کہ بعد کے صفحات میں درج کیا جائے گا۔ اپنے دادا جان کی وفات پر عزیزہ موصوفہ نے ایک تفصیلی مضمون رسالہ مصباح کے لئے تحریر کیا تھا جو کہ آئندہ صفحات میں درج کیا جارہا ہے۔

عزیزہ موصوفہ جب صرف دس سال کی تھیں تو اپنے دادا جان کی لکھی ہوئی ایک انگلش نظم جلسہ سالانہ ربوہ 1959ء میں پڑھ کر سنائی۔ یہ بہت چھوٹی تھیں اس لئے نظم سنانے کے لئے ان کو سٹیج پر کرسی رکھ کر کھڑا کیا گیا۔ انگلش نظم ڈاکٹر صاحب نے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے دورہ یورپ 1955ء کے موقع پر لکھی تھی جس کا پس منظر کچھ اس طرح سے ہے کہ

”آپ کے لنڈن کے قیام کے دوران آپ ایک کار میں جو کہ جماعت کے ممبرز کے استعمال میں تھی سفر کر رہے تھے اور کار کا ڈرائیور ایک انگلش ڈرائیور تھا۔ سفر کرتے ہوئے کچھ گفتگو شروع ہوئی تو انگریز ڈرائیور نے آپ سے سوال کیا

Tell me Doctor, if you do not drink, smoke and dance, then how do you enjoy life?

ڈاکٹر صاحب شاعر تو نہ تھے اور نہ ہی کبھی کوئی انگلش نظم کہی تھی لیکن اس موقع پر محض نصرت الٰہی سے آپ نے ڈرائیور کو انگلش نظم کہہ کر جواب دیا جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

Listen me brother take not joke

Escape from cancer do not smoke

And be wise and do not drink

Rise to heaven and do not sink

Live my brother live you long

Not for dancing not for song

Live for service and for love

Live for virtue not for wrong

Love my brother love you him

Abstain from rubbish and from gin

Then you only see him in

Sure in that and not a whim

اب ان کی بیٹی انیلہ نعمان نے یہی نظم اس کے تمام پس منظر کے ساتھ پڑھ کر فروری 2003ء کی چلڈرن کلاس میں سنائی۔ یہ کلاس حضرت خلیفۃ المسیح الرابع (رحمہ اللہ) کے ساتھ ہوئی تھی۔ حضورؒ نے اس نظم کو بہت پسند فرمایا۔

عزیزہ موصیہ ہیں۔ اپنی سروس کے دوران والدین کی مالی خدمت انہوں نے کافی کی۔ اپنی امی اور چھوٹی بہن کے ساتھ 1982ء میں ان کو قادیان جانے کا بھی موقع ملا۔

iii۔ منصور احمد خان

ڈاکٹر محمد احمد صاحب کے دوسرے بیٹے منصور احمد خان ہیں۔ ربوہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لاہور کے ایک انگریزی اسکول میں حاصل کی۔ پھر فضل عمر جونیئر ماڈل اسکول ربوہ سے پانچویں جماعت پاس کر کے تعلیم الاسلام ہائی اسکول ربوہ سے میٹرک کیا اور تعلیم الاسلام کالج سے BSc پاس کی۔ کچھ عرصہ کراچی میں رہنے کے بعد یہ امریکہ آ گئے اور آج کل واشنگٹن میں رہائش پذیر ہیں اور ہوٹل ہولیڈے میں ملازم ہیں۔

ربوہ میں حضرت ڈاکٹر صاحب کے قیام قصر خلافت کے دوران عزیز موصوف کو اپنے دادا جان کے ہمراہ رہنے کا موقع ملا اور انہوں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ شروع سے نمازوں کے پابند اور تہجد گزار ہیں۔ سلسلہ کی کتب جمع کرنے اور پڑھنے کا ان کو بہت شوق ہے اور سلسلہ کی خدمت کا جذبہ بھی ان میں بہت ہے۔ جلسہ سالانہ یو ایس اے کے مواقع پر ہوٹلز میں مہمانوں کے لئے انتظام کرنا اکثر ان کے سپرد ہوتا ہے۔ ان کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ مہمانوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم ہوں۔

ان کی شادی طاہرہ احمد صاحبہ بنت سیٹھی فضل حق صاحب آف جہلم سے ہوئی۔

بچپن سے ان کو سب پیار سے گلو کہتے تھے تو ان کے لئے ان کے دادا جان نے مندرجہ ذیل اشعار کہے۔

مجھے لوگ کہتے ہیں سب گلو گلو
الٰہی خرد دے نہ رہ جاؤں الو
بڑے جب خرد تیرے فضلوں سے مولیٰ
دے مجھ کو پیالے نہ ہوں صرف چلو

بہت مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک ہیں۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے صاحبزادہ مرزا مجیب احمد صاحب کی شادی پر انہیں چھوٹے ڈاکٹر صاحب کے نام سے پکارا۔ یہ ڈاکٹر تو نہ بن سکے لیکن اپنی پر لطف باتوں سے دوسروں کے ذہنی افکار بہت کم کر دیتے ہیں۔ اپنے دادا جان اور دادی جان کے لاڈلے اور خدمت گار، ہر کام میں پیش پیش اور بروقت کرنے والے، اپنے دادا جان سے ان کی غیر معمولی محبت اور عقیدت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد جب ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے مکرم محترم عبد الباری قیوم شاہد کے ساتھ مل کر اپنے والد گرامی کے حالات اکٹھے کر کے ایاز محمود کے نام سے کتاب چھپوانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ان کے ساتھ مل کر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ان کی بہت مدد کی۔ خلافت لائبریری میں جا کر کتب و اخبارات سے مختلف واقعات اور حوالہ جات اکٹھے کرنے میں اور پھر کتاب مرتب کرنے اور طبع کروانے میں ان کا بہت حصہ ہے۔

iv۔ طاہر احمد خان

ڈاکٹر محمد احمد صاحب کے تیسرے فرزند طاہر احمد خان صاحب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھوڑی عمر لے کر آئے۔ دسمبر 1956ء میں پیدا ہوئے اور 21 فروری 1974 کو اپنی دادی جان کی وفات کے صرف دو ہفتے کے بعد دریائے چناب کے اندوہناک حادثے میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تمام خاندان اور خصوصاً والدین کے لئے یہ صدمہ بہت شدید تھا لیکن سب نے اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہوتے ہوئے کامل صبر کا نمونہ دکھایا کہ

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

عزیز موصوف بہت ہی سادہ طبیعت اور منکسر المزاج تھے۔ اس کے بچپن کا ایک لطیفہ ہے۔
ایک مرتبہ اپنی دادی جان سے انہوں نے کچھ پیسے مانگے ان کے نہ دینے پر کہنے لگے فقیروں کو دیتی رہتی ہیں۔ مجھے نہیں دیتیں!

v۔ منصورہ

ڈاکٹر صاحب کی سب سے چھوٹی اور بہن بھائیوں اور دادا جان اور دادی جان کی لاڈلی بیٹی منصورہ ہیں۔ ربوہ میں پیدا ہوئیں اور وہیں تعلیم حاصل کی اور جامعہ نصرت ربوہ سے بی اے پاس کیا۔ ان کی شادی اپنے چچازاد محسن احمد نعیم سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے بیٹا فہد نعیم اور دو بیٹیاں فائزہ اور نائلہ عطا کیں۔ عرصہ 3 سال سے میامی کی صدر لجنہ ہیں۔ خاموش طبع اور ہر کام سمجھ بوجھ کر خاموشی سے کرتی ہیں۔ والدین کی خدمت گزار ہیں۔ ان کی زندگی میں کھانے پکانے کا کام اور دوسرے کام سنبھالے رکھے۔ دادا جان اور دادی جان کی بہت لاڈلی۔ دادا جان تو اپنی آخری بیماری میں ان سے بہت دل بہلاتے تھے اور یہ بھاگ بھاگ کر ان کے پاس جاتی تھیں اور اپنی معصومانہ باتوں سے ان کا دل لگائے رکھتیں۔

2۔ زینب بیگم اہلیہ ڈاکٹر غلام حیدر صاحب آف لاہور

آپ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی سب سے بڑی دختر ہیں۔ پٹیالہ میں پیدا ہوئیں اور جب ڈاکٹر صاحب نے پٹیالہ سے قادیان ہجرت کی تو آپ بہت کم سن تھیں۔ بیٹیوں میں سے بڑی ہونے کے ناطے چھوٹے بہن بھائیوں کا اماں جی کے ساتھ مل کر بہت بوجھ سنبھالا اور اماں جی کی بیماری میں ان کی خدمت بھی آپ نے بہت کی۔ ڈاکٹر صاحب کو بہت شوق تھا کہ ان کو ڈاکٹری کی تعلیم دلوائیں۔ لیکن گھریلو حالات اور محدود آمدنی کی وجہ سے اپنی خواہش پوری نہ کر سکے تاہم قادیان میں ہی ان کو ایف اے تک تعلیم دلوائی اور بی اے میں بھی داخلہ دلوا دیا۔
لیکن جب آپ بی اے کے سال دوئم میں تھیں تو حضرت مصلح موعودؓ کے منشاء پر آپ کا نکاح ڈاکٹر غلام حیدر صاحب آف لاہور سے کر دیا گیا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نو احمدی تھے اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی تبلیغ سے ہی احمدی ہوئے تھے۔ احمدیت قبول کرنے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی آپ کی اہلیہ کی وفات ہو گئی جن کے سات بچے تھے سوائے سب سے بڑی بیٹی کے جو بیاہی ہوئی تھیں سب چھوٹے اور زیر تعلیم تھے۔ ان سب کی پرورش اور تعلیم کی ڈاکٹر صاحب کو بہت فکر تھی اور اپنے مشکلات کا ذکر انہوں نے حضرت مصلح موعودؓ سے کیا تو حضور نے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب سے فرمایا کہ اپنی بیٹی زینب کا نکاح ڈاکٹر صاحب سے کر دیں تا کہ بچوں کی تربیت خالص اسلامی رنگ میں ہو سکے اور ڈاکٹر صاحب کا بھی ایمان پختہ ہو۔ ڈاکٹر صاحب کی رضامندی کے بعد حضور نے 26/ اکتوبر 1939ء کو ان کا نکاح ڈاکٹر غلام حیدر صاحب کے ساتھ پڑھایا اور 6/ دسمبر 1939ء کو ان کی تقریب رخصتانہ عمل میں آئی۔ اس سلسلہ میں الفضل کا اعلان حسب ذیل ہے۔

”آج بعد نماز عصر مسجد مبارک میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی لڑکی زینب بیگم صاحبہ کا نکاح ڈاکٹر غلام حیدر صاحب لاہور کے ساتھ دو ہزار حق مہر پر پڑھا۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔“

(الفضل 27/ اکتوبر 1939ء صفحہ 2 جلد 27 شمارہ نمبر 247)

اُن کے رخصتانہ کے متعلق الفضل کا نوٹ مندرجہ ذیل ہے۔

قادیان 6/ دسمبر

آج صبح دس بجے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے اپنی لڑکی کے رخصتانہ کی تقریب پر چائے دی۔ جس میں حضرت خلیفۃ المسیح نے شرکت فرمائی اور دُعا فرمائی۔ ساڑھے تین بجے کی گاڑی سے برات لاہور واپس چلی گئی۔

(الفضل 08/ دسمبر 1939ء صفحہ 2 صفحہ جلد 27 شمارہ نمبر 281)

اس شادی کے نتیجے میں آپ کے پانچ بچے پیدا ہوئے۔ جن میں سے 3 بچیاں کم سنی میں فوت ہو گئیں۔ ایک بیٹا عثمان حیدر اور بیٹی فریدہ بیگم بفضلہٖ تعالیٰ بقید حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ دینی و دنیاوی تعلیم کے زیور سے آراستہ تھیں۔ آپ نے نہایت محنت، محبت اور جانفشانی سے ڈاکٹر صاحب کے بچوں کی تربیت کی۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے تمام رشتہ دار اور ان کی پہلی اہلیہ کے رشتہ دار سب غیر احمدی تھے اور احمدیت کے سخت مخالف۔ لیکن آپ نے سب کے ساتھ حسن سلوک کیا اور اعلیٰ اخلاق کا نمونہ دکھایا اور ان کے دل جیت لئے۔ سب آپ کی عزت اور احترام کرنے لگے۔

محترم ڈاکٹر صاحب بھی آپ کی بہت عزت کرتے تھے اور اکثر دین کی باتیں اُن سے سیکھتے اور بچوں کو بھی سیکھنے کے لئے کہتے۔ شادی کے بعد ہر جلسہ سالانہ کے موقع پر تمام بچوں کو لے کر قادیان جانا آپ کا معمول بن گیا۔ غیر احمدی رشتہ داروں کو بھی قادیان آنے کے لئے کہتے۔ گرما کی تعطیلات میں بھی اکثر بچوں کو قادیان بھجوا دیتیں تا کہ ماحول اور نیک صحبت میں رہ کر تربیت حاصل کریں۔

جب بھی قادیان آئے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر یا اس کے علاوہ حضور سے ملاقات ضرور کرتے اور خاص طور پر حضور کی پسندیدہ چیز بطور تحفہ پیش کرتے۔ اسی طرح اپنی بچیوں کو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کے لئے ضرور بھجواتے۔ خاص طور پر حضرت اماں جان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے کہتے۔ لاہور سے بہت اعلیٰ قسم کے رس جو کہ حضرت اماں جان کو پسند تھے ضرور بطور تحفہ بھجواتے۔

اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کے ساتھ بھی آپ کا سلوک مشفقانہ تھا اور کوشش یہی رہتی تھی کہ کس طرح وہ بھی دین کی طرف مائل ہو جائیں۔

ایک نیک بیوی کے گھر میں آنے سے آپ کی کایا ہی پلٹ گئی تھی۔ سب سے بڑا افضل تو یہ تھا کہ حضور کی دُعائیں اور خوشنودی اس میں شامل تھی۔ بچوں کی تربیت اور شوہر کی خدمت کے علاوہ زینب بیگم کچھ عرصہ تک صدر لجنہ اماء اللہ لاہور رہیں اور سیکرٹری مال کے بھی فرائض سرانجام دیتی رہیں۔ شادی سے پہلے اسکول و کالج کی تعلیم کے علاوہ آپ نے دو مرتبہ بخاری شریف حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل سے سبقاً پڑھی۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی وفات 21 مئی 1965ء کو ہوئی آپ موصی تھے اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔ تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین میں شامل تھے آپ کا نمبر لسٹ میں 1708 ہے۔

زینب بیگم صاحب کی وفات یکم دسمبر 1986 کو ہوئی۔ آپ بھی موصیہ تھیں اور بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔

محترم ڈاکٹر غلام حیدر صاحب کی احمدیت میں شمولیت اور کچھ بعد کے واقعات کے بارے میں ان کی صاحبزادی زبیدہ خاتون جو کہ محترم کریم احمد نعیم ابن ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی اہلیہ بھی ہیں رقمطراز ہیں۔ آپ بیان کرتی ہیں کہ

خاکسار کا نام زبیدہ خاتون ہے۔ میں ڈاکٹر غلام حیدر صاحب آف لاہور کی بیٹی ہوں جن کا عقد ثانی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپا زینب بیگم بنت حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے ساتھ کیا۔ چونکہ ہماری والدہ چار بیٹیاں اور تین بیٹے چھوڑ کر فوت ہو گئیں تھیں۔ ابا جان شروع سے احمدی نہ تھے۔ محترم نانا جان (حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ) حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بلڈ وغیرہ ٹیسٹ کروانے لاہور والد صاحب کے پاس آتے رہتے تھے اور تبلیغ بھی کرتے رہتے تھے۔ ان ملاقاتوں سے دوستی بڑھتی گئی۔ والد صاحب احمدیت کی طرف مائل تو تھے لیکن بیعت نہ کی تھی۔ آپ خاندان میں سب سے بڑے تھے باقی بہن بھائی سب چھوٹے تھے۔ سب آپ کے مشورے سے کام کرتے تھے اور سب کا خیال رکھنا اور مدد کرنا آپ کی ذمہ داری تھی۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ اگر میں احمدی ہو گیا تو سب ناراض ہو جائیں گے اور سب کو چھوڑنا پڑے گا۔ سب مخالف ہو جائیں گے۔ یہی سوچ کر آپ نے بیعت نہ کی۔ اسی دوران ہماری امی سخت بیمار ہو گئیں اور ڈاکٹروں کے مشورہ پر انہیں پہاڑ پر لے جانا پڑا۔ لہذا ابا جان نے ہماری دادی، پھوپھی اور چچا جو کہ سب ساتھ رہتے تھے اور بچوں کو لے کر بذریعہ بس کشمیر جانے کا پروگرام بنایا۔ بس جب کشمیر کے قریب پہنچی تو ایک تنگ پگڈنڈی پر سے گہری کھائی

میں جا گری۔ بس کا ڈرائیور اور ایک نوکرانی اسی وقت ختم ہو گئے۔ ابا جان کی طرف کی بس کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی ان کو کسی نے ایک سائیڈ سے نکال کر باہر کھڑا کر دیا۔ اور جب ابا جان نے بس کا نظارہ دیکھا تو برداشت نہ کر سکے اور یہ سوچ کر کہ میرے خاندان کا کوئی فرد باقی نہیں بچا میں زندہ رہ کر کیا کروں گا خودکشی کرنے کا ارادہ کیا کہ اچانک غیب سے آواز آئی۔

''تمہاری مدد کی جائے گی۔''

انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا کوئی نظر نہ آیا۔ جب کھڈ پر نظر پڑی تو چند امریکی سروے کرتے ہوئے گھومتے نظر آئے۔ ابا جان نے انہیں اشارے سے بلا کر سب ماجرا بتایا تو انہوں نے بہت تسلی دلائی اور کہا فکر نہ کریں ہم سب انتظام کرتے ہیں۔ چند پہاڑی لوگوں کو بلا کر رسے باندھ کر نیچے اترے۔ سب سے پہلے معجزہ دیکھا کہ بڑی بہن اور چار سالہ چھوٹی بچی ایک پتھر پر کھڑی رو رہی ہیں ایک چھوٹا بھائی پتھر پر لیٹا انگوٹھا چوس رہا ہے۔ ان سب کو اوپر لائے۔ ابا جان نے فوراً سجدہ شکر ادا کیا۔ پھر باقی افراد کو بھی بس سے نکال کر اوپر لائے۔ چوٹیں سب کو آئی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب معجزانہ طور پر بچ گئے تھے۔ سب کو بذریعہ ایمبولینس ہسپتال بھجوایا۔ اُسی وقت ابا جان نے سوچا کہ چونکہ میں بیعت کر کے نہیں آیا اس لئے آزمائش آئی ہے۔ میں واپس جاتے ہی بیعت کروں گا خواہ خاندان والے کتنی بھی مخالفت کریں۔ الحمدللہ آپ خاندان والوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مخلص احمدی ہو گئے۔ سب بچوں کو ساتھ قادیان لے جا کر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ہاتھ پر بیعت کروائی۔ ہماری سب سے بڑی بہن کی شادی پہلے ہی غیر احمدیوں میں ہو چکی تھی صرف انہوں نے بیعت نہ کی۔ باقی سب بچے احمدی ہو گئے۔ ہماری والدہ کو بھی بیعت کے لئے راضی کیا لیکن وہ بیعت سے پہلے ہی وفات پا گئیں۔

آپ کی بیعت کرنے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہی ہماری والدہ فوت ہو گئی تو آپ کو سب بچوں کی پرورش اور تربیت کی طرف سے فکر لاحق ہوئی تو آپ نے قادیان جا کر حضور کی خدمت میں اپنی پریشانی کا ذکر کیا تو حضور کو بھی بہت افسوس ہوا کہ ڈاکٹر صاحب سب خاندان کو چھوڑ کر احمدی ہوئے ہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے بچے ضائع ہو جائیں۔ اس لئے حضور نے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب سے کہا کہ اپنی بیٹی زینب کی شادی ڈاکٹر صاحب سے کر دیں اور فرمایا کہ زینب کو یہ قربانی دینی پڑے گی۔ نانا جان جو کہ پہلے ہی اپنا سب کچھ قربان کر کے حضور کے قدموں میں آ بیٹھے تھے کیسے انکار کر سکتے تھے۔ اماں جی کو بھی انہوں نے یہ فیصلہ سنا دیا۔ اس فیصلہ کا ذکر انہوں نے حضرت اماں جان سے کیا اور کہا کہ آپ کس طرح میری بیٹی کی شادی کر رہی ہیں۔ اس پر حضرت اماں جان نے فرمایا جس طرح اپنی مبارکہ کی کی تھی۔ اس پر اماں جی کی بہت تسلی ہو گئی اور انہوں نے بدل و جان فیصلہ قبول کر لیا لہٰذا اس طرح پر یہ شادی ہو گئی۔

حضرت سیدہ اُمّ ناصر احمد صاحبہؓ، حضرت سیدہ اُمّ طاہر احمد صاحبہؓ اور حضرت سیدہ اُمّ وسیم احمد صاحبہ سب نے مل کر شادی کا انتظام کیا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے دلہن بنایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے شادی بہت کامیاب رہی۔ آپا زینب نے ہمارا بہت

خیال رکھا۔ ہماری تربیت بھی کی، خدمت بھی کی اور دین سے آشنا بھی کروایا اور ہم سب بہن بھائیوں کی شادیاں اپنے ہاتھ سے کیں۔ ابا جان نے بھی اُن کا بہت خیال رکھا اور عزت و احترام بھی کیا۔

اس کے بعد ہم قادیان آنے جانے لگے۔ چونکہ نانا جان کی رہائش خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رہائش سے ملحق تھی اور اندر سے ہی بذریعہ سیڑھیاں راستہ تھا اس لئے سب کا بے تکلف آنا جانا تھا۔ میں جب بھی حضور کے گھر جاتی حضرت اماں جان کو دیکھ کر بہت متأثر ہوتی بہت ہی نورانی چہرہ تھا۔ آپ مجھے بہت پیار سے فرماتیں۔ بی بی اندر آجاؤ۔

میرے چچا اور پھوپھیاں وغیرہ جب مجھ سے پوچھتے کہ قادیان میں جنت اور دوزخ ہے تو میں ان کو جواب دیتی جنت اور دوزخ تو نہیں ہے صرف بہشتی مقبرہ ہے۔

میرے رشتہ دار مجھے بہت بہکاتے اور غلط باتیں کرتے تو ایک روز میں نے سوچا آج میں احمدیت کے متعلق دعا کرتی ہوں۔ اُسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ سنہری لفظوں میں لکھا ہے۔

”دنیا میں ایک نذیر آیا دنیا نے اُسے قبول نہ کیا پر خدا اُسے قبول کرے گا اور زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔“

اس کے بعد یکدم میری آنکھ کھل گئی۔ میرا جسم خوف سے کانپ رہا تھا اس پر مجھے یقین ہو گیا کہ احمدیت سچی ہے اور یہ سب جھوٹ بکتے ہیں۔ اس کے بعد سے میرا یقین اور ایمان پختہ ہو تا گیا اور پھر میری شادی بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسی نہایت مخلص خاندان میں ہو گئی۔ الحمد للہ

3۔ سلیمہ بیگم اہلیہ ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب صدیقی آف میر پور خاص سندھ

آپ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی دوسری صاحبزادی ہیں۔ قادیان میں پیدا ہوئیں۔ بچپن سے ہی آپ کو دینی و دنیاوی علوم سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ سکول میں تمام درجوں میں نمایاں کامیابی حاصل کرتی رہیں۔ مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ نے دینیات کلاسز کا کورس فرسٹ پوزیشن لے کر پاس کیا۔ یہ کلاسز حضرت مصلح موعود نے لڑکیوں کی دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جاری فرمائیں تھیں۔ اس کے بعد آپ نے میٹرک کلاس میں داخلہ لیا اور 1941ء میں میٹرک کے امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں طالبات میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی اور آپ کو پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے وظیفہ اور گولڈ میڈل دیا گیا۔ آپ نے اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے عربک پاس کیا اور کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج فار ویمن ملتان میں بطور لیکچرار کام کیا۔

نومبر 1950ء میں آپ کی شادی محترم ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب صدیقی آف میر پور خاص سے ہوئی۔ محترم ڈاکٹر صاحب حیدر آباد دکن کے ایک مخلص خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور والدین کے اکلوتے بیٹے۔ والدین کی بچپن میں ہی وفات کے

بعد اپنے چچا کی سرپرستی میں آپ نے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی اور ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا۔ انڈو پاکستان کی تقسیم کے بعد آپ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ نے اپنے مستقبل کے بارے میں راہنمائی کی درخواست کی۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ آپ میرپور خاص سندھ چلے جائیں اور وہیں سیٹل ہو جائیں۔ وہاں ہماری اسٹیٹس ہیں ان کو آپ کی مدد حاصل رہے گی اور آپ کو ان کا تعاون حاصل رہے گا۔ چنانچہ آپ فوراً ہی حضور کی ہدایت کے مطابق میرپور خاص گئے۔ یہاں کچھ عرصہ آپ نے میونسپل ڈسپنسری میں ملازمت کی اور پھر ڈھولن آباد میں ایک بڑا مکان لے کر اپنی پرائیویٹ پریکٹس شروع کر دی۔ اسی مکان کے ایک حصہ میں آپ کی رہائش بھی تھی۔ حضور کی دعاؤں، آپ کی نیک نیتی اور محنت کے طفیل بہت جلد آپ کی شہرت قائم ہو گئی اور بڑے ڈاکٹروں میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ آپ پہلے ڈاکٹر تھے جنہوں نے پرائیویٹ ہسپتال میں ایکسرے پلانٹ لگایا اور حضرت مصلح موعودؓ سے اجازت لے کر اپنے کلینک کا نام فضل عمر الیکٹرو ایکسرے کلینک رکھا۔ یہ چھوٹا سا کلینک آہستہ آہستہ ترقی کر کے ایک مکمل ہسپتال بن گیا۔ اس میں مختلف شعبے قائم ہوئے۔ آپ غریبوں اور خاص کر اپنے احمدی بہن بھائیوں کا علاج مفت کرتے اور جہاں تک ممکن ہوتا۔ دوائیاں بھی فراہم کرتے۔ اسی طرح بہت سے احمدی نوجوان آپ کے پاس ملازمت کے لئے آتے تو ملازمت کے علاوہ آپ ان کو مختلف شعبوں میں ٹریننگ دیتے اور رہائش و خوراک کا انتظام بھی کرتے۔ آج بہت سے ایسے نوجوان ہیں جنہوں نے آپ کے پاس ٹریننگ حاصل کی اور اندرون ملک و بیرون ملک باعزت روزی کما رہے ہیں اور مخلوق خدا کی خدمت بھی کر رہے ہیں۔

آپ احمدی نوجوانوں کی تربیت کا بھی خاص خیال رکھتے۔ ان کے ذمہ سلسلہ کے کام بھی سپرد کرتے تا کہ وہ سلسلہ کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے اہل ہو جائیں۔

افراد جماعت کی طبی خدمت کے علاوہ آپ تقریباً 40 سال تک امیر جماعت احمدیہ میرپور خاص اور ڈویژنل امیر حیدر آباد سندھ رہے اور اس تمام عرصہ میں آپ نے جماعت کی بے لوث خدمت کی۔ 1952ء میں آپ کو پہلی بار دل کا حملہ ہوا۔ اس کے بعد بھی متعدد بار حملے ہوتے رہے۔ لیکن آپ نے کبھی ہمت نہ ہاری اور نہایت مستقل مزاجی سے کام کرتے رہے۔ حضرت مصلح موعودؓ کے اسفار سندھ میں آپ حضور کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ میرپور خاص ریلوے سٹیشن پر حضور اور تمام عملے کا کھانا یا ناشتہ پیش کرنا حضور نے ہمیشہ ہی یاد رکھا اور بصد شفقت حضورؓ آپ کو کھانا پیش کرنے کی اجازت دیتے اور رغبت سے تناول بھی فرماتے۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ بھی اپنے دور خلافت میں دو مرتبہ میرپور خاص تشریف لائے اور آپ کی خدمت گزاری سے بہت خوش ہوئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے خلافت سے پہلے بھی اور خلافت کے دور میں بھی تشریف لا کر خدمت کا موقعہ دیا۔ حضورؒ کے لندن ہجرت کرنے سے پہلے غالباً مارچ 1984ء میں حضورؒ

میر پور خاص تشریف لائے اور ڈاکٹر صاحب کے بنگلے پر ہی ایک یادگار مذاکرہ منعقد ہوا جس میں کثیر تعداد میں غیر از جماعت لوگوں نے شرکت کی۔

سیدنا حضرت مصلح الموعودؓ جب 1952ء میں سندھ کے دورے پر تشریف لائے تو اس وقت ڈاکٹر صاحب دل کے دورے کی وجہ سے صاحب فراش تھے تو حضور از راہ شفقت آپ کی عیادت کے لئے گھر تشریف لائے اور ڈیڑھ گھنٹہ تک آپ کے پاس رہے۔

میر پور خاص میں آپ کی بہت عزت تھی اور تمام بڑے سرکاری آفیسرز سے آپ کے خوشگوار تعلقات تھے۔ جن سے جماعت کے کاموں میں بہت مدد ملتی تھی۔ ایک مرتبہ مشاورت کے موقعہ پر آپ نے تجویز پیش کی کہ ربوہ میں واٹر سپلائی کا کام ہونا چاہئے تا کہ احباب جماعت کو میٹھا پانی پینے کو ملے۔ آپ کی یہ تجویز منظور ہو گئی اور یہ کام آپ کے ہی سپرد ہوا۔ لہٰذا آپ اس کام کے لئے تین ماہ کے لئے لاہور آکر ٹھہرے اور ٹینکی کا کام مکمل کروایا۔

جلسہ سالانہ پر احمدی احباب کو ربوہ لے جانے کے لئے آپ خاص بوگیوں کا انتظام کرتے اور اپنے روانہ ہونے سے پہلے ان کو اپنی خاص دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتے۔ اس سے آپ کی احباب جماعت کے ساتھ بے لوث محبت ظاہر ہوتی ہے۔ 1955ء میں آپ اپنی بیماری کے باوجود شارٹ کورسز کرنے کے لئے لنڈن گئے اور امراضِ سینہ میں تین ماہ کا کورس مکمل کیا۔ کورسز کے دوران ایک سمسٹر میں آپ کو ہارٹ اٹیک ہوا جس کی وجہ سے ڈپلومہ نہ لے سکے اور واپس پاکستان آگئے۔

خلفائے عظام کے ساتھ آپ کی بے پناہ عقیدت کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اپنے امام کے ہر حکم پر لبیک کہنا آپ کا وصف تھا اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد کی خدمت کرنا آپ کا فرض اولین تھا۔ اسی طرح تمام پیارے خلفاء کو بھی آپ سے بہت اُنس تھا۔ تمام افراد خاندان حضرت مسیح موعودؑ آپ کے غریب خانہ پر بصد محبت تشریف لاتے اور باوجود تنگی مکان کے اور غریبانہ رہائش کے آپ کے پاس قیام کرتے۔ آپ خود اور آپ کی اہلیہ جن کو بچپن سے ہی خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قرب حاصل رہا ان کی خدمت کرنا باعث عزت سمجھتے۔

جماعت کی ذمہ داری سنبھالنے میں، طبی کاموں میں اور اپنے خاوند کی صحت اور بیماری میں ان کا ہر طرح خیال رکھنے میں آپ کی اہلیہ ہر طرح ممد و مددگار ثابت ہوئیں۔ بلکہ ان کا نصف بوجھ انہوں نے اپنے کندھوں پر اُٹھایا ہوا تھا۔ اپنے خاوند کی آخری بیماری میں 3 سال ان کی پٹی سے الگ کر خدمت کی۔ اوائل عمر سے ہی آپ تہجد گزار اور دعائیں کرنے والی اور قلب سلیم رکھنے والی شفیق اور مہربان وجود ہیں۔ اور اسی طرح نہایت وفا شعار، خدمت گزار اور اپنے خاوند کی عزت کرنے والی بیوی ہیں اور خاوند بھی اپنی بیوی سے بے انتہا محبت کرنے والے ثابت ہوئے۔ آپ نے تقریباً 37 سال تک بطور صدر لجنہ اماء اللہ میر پور خاص کے فرائض سرانجام دیئے اور لجنہ کی ممبرات کا تعلیمی اور تربیتی لحاظ سے بہت خیال رکھا۔ اب اگرچہ آپ اپنی

صحت کی کمزوری کی وجہ سے کام نہیں کر سکتیں لیکن اپنی نیم شبی دعاؤں اور نیک مشوروں سے ان کی مدد کرتی ہیں۔ دینی علوم سیکھنے اور لجنہ کے مختلف کاموں میں مستورات آپ سے مستفید ہوتی رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس نیک اور وفا شعار جوڑے کو ایک فرزند عبد المنان صدیقی کی نعمت سے نوازا جو کہ امریکہ میں ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے والد گرامی کی آخری علالت کے دوران اور اپریل 1998ء میں ان کی وفات کے بعد سے اپنے والد کے ہسپتال کو سنبھال رہے ہیں۔ امریکہ میں ڈاکٹری کے ٹریننگ کے دوران ڈاکٹر عبد الرحمن صدیقی صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ دو مرتبہ ایک لمبے عرصہ کے لئے اپنے بیٹے کے پاس جا کر ٹھہرے تا کہ وہ یکسوئی سے تعلیم حاصل کر سکیں اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ خود تکلیف اُٹھاتے رہے لیکن بیٹے کا از حد خیال رکھا۔ ان دونوں کی یہ شدید خواہش تھی کہ ان کا بیٹا تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے والد کے ہسپتال کو سنبھالے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کی یہ خواہش پوری کر دی اور اب وہ اس ہسپتال کو ایک چھوٹے سے کلینک سے ترقی دے کر ایک Full Fledge ہسپتال بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ جس میں ہر قسم کی طبی سہولتیں اور آپریشن کا انتظام ہے اور In Door مریضوں کے لئے بھی الگ انتظام ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ کا فضل، ان کے والدین کی متضرّعانہ دعائیں اور ان کی اپنی شبانہ روز کی محنت کا دخل ہے۔ عزیزم عبد المنان 1995ء سے امیر جماعت میر پور خاص اور امیر ضلع میر پور خاص کے فرائض بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ جماعت کی خدمت کا جذبہ ان کو اپنے والدین سے ورثے میں عطا ہوا ہے۔

ان کی شادی اپنی ماموں زاد امۃ الشافی بنت کریم احمد صاحب نعیم سے 1988ء میں ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بچے امۃ الحی صدیقی اور اسامہ صدیقی کی نعمت سے نوازا۔ عزیزہ امۃ الشافی بھی عرصہ اڑھائی سال سے لجنہ اماء اللہ میر پور خاص کی صدر رہیں اور خوب محنت سے کام کر رہی ہیں۔ دونوں ہی خلفاء وقت کی دعاؤں کے طفیل ترقی کی راہوں پر گامزن ہیں۔ سلیمہ بیگم صاحبہ ہمیشہ سے ہی ان بچوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعاؤں میں لگی رہتی ہیں۔ ان کا پر شفقت سایہ نہ صرف بچوں کے لئے باعث رحمت ہے بلکہ تمام عزیز و اقارب کے لئے بھی۔ یہ خود اور محترم ڈاکٹر صاحب نہایت محبت اور خلوص سے سب کو اپنی طرف کھینچنے والے تھے۔ والدین کی وفات کے بعد ان دونوں نے چھوٹے بھائی اور بہنوں کا بہت خیال رکھا اور ان کی سرپرستی کی۔ ان کے گھر کے دروازے ہر رشتہ دار کے لئے کھلے رہے اور ان کو اپنے پُر شفقت سایہ میں ایسے سمیٹ لیتے جیسے مرغی اپنے بچوں کو اپنے پروں میں سمیٹ لیتی ہے۔ گھر میں کوئی بچہ یا فرد بیمار ہوتا تو علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ بعض دفعہ بچوں کی بیماری میں انہوں نے ساری رات جاگ کر گزاری۔ اگر کبھی اپنے علاج سے فائدہ نہ ہوا تو فوراً دوسرے ڈاکٹر کی طرف بھیج دیتے یا پھر خود حیدر آباد اور کراچی لے جا کر علاج کرواتے اور سارا خرچہ بھی خود برداشت کرتے۔ آپ کی پدری محبت نہ صرف عزیزی عبد المنان کے لئے تھی بلکہ سلیمہ بیگم کی چھوٹی بہنوں عزیزہ نعیمہ اور

ثمینہ جو کہ ایک طویل عرصہ آپ کی سرپرستی میں رہیں ان کے بچوں کے لئے بھی ویسی ہی تھی۔ عزیزی اکبر شاہ(ابن نعیمہ بیگم) جب آپ کی شفقت کے سایہ میں پروان چڑھ کر اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ڈاکٹر بن گیا اور مزید تعلیم کے لئے امریکہ چلا گیا تو پہلی عید جو اس کو دیارِ غیر میں آئی اس کے لئے بازار جا کر خود عید کارڈ خرید کر لائے اور اپنے ہاتھ سے اس پر مندرجہ ذیل نیک خواہشات تحریر فرمائیں۔

"یا اللہ! دعا وہی ہے جو تو قبول فرمائے تو اپنے خاص فضل اور رحم سے اس دعا کو قبول فرما جو میں کہہ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل ورحم سے آپ کو والہانہ کام کرنے والی صحت مند عمر عطا فرمائے۔ آپ کا ہاتھ آپ کے مریضوں کے لئے کامل تسلّی اور تشفّی کا موجب ہو۔ آپ کو دستِ شفا نصیب ہو۔ یا ارحم الراحمین۔ یا اللہ! بار بار تیری جناب میں التجا کی ہے کہ میرے چاروں بچوں منوں (عبدالمنان صدیقی) پپو (اسلم شاہ) ببلو (اکبر شاہ) مٹھا(سلمان راشد ابن ثمینہ بیگم) کو میر پور خاص اکٹھے مل کر کام کرنے کے نادر مواقع عطا فرمائے تا حضرت مصلح موعودؓ نے جو مجھ سے خواہش کی تھی وہ لمبے عرصہ تک جاری رہے۔"

عزیزی عبدالمنان صدیقی جب امریکہ اعلیٰ تعلیم کے لئے گئے تو ان کو لکھا۔

"میرے خیال میں آپ کے لئے Buffalo ہی ٹھیک رہے گا۔ جہاں عزیزم اکبر شاہ کام کر رہے ہیں۔ دونوں ایک ہی ہسپتال میں رہیں گے تو ایک دوسرے کی خبر گیری Automatically خود بخود بغیر کسی خاص توجہ کے ہوتی رہے گی۔ ہماری تو یہی خواہش ہے جہاں آپ رہیں خوش رہیں اور صحت مند رہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اکبر شاہ بھی امریکہ میں ہے اور تم بھی اور ایک Profession کے ہو۔ بچپن کے ساتھی ہو ضرور ایک دوسرے کا خیال رکھو گے۔ اگر میر پور خاص آنا ہو تو آپ کو سرجن ہونا چاہیے اور اکبر شاہ Medicine میں Higher Education لے رہا ہے۔ دیکھیں! اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے۔ واللہ اعلم۔"

4۔ سلیم احمد مرحوم

ڈاکٹر صاحب کے دوسرے فرزند سلیم احمد تھے جو مئی 1924ء میں پیدا ہوئے اور 21 سال کی عمر میں 3/ مئی 1945ء کو وفات پا گئے۔ یہ صدمہ والدین اور بہن بھائیوں اور تمام اہل خاندان کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ اس سانحہ پر ڈاکٹر صاحب کا اپنا مضمون اور تاثرات اور الفضل کے نوٹ، احباب جماعت کے تعزیت کے خطوط درج ذیل ہیں۔

قادیان 3 ہجرت (3/ مئی)

نہایت ہی رنج اور افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کا نوجوان لڑکا سلیم احمد آج فوت ہو گیا۔ جنازہ کل صبح 9 بجے پڑھا جائے گا۔

(الفضل 04/ مئی 1945ء صفحہ 1 جلد 33 شمارہ نمبر 105)

قادیان 4 ہجرت (4/ مئی)

آج ساڑھے نو بجے صبح سلیم احمد صاحب ابن جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کا جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے مدرسہ احمدیہ کے صحن میں ایک کثیر مجمع کے ساتھ پڑھا اور جنازہ کے ساتھ قبرستان تک تشریف لے گئے۔ مرحوم کو بچوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ احباب ڈاکٹر صاحب موصوف کے لئے صبر اور اجر کی دعا فرمائیں۔

(الفضل 05/ مئی 1945 صفحہ 1 جلد 33 شمارہ نمبر 106)

ایک سعید بچے کی وفات پر ایک صابر اور مخلص باپ کے جذبات

قادیان 3/ مئی۔ مکرم جناب ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کے اپنے نوجوان اور سعید بچے پر جن جذبات شکر اور صبر کا اظہار کیا ہے وہ ہر احمدی کے لئے باعث فخر ہیں اور ایک مخلص احمدی کے شایان شان۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کو اس صبر و شکر کا اجر عظیم عطا فرمائے اور ان کے بچے کو اپنی کنار عاطفت میں جگہ دے۔

جناب ڈاکٹر صاحب نے بچہ کی وفات کے تھوڑی دیر بعد جن جذبات کا اظہار تحریری طور پر کیا وہ یہ ہیں۔

میرا لڑکا سلیم احمد جو کہ چند ماہ سے فوجی خدمت کے لئے بھرتی ہو کر سکندرآباد میں بطور وائرلیس آپریٹر کام کر رہا تھا۔ آج قضاء الٰہی سے بعارضہ نمونیہ وٹائیفائیڈ قریباً 3 ہفتے بیمار رہ کر فوت ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

عزیز واقعۃً ہی سلیم تھا۔ نہایت کم گو اور صابر و شاکر تھا۔ اپنے بہن بھائیوں میں خدمت گزاری میں امتیازی رنگ رکھتا تھا۔ مجھ سے بہت محبت رکھتا تھا۔

آج رات سے بہت تنگ تھا۔ صبح کے وقت جب حالت زیادہ خراب ہوئی تو مجھے بار بار بلاتا اور اپنے پاس بٹھاتا۔ لیکن اس کو محسوس ہوا کہ نماز کا وقت کہیں تنگ نہ ہو جائے تو کہنے لگا ابا جی! آپ نے نماز نہیں پڑھی۔ میں نے کہا کہ چلو! ہم اکٹھے نماز پڑھتے ہیں۔ تو بہت خوش ہوا اور باوجود تنگ تنفس کی حالت کے لیٹ بھی نہ سکا تھا اور نہ بیٹھنے کی طاقت تھی۔ لحاف کے سہارے بیٹھ کر ہمارے ساتھ نماز اشاروں سے ادا کی اور اسلام پر فوت ہونے کا موقعہ بہم پہنچایا۔ جس طرح میں اس کی اطاعت گزاری سے زندگی میں خوش تھا اسی طرح اس کی آخری گھڑیوں نے دائمی خوشی مجھے بخشی۔ الحمد للہ علی ذالك

اس نے ایک اور خوشی جو بہترین خوشی مجھے بخشی یہ ہے کہ جب اس کی زندگی کے قطع ہونے کے آثار ہو گئے تو میں نے کہا۔ سلیم! عمر کا کوئی اعتبار نہیں۔ نہ معلوم ہم میں سے پہلے کس نے مرنا ہے۔ ہماری خوشی اس میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ خوش۔ جب ہمیں بلائے تو خوشی سے جانا چاہیئے اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی اس میں ہے کہ وہ ہم سے تم کو لے لے تو ہم اس میں خوش ہیں۔ تم ہمارا اسلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہنچا دینا۔

خاکسار حشمت اللہ

(الفضل 04/ مئی 1945ء صفحہ 2 جلد 33 شمارہ نمبر 105)

حضرت ڈاکٹر صاحب کا ایک نوٹ ملاحظہ ہو

"میرا غریب سلیم"

عزیزم سلیم احمد جس کی وفات کی خبر 4/ مئی 1945ء کے الفضل میں شائع ہو چکی ہے میرے تین لڑکوں میں سے درمیانہ لڑکا تھا۔ وہ مئی 1924ء میں پیدا ہوا۔ 1945ء کے اسی ماہ میں ہمیں داغ مفارقت دے گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس نے اپنی عمر کے اکیس سال نہایت خاموشی اور غربت کے ساتھ ہمارے گھر میں گزارے۔ اور ہماری اور ہمارے مہمانوں کی خدمت اس کو نصیب تھی مگر خود وہ نہ کسی خاص آرام کا اور نہ خاص خوراک کا متمنی پایا گیا۔

وہ گزشتہ سال یعنی 1944ء میں میڈیکل ایف ایس سی کے سیکنڈ ائیر میں تعلیم پاتا تھا مگر خرچ کی تنگی کی وجہ سے بہت تلخی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ آخر وہ اپنے غریب بوڑھے باپ پر اپنے آپ کو بار سمجھ کر ملٹری میں وائرلیس آپریٹر بھرتی ہو گیا۔ 21 مئی 1944ء کو بھرتی ہوا۔ اور 2/ جون کو لاہور سے باہر دور دراز علاقہ میں لے جایا گیا اور ہمیں اس وقت علم ہوا جب کہ وہ لاہور سے روانہ ہو کر باہر چلا گیا۔

تقریباً چھ ماہ سے سکندر آباد میں کام سیکھ رہا تھا اور وہاں سے خیر و عافیت کے خط آتے رہے تھے لیکن مارچ کے تمام مہینہ میں کوئی خط نہ آنے کی وجہ سے ہمیں بہت فکر تھی اور اس کی والدہ بہت فکر مند رہتی تھی۔ اور اس کے لئے دن رات دعائیں کرتی تھی کہ اس کی شکل نظر آ جائے۔ کیونکہ اس کا ملٹری میں داخل ہونا بغیر اطلاع کے تھا اور وہ بغیر ملنے کے باہر چلا گیا تھا۔

8/ اپریل کی دوپہر کی گاڑی سے قادیان پہنچ کر ہمارے سامنے اچانک آ کھڑا ہوا نہ اس کے آنے کی ہمیں خبر تھی اور نہ اس کو اس بات کی خبر تھی کہ اس کے بڑے بھائی کی شادی اسی روز شام کو ہو رہی ہے اس کا اس طرح عین موقع پر اچانک آ کھڑا ہونا کس قدر خوشی کا موجب ہو سکتا تھا۔ خصوصاً اس ماں کے لئے جو دن رات تڑپ تڑپ کر دعائیں کر رہی تھیں۔ الغرض ہمارے لئے وہ دن نہایت خوشی کا دن تھا۔ ایک طرف تو اس کے بڑے بھائی کی شادی لمبے انتظار کے بعد عمر کے 32 سال میں ہو رہی تھی دوسری طرف سلیم دس ماہ سے اچانک غائب ہو گیا تھا اور پھر سوا مہینہ سے اس کا کوئی خط خیریت کا موصول نہ ہوا تھا جونہی وہ گھر پہنچا اس کی والدہ سجدہ میں گر گئیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ لیکن اس کو کیا معلوم تھا کہ اس کا یہ غریب بیٹا وفادارانہ رنگ میں اپنے بھائی کی شادی میں شریک ہونے کے لئے آیا ہے۔ اور اپنی تڑپتی ہوئی والدہ کو محض چہرہ دکھانے کے لئے حاضر ہوا۔ اور پھر اس نے داغ مفارقت دیتے ہوئے اپنے پیارے مولا کے پاس ہمیشہ کے لئے چلے جانا ہے اور اپنی والدہ کو یہ کہتے ہوئے چھوڑ جانا ہے کہ

"میں نے تو تم کو دعائیں کر کے بلایا تھا تو ہمیں پھر چھوڑ کر چلا گیا۔"

اس کے اس طرح آنے میں اس کی والدہ کی دعاؤں کا ضرور دخل معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ مارچ کے شروع میں بیمار ہو کر بنگلور کے ملٹری ہسپتال میں داخل تھا۔ اور وہاں کے ڈاکٹر متعجب تھے کہ نمونیا کے ایسے سخت حملہ سے وہ بچ کس طرح گیا۔ لیکن خدا رحیم وکریم نے اس کی تڑپتی ہوئی والدہ کی عاجزانہ دعائیں سنیں اور وہ نمونیہ کے حملہ سے بچ نکلا۔ ابھی کمزور ہی تھا کہ ملٹری والوں نے گھر جا کر صحت بحال کرنے کے لئے دو ہفتہ کی رخصت دے دی۔ اس طرح پر 8/اپریل کو اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے رحیم وکریم ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا۔ لیکن چونکہ موت مقدر تھی اس لئے ملٹری شفاخانہ میں مرنے کی بجائے اپنے والدین کے ہاں آکر فوت ہوا۔ جب کہ اس کے والدین اور بھائی اور چار بہنیں اس کی موت کا نظارہ دیکھ رہے تھے اور اس کی جوان مردگی پر صبر اور شکر کے سانس لے رہے تھے نہ اس کے والد نے اور نہ اس کی والدہ نے اور بھائیوں نے اور نہ بہنوں نے اس کے دنیا سے چلے جانے پر کوئی ایسی حالت ظاہر کی جو بے صبری کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہو اور نہ عزیز مرحوم نے اپنے پیارے مولیٰ کے آستانہ سے ایک لحہ کے لئے منہ موڑا۔ پھر موت کا وقت جس قدر قریب آتا گیا۔ اس کی زبان پر زیادہ سے زیادہ درود شریف پایا گیا۔ کیا ہی پیارا سلیم تھا اور کیا ہی پیارا بلانے والا ہے اور کیا ہی پیاری شان ہے اس نبی کی جس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ جس کے نام کو ایک مسلمان مرنے والا لذت کے ساتھ زبان پر لاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

عزیز مرحوم کی وفات کی خبر پر مختلف اطراف سے احباب جماعت کی طرف سے کئی ایک تار اور بہت خطوط اظہار ہمدردی اور دعا کے آئے اور اب تک سلسلہ جاری ہے۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ عزیز مرحوم کے بارہ میں کچھ باتیں عرض کر دوں کہ احباب کی مخلصانہ ہمدردی اس کی متقاضی ہے۔

جہاں تک عزیز کی اپنی ذاتی قابلیت اور خاکسار راقم کے حقیر ترین وجود ہونے کی کیفیت ہے وہ اس قابل نہ تھے کہ احباب کی اس قدر توجہ اور ہمدردی کو کھینچتے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ایک سو سے زیادہ احباب نے اور بعض جماعتوں نے بحیثیت جماعت اظہار ہمدردی کے خطوط لکھے اور ہزاروں نے غائبانہ ہمدردی کی اور مجھ پر واجب کر دیا کہ میں جملہ احباب کی ہمدردی کا شکریہ ادا کروں اور ان کے حق میں دعا کروں کہ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو جزائے خیر دے۔ ان کے اعمال میں برکت دے اور ان سے راضی ہو جائے۔

جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے کہ عزیز مرحوم کی قابلیت کوئی نمایاں نہیں تھی مگر علیم وبصیر خدا نے اس کو جوانی کی حالت میں وفات دے کر مومنوں کے ایک گروہ کے دلوں میں دعا کی تحریک پیدا کر دی۔ نہ صرف عزیز مرحوم کے لئے ہزاروں احباب نے دعا کی بلکہ عاجز راقم اور اس کے اہل وعیال کے لئے بھی درد بھری دعاؤں کا ایک دریا جاری کر دیا۔ یہ قادر وتوانا خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

میں جب اپنی نالائقیوں کی طرف نظر ڈالتا ہوں تو میرا دل بیٹھ جاتا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ کبھی کھڑا ہوتا ہی نہیں مگر خدائے قادر کی قدرت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ بعض اوقات ذرہ حقیر سے وہ کام لیتا ہے کہ پہاڑ بھی وہ کام نہیں دے سکتے۔ میں اپنے پیارے مولیٰ کی قدرت کو عجیب رنگ میں دیکھتا ہوں۔ گزشتہ سال کے 12 ؍مارچ کا ہی واقعہ ہے جس روز حضرت میر محمد اسحٰق صاحب وفات پا رہے تھے اور دم واپسیں لے رہے تھے اور سورۃ یٰسین پڑھی جارہی تھی تو جس وقت یہ الفاظ قرآن پڑھے گئے۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ۔ اس وقت تصرّف الٰہی کے ماتحت میرے دل کے جوش کی وجہ سے منہ سے یہ پاک الفاظ اس جوش سے تین مرتبہ دہرائے گئے کہ تمام حاضرین رقت کے ساتھ پڑھنے میں شامل ہوگئے۔ اور اب جبکہ میرا بچہ سفر آخرت کی تیاری کر رہا تھا تو میرے منہ سے ان کو مخاطب کرتے ہوئے چند کلمات نکلے۔ ان میں بھی سلام کا لفظ موجود ہے۔ میرے الفاظ یہ تھے جو 4؍مئی کے الفضل میں شائع ہو چکے ہیں۔

"اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی اس میں ہے کہ وہ ہم سے تم کو لے لے تو ہم اسی میں خوش ہیں۔ تم ہمارا سلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہنچا دینا۔"

جس طرح گزشتہ سال سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ کے الفاظ میرے منہ سے تصرف کے ماتحت نکلے تھے۔ اب بھی جب میرا پیارا عزیز ہوش و حواس میں تھا اور جس کے سامنے ایسی بات کہنی بظاہر اس کے لئے صدمہ کا موجب ہو سکتی تھی۔ حکمت الٰہی نے میرے منہ سے نکلوا دی اور میں نے عزیز سے کہا کہ

"تم ہمارا سلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہنچا دینا۔"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قلب سلیم وہ تھا جس کو اس کے ہوش و حواس میں موت سے سات آٹھ گھنٹے پہلے یہ بات کہی جاسکتی تھی۔ اور اس نے اسے قبول کیا اور اس کے باپ کو ان الفاظ کے کہنے کی قوت ملی جو کہ ایک حقیر ترین وجود ہے۔

پھر تھوڑی دیر بعد ہی اللہ تعالیٰ نے اس کا ثبوت بہم پہنچا دیا کہ یہ سلام خلوص دل کے ساتھ کہا گیا تھا۔ اوّل جیسا کہ 4؍مئی کے الفضل میں میری تحریر ہے کہ ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے عزیز کے فوت ہونے کے چند منٹ بعد ہی میرے دل کو سکینت سے بھر دیا۔ جس کی مشابہت اس سکینت کے ساتھ ہے جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حضور کے جگر کے ٹکڑے حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات کے وقت بخشی گئی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ میرے قلم سے بے ساختہ وہ الفاظ نکلے جو کہ 4؍مئی کے الفضل میں درج ہوئے۔ پھر دوسرا ثبوت اس سلام کی حقیقت پر مبنی ہونے کا یہ ہے کہ جس وقت عزیز مرحوم کی نماز جنازہ پڑھی جارہی تھی اور اس کی مغفرت کی دعا مانگی جارہی تھی۔ اس وقت میرے قلب پر یہ دعا ڈالی گئی۔

"یاالٰہی! یہ سلیم جو سلامتی والا تھا تو نے ہم سے لے لیا ہے۔ اے پیارے آقا! تو اس کے بدلہ میں اپنی مخلوق پر سے جنگ کے عذاب کو ٹال دے اور دنیا میں امن قائم کر دے۔"

اور یہ دعا اس وقت تک جوش کے ساتھ میرے قلب سے جاری رہی۔ آخر خدا تعالیٰ نے 7/مئی کو اس کا نتیجہ مجھے اپنے فضل سے دکھلا دیا۔

عزیز سلیم احمد کے لئے ہزاروں دعا کرنے والے احباب اس قدر شکریہ کے مستحق ہیں کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان پر بھی رحم فرمائے جنہوں نے اس غریب پر ترس کھاتے ہوئے دعائیں کیں۔ اور میں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے ہی احباب کے دل میں جوش پیدا کیا ہے اور وہی ان کی نیکی کے گواہ بنیں گے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ سب احباب خوش ہوں گے۔ اگر عزیز مرحوم کے کچھ اوصاف میں یہاں لکھ دوں اور بعض شہادتیں اس کے اوصاف کے متعلق درج کر دوں۔

1۔ مجھ سے بیان کیا ڈاکٹر غلام فاطمہ صاحبہ لیڈی ڈاکٹر نور ہسپتال نے کہ جس وقت سلیم مرحوم فوت ہونے لگا ہے اور ابھی کچھ ہوش تھا اور میں اس کے پاس موجود تھی۔ تو اس نے آپ کو (خاکسار کو) مخاطب کر کے دوبار کہا اور میں چلا۔ السلام علیکم۔ لو میں چلا۔ السلام علیکم۔ مجھے جب یہ شہادت ملی تو میرا دل اللہ تعالیٰ کے شکر سے بھر گیا۔ عزیز کی سلامتی کے لئے بے حد دعا نکلی کہ مولیٰ! جس طرح عزیز نے ہمارے ساتھ وفاداری اور ہمدردی کا ثبوت بہم پہنچایا ہے تو بھی اسے سلامتی کی چادر میں لپیٹ اور اسے سلامتی کے شہزادے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قرب میں اور آپ کے واسطہ سے پیارے آقا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں جگہ عنایت فرما۔

2۔ حضرت سیدہ اُمّ وسیم صاحبہ حرم ثانی المصلح الموعود نے تحریر فرمایا۔

(i) آہ سلیم، حلیم اور سلیم طبیعت لے کر اس دنیا میں آیا۔ اتنی ہی عمر مقدر تھی۔ مولیٰ کریم کی رفاقت تھی اور اپنے حقیقی مالک کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے آپ سب لوگوں کو دائمی جدائی دے کر چلا گیا۔ سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔

(ii) مجھے سخت رنج اور دلی تکلیف ہوئی یہ سن کر (وفات کی خبر) خدا بہتر جانتا ہے کہ یہ آپ کا سلیم کتنی خوبیوں والا تھا۔

(iii) اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

3۔ مکرم غلام محمد صاحب اختر لکھتے ہیں۔

(i) عزیز سلیم کی وفات کا علم آج اخبار کے ذریعہ ہوا۔

(ii) آپ کا ایثار، صبر اور نمونہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی آپ کے لئے دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

(iii) دراصل سلیم آپ ہی کا نمونہ تھا بلکہ اس قوم کا ہونہار اور نیک بچہ تھا جو قوم ایسے بچوں کی تلاش میں تڑپ کر راتوں کو دعائیں کرتی ہے۔

(iv)ایسے تقویٰ شعار بچہ کی موت ہم سب کے لئے مساوی صدمہ ہے۔

4۔مکرم مولوی عبد الحق صاحب بدوملہوی نے لکھا

(i)مجھے عزیزم مرحوم کے ساتھ عزیز کی پاک فطرتی کے ماتحت انس تھا۔

(ii)عزیز سکینہ بی بی بنت خود کو عزیزم سلیم صاحب کے واقعی صحیح معنوں میں سلیم ہونے کی وجہ سے بہت پیار تھا۔

5۔عزیز مصلح الدین احمدی بی اے لاہور سے لکھتے ہیں۔

جہاں تک وصال کا تعلق ہے میرے خیال میں وہ اپنی نیکی کی وجہ سے اپنے مولیٰ کے بہت قریب جگہ پائے گا۔ان شاء اللہ العزیز

6۔ثاقب صاحب زیروی نے لکھا۔

ایسے صاحب قلب سلیم کی جواناں مرگ یقیناناقابل تلافی نقصان ہے۔

7۔عزیزم ناصر احمد صاحب کپور تھلوی نے لکھا۔

(i)مرحوم احمدیہ ہوسٹل میں رہا کرتا تھا تو مجھے اس کے دیکھنے کا کافی موقع ملا۔اور اس کے اخلاق وعادات سے میں خاص طور پر متاثر ہوا۔

(ii)مرحوم کے چہرے سے ہر وقت بشاشت ٹپکتی تھی وہ ہر ایک سے نہایت خندہ پیشانی سے ملا کرتا تھا۔

(iii)نہایت ہی ملنسار، بااخلاق اور مہمان نواز جوان تھا۔

(iv)پابند صوم وصلوٰۃ تھا۔اس کی نماز میں خاص طور پر اس کی سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر رہا کرتی تھی۔

(v)اس عمر میں خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور صرف خدا تعالیٰ کو ہی پیش نظر رکھنا بطفیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ہی تھا۔

8۔محمد رفیق صاحب کانپوری:

سلیم فرمانبر دار اور بڑوں کا ادب کرنے والا نیک والدین کا نیک لڑکا تھا اور خوش مزاج تھا۔

9۔مولوی عبد الرحمن صاحب رانجھا ابن حضرت مولوی شیر علی صاحب لکھتے ہیں۔

مرحوم نہایت ہی شریف طبیعت لڑکا تھا۔

10۔مکرم سیٹھ محمد یوسف ابن حضرت سیٹھ عبد اللہ صاحب سکندرآباد سے لکھتے ہیں۔

(i) مجھ کو برادرم (سلیم احمد) سے خاص محبت تھی وہ اکثر اتوار یا جب چھٹی ہوتی ضرور تین چار گھنٹے میرے پاس گزارتے، الفضل کا مطالعہ کرتے اور نماز برابر ادا کرتے۔

(ii)عزیز نے مارچ تک اپنا چندہ ادا کر دیا۔

(ii)ان کا ارادہ تھا کہ وصیت کر دیں پس خدا ضرور نیت کا ثواب دے گا۔

(iii) یہ میں خبر وفات پڑھتے ہی لکھ رہا ہوں اس کا سلسلہ برابر نہیں۔ میرا دل سخت غمزدہ ہے۔

11۔ سیٹھی خلیل الرحمن صاحب قادیانی نے لکھا۔

الفضل میں جب سلیم احمد کی وفات کی خبر آپ کا (حشمت اللہ) مضمون پڑھا تو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا واقعہ یاد آ گیا۔

12۔ مرزا عبد اللطیف صاحب ابن مرزا مہتاب بیگ صاحب قادیان نے لکھا۔

میں تو اس کی سادگی اور سلیم الطبع سے بہت متاثر ہوں۔ میں نے جب کسی کپڑے کے متعلق کہا کہ وہ نہیں یہ اچھا ہے تو جھٹ میری بات مان لیا اور کبھی مسترد نہ کرتا۔

13۔ حضرت بھائی عبد الرحمن صاحب قادیانی نے لکھا۔

(i) عزیز سلیم واقعی قلب سلیم تھا۔

(ii) مدت ہوئی جب میں صبح کی نماز کے لئے عزیزوں کو جگایا کرتا تھا اس زمانہ سے عزیز کی سعادت اور فطری پاکیزگی کا مجھ پر اثر ہے۔

(iii) ایسے بچوں کے چلے جانے سے بتقضائے بشریت سلسلہ کا نقصان نظر آتا ہے۔

(iv) عزیز کی خوبیوں کی وجہ سے اور آپ کے خاندان سے تعلق کی بناء پر اور سلسلہ کا ایک نقصان محسوس کرتے ہوئے ہمیں اس نقصان کا دلی صدمہ ہے جس کا اظہار لفظوں میں ناممکن ہے۔

14۔ عزیز مرحوم کی والدہ نے بیان کیا۔

(i) اس دن کی صبح کے وقت جس دن سلیم فوت ہوا اس کی نگرانی کر رہی تھی۔ چارپائی پر جگہ نہ تھی اس لئے زمین پر بیٹھ گئی اور باوجودیکہ اس کو سخت تکلیف تھی مجھے کہنے لگا۔ آپ زمین پر کیوں بیٹھی ہیں چارپائی پر بیٹھیں۔

(ii) نعیمہ اس کی چھوٹی بہن جو کھانا اور ناشتہ کا دن رات انتھک کام کیا کرتی تھی جب سلیم کے سامنے آئی تو اس کے کپڑے ناصاف تھے اسے کہا نعیمہ! تم نے کپڑے کیوں نہیں بدلے۔ تم نے میری خدمت بہت کی ہے۔

15۔ عزیز مرحوم کی والدہ نے اب بلکہ اس سے پہلے عزیز کے متعلق بعض احباب و خواتین کی دیکھی ہوئی رؤیاؤں کا ذکر کیا۔ مگر میں صرف ایک کا درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ یہ رؤیا سیدہ امۃ الرشید بیگم صاحبہ بنت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے قریب ایک سال گزرا۔ دیکھا تھا اور والدہ سلیم کو بتایا تھا جس پر بطور صدقہ انہوں نے ایک بکرا ذبح کروا کر غرباء میں تقسیم کر دیا تھا وہ رؤیا یہ تھا کہ

”حضرت صاحب اور ڈاکٹر صاحب (راقم) ایک کمرے میں کھڑے ہیں اور فکر مند ہیں۔ حضرت صاحب، ڈاکٹر صاحب سے بھی زیادہ فکر مند ہیں اور منہ سے کہہ رہے ہیں کہ ہائے سلیم۔ ڈاکٹر صاحب کا پیارا سلیم“

ان رؤیاؤں کے قبل از وقت دیکھے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز سلیم اپنے اندر کچھ خصوصیت رکھتا تھا۔ دراصل میں اس پاک وجود کے سامنے شرمندہ ہوں باوجودیکہ اس نے میری اور دوسرے بہن بھائیوں اور والدہ کی بہت خدمت کی مگر میں اس کا حق الخدمت ادا نہ کر سکا۔

بچپن کی عمر کے پہلے چند سالوں میں جو کہ بچوں کے ماں باپ سے پیار لینے کا زمانہ ہوتا ہے۔ میں اسے قطعاً پیار نہ کر سکا وہ مئی 1924ء میں پیدا ہوا۔ جولائی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے ہمراہ ولایت کے سفر پر چلا گیا۔ چار ماہ بعد واپسی ہوئی تو صاحبزادہ خلیل احمد صاحب سلمہ کی نازک خدمت میں مصروف ہو گیا۔ اور یہ سلسلہ خاص خدمت کا تین چار سال تک رہا۔ مجھے سلیم کی کوئی بات بچپن کی یاد نہیں۔ ہاں میاں خلیل احمد صاحب سلمہ کے اکثر حالات یاد ہیں۔ پھر اس کی تعلیم کا زمانہ شروع ہو گیا۔ طالب علموں کے معاملہ میں جہاں استاد سختی سے کام لیتے ہیں وہاں والدین خصوصاً والد کو دل مضبوط کر کے سختی کرنی پڑتی ہے۔ پس اس وقت تک میرا حال ایسا ہی رہا۔ پھر اس کے اخراجات کے معاملہ میں بھی میں اس کے ساتھ پورا نہ اتر سکا۔ اس کی عمر اخراجات کے لحاظ سے تمام کی تمام تنگی میں گزری۔ چونکہ غریب تھا اور غریب طبع اور سادہ تھا اس لئے اسے کوئی دوست بھی میسر نہ آیا۔

الغرض اس نے اس مسافر خانہ میں ہماری بہت خدمت کی۔ غریب مزاجی کی وجہ سے ہمارے لئے نعمت عظمیٰ بنا رہا اور تلخی کی زندگی برداشت کرتا ہوا اپنے ایمان کی سلامتی کے ساتھ رخصت ہو گیا اور آخری تحفہ سلام ہماری طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے لے گیا۔ اور اپنی جواں مردگی سے ہمارے لئے دعاؤں کا دریا بہا دیا۔ میں اپنے یقین کی وجہ سے اس بات سے خوش ہوں کہ وہ جوان عمر میں فوت ہوا۔ وہ پیارے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں لگ جائے گا لیکن اس وجہ سے سخت غمگین کہ اُس نے ہمارے لئے بہت کچھ کیا مگر ہم اس کی خدمت نہ کر سکے۔

میں ایسے جذبات کے ساتھ درد دل رکھنے والے احباب سے عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری پردہ پوشی فرمائے اور انجام بخیر کرے اور عزیز مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے مطاع حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا موقعہ عطا فرمائے۔ آمین

خاکسار حشمت اللہ

(الفضل 24۔ مئی 1945ء صفحہ 4-6 جلد 33 شمارہ نمبر 121)

5۔پیدائش ونومولود بچی کی وفات (امینہ بیگم)

1927ء میں حضرت صاحب کے قیام شملہ کے دوران حضرت ڈاکٹر صاحب کے ہاں قادیان میں بچی تولّد ہوئی جس کا نام "امینہ" رکھا گیا تھا۔ اس کی پیدائش کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب نے حضور اور جملہ افراد قافلہ کو دعوت عقیقہ دی۔ جس میں حضرت نواب محمد علی خان صاحب اور حضرت صاحبزادی سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے بھی (جو علیحدہ کوٹھی میں قیام پذیر تھے) شرکت فرمائی۔

اس موقعہ کی مناسب حال حضرت صاحبزادی سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے درج ذیل اشعار رقم فرمائے۔

ڈاکٹر صاحب پہ فضل حضرت وارد ہوا
لطف حق صورت نما در صورت دختر ہوا
آمد فرزند سے جوش مسرت کم نہیں
اس سے ظاہر ہے کہ بیٹی کا انہیں کچھ غم نہیں
شکر ہے دور جہالت کا اثر آیا نہیں
چین پیشانی پہ والد کے نظر آیا نہیں
قابل تقلید ہے مرحبا یہ مثال
ہے مبارک آپ کی یہ دختر فرخندہ فال
بات تو یہ ہے کہ انہیں بیٹی نہ کیوں محبوب ہو
جس کا محبوب خدا، محبوب ہو، مطلوب ہو
پیار خود کر کے دکھایا پیار سے دل بھر دیئے
آپ تھے رحمت سراسر بیٹیوں کے واسطے
فضل حق سے آج خوش ہیں ڈاکٹر صاحب کمال
غنچہ دل ہے شگفتہ دور ہیں رنج وملال
تاکہ اظہار مسرت میں نہ رہ جائے کمی
اس لئے سب دوستوں کو آپ نے دعوت ہے دی
بھائی بہن جمع ہیں رونق بڑھانے کے لئے
تہنیت دینے کو اور خوشیاں منانے کے لئے

آج گویا کنگلسلے[1] گلدستہ احباب ہے
پھوٹ پڑنے کی خوشی دل میں ہوئی بے تاب ہے
روز ہوتی ہیں میسر صحبتیں ایسی کہاں
بے تکلف میزبان ہیں بے تکلف مہماں
اغلبًا خود آپ بھی محرم نہیں اس راز سے
آپ کی دعوت نہیں کم دعوت شیراز سے

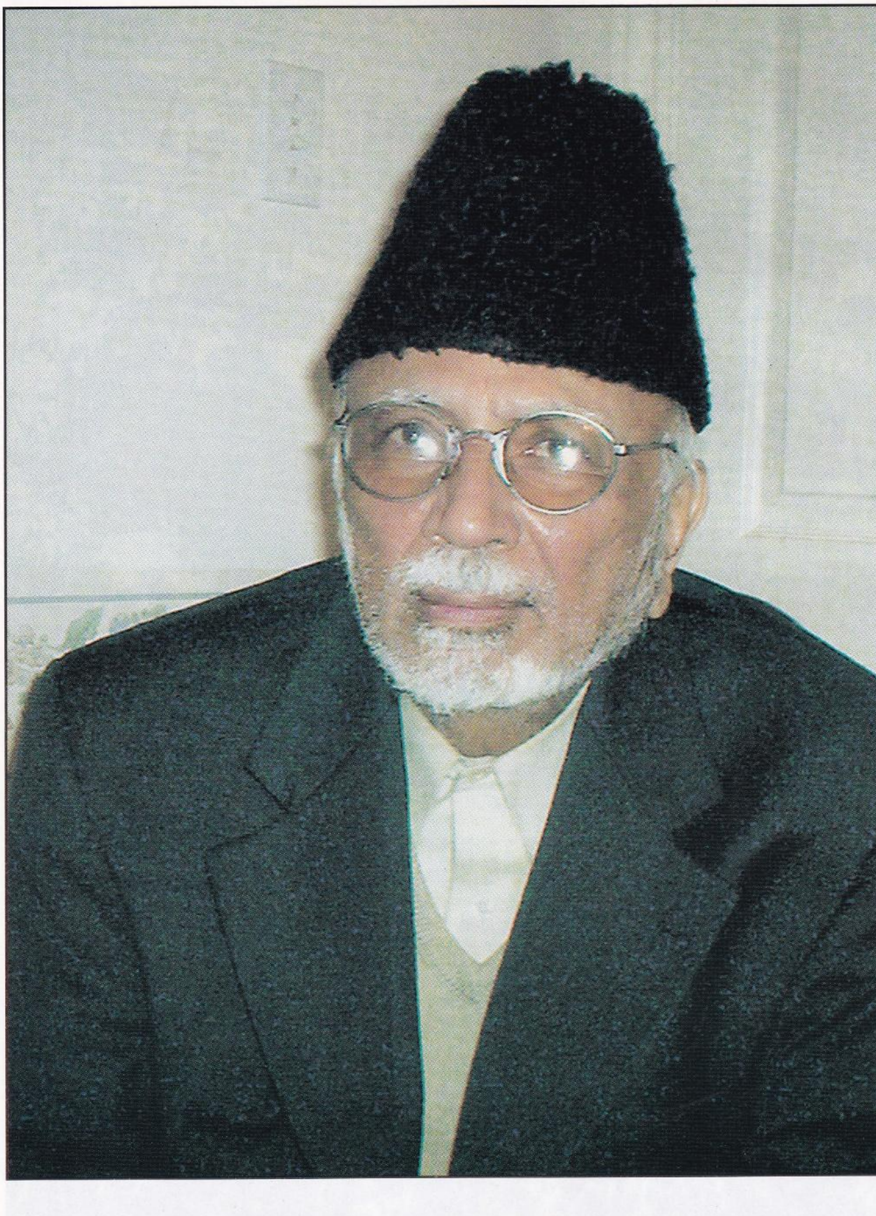
([1]کوٹھی کا نام جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ قیام پذیر تھے)

اور پھر حضرت ڈاکٹر صاحب کی یہ نومولود بچی جلد ہی وفات پاگئی تو حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے ایک اور نظم اس کی وفات پر کہی جس کا ذکر بچی کی وفات کے ساتھ الفضل 29/نومبر 1928ء صفحہ 1 پر موجود ہے۔

ٹال سکتا ہے کون فرمان خدا
کس طرح آ پوری نہ ہوتی سرنوشت
آگئی تھی چند روزہ سیر کو
پر اُسے بھائی نہ یہ دنیا زشت
ہاتھ ملتے تھے اُدھر تیماردار
سر پٹختی تھی ادھر وہ خوش سرشت
کھل گئیں آخر قفس کی کھڑکیاں
اڑ گئی وہ بلبل باغ بہشت

6۔ کریم احمد نعیم

کریم احمد صاحب نعیم حضرت ڈاکٹر صاحب کے چوتھے فرزند ہیں۔ آپ کی پیدائش سے قبل ڈاکٹر صاحب کی زبان پر رؤیاء میں ان کا نام "کریم، کریم" کے الفاظ سے جاری ہوا اور آپ کی اہلیہ محترمہ نے دیکھا کہ ان کو بہت سی نعمتیں دی جائیں گی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے پہلے آپ کا نام کریم احمد تجویز فرمایا۔ پھر حضرت سیدہ اُمّ طاہر احمد صاحبہؓ کی خواہش پر نعیم تجویز فرمایا۔ بعد ازاں آپ کا نام کریم احمد نعیم رکھ دیا گیا۔ آپ قادیان میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان سے تعلیم حاصل کی اور 1954ء-1955ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بی فارمیسی کا امتحان



عاجز کریم احمد نعیم ابن حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب (مصنف کتاب)

ایک یادگار تاریخی دستاویز



عاجز کریم احمد نعیم بچپن میں حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد (رحمہ اللہ) کے ہمراہ بمقام ڈلہوزی 1932ء

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع (رحمہ اللہ) نے اپنے تاریخ ساز دور خلافت میں اپنے

دستخط رقم فرما کر یہ تاریخی یادگار فوٹو عاجز کو تحفۃً عنایت فرمایا۔



حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ کریم احمد نعیم



ایک تاریخی یاد گار۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ کریم احمد نعیم، شیخ مبارک احمد صاحب،

الحاج مظفر ظفر صاحب، ڈاکٹر صادق اور عزیزم منعم نعیم بھی موجود ہیں

پاس کیا۔ کچھ عرصہ لاہور کینٹ میں سروس کی اور کچھ عرصہ پنجاب یونیورسٹی میں ڈیمانسٹریٹر اور بی فارمو کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ بعد ازاں مارچ 1960ء میں پی آئی ڈی سی داؤد خیل میں ملازم ہو گئے۔ ستمبر 1967ء میں کمپنی کی طرف سے ایک سال کی ٹریننگ کے لئے امریکہ گئے اور 1976ء تک PIDC داؤد خیل میں ملازمت کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ 1976ء میں مستقلاً امریکہ آ گئے اور وہیں مقیم ہیں۔ کیونکہ جماعت کی مخالفت اور ناگزیر حالات کی وجہ سے آپ کو PIDC کی ملازمت ترک کرنا پڑی۔ امریکہ میں آپ ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اپنے بڑے بیٹے منعم احمد نعیم کے پاس ہیوسٹن میں رہائش پذیر ہیں۔ آپ کی شادی نومبر 1954ء میں محترم ڈاکٹر غلام حیدر صاحب مرحوم کی پہلی اہلیہ کی دختر محترمہ زبیدہ خاتون کے ہمراہ ہوئی۔ ان کی شادی خانہ آبادی کے موقعہ پر والد صاحب نے حسب ذیل اشعار رقم فرمائے اور نہایت محبت کے ساتھ ترنم سے پڑھ کر بھی سنائے۔

نظم بر موقع شادی خانہ آبادی عزیزم کریم احمد نعیم سلمہ

ترا شکر کیونکر ہو رب البرایا
کہ خوشیوں کا دن تو نے پھر ہے دکھایا
میرا بیٹا دوم کریم کریم
کیا فضل اس پر ہے دولہا بنایا
عزیزوں نے اپنی محبت کے صدقے
ہے پھولوں کی خوشبو میں اس کو بسایا
نوازا اسے ہے بنایا ہے بیٹا
کیا شیخ حیدر نے شفقت کا سایہ
یہ لینے کو آیا ہے دلہن کو اپنی
ہے پھولوں کے ہاروں سے اس کو سجایا
ہے احقر یہ ناچیز بندہ خدایا
ہے سجدہ کناں تیرے در پر ہے آیا
حفاظت میں رکھیو اسے تو ہمیشہ
یہ جوڑا جو ہے آج تو نے بنایا

تو	کر	فضل	ہم	پر	تو	کر	رحم	ہم	پر
اے		ستار		غفار		قادر		خدایا	

اس شادی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو دو بیٹے اور تین بیٹیاں عطا کیں۔ جو سب بفضلہٖ تعالیٰ شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔ اور ماشاء اللہ دین کے کاموں میں بھی پیش پیش ہیں۔

i۔ امۃ العزیز نگہت صاحبہ

آپ کی سب سے بڑی دختر لاہور میں ہوئی۔ بی ایس سی تک تعلیم حاصل کی۔ ان کی شادی رفیع احمد صاحب جو کہ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی بھتیجی ناصرہ بیگم کے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں کے ساتھ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تین بیٹے اور ایک بیٹی عطا فرمائی۔ ان کے سب بچے ماشاء اللہ ہونہار، والدین کے فرمانبردار اور جماعت کے کاموں اور دلچسپیوں میں بڑھ چڑھ حصہ لینے والے ہیں۔ عزیزہ موصوفہ شادی کے بعد سے بروکلین نیویارک میں مقیم ہیں اور کافی عرصہ سے اپنی لجنہ کی صدر ہیں اور رفیع احمد صاحب عرصہ دراز سے اپنی جماعت کے جنرل سیکرٹری ہیں۔

ii۔ امۃ الرافع رفعت

کریم احمد صاحب کی دوسری صاحبزادی ہیں ان کی شادی رضی احمد صاحب قائد سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بیٹی اور بیٹا عطا فرمایا۔ ہیوسٹن امریکہ میں مقیم ہیں۔ جماعت کے کاموں میں ہمیشہ دلچسپی سے حصہ لیتی ہیں۔

iii۔ منعم احمد نعیم

آپ کے بڑے فرزند ہیں۔ ہیوسٹن امریکہ میں مقیم ہیں اور Continental Airline میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔ عزیزم نہایت ہی مخلص اور محنتی نوجوان ہیں۔ 1994ء-1999ء پانچ سال تک صدر خدام الاحمدیہ امریکہ کے عہدے پر فائز رہے اور 1994ء سے 2004ء تک صدر جماعت احمدیہ ہیوسٹن رہے۔ اب 2003ء سے نائب امیر USA کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ محترم امیر صاحب جماعت ہائے امریکہ نے اپنی جگہ ان کو Humanity First شعبہ کا Chairman مقرر فرمایا اور ساتھ MTA کے پروگرام جو براڈکاسٹنگ کے لئے بھیجے جاتے ہیں اس کا بھی انچارج بنایا۔ عزیزم نہایت محنت اور لگن اور قربانی کی روح کے ساتھ تمام ذمہ داریاں نبھانے والے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے دورہ ہائے امریکہ میں اور جلسہ سالانہ کے مواقع پر انہوں نے گراں قدر ذمہ داریاں نبھائیں۔

ان کی شادی اپنی خالہ زاد عزیزہ نیلوفر سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کی نعمت سے نوازا۔ عزیزہ نیلوفر اپنی جماعت کی سیکرٹری ضیافت ہیں۔

ایک رسالہ نے عزیزم منعم احمد نعیم کا تعارف یوں کروایا۔

Munum Ahmad Naeem

Houston, Texas

Additional Qa'id Maal

Munum Naeem son of Mr, Karim Ahmad Naeem and the grandson of Dr. Hashmatullah Khan Sahib (personnel physician of Hadrat Musleh Mau'ud,) was born on Sep2,1958 in Lahore Pakistan. He Migrated to the USA in August 1978. He obtained his engineering degree from the College of Aeronautics, NYIT, Flushing New York, in 1982. Currently he is working as the senior Managing Director of Technical Operations for Continental Airlines. He loves hunting and has great interest in IT systems.

Munum has served the jamaat in various capacities including:

2003-to date Additional Qa'id Maal, Majlis Ansarullah USA

2003-to date: Naib Ameer USA & Executive Director Humanity First

2001-2002: Qa'id Tahrik-i-Jadid, Majlis Ansarullah, USA

1994-2004: Sader, Houston jamaat

1994-1999: Sader, Khuddam ul Ahmadiyya USA

1991-1992: Qa'id Khuddam ul Ahmadiyya Houston

1988-1989: Secretary Centenary jubilee, Houston jamaat.

iv۔ محسن احمد نعیم

آپ کے دوسرے صاحبزادے ہیں اور فورٹ لارڈڈیل فلوریڈا میں مقیم ہیں۔ یہ فارمو ہیں۔ ان کی شادی اپنی تایازاد منصورہ جو کہ ڈاکٹر محمد احمد صاحب کی چھوٹی بیٹی ہیں سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بیٹا اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ عزیزہ منصورہ عرصہ 3 سال سے میامی جماعت کی صدر ہیں اور اپنے فرائض خوش اسلوبی سے نباہ رہی ہیں۔

v۔ امۃ الشافی

آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ ان کی شادی اپنے پھوپھی زاد عزیزم ڈاکٹر عبد المنان صدیقی آف میر پور خاص سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹی اور ایک بیٹے کی نعمت سے نوازا۔ عزیزہ عرصہ اڑھائی سال سے صدر لجنہ میر پور خاص ہیں۔ خدمت دین اور بزرگوں کی خدمت کے علاوہ مرکز سے تشریف لانے والے عہدیداروں کی مہمان نوازی کے فرائض کماحقہ سرانجام دیتی ہیں۔

غرض آپ کی سب اولاد بفضلہٖ تعالیٰ والدین کی فرمانبردار اور خدمت دین کا انتہائی شوق اور جذبہ رکھنے والی ہے۔ جیسا کہ آپ خود اپنے والدین کے فرمانبردار، خدمت گزار اور دین کے کاموں میں ہمیشہ آگے قدم بڑھانے والے ہیں۔

آپ کا بچپن حضرت خلیفۃ المسیح الرابع (رحمہ اللہ) کے ساتھ کھیلتے ہوئے گزرا۔ ان کے بارے میں حضور نے ایک میٹنگ میں ایک بچے کے سوال پر کہ حضور! آپ کے بچپن کے دوست کون تھے ؟ کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

”نعیم جو کہ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کا بیٹا ہے میرا بچپن کا دوست ہوتا تھا۔“

نوجوانی کی عمر میں جب ہندوستان پاکستان کی تقسیم ہوئی اور ہماری جماعت کو قادیان چھوڑنا پڑا۔ اُس وقت حضور کے ارشاد پر کہ نوجوان مختلف جگہوں پر پہرے کی ڈیوٹیاں دیں تو یہ پہرہ دینے والوں میں اور مختلف امور سرانجام دینے والوں میں شامل تھے اور آخری قافلہ میں قادیان سے ہجرت کر کے لاہور آئے جبکہ خاندان کے تمام لوگ پہلے ہی لاہور آ چکے تھے۔ پھر 1948ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے کشمیر کے لئے فرقان فورس تشکیل دی تو یہ فوراًاس میں شامل ہوگئے اور 3 ماہ کے لئے محاذ پر چلے گئے۔ بے شک سروس کے سلسلہ میں والدین سے دور رہتے تھے لیکن ان کے ہر حکم پر لبیک کہا اور ایک اشارے پر ضرورت کے وقت رخصت لے کر آجانا ہمیشہ انہوں نے اپنا فرض اولین جانا۔ بہن بھائیوں کے غمگسار اور اُن سے محبت کرنے والے ہیں اور ان کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ ہر کسی کے کام آسکیں۔

جلسہ سالانہ کے دنوں میں آپ بہت سی ڈیوٹیاں دیتے رہے۔ لاہور کے قیام میں جلسہ پر ربوہ جانے کے لئے اپنی اماں بی کے ساتھ مل کر سب تیاری کرواتے۔ کبھی بس میں سیٹیں بُک کروا رہے ہیں، کبھی ربوہ مہمانوں کے لئے خوردونوش کی چیزیں خرید کر پیکنگ کر رہے ہیں۔ بستر باندھ رہے ہیں۔ پھر ربوہ جا کر گھر میں آنے والے مہمانوں کی خدمت کرنا، لنگر خانہ سے کھانا وغیرہ لانا سب ان کی ڈیوٹی میں شامل تھا۔ ربوہ میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی تقاریر کے دوران حضورؓ کو چائے پیش کرنا بھی آپ کے ذمہ تھا۔ یہ ڈیوٹی ڈاکٹر صاحب کی تھی، خود تو آپ ہمہ وقت حضور کے ساتھ ہوتے تھے اور نعیم صاحب چائے تیار کرتے اور حضورؓ کی خدمت میں پیش کرتے اور جس حد تک ممکن ہوتا سٹیج پر بیٹھے ہوئے بزرگان کو بھی پیش کرتے۔ حضور کا تبرک خود بھی پیتے اور احباب کو بھی پلاتے۔

داؤد خیل کی ملازمت کے دوران بہت عرصہ تک میانوالی جماعت کے صدر اور امیر ضلع بھی رہے۔ ملازمت کے وقت آمدنی محدود تھی لیکن اسی محدود آمدنی میں سب بچوں کو تعلیم دلوائی۔ والدین کی حتّی المقدور مالی خدمت بھی کی اور بوقت ضرورت بہنوں کی خدمت کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ دن رات بچوں کے لئے دعائیں کرنے والے تہجد گزار، جماعت کے چندوں میں باقاعدہ حصہ لینے والے اور موصی ہیں۔ دو مرتبہ حج اور 3 مرتبہ عمرہ کر چکے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل واحسان ہے اور سیدنا حضرت مصلح موعودؓ اور والدین کی دُعائیں ہیں جو ان کو مخلص وفا شعار اور دعا گو بیوی عطا ہوئیں۔ باوجود اس کے کہ ان کے والد اور بہن بھائیوں کے علاوہ سب رشتہ دار غیر احمدی اور جماعت کے مخالف تھے اور ان کو طرح طرح سے بہکاتے بھی تھے یہ ثابت قدم رہیں اور دُعائیں بھی کرتی رہیں۔ اپنی شادی کے بارے میں یہ خود بیان کرتی ہیں کہ

"قادیان سے ہجرت کے بعد نانا جان (ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب) جو دھامل بلڈنگ میں رہائش پذیر تھے۔ نعیم احمد صاحب کی تعلیم جب پایہ تکمیل کو پہنچ رہی تھی تو حضرت نانا جان نے میرے والد صاحب (ڈاکٹر غلام حیدر صاحب) سے ان کے لئے میرا رشتہ مانگا تو میری سب سے بڑی بہن رشیدہ بیگم جو کہ والد صاحب کے احمدیت قبول کرنے سے پہلے ایک دولت مند خاندان میں بیاہی گئی تھیں اور دوسرے رشتہ دار بھی جو سب غیر احمدی تھے ان سب نے مخالفت کی کہ یہ لوگ تو سب جائیداد وغیرہ چھوڑ کر آئے ہیں اور رہنے کے لئے ان کے پاس اپنا گھر تک نہیں ہے۔ لیکن والد صاحب کو اللہ تعالیٰ پر توکل تھا۔ کہنے لگے! کہ اس سے بڑی بیٹی فہمیدہ بیگم کو میں نے منصوری والوں کے گھر میں بیاہا وہ پہلے منصوری سے سب کچھ چھوڑ کر قادیان آگئے اور پھر دوبارہ قادیان میں سب جائیداد چھوڑ کر ان کو پاکستان آنا پڑا۔ وہ بھی خالی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے دینا ہے تو سب کچھ دے دے گا۔ میں نے صرف نیک خاندان، نیک لڑکا اور شرافت دیکھی ہے۔

جب اُن لوگوں کی مخالفت بڑھی تو والد صاحب نے مجھے کہا کہ بیٹی! تم خود استخارہ کرو۔ اس پر میں نے 3 دن تک استخارہ کیا۔ پہلے دن خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا گھوڑا ہے اس پر سب سے آگے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیٹھے ہیں۔ آپؑ کے پیچھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ ہیں اور آخر میں حضرت نانا جان بیٹھے ہیں۔ ساتھ ہی چوڑیاں دکھائی گئیں۔ دوسرے دن استخارہ کیا تو دیکھا کہ اماں بی (میری ساس) ایک بہت اونچی چمکدار کرسی پر بیٹھی ہیں۔ بہت چمکدار اور نورانی چہرہ ہے۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اور انگوٹھی پہنائی۔ تیسرے دن جب دُعا کی اور استخارہ کیا تو دیکھا کہ بہت سے لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور میرے مخالف رشتہ دار مجھے کہتے ہیں کہ جس کے گلے میں ہار ڈالنا ہے ڈال دو۔ میں سب کرسیوں کے پاس سے گزر کر آئی تو دیکھا کہ ایک کرسی پر نعیم صاحب بیٹھے ہیں تو میں نے ان کے گلے میں ہار ڈال دیا۔ شرم کی وجہ سے یہ خواب تو والد صاحب کو نہیں بتایا۔ بس ہاں کر دی۔ اسی دوران والد صاحب بھی دُعا کرتے رہے اور ان کی بھی تسلی ہو گئی تو اس طرح یہ ہمارا رشتہ ہو گیا۔

نکاح کا جوڑ اور انگوٹھی پہنانے کے لئے اماں جی کی درخواست پر حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دو خواتین مبارکہ ہمارے گھر تشریف لائیں اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے مجھے انگوٹھی پہنائی ساتھ ہی از راہ مذاق یہ بھی کہا کہ اب ماموں نہ کہہ دینا (آپا زینب کے رشتہ سے نعیم صاحب میرے ماموں بھی لگتے ہیں) اس طرح پر مجھے اس خاندان میں آنے کا شرف حاصل ہوا جو ہر طرح سے مبارک ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان بھی دیا، رزق بھی دیا، نیک اولاد بھی عطا کی اور ہمیشہ ہی باعزت زندگی عطا فرمائی۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر بھی ادا کروں کم ہے۔

داؤد خیل میں جتنا عرصہ رہے عزت سے رہے۔ لیکن 1974ء میں احمدیت کی شدید مخالفت کی وجہ سے چھوڑنا پڑا۔ پھر لاہور آگئے۔ یہاں بھی مخالفت تھی۔ نعیم صاحب کے پاس امریکہ کا ویزا تھا اس لئے یہ امریکہ آگئے۔ میں امریکہ آنے سے گھبرا رہی تھی کیونکہ بچیاں جوان تھیں اور امریکہ کے ماحول سے بھی مجھے خوف آتا تھا۔ بہر حال دعا کرتی رہی کہ اگر جانا مناسب ہو تو اللہ تعالیٰ انتظام فرمادے۔ امریکہ آنے کے لئے پاسپورٹ اور ویزا لینے کے لئے سب سے پہلے بچوں کے اور اپنے Birth Certificates کی ضرورت پڑی۔ سو میں اپنے بیٹے کے ساتھ پولیس اسٹیشن گئی۔ میرے میاں نے بتایا تھا کہ وہاں کا سپرنٹنڈنٹ پولیس احمدی ہیں جب اس کے کمرے میں پہنچے تو میں نے اپنا تعارف حضرت نانا جان کی بہو ہونے کے ناطے کروایا۔ نانا جان کا نام سنتے ہی وہ آفیسر کرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا! آپا جی! آپ نے آنے کی کیوں تکلیف کی بچے کو بھیج دیتیں۔ پھر اس نے پورا پرانا ریکارڈ منگوا کر خود بچوں کے سرٹیفکیٹ ٹائپ کر کے دیئے اور اس عرصہ میں ہمارے لئے چائے اور پانی وغیرہ بھی منگوایا۔ ہم سے سرٹیفکیٹ کی کوئی فیس بھی نہ لی اور کہا کہ صرف پانچ روپے اس سپاہی کو دے دیں جو کہ اندر باہر کام کرتا پھر رہا ہے۔ کام ختم کرنے کے بعد سپاہی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ تم جانتے ہو کہ میں کرسی سے اُٹھ کر کیوں کھڑا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خاتون اُس نیک بزرگ کی بہو ہیں جن کی دعا کی وجہ سے میں آج اس کرسی پر بیٹھا ہوں۔ پھر اس نے بتایا کہ میں رشوت نہیں لیتا جس کی وجہ سے میرا آفیسر مجھ سے ناراض رہتا تھا اور ہمیشہ میری ترقی روک دیتا تھا۔ میں سخت پریشان ہو کر ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے پاس گیا اور اُن سے دعا کے لئے کہا۔ انہوں نے میرے لئے دعا کی جس کی برکت سے ہی میں آج اس کرسی پر بیٹھا ہوں۔ اس وجہ سے میں بطور احترام کرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔

امریکہ آنے کے لئے باقی کام بھی اللہ تعالیٰ کے فضل اور نانا جان کی دعاؤں سے ہوتے گئے اور ہم سب امریکہ آگئے۔ یہاں آکر بچوں کی پڑھائیاں بھی مکمل کروائیں۔ شادیاں بھی کیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے۔ سب بچے نیک ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت نانا جان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ یہ ان کی نیم شبی التجائیں تھیں جو ہم اس مقام پر ہیں۔ الحمد للہ

نوجوانی کی عمر سے ہی میری شدید خواہش تھی کہ میں حج کروں اور ایک مبارک خواب بھی دیکھ چکی تھی۔ یہ خواب 40 سال کے بعد 1982ء میں پوری ہوئی جب میرے میاں نے اور میں نے اکٹھا حج کیا۔ میرے میاں اس سے پہلے بھی عمرہ اور حج کر چکے تھے۔ حج کرنے کے بعد ہم دونوں نے ایک بار پھر عمرہ کیا۔الحمد للّٰہ ۔ اللہ تعالیٰ نے میری یہ خواہش بھی پوری فرمادی۔"

7۔ نعیمہ بیگم

نعیمہ بیگم، ڈاکٹر صاحب کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ قادیان میں پیدا ہوئیں۔ میٹرک سے ایم اے تک لاہور میں تعلیم پائی اور 1955ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ہسٹری میں ایم اے کرنے کے بعد جامعہ نصرت ربوہ میں تقریباً ساڑھے چھ سال تک بطور لیکچرار کام کرتی رہیں۔ کالج کے Pioneer اساتذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی شادی سید محمد اکرم شاہ صاحب انفارمیشن آفیسر کے ساتھ ہوئی جو کہ 1982ء میں وفات پاگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بیٹے عطا کئے۔ اسلم رضا شاہ اور اکبر شاہ۔ اکبر شاہ آغا خان میڈیکل یونیورسٹی کراچی سے MBBS کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ آگئے اور شعبہ امراض قلب میں سپیشلائز کرنے کے بعد Ohio اسٹیٹ میں بطور کارڈیالوجسٹ کام کر رہے ہیں۔ یہ سلسلہ کے ساتھ بہت اخلاص رکھتے ہیں۔ شروع سے ہی نماز تہجد کے پابند اور نوعمری سے ہی موصیان میں شامل ہیں۔ جماعت کے تمام چندے بہت باقاعدگی سے ادا کرنے والے ہیں۔ ان کی شادی اپنی خالہ زاد مریم سعدیہ سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے دو بچے طوبیٰ شاہ اور طاہر اکبر شاہ عطا فرمائے۔

نعیمہ بیگم آج کل اپنے بیٹے اکبر شاہ کے پاس ہی مقیم ہیں۔ ان کی BA کی اعلیٰ کامیابی پر حضرت ڈاکٹر صاحب نے مندرجہ ذیل اشعار تحریر فرمائے۔

دل میرا پھر آج کیوں مسرور ہے
رنج و غم اس سے ہوا پھر دور ہے
ہے خبر آئی کہ بیٹی نیک خو
ہوگئی ہے پاس اور مسرور ہے
تھی بہت وہ غمزدہ اور دل حزیں
رحم ربی سے ہوئی مغفور ہے
مانگی تھی فضل رحماں رات دن
سعی پیہم ہوگئی مشکور ہے

شکر ربی میں لگے ہیں جان و دل
ذرہ ذرہ ہو رہا بھر پور ہے
ہو نعیمہ علم میں برکت مدام
دیکھ لوں دل کو ترے پُرنور ہے
فضل کرنا رحم کرنا رات دن
رب محسن کا میرے دستور ہے

8۔ثمینہ بیگم

ڈاکٹر صاحب کی اولاد میں سب سے چھوٹی ثمینہ بیگم ہیں اور قدرتاً والدین کی بہت لاڈلی، قادیان میں پیدا ہوئیں۔ صرف ابتدائی چند ایک کلاسز کے بعد انہوں نے بھی لاہور میں تعلیم حاصل کی اور اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے کیا اور کچھ عرصہ اسلامیہ کالج فار ویمن میں بطور لیکچرار کام کیا۔ بچپن سے ہی نمازوں کی پابند اور لمبے سجدے کرنے والی ہیں۔ ان کی میٹرک کے امتحان میں کامیابی پر ڈاکٹر صاحب نے مندرجہ ذیل اشعار تحریر فرمائے۔

مبارک ثمینہ تمہیں پاس ہونا
پھر حالت میں ناامیدی کی پاس ہونا
مبارک تمہیں لمبے سجدے مبارک
کہ بل پر ہے ان کے ہوا پاس ہونا

اسی طرح ایف اے میں کامیابی پر آپ فرماتے ہیں۔

ہوئی ہے پاس پھر میری ثمینہ
کرم مجھ پہ ہوا میرے کریما
وہ تھی سجدہ کناں در پہ
رحم اس پر ہوا میرے رحیما

والد صاحب کے خدمت میں ان کے ایک خط ملنے پر ڈاکٹر صاحب نے خوش ہو کر مندرجہ ذیل اشعار تحریر فرمائے۔

ہے پیاری ثمینہ کا خط پیارا آیا
جو دل کو ہے بھایا نظر میں سمایا
ہے لفظوں کو جمع کیا یوں ہے گویا
مصور نے تصویر کو ہے بنایا
روانی ہے مضمون کی اس کے ایسی
کہ قطروں سے بارش کے دریا بہایا
ہے بن کر کے سائل تیرے در پر مولیٰ
ناچیز بندہ یہ احقر ہے آیا
تودے اس کو عزت تو دے اس کو دولت
کرم کر خدایا! کرم کر خدایا

ثمینہ بیگم کی شادی محترم عبد الشکور صاحب کے ساتھ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹی عزیزہ مریم سعدی اور ایک بیٹا عزیزم سلمان راشد عطا کیا۔

i۔ مریم سعدیہ

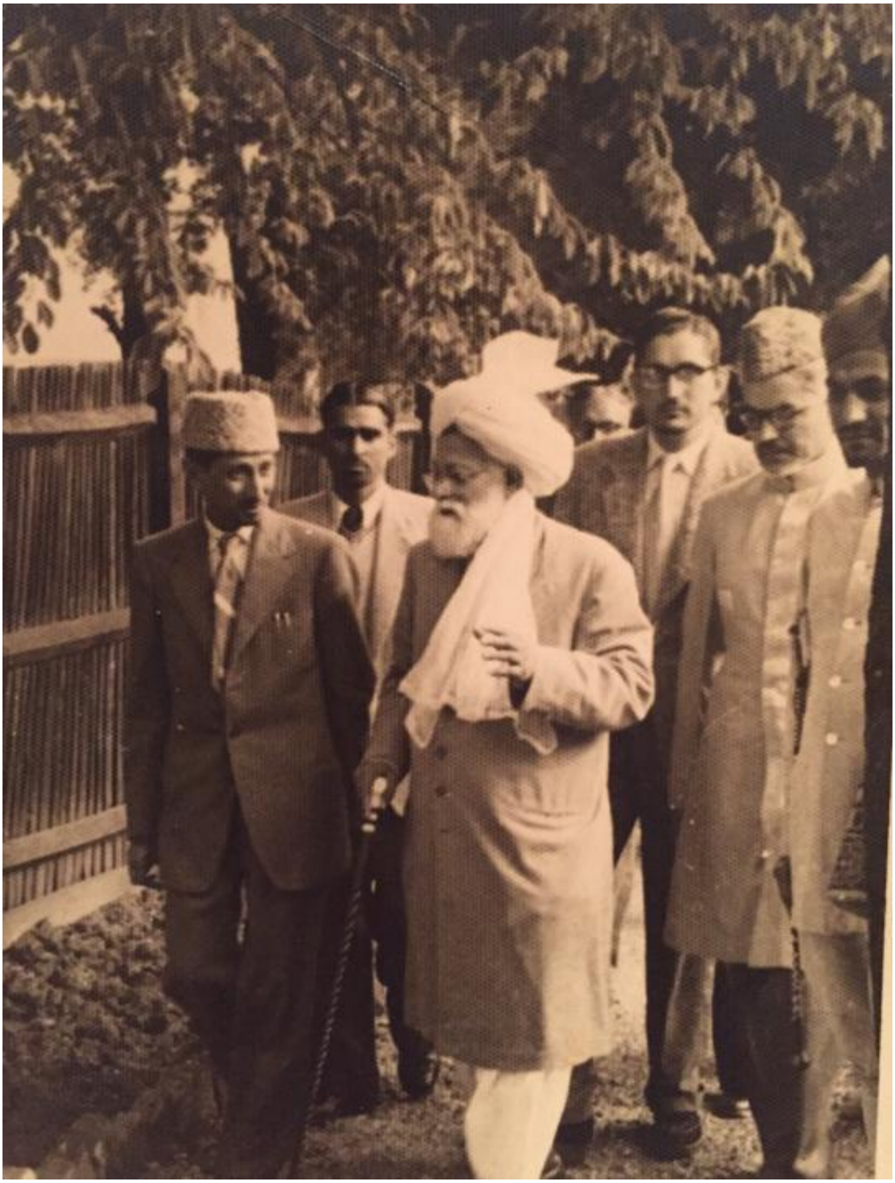
ان کی شادی اپنے خالہ زاد ڈاکٹر اکبر شاہ کارڈیالوجسٹ امریکہ کے ساتھ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی ایک بیٹی طوبیٰ شاہ اور ایک بیٹا طاہر شاہ عطا کیا۔ آج کل امریکہ میں مقیم ہیں۔

ii۔ سلمان راشد

ان کی شادی فائزہ آف کراچی سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی ایک بیٹا اور ایک بیٹی عطا فرمائی۔

عبد الشکور صاحب 1964 میں ایم ایس سی کرنے کے بعد کافی عرصہ سندھ کی شوگر انڈسٹری میں بطور ایگریکلچر منیجر متعین رہے۔ پھر کراچی میں NDFC میں بطور ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ ان کا تقرر ہوا اور اسی پوسٹ پر تقریباً 14 سال کام کرنے کے بعد آپ امریکہ آ گئے اور 1998ء سے یہاں مقیم ہیں۔

اپنے والد صاحب کی آخری بیماری میں ثمینہ بیگم نے کافی عرصہ ربوہ رہ کر اور پھر آپ کے میرپور خاص آنے پر بہت خدمت کی اور ان کی دعائیں بھی بہت لیں۔ کراچی قیام کے دوران ثمینہ بیگم لجنہ کی فعال کارکن تھیں اور مختلف عہدوں پر کام کرتی رہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب اور سلسلہ کا لٹریچر ہمیشہ ان کے زیر مطالعہ رہا۔



ڈاکٹر عبد الرحمٰن صدیقی صاحب (داماد حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب) حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ



ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب صدیقی (مرحوم) اپنے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع (رحمہ اللہ) کے ساتھ اپنے بنگلہ میرپورخاص میں۔
حضور (رحمہ اللہ) نے اپنے دست مبارک سے یہ الفاظ لکھ کر یہ تاریخی فوٹو تحفۃً ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب کو عنایت فرمایا۔
"برادرم ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب صدیقی کے لئے محبت بھری دعاؤں کے ساتھ"



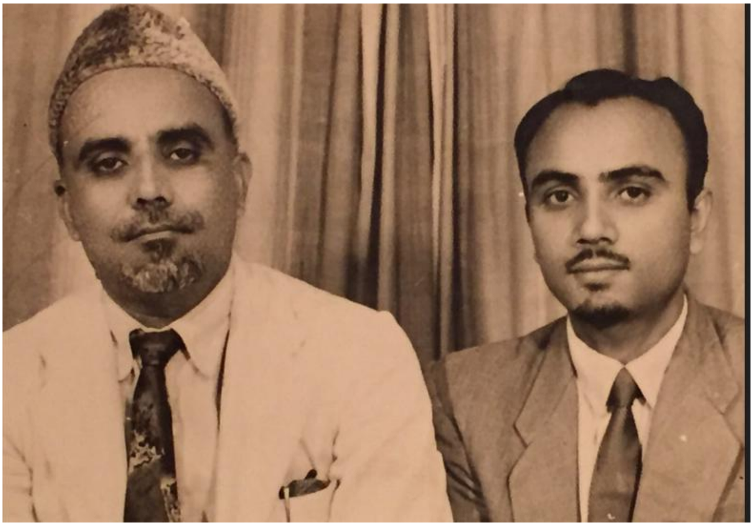
ڈاکٹر عبدالرحمٰن صدیقی صاحب اور عبدالشکور صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ 1984ء میں میرپورخاص سندھ میں



ڈاکٹر عبد المنان صدیقی صاحب ابن ڈاکٹر عبد الرحمٰن صدیقی صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ



ڈاکٹر عبد المنان صدیقی صاحب ابن ڈاکٹر عبد الرحمٰن صدیقی صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے ساتھ



ڈاکٹر محمد احمد صاحب اور کریم احمد نعیم (بیٹے)



شیخ غلام حیدر صاحب (داماد)

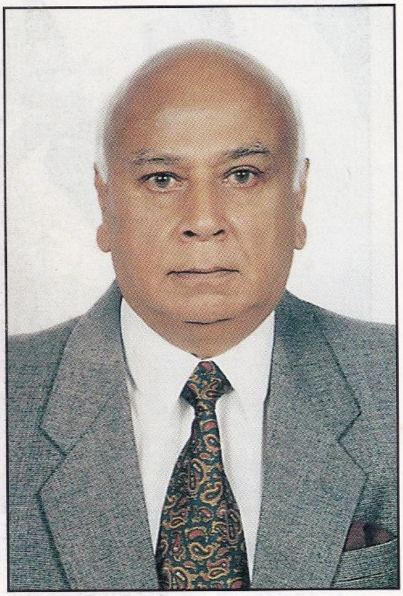


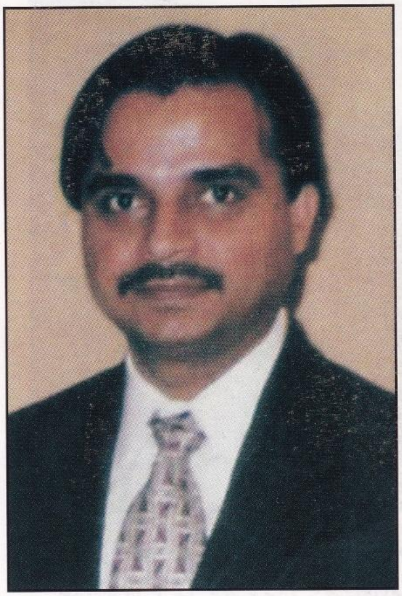
ڈاکٹر عبدالرحمٰن صدیقی صاحب (داماد)

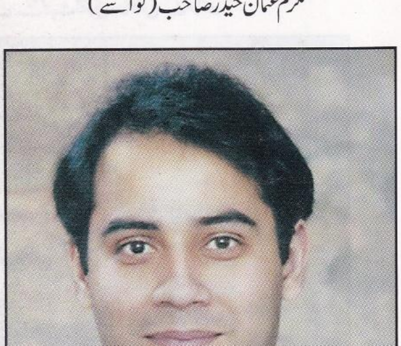


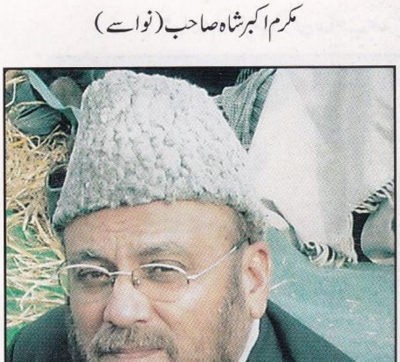
عبدالشکور صاحب (داماد)

اولاد (نواسے)

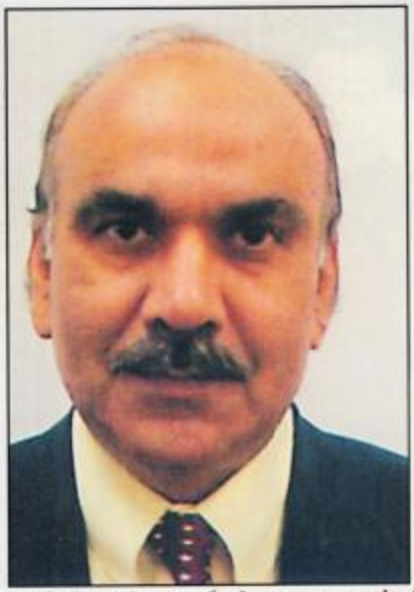

مکرم عثمان حیدر صاحب (نواسے)


مکرم اکبر شاہ صاحب (نواسے)


مکرم سلمان ارشد صاحب (نواسے)


مکرم رفیع احمد صاحب (نواسے۔ بھتیجی کے بیٹے)

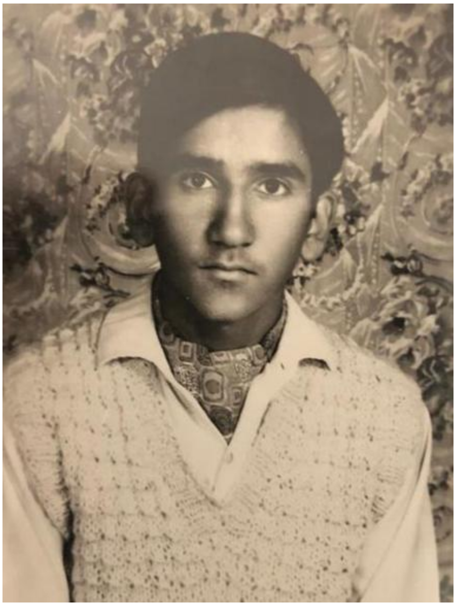
اولاد (پوتے)



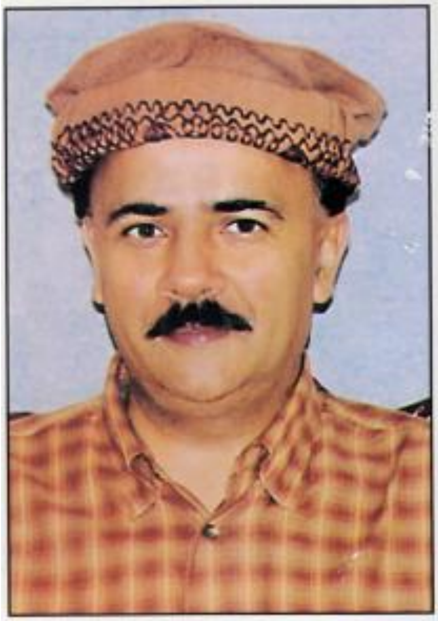
مکرم منصور احمد خاں صاحب جن کے بے لوث تعاون اور کاوشوں سے "ایاز محمود" پہلی بار منظر عام آئی۔



مکرم مبشر احمد صاحب (پوتے)



طاہر احمد صاحب (پوتے)



مکرم محسن احمد صاحب (پوتے)



مکرم مظفر احمد صاحب (پڑپوتے)



منعم نعیم (پوتے)



حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ہمراہ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب (امیر جماعتہائے امریکہ)،

ڈاکٹر مظفر ظفر صاحب (نائب امیر)، منعم نعیم (صدر خدام الاحمدیہ امریکہ)



مکرم منعم احمد نعیم صاحب ابن مکرم کریم احمد نعیم حضرت خلیفۃ المسیح الرابع (رحمہ اللہ)
کے ساتھ یادگار فوٹوگراف ۔ امریکہ میں خدمات سلسلہ کے دوران



حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے ساتھ صاحبزادہ ڈاکٹر مغفور احمد صاحب امیر جماعتہائے امریکہ،
کیپٹن ماجد احمد خان صاحب، منعم نعیم۔ گوئٹے مالا

باب نمبر:13

آخری علالت اور وفات

- شکریہ احباب اور اظہار واقعی
- میری علالت۔ اظہار تشکر
- عرض حال
- عنایات خداوندی پر اظہار تشکر
- ایاز محمود کے نام
- آپ کی وفات۔ اطلاع الفضل
- تجہیز و تکفین خبر الفضل
- عبارت کتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب
- حضرت ڈاکٹر صاحب کا ذکر خیر
- تعزیتی خطوط و بیانات
- قرار دادہائے تعزیت
- منظوم کلام بر وفات حضرت ڈاکٹر صاحب

شکریہ احباب اور اظہار واقعی

(1)

خاکسار ڈاکٹر حشمت اللہ کی بیماری اور دعا کا اعلان دوبارالفضل میں شائع ہوا ہے جس کی وجہ سے بعض محبوں کے خطوط اظہار ہمدردی اور دُعا کے موصول ہوئے ہیں۔ اگر چہ میں احباب کا شکریہ خطوط کے ذریعہ ادا کر چکا ہوں۔ لیکن اعلان بیماری سے صرف چند احباب ہی نہیں بلکہ جملہ قارئین الفضل آگاہ ہوئے ہیں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ بطفیل حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس عاجز کے ساتھ جذبات محبت اور ہمدردی رکھتے ہوں گے۔ پس میں اس غائبانہ محبت اور ہمدردی کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں اور جزاکم اللہ احسن الجزاء کہتا ہوں۔ اور ساتھ ہی ایک امر واقعہ کا اظہار بھی کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ خدا کی پیاری احمدی جماعت نے گزشتہ دس سال تضرّع اور ابتہال میں گزارے ہیں اور ان کی آنکھوں کے آنسو شاید ابھی خشک بھی نہیں ہوئے ہوں گے۔ ایسے حال میں اُن کا پیارا المصلح الموعود بھی انہیں داغ مفارقت دے گیا تو میرے جیسے کمزور اور حقیر انسان بھلا کس شمار میں ہے۔ آج ہر احمدی دل حضرت حسان بن ثابتؓ کے اس شعر کی ترجمانی کر رہا ہے۔

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَتْ عَلَیْكَ النَّاظِرُ
مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ

میں اس بات کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جماعت نے اپنے تضرّعات کا نیک صلہ پالیا کہ ایک قیمتی گوہر خلیفہ ثالث کے رنگ میں اُسے نصیب ہو گیا۔ جماعت کو ہر رنگ میں اس کی قدر کرنی چاہیئے۔

(الفضل 18/ فروری 1966ء صفحہ 4 جلد 20/55 شمارہ نمبر 41)

(2)

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب تاحال بیمار ہیں۔ گو پہلے کی نسبت کچھ افاقہ ہے مگر کمزوری بہت ہے۔

(الفضل 27/ اگست 1966ء صفحہ 1 جلد 20/55 شمارہ نمبر 199)

(3)

ربوہ۔ 31/ اگست۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کو گزشتہ تین چار روز سخت بے چینی اور گھبراہٹ رہی۔ آپ جسم سے آگ نکلتی محسوس فرماتے تھے۔ چنانچہ گزشتہ جمعہ کے روز کل تک کمرہ برف کے ذریعہ ٹھنڈا کیا جاتا رہا۔ پرسوں سے بخار نارمل ہو گیا ہے۔ مکرم ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب صدیقی بھی میرپور خاص سے ربوہ آکر علاج میں شریک ہو گئے ہیں۔

مورخہ 25 / اگست کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ شفقت حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف کے گھر تشریف لے جاکر آپ کی عیادت کی۔

(الفضل یکم / ستمبر 1966ء صفحہ 1 جلد 20 / 55 شمارہ نمبر 203)

میری علالت۔ اظہار تشکر

حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔

"میں ماہ اگست سے کئی تکلیف دہ عوارض میں مبتلا ہوں۔ مجھے دیگر عوارض کے علاوہ پلورسی Nephritis, Gaslis Entrititis اور بخار ہے مگر یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ میں تمام تکلیفوں کو صبر و سکون سے برداشت کرتا چلا آرہا ہوں اور گھبراہٹ، فکرمندی اور مایوسی میرے قریب تک نہیں پھٹکی۔ خیال غالب رہا کہ میرے پیارے اور محسن مولا کا مجھ پر ہر آن احسان رہتا ہے۔ یہ تھوڑی سی تکلیف کیا چیز ہے۔ بلکہ میں یقین سے پُر رہا ہوں کہ میرا آقا کوئی خاص نزول رحمت کرنا چاہتا ہے۔ سوالحمدللہ کہ اس بیماری کے دوران اللہ تعالیٰ کی بہت سی عنایات کا مشاہدہ کیا۔

25-26 اگست کو ایک خاص حالت میں آگیا جو موت کو قریب لے آئی لیکن میری اس خواہش کو خدا تعالیٰ نے غالباً قبول فرمایا کہ وہ مجھے اس طرح اپنے پاس نہیں بلائے گا۔ کہ مجھ کو بالکل پتہ ہی نہ چلے۔ چنانچہ 27 اگست کو میں قریباً تندرستی کے ساتھ سانس لینے لگا اور میں نے اپنے عزیزوں کو بشارت دے دی۔ 27 تاریخ کو جو حالت امید افزاء ہوگئی اس میں میرے پیارے عزیز ڈاکٹر عبدالرحمن صدیقی کی تجویز کردہ دوائی کا بھی حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عزیز کے چھ سو میل کا سفر کرکے علاج کے لئے آنے کی قدر فرمائی۔ صحت میں اس تبدیلی سے عزیز کی بھی حوصلہ افزائی ہوگئی۔ الحمد للہ

اب وہ کسی ضروری کام کے لئے راولپنڈی چلے گئے ہیں اُن کی مجوزہ دوائی استعمال کرتا رہا۔ جب اس کا دائرہ عمل ختم ہو گیا تو ملیریا کی علامات پیدا ہوئیں۔ خدا تعالیٰ عمر دراز کرے عزیز ڈاکٹر محمد احمد کی انہوں نے فوراً کونین کے ٹیکے شروع کر دیئے۔ جو خدا تعالیٰ کے فضل سے مفید ثابت ہوئے۔ آج پہلا دن ہے کہ میرا صبح کا ٹمپریچر اس درجہ پر آگیا جو میرا عام ہوا کرتا ہے۔

میں یہ سطور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے لکھ رہا ہوں اور یہی اظہار تشکر میرے محسن بھائیوں کے لئے ہے جو مجھ ناچیز کے لئے دُعا کرتے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ احباب مجھے حضرت محمود رضی اللہ عنہ کی نشانی جانتے ہیں۔ ہزاروں رحمتیں ہوں ان کی روح پاک پر اور ہزاروں فضل ہوں ان کی آل اور اولاد پر اور جملہ فدایان محمود پر۔ میں الفضل کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور احباب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے دُعا فرماتے رہیں تاکہ طاقت آجائے اور میں جماعت کی خدمت میں لگ جاؤں۔"

(الفضل 09/ ستمبر 1966 صفحہ 4 جلد 20 / 55 شمارہ نمبر 209)

ربوہ 15 ستمبر۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب تا حال بیمار چلے آتے ہیں، دیگر عوارض کے علاوہ بخار کی شکایت بھی ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے کمزوری بڑھتی جا رہی ہے۔

(الفضل 16 ستمبر 1966 صفحہ 1 جلد 20/55 شمارہ نمبر 215)

ربوہ یکم نومبر۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کم و بیش ساڑھے تین ماہ سے صاحب فراش چلے آتے ہیں۔ انہیں اعصابی کمزوری اور خون کی کمی کی شکایت ہے۔ گو طبیعت اب نسبتاً بہتر ہے۔ لیکن کمزور بہت ہو گئے ہیں۔

ماہ اکتوبر کے اوائل میں مکرم ڈاکٹر محمد یعقوب خاں صاحب اور مکرم ڈاکٹر سید عنایت اللہ شاہ صاحب بھی لاہور سے معائنہ کے لئے تشریف لائے تھے۔

مورخہ 08 اکتوبر کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی از راہ شفقت آپ کے گھر تشریف لے جا کر عیادت فرمائی۔

(الفضل 02 نومبر 1966 صفحہ 1 جلد 20/55 شمارہ نمبر 254)

ربوہ 08 جنوری۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب گزشتہ دنوں تین چار روز بعارضہ بخار بیمار رہے ہیں۔ گو اب بخار اُتر گیا ہے لیکن کمزوری بہت زیادہ ہے۔

(الفضل 09 جنوری 1967 صفحہ 1)

عرض حال

محترم ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔

"ہمارے پیارے اخبار الفضل (جس کا اس کے اجراء کے وقت سے میں خریدار ہوں کیونکہ یہ محمود (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا جس کا قدیمی ایاز ہوں لگایا ہوا پودا ہے میرا نمبر خریداری 8 ہے۔ حالانکہ میں اُن دنوں قادیان سے قریباً ایک سو میل دور پٹیالہ میں رہتا تھا۔) مورخہ 12 فروری میں عملہ کی طرف سے میرے متعلق جو نوٹ شائع ہوا ہے اس میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ میں دُعا کرنے والوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لیکن میری طبیعت نے صرف اس قدر اظہار پر تسلی نہیں پکڑی۔ کیونکہ احباب جماعت خصوصاً وہ جو مجھ سے خاص محبت رکھتے ہیں مجھے بہت ہی پیارے ہیں۔ پس اُن کی محبت مجھ سے جان کو گھلا دینے والی دعا کا تقاضا کرتی ہے۔ اور محب احباب واقعی اس قسم کی دُعائیں میرے لئے کرتے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اُن کی دعائیں میرے اندر ایک اور جان ڈال رہی ہیں۔ بس یہ حالت مجھ پر واجب کرتی ہے کہ میں بھی ان پیاروں کے لئے درد دل سے دعائیں کروں۔ چنانچہ میں کرتا ہوں۔ پس محض شکریہ کے الفاظ کافی نہیں ہیں۔

لہٰذا میں محبّ احباب کا محض شکریہ ادا نہیں کرتا بلکہ میں اُن کے لئے جاںنثار کرنے کا جذبہ اپنے اندر رکھتا ہوں۔ میرا یہ کلام مبالغہ نہیں ہے بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ دُعا کرنے والے تو ان گنت ہیں لیکن اس وقت میں تین ہستیوں کا ذکر خاص طور پر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

اوّل: اہلیہ صاحب مولوی غلام نبی صاحب مصری، یہ بزرگ خاتون میرے لئے دن رات دعائیں کرتی ہیں۔

دوم: میرا بیٹا محمد احمد اور اُن کی اہلیہ (محترمہ امۃ اللطیف صاحبہ بنت محترم محمد اشرف خان صاحب فیروزپوری) جو علاوہ دعاؤں کے انتھک خدمت کرتے ہیں۔

سوم: عزیزی ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب صدیقی میرپور خاص (امیر جماعت ہائے احمدیہ حیدرآباد ڈویژن) جو جاںنثار خادم احمدیت ہیں۔ انہوں نے میری بے لوث طبی خدمت انجام دی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان پر اور باقی سب احباب پر اپنے فضلوں کی بارش برسائے۔ آمین

(الفضل 15/ فروری 1967ء صفحہ 4 جلد 21/56 شمارہ نمبر 33)

عنایات خداوندی پر اظہار تشکر

حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔

”گزشتہ دنوں دو مقامی دوست میری عیادت کے لئے بعد نماز جمعہ تشریف لائے اور دیر تک میرے پاس بیٹھے رہے اور میری حالت کو دیکھ کر جذبات ہمدردی سے بھر گئے۔ اُن میں سے ایک نے مجھ سے دریافت کیا کہ آیا وہ میری حالت بیماری اور کمزوری کا لکھ کر میرے لئے اخبار میں تحریک کر دیں۔ لیکن میں نے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور بتایا کہ بے شک اسی تحریک سے میری ذات کو تو ضرور فائدہ پہنچ جائے گا لیکن اس کے ساتھ ہی ڈر ہے بعض عزیزوں کے لئے یہ مزید فکر و تشویش کا موجب نہ بن جائے۔

اس تمہیدی اظہار کے بعد میں اصل بات یعنی اظہار تشکر کے لئے لکھتا ہوں جس سے احباب بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ امر یہ ہے کہ عزیزم سیٹھ آدم اسماعیل (عرف دادو) ابن حضرت سیٹھ اسماعیل صاحب آدم جو کاروبار کے سلسلہ میں راولپنڈی آئے ہوئے تھے اور چند دنوں کے لئے ربوہ بھی تشریف لائے تھے۔ میری عیادت کے لئے تشریف لائے انہیں دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا کہ وہ مجھے اپنے بیٹوں جیسے پیارے ہیں۔ اُن کی آمد سے جہاں میری ظاہری حالت فوری طور پر بہتر نظر آنے لگی۔ وہاں باطنی طور پر بھی مجھے نہایت درجہ فائدہ پہنچا۔ میں گزشتہ ماہ دسمبر میں چند روز کے لئے کراچی گیا تھا۔ تو آں عزیز اور ان کی اہلیہ اپنی جدی صفت مہمان نوازی (حضرت سیٹھ اسماعیل صاحب آدم بڑے مہمان نواز تھے) کے ماتحت میری بھی دل کھول کر میزبانی کی۔

لیکن ایک دوسری وجہ میرے دل کے شکر خداوندی سے لبریز ہو جانے کی یہ ہے کہ عزیز دادو سے میرے قیام کراچی کے دوران مجھے رزق روحانی بھی میسر آیا۔ وہ رزق کیا تھا وہ اعلیٰ درجہ کے عرفان الٰہی کو ظاہر کرنے والا اُن کا بیان تھا۔ انہوں نے میرے سوال پر کہ آپ کا کیا حال ہے (جانی اور مالی بہبود کے لحاظ سے) برجستہ جواب دیا کہ

"اللہ کا بڑا شکر ہے اس کے فضل سے سب کچھ حاصل ہے اب تو اُس سے مانگتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔"

میں ان الفاظ کا سن کر سکتہ کی سی حالت میں آ گیا۔ ہاں ساتھ ہی اپنی خوش نصیبی معلوم ہونے لگی کہ مجھے ایک سبق روحانی حاصل ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ مجھے وہ روحانی رزق ملا جس کا اوپر ذکر ہوا۔

اللہ تعالیٰ آں عزیز کی عمر میں برکت دے اور تشکر ایزدی کا تازیست نمونہ بنائے رکھے۔ مجھے بھی ایسے عزیز کے طفیل تازیست عرفان بخشتا رہے اور اپنے شکر کا موقع دیتا ہے۔"

(الفضل 12 مارچ 1967ء صفحہ 4 جلد 21/56 شمارہ نمبر 54)

"ایاز" محمود کے نام

یہ نظم 24 فروری 1967ء کو حضرت ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ارسال کی گئی تھی جسے آپ الفضل میں شائع فرمانا چاہتے تھے۔ آپ کی خواہش "اشاعت" کی تعمیل میں۔ اُسے اس جگہ شائع کیا جانا مناسب ہے۔

"محمود" کے "ایاز" مبارک ہو آپ کو
قدرت نے آپ کو ہے دیا قدر کا مقام
محمود کے طبیب مسیحا کے جانثار
دیتا ہے درد دل سے دعا آپ کو امام
حضرت کے قدردان بڑے درد و سوز سے
دیتے ہیں آپ کو وہ دعا ہر صبح و شام
حضرت نے زندگی جو گذاری ہے دین میں
اس سے رہے گا آپ کا باقی ہمیشہ نام
قیوم بھی شریک ہے اُن اہل درد میں
حضرت کے قدر دان غلاموں کے بھی غلام

قیوم ملتجی ہے خدا کی جناب میں
قدرت سے آپ کو ہو عطا صحت و دوام
آخر میں آپ سے یہ ہے درخواست دعا
قدرت کرے جہاں میں مجھے فائز و مرام

عبد الباری قیوم (شاہد)

حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات کی اطلاع الفضل میں

"ربوہ 14/اپریل۔ 9:30 کے صبح ،نہایت افسوس اور دلی غم والم کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخلص، اسلام واحمدیت کے فدائی اور حضرت مصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے دیرینہ طبی خادم حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب مورخہ 13/اپریل 1967ء بروز جمعرات صبح دس بج کر بیس منٹ پر بعمر اسی سال وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ان جانثار اور فدائی بزرگوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کے ساتھ اپنی ساری زندگی خدمت اسلام اور خدمت سلسلہ میں گزار کر آنے والی نسلوں کے لئے خدمت وفدائیت کا نہایت اعلیٰ اور قابل رشک نمونہ پیش کرنے کی غیر معمولی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ کا آبائی وطن پٹیالہ تھا۔ آپ 1887ء میں پیدا ہوئے۔ آپ 1899ء جب آپ کی عمر بارہ سال تھی۔ اپنے دادا حضرت مولا بخش صاحب اور والد حضرت رحیم بخش صاحب کی معیت میں حضرت مولوی عبد القادر صاحب جمال پوری کے ہاتھ پر (جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے اپنے ہاتھ پر بیعت لینے کی اجازت تھی) بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ کو یہ شوق پیدا ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور سے بیعت قبول کئے جانے کی سند حاصل کی جائے۔ لہٰذا 1902ء میں آپ نے اپنے بعض ساتھی طالبعلموں کی معیت میں پٹیالہ سے حضور علیہ السلام کی خدمت میں بیعت کی درخواست بھیجی۔ آپ کی یہ خواہش پوری ہوئی۔ 17/جون 1902ء کے الحکم میں بیعت کی منظوری کا اعلان شائع ہوا۔ اس کے تین سال بعد 1905ء میں آپ نے قادیان حاضر ہو کر حضور علیہ السلام کی زیارت کی اور دستی بیعت کا شرف حاصل کیا۔

اگرچہ آپ قادیان میں دس یوم قیام کرنے کے بعد پٹیالہ واپس چلے گئے لیکن آپ کا دل قادیان میں ہی اٹکا رہا۔ اس کے بعد بھی آپ اہم مواقع پر قادیان حاضر ہوتے رہے۔

یہاں تک کہ آپ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے خاص ارشاد کی تعمیل میں 1919ء میں چھ ماہ قیام کی غرض سے قادیان آئے اور پھر وہیں کے ہو رہے۔ 1919ء سے 1959ء تک آپ کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے طبی خادم کی حیثیت سے نہایت والہانہ انداز میں خدمات سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ آپ پر طبی خدمات کی کلی ذمہ داری 1954ء تک رہی۔ جب تک کہ آپ نور ہسپتال کے انچارج رہے۔ پھر محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کے انچارج مقرر ہونے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی صحت کی نگرانی ان کے ذمہ آگئی۔ تاہم اس کے بعد حضور نے ازراہ شفقت حضرت ڈاکٹر صاحب کو اپنے ساتھ رکھا اور مئی 1959ء تک حضور کے علاج کے عملی حصہ مثلاً ٹیکے وغیرہ کرنے میں شمولیت کی سعادت آپ کو حاصل رہی۔ اس طرح آپ کو مسلسل چالیس سال تک طبی خدمات سرانجام دینے کی غیر معمولی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ نے محض ڈیوٹی کے طور پر نہیں بلکہ محبت و عشق اور فدائیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر یہ خدمات سرانجام دیں۔ اور اس طرح حضور کی غیر معمولی شفقت و عنایات اور نوازشات و احسانات کے مورد ہونے کا آپ کو خصوصی شرف حاصل ہوا۔ اس طویل عرصہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے خاندان کے حضرت ڈاکٹر صاحب کے گھرانے سے بہت ہی کریمانہ اور مشفقانہ اور حضرت ڈاکٹر صاحب کے حضور کے خاندان سے نہایت ہی خادمانہ، منکسرانہ اور والہانہ تعلقات رہے۔ شاذ ہی حضور کے ایسے سفر ہوں گے جن میں حضرت ڈاکٹر صاحب کو معیت کا شرف حاصل نہ ہوا ہو۔ حتّٰی کہ 1924ء اور 1955ء کے یورپ کے دو سفروں میں بھی حضرت ڈاکٹر صاحب حضور رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کی چالیس سالہ طبی خدمات کے علاوہ سلسلہ کی دیگر خدمات بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ آپ 1912ء سے 1918ء تک جماعت احمدیہ پٹیالہ کے سیکرٹری رہے۔ بعد ازاں قادیان میں آپ کو نور ہسپتال کے انچارج کی حیثیت سے اُسے ترقی دینے کا موقع ملا۔ آپ کے زمانہ میں اس کا زنانہ وارڈ قائم ہوا اور آپریشن روم میں بھی توسیع و ترقی ہوئی۔ آپ سالہا سال تک مشاورت میں شمولیت کی بھی توفیق پاتے رہے۔ نیز آپ سلسلہ کی مالی تحریکات میں بھی پیش پیش رہے۔

پھر حضور رضی اللہ عنہ کے قرب، طویل رفاقت اور فیض صحبت کی برکت سے حضرت ڈاکٹر صاحب کو علمی اور روحانی ترقی نصیب ہوئی۔ بلا شبہ آپ بہت دیندار اور بہت عبادت اور دعائیں کرنے والے خدا ترس اور صاحب رؤیا بزرگ تھے۔ قرآن مجید کے معانی اور معارف پر غور کرنا اور نئے نئے نکات نکالنا آپ کا نہایت محبوب مشغلہ تھا۔ فارغ اوقات میں اکثر قرآن مجید، کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور تفسیر کبیر کا مطالعہ فرماتے۔ سلسلہ کی قلمی خدمت میں بھی آپ پیش پیش رہے۔ بیشمار مضامین تحریر کئے جو سلسلہ کے اخبار و رسائل میں شائع ہوئے۔ مضامین لکھنے کا سلسلہ تو آخر عمر تک جاری رہا۔ چنانچہ وفات سے کچھ عرصہ قبل ہی آپ کے متعدد نوٹ الفضل میں شائع ہوئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔

ادارہ الفضل حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات پر آپ کی بیگم صاحب محترمہ، آپ کے صاحبزادگان، صاحبزادیوں اور جملہ دیگر افراد خاندان کے ساتھ دلی ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔ اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کے جنت الفردوس میں درجات بلند فرمائے اور اپنے خاص مقام قرب سے نوازے۔ جس طرح آپ کو اس دنیا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور حضرت مصلح الموعودؓ کی معیت حاصل ہوئی۔ اگلے جہاں میں بھی آپ کو یہ زیارت اور یہ معیت حاصل رہے۔ نیز اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد اور جملہ افراد خاندان کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرتے ہوئے دین و دنیا میں اُن کا ہر طرح حافظ و ناصر ہو۔ اور انہیں آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام اور سلسلہ کی خدمات بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللھم آمین"

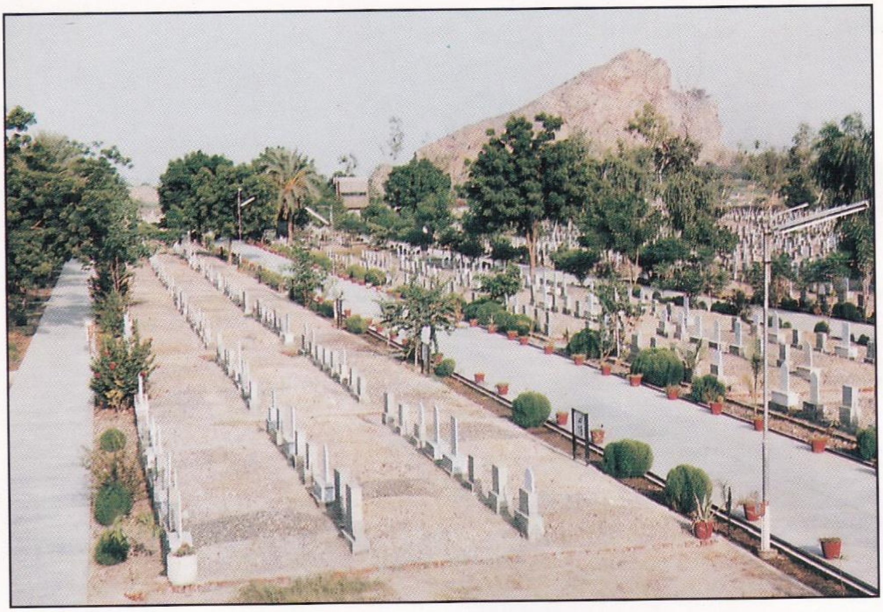
(الفضل 15 ر اپریل 1967ء صفحہ 1، 8 جلد 21/56 شمارہ نمبر 79)

تجہیز و تکفین و تدفین کی خبر الفضل میں

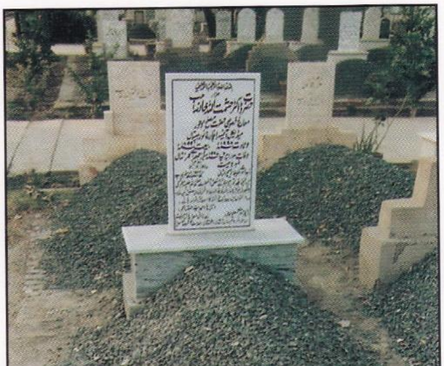
ربوہ 15 ر اپریل۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص صحابی اور حضرت المصلح الموعودؓ کے دیرینہ طبی خادم حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ (جنہوں نے 13 ر اپریل کو بعمر اسی سال وفات پائی تھی) کا جسد خاکی کل مورخہ 14 ر اپریل بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عشاء بہشتی مقبرہ کے قطعہ صحابہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

کل سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ناسازی طبع کے باوجود نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ پڑھائی جس میں ہزاروں کی تعداد میں مقامی احباب اور بیرونجات سے آئے ہوئے احباب نے شرکت کی۔ چونکہ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کی دو صاحبزادیوں نعیمہ بیگم صاحبہ اہلیہ سید محمد اکرم شاہ صاحب اور ثمینہ بیگم صاحبہ اہلیہ عبدالشکور صاحب ایم ایس سی نے اسی شام میرپور خاص سے آنا تھا۔ اس لئے اُن کے ربوہ پہنچنے پر تدفین بعد نماز عشاء عمل میں آئی۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد، مقامی احباب نیز لاہور، کراچی، راولپنڈی، سرگودھا، لائل پور (حال فیصل آباد) اور بعض دوسرے مقامات کے احباب جنازہ کے ہمراہ بہشتی مقبرہ تک گئے۔ قبر تیار ہونے پر سیدنا امیر المؤمنین نے قصر خلافت سے وہاں تشریف لا کر قبر پر دعا کرائی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کے جملہ صاحبزادگان، صاحبزادیاں، داماد اور بیرونجات کے بہت سے احباب تدفین سے قبل ربوہ پہنچ گئے تھے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کو مورخہ 13 ر اپریل کی شام کو محترم مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری ناظر اصلاح وارشاد کی زیر نگرانی مکرم سید مبارک سرور شاہ صاحب، مکرم مولوی نذر احمد صاحب اور مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے غسل دیا۔ نیز عبدالباری قیوم صاحب شاہد اور عزیز منصور احمد خاں نے ان کا ہاتھ بٹایا۔



بہشتی مقبرہ ربوہ جہاں حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف آخری آرام فرما رہے ہیں۔



مزار مبارک حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب

احباب جماعت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کے جنت الفردوس میں درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں اپنے خاص مقام قرب سے نوازے نیز جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرتے ہوئے دین و دنیا میں اُن کا حافظ وناصر ہو۔ آمین

(الفضل16 ۱ اپریل1967ء صفحہ 1 جلد 21/56 شمارہ نمبر80)

عبارت کتبہ

مزار

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ

معالج خصوصی

حضرت مصلح موعودؓ۔ میڈیکل آفیسر انچارج نور ہسپتال

ولادت:1887ء بیعت:1899ء

وفات 13 اپریل1967ء بروز جمعرات

عمر:80سال نمبر وصیت:1481

آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے 1924ء کے سفر یورپ میں رفیق تھے اور مسیح موعود کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی یَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَیْضَاءِ شَرْقِیَّ دِمَشْقَ میں مذکور دو فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کا مصداق قرار پائے۔

(تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ 413)

آپ کو حضرت المصلح الموعودؓ کے ذاتی معالج کی حیثیت سے متواتر 47 سال (1918ء تا1965ء) خدمت کا شرف حاصل رہا۔

W-1481

(وصیت نمبر1481)

حضرت ڈاکٹر صاحب کا ذکر خیر

حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات پر بہت سے احباب نے سلسلہ کے اخبار ورسائل میں اور آپ کے فرزند ڈاکٹر محمد احمد صاحب اور آپ کی اہلیہ محترمہ کے نام خطوط میں آپ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا ہے اور کچھ اشعار بھی تحریر کئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(1)

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد تحریر فرماتے ہیں:

”انسانی زندگی کے محدود ایام میں اگر انسان اپنے مقصد حیات کو پالے تو اس کی موت اس کی لامتناہی ترقیات کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ دُنیا کے لوگ اس کی موت پر افسردہ وگریاں ہوتے ہیں مگر وہ خنداں وشاداں اپنے رب کے پاس جاتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ انہوں نے سن شعور کے آغاز سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قبول کیا اور اپنی معرفت اور اطاعت و قربانی میں ترقی کرتے گئے۔ پھر آپ کو یہ بھی نادر موقع میسر آیا کہ آپ نے حضرت المصلح الموعودؓ کی خدمت میں لمبا عرصہ گزارا اور آخر تک بطور طبی خادم اور معالج آپ کو کام کرنے کی توفیق حاصل ہوئی۔

ایں	سعادت	بزور	بازو	نیست
تا	نہ	بخشد	خدائے	بخشندہ

حضرت ڈاکٹر صاحب قرآن مجید پر ہمیشہ تدبر فرماتے رہتے تھے اور کئی علمی لطیف نکتے انہوں نے بیان فرمائے ہیں۔ قرآن مجید کے درسوں میں بڑے التزام سے شریک ہوتے تھے۔ اور مسائل دینیہ میں آپ کو خاص ذوق حاصل تھا۔ دینی کتب بالخصوص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ آپ کی روحانی غذا تھی۔ قبولیت دعا میں آپ ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ خاکساری اور تواضع آپ کا شِعار تھا۔

ڈاکٹری کا پیشہ انسان کے لئے بہتوں سے دُعاؤں کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ جب ایک بیمار کے ساتھ ڈاکٹر محبت اور ہمدردی سے پیش آتا ہے اس کی بیماری کی تشخیص کرتا ہے۔ اس کے لئے دوا تجویز کرتا ہے تو اُسی وقت سے بیمار کا دل اس ڈاکٹر کے لئے دُعا شروع کر دیتا ہے اور پھر جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے بیمار کو شفا حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وہ ڈاکٹر کے لئے مزید احسان مند ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ساتھ محسن ڈاکٹر کے لئے بھی دعا گو ہوتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ کو نور ہسپتال قادیان میں سالہا سال تک بطور انچارج ڈاکٹر ہزاروں بیماروں کی بے شمار دعائیں لینے کا موقعہ ملا ہے۔ اور انہیں صدہا بیماروں کا انتہائی ہمدردی سے علاج کرنے کی توفیق ملی ہے۔ مجھے ذاتی تجربہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب بڑی محبت اور فکر مندی سے علاج فرماتے تھے۔ اور مقدور بھر بیماروں کی دلجوئی فرماتے تھے۔ اکثر دفعہ بے وقت بلکہ راتوں کو بھی ڈاکٹر صاحب نے علاج و معالجہ کے ذریعہ مریضوں کے آرام کا خیال رکھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب میں عام ڈاکٹروں کے مقابلہ میں یہ امتیازی خوبی بھی تھی کہ آپ بیمار کے لئے دُعا بھی فرماتے تھے اور تشخیص اور تجویز دوا کے وقت بھی اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے تھے کہ وہ صحیح رہنمائی فرمائے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے زیر علاج اکثر بیمار صحت یاب ہوتے تھے۔ غرض کئی لحاظ سے حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ کی وفات ایک بہت بڑا اجماعتی صدمہ ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خاص حسن ذوق

بھی عطا فرمایا تھا۔ اشعار بھی کہتے تھے اور مجلس میں بھی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ طبیعت بہت حساس تھی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے سفر و حضر کے ساتھی تھے اور اس رفاقت نے اُن کی استعدادوں اور قابلیتوں کو روشن تر کر دیا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب میں صلہ رحمی کا وصف بھی نہایت اعلیٰ پایہ پر موجود تھا۔ اُن کے ایک بھائی میاں محمد ظہور خان صاحب احمد نگر میں رہتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میرے عرصہ قیام احمد نگر میں حضرت ڈاکٹر صاحب بارہا اپنے بھائی اور ان کے عزیزوں سے ملنے کے لئے احمد نگر جایا کرتے تھے اور پورے طور پر مصروف الاوقات ہونے کے باوجود وہ اس کارِ خیر کے لئے وقت نکال لیا کرتے تھے۔ اپنے باقی عزیزوں، بیٹوں اور دامادوں سے بھی محبت بھرا سلوک کرتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب ایک فدائی مومن تھے اور ہمہ وقت قربانی پر آمادہ رہتے تھے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب کے درجات بلند فرمائے اور سلسلہ احمدیہ کو ان جیسے مخلص اور فدائی وجود ہمیشہ عطا فرماتا رہے۔ اللھم آمین یارب العالمین"

(الفضل 26/اپریل 1967ء صفحہ 4 جلد 21/56 شمارہ نمبر 88)

(2)

برادرم محترم جناب شیخ خورشید احمد صاحب نائب ایڈیٹر الفضل ربوہ رقمطراز ہیں:

"حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب بہت سی ایسی خصوصیات اور خوبیوں کے حامل تھے جن کی وجہ سے آپ کی رحلت پر احبابِ جماعت نے غیر معمولی صدمہ اور رنج محسوس کیا ہے۔ آپ قرآن کریم سے گہرا شغف اور لگاؤ رکھتے تھے۔ بہت دعا گو تھے۔ عزیزوں اور دوستوں سے بہت شفقت کا سلوک کرتے۔ مریضوں کا اور بالخصوص غرباء کا علاج اتنی ہمدردی اور فکر سے کرتے کہ جب تک مریض کی بیماری میں افاقہ ہونے کی اطلاع نہ آجاتی خود بھی بے چین رہتے اور دواؤں کے ساتھ دعاؤں میں بھی لگے رہتے تھے۔

سب سے بڑی خصوصیت جو آپ کو حاصل رہی وہ یہ تھی کہ آپ کو 1918ء سے لے کر 1965ء میں حضور کے وصال تک مسلسل سفر و حضر میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا خاص قرب حاصل رہا۔ اپنی بے لوث خدمت، للّٰہی اخلاص اور مزاج شناس ایاز ہونے کی وجہ سے حضور کو آپ اتنے عزیز تھے کہ ہر حالت میں آپ کو اپنے ساتھ رکھا۔ حتّٰی کہ آخری طویل بیماری میں بھی حضور نے اپنے مکان (قصرِ خلافت) میں ایک کمرہ آپ کی رہائش کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ اس غیر معمولی قرب کی وجہ سے حضور کے اخلاص، عادات، حضور کی قائدانہ صلاحیتوں اور سربلند روحانی مقام کا مشاہدہ کر کے اپنے ایمان و عرفان میں ترقی کرنے کا موقع آپ کو اللہ تعالیٰ نے بخشا، وہ ایک ایسی خصوصیت ہے جس پر بجا طور پر فخر کیا جاسکتا ہے۔ ذالك فضل الله یؤتیه من یشاء"

(الفضل 16/مئی 1967ء صفحہ 3 صفحہ جلد 21/56 شمارہ نمبر 105)

تعزیتی خطوط

1۔ محترم چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام بیت محمود زیورک سویٹزرلینڈ تحریر فرماتے ہیں۔

”مجھ سے حضرت ڈاکٹر صاحب کے محبت کے تعلقات تھے جو اتفاق سے زیورک میں ایک عرصہ اکٹھے رہنے سے اور بھی گہرے ہوگئے۔ آپ میں بے شمار خوبیاں تھیں۔“

(الفضل16 / مئی1967ء صفحہ 3 صفحہ جلد21/56 شمارہ نمبر105)

2۔ مکرم سید عبد الوحید صاحب (کالونی تھل ٹیکسٹائل ملز بھکر ضلع میانوالی) لکھتے ہیں۔

”ہمارے نہایت ہی پیارے بزرگ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے عاشق زار اور آپ (مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب) کے نہایت ہی برگذیدہ والد ماجد کی وفات کی اطلاع ملی۔ پڑھ کر ایسا صدمہ ہوا جیسا کہ اپنے عزیز ترین رشتہ دار کا ہو سکتا ہے۔ محمود کا ایاز محمود کے بغیر زیادہ عرصہ فراق میں نہ گذار سکا۔ اور پلک جھپکتے ہی اپنے پیارے محمود کے پاس گیا۔ اور آپ سب کو نہیں بلکہ ساری جماعت کو سوگوار بنا کر چلا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون“

(الفضل16 / مئی1967ء صفحہ 3 صفحہ جلد21/56 شمارہ نمبر105)

3۔ محترم ڈاکٹر عبد اللہ صاحب میڈیکل پریکٹشنر (قلعہ صوبہ سنگھ) تحریر فرماتے ہیں۔

”آج سے 54 سال قبل 1912ء میں جبکہ میں پٹیالہ شہر میں نووارد تھا تو پہلی دفعہ حضرت ڈاکٹر صاحب سے تعارف ہوا۔ آپ نے مشورہ دیا کہ میں پٹیالہ میں آپ کی زیر نگرانی میڈیکل ہال کھول لوں۔ میں نے میڈیکل ہال کھول لیا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم راجندر ہسپتال میں ملازم تھے۔ خوردونوش اور رہائش کا انتظام آپ کے ہاں تھا۔ مجھے آپ کی والدہ محترمہ اور دیگر افراد خاندان اور آپ کے نانا مرحوم حکیم رحمت اللہ صاحب سے اُنس ہو گیا اور وہ وقت اب بھی رہ رہ کر یاد آتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم میرے ہم عصر تھے۔ بڑی بے تکلفی تھی۔ ہمیشہ موقع پر بے حد محبت سے ملتے تھے۔“

(الفضل16 / مئی1967ء صفحہ 3 صفحہ جلد21/56 شمارہ نمبر105)

4۔ محترم مولوی فضل الٰہی صاحب انوری مبلغ مغربی جرمنی لکھتے ہیں۔

”حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیمی صحابہ میں سے آپ کا وجود ایک بہت اہم یادگار کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ کے سب سے قریبی مصاحب حضرت ڈاکٹر صاحب ہی تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کے ساتھ خاکسار کے ذاتی تعلقات تھے۔ مگر ان تعلقات کو پروان چڑھانے کا سہرا بھی خود ڈاکٹر صاحب کے سر پر تھا۔ ان کے وجود میں وہ کشش تھی اور فدایان احمدیت سے انہیں وہ محبت اور وابستگی تھی کہ جس نے اجنبیت اور غربت کو

دور کر کے اس کی جگہ الفت اور محبت کا رشتہ پیدا کر دیا تھا۔ خاکسار نے جب بھی حضرت ڈاکٹر صاحب کو خط لکھا ان کا نہایت محبت بھرا جواب آیا۔"

(الفضل 16 / مئی 1967ء صفحہ 3 جلد 21/56 شمارہ نمبر 105)

5۔ جناب فیض قادر صاحب ابن محترم حضرت شیخ نور احمد صاحب (کراچی) لکھتے ہیں۔

"مجھے ذاتی طور پر حضرت ڈاکٹر صاحب سے اپنے بچپن سے تعلق رہا ہے۔ جب بھی اُن سے ملا تو ہر دفعہ ایک نئی محبت اور پیار حاصل کیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات سے ہم ایک بہت ہی قابل نیک اور دیندار بزرگ کی شفقتوں سے محروم ہو گئے۔"

(الفضل 16 / مئی 1967ء صفحہ 3 جلد 21/56 شمارہ نمبر 105)

6۔ محترم سید ارتضیٰ علی صاحب آف لکھنؤ نے کراچی سے لکھا۔

"حضرت ڈاکٹر صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بابرکت اور عظیم المرتبت صحابہ میں سے تھے۔ اور ہم سب کے درمیان ایک مجسم برکت تھے۔ آپ (ڈاکٹر محمد احمد صاحب) اور ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب صدیقی نے اُن کی مثالی خدمت کی۔ آپ نے فرزند ہونے کی حیثیت سے اور صدیقی صاحب نے نسبتی فرزند ہونے کی حیثیت میں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور تمام افراد خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

(الفضل 16 / مئی 1967ء صفحہ 3 جلد 21/56 شمارہ نمبر 105)

7۔ جناب ملک منظور احمد خاں صاحب (سمن آباد لاہور) لکھتے ہیں۔

"حضرت ڈاکٹر صاحب ایمان و عمل کے لحاظ سے بہت ہی بلند پایہ کے بزرگ تھے۔ خود تکلیف اُٹھا کر دوسروں کو آرام اور سکھ پہنچاتے تھے۔ نہایت بابرکت، متواضع اور نابغہ روزگار اور مقرب الٰہی تھے۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بے پایاں محبت تھی۔ قرآنی معارف کا ایک بحر زخار تھے۔ ملاقات کو بہت پسند کرتے تھے۔ ہر شخص کو دُعا دیتے اور ہر شخص کے لئے دُعا کرتے تھے۔ تمام عمر نہایت محنت، اخلاص اور جانفشانی سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور حضور کے خاندان کی خدمت کی۔"

(الفضل 16 / مئی 1967ء صفحہ 3 جلد 21/56 شمارہ نمبر 105)

8۔ مکرم چوہدری محمد تقی صاحب ولیڈی ڈاکٹر غلام فاطمہ صاحبہ (موضع ڈھپئی ضلع سیالکوٹ) تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کو خدا تعالیٰ نے وہ بلند مقام بخشا تھا جس پر آنے والے احمدی ڈاکٹر رشک کریں گے۔ میری بیگم لیڈی ڈاکٹر غلام فاطمہ صاحبہ کی صحت خراب رہتی ہے۔ جب سے انہیں مرحوم کی وفات کی خبر ملی ہے وہ بار بار حضرت ڈاکٹر صاحب کے احسانات اور اخلاق حسنہ کو یاد کرتی ہیں اور روتی ہیں۔ وہ یہی کہتی ہیں کہ وہ تو ایک فرشتہ تھے۔ جنہوں نے قادیان کے غریب ہسپتال میں غریبوں کے لئے ہی زندگی وقف کر دی تھی۔ میرے لئے وہ ڈاکٹری کے پیشے میں

بھی ایک رہنمائی کا کام کرتے رہے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حقیقی عاشق اور غریبوں کے لئے مجسم رحم ہی رحم تھے۔ دراصل جن پاک ہستیوں کی خدمت کے لئے وہ آئے تھے جب وہ چلی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کا کام بھی اس دنیا سے ختم کر دیا۔"

(الفضل 16 / مئی 1967ء صفحہ 3 جلد 21 / 56 شمارہ نمبر 105)

9۔ محترم میاں بشیر احمد صاحب سابق پاسپورٹ آفیسر (کوئٹہ) رقم طراز ہیں۔

"مجھے حضرت ڈاکٹر صاحب کو زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع 1948ء، 1949ء، اور 1950ء میں کوئٹہ میں ملا۔ جبکہ گرمیوں میں سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی معیت میں آپ کوئٹہ میں مقیم رہے۔ اس وقت حضرت ڈاکٹر صاحب کی پاکیزہ مجالس سے اکثر مستفیض ہونے کی توفیق پائی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی زندہ دلی اور شفقت اور آپ کے پاکیزہ ارشادات ان مجالس کی جان ہوتے تھے۔ مجھے یاد ہے اس وقت بعض عناصر نے جماعت کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا شروع کیا ہوا تھا جس کے جواب میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے ایک نہایت اچھا ٹریکٹ بھی شائع فرمایا۔ اور لوگ باوجود مخالفت کے کثرت سے آتے تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نہایت مؤثر طور پر حجت کے انداز میں گفتگو کرتے تھے جس کا اثر ان لوگوں پر بہت اچھا پڑتا تھا۔"

(الفضل 16 / مئی 1967ء صفحہ 3 جلد 21 / 56 شمارہ نمبر 105)

10۔ مکرم ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب (ریس کورس روڈ لاہور) لکھتے ہیں۔

"آپ کی وفات ایک نہایت نیک، متقی اور حد درجہ خدا ترس اور جذبہ قربانی و ایثار سے سرشار ہستی کی وفات ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے نہایت پر خلوص اور وفادار ساتھی تھے۔ جنہوں نے نصف صدی کے قریب عمر نہایت وفاداری اور محبت سے حضور ہی کے دروازہ پر گزاری۔"

(الفضل 16 / مئی 1967ء صفحہ 3 جلد 21 / 56 شمارہ نمبر 105)

11۔ محترم مرزا احمد بیگ صاحب سابق انکم ٹیکس آفیسر (ساہیوال) نے لکھا۔

"وہ اس شمع فروزاں کے فدائی پروانہ تھے جس نے 52 سال تک زمین کے کونے کونے کو نور سے منور کرنے کی کوشش کی۔ وہ ایسے وجود تھے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کی گھڑیاں بھی دیکھیں اور حضرت مصلح موعودؓ کے دم واپسیں کا نظارہ بھی دیکھا۔ جس نے ساری عمر سفر و حضر میں حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت کا فخر حاصل کیا۔ وہ احمدیت کی تاریخ میں ایک سنہری باب کی حیثیت رکھتے تھے۔ کوئی احمدی مؤرخ ان کی اس حیثیت کو نظر انداز نہیں کر سکے گا"

(الفضل 16 / مئی 1967ء صفحہ 3 جلد 21 / 56 شمارہ نمبر 105)

12۔ محترمہ صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ بیگم محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب (قادیان) تحریر فرماتی ہیں۔
”حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کو جو محبت اور پیار خاندان مسیح موعود علیہ السلام سے تھا اس کی وجہ سے آپ اپنے گھر کے فرد معلوم ہوتے تھے۔ آپ کی وفات سے جماعت میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے۔ ایک ایک کر کے یہ بزرگ ہم سے رخصت ہو رہے ہیں۔“

(مکتوب بنام محترمہ بیگم صاحبہ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم)

13۔ محترم شیخ نصیر الدین احمد صاحب (لیگوس) سے تحریر فرماتے ہیں۔
”ان کی نیکی، شفقت، ہمدردی اور مہربانیاں ہمیشہ ہمیشہ یادرہیں گی۔ صد افسوس کہ ہم اُن کے سایہ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔“

(مکتوب بنام محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب)

14۔ محترم میاں محمد شمس الدین صاحب قائمقام امیر جماعت احمدیہ (کلکتہ) لکھتے ہیں۔
”حضرت ڈاکٹر صاحب خاکسار کے لئے نہایت ہی بے غرض دُعا گو تھے۔ آپ کی تحریرات سے بے حد تسلی و اطمینان حاصل ہوا کرتا تھا۔ افسوس ہے آپ کے اخلاص و محبت و بہی خواہی کے جذبات سے بھری ہوئی وہ تمام باتیں رہ رہ کر یاد آرہی ہیں اور صدمہ و قلق ہوتا رہتا ہے۔“

(مکتوب محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب)

15۔ محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب (قادیان) تحریر فرماتے ہیں۔
”جہاں تک حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات کے صدمہ کا تعلق ہے وہ بہت بڑا ہے۔ لیکن آپ کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ حضرت مرحوم کی اولاد میں بھی وہی خوبیاں نظر آرہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن میں اور بھی ترقی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں ان شاء اللہ فرصت نکال کر ضرور کچھ لکھوں گا۔ اللہ مجھے اس کی توفیق دے۔“

(مکتوب بنام ڈاکٹر محمد احمد صاحب)

پھر دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں۔
”حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات نے طبیعت پر بہت اثر کیا ہے۔ اُن کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے۔ شدت سے اُس کا احساس ہو رہا ہے۔ اُن کی باتیں، پرانی یادیں، اُن کی محبت، اُن کا پیارا مذاق، اُن کی شفقت، ان کی مجلسیں اور سب سے بڑھ کر اُن کی دعائیں اور ابا جان سے اُن کا خادمانہ اور فدائیانہ تعلق۔ یہ سب امور ان کی جدائی کے احساس کو شدید کر دیتے ہیں... آپ خاندان میں بڑے فرد ہیں۔ سب کو تسلی دلائیں۔ سب سے حسن سلوک اور شفقت جیسا ڈاکٹر صاحب کرتے تھے آپ بھی

کریں۔ سب بھائی اور بہنوں کو ہماری طرف سے اظہار ہمدردی کر دیں۔ اماں جی، آپا زینب، آپا سلیمہ، عزیزان نعیمہ، ثمینہ بیگم اور عزیز نعیم احمد سب کو سلام"

(مکتوب بنام محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب)

16۔ محترم چوہدری محمد شریف صاحب فاضل (گیمبیا) تحریر فرماتے ہیں۔

"افسوس ہے کہ جہاں آپ اُن کی پدرانہ شفقت سے محروم ہو گئے۔ وہاں ہم ان کی للّٰہی محبت اور مخلصانہ دعاؤں سے محروم ہو گئے۔ میرے ساتھ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور جس طرح محبت کرتے تھے۔ محض خدا تعالیٰ کے لئے اور اس کے دین کے لئے۔ اور جس طرح شفقت سے پیش آتے تھے اور اپنی اس محبت و شفقت کا عملی ثبوت اپنے خطوط کے کریمانہ اور وقتاً فوقتاً دعوتوں اور چائے پانی سے کرتے رہتے تھے۔ میں اُسے کیسے بیان کر سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی اُن کو للّٰہی نیک سلوکوں اور خدمتوں کا اجر عظیم بخشے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور ہمارے ایک زندہ ولی تھے اور میں نے ان کے سوانح حیات "اصحاب احمد" میں شائع کر دیئے تھے"

(مکتوب بنام محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب)

17۔ محترمہ امۃ المجید صاحبہ (لنڈن) تحریر فرماتی ہیں۔

"دادا جان کی حسرت آیات وفات کی خبر پہنچی۔ دل کو یقین نہیں آتا کہ اتنی پیاری ہستی ہم سے جدا ہو چکی ہے۔ آپ کے دل میں خاندان کے ہر بچے کے لئے پیار اور محبت کا جذبہ پایا جاتا تھا اور آپ دور کے رشتہ داروں کا بھی جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا خیال رکھنے اور مشکل وقت میں مدد فرماتے تھے۔ اسلام اور سلسلہ کی خدمت، فدائیت کا اعلیٰ نمونہ تھے اور آپ ہر فرد کو اسلام اور سلسلہ کا سچا خادم بننے کی تاکید فرمایا کرتے اور ہمیشہ قیمتی نصائح سے نوازا کرتے تھے۔

اپنے خاندان کے ہر چھوٹے اور بڑے سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ اُن کی صحبت میں بیٹھ کر ہمیشہ شفقت اور پیار حاصل ہوتا تھا۔ آج ہم آپ کی شفقت، پیار اور دعاؤں سے محروم ہو گئے ہیں"

(مکتوب بنام محترم بیگم صاحبہ حضرت ڈاکٹر صاحب)

18۔ محترم میاں عطاء اللہ صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی نے کینیڈا سے لکھا۔

"سیدنا حضرت فضل عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سے آپ کچھ ایسے کھوئے کھوئے سے رہے کہ بہت ہی کم صحت نصیب ہوئی۔ ظاہر میں تو غم نے بخار کی صورت اختیار کی تھی لیکن در حقیقت دل سوختہ کا بخار تھا۔ جو ہجر نے چڑھا رکھا تھا... جب وفات کی خبر پڑھی تو بے اختیار میرے لبوں پر یہ مصرع آیا۔

من مات من العشق فقد مات شهيد

یہ پُر سوز بخار زیادہ عرصہ زندہ نہ رہنے دے سکتا تھا...ڈاکٹر صاحب مرحوم سیدنا حضرت فضل عمر رضی اللہ عنہ کی پاکبازی اور مقرب بارگاہ الٰہی ہونے کے ایک زندہ ایسے گواہ تھے کہ ان کی شہادت کی تردید کسی بڑے سے بڑے دشمن سے بھی ممکن نہ تھی۔ وہ ایک بالکل غیر تھے اور گھر میں اس طرح داخل ہوئے کہ گھر کے فرد قریبی بن کے 1918ء سے 1965ء تک تمام معاملات خانہ اور حضور کی پرائیویٹ سے پرائیویٹ زندگی کو قریب سے دیکھنے والے بن گئے... ایک نہایت غیر جانبدار کی شہادت ہے جس کو وہ اپنے ہر پُر محبت سانس سے ادا کرتے رہے۔ انہیں حضور سے محبت ہی نہ تھی عشق تھا۔ وہ پروانے کی طرح اپنی شمع پر جان فدا کر گئے۔ حدیث میں آتا ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ ۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کا مقام قریباً یقین کے ساتھ محسوس اور معین کیا جاسکتا ہے۔"

(مکتوب بنام محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب)

19۔ محترم عبد اللطیف خان صاحب ابن محمد ظہور خان صاحب پٹیالوی لنڈن سے لکھتے ہیں۔

"جس شفقت کا سلوک انہوں نے عزیز و اقارب کے ساتھ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم تازیست اس احسان کو نہیں بھول سکتے اور ہم سب اُن کی مغفرت کے لئے دعا گو رہیں گے۔"

(مکتوب بنام محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب)

20۔ محترم مولوی بشیر احمد صاحب فاضل دہلی (بھارت) سے لکھتے ہیں۔

"حضرت ڈاکٹر صاحب سے میرے شاگردانہ تعلقات قریباً 1933ء سے تھے اور میں اسکول ٹائم سے فارغ ہو کر بعد نماز عصر اکثر اُن کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا۔ اور قرآن مجید کے بارہ میں جو اُن کا وسیع مطالعہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے تعلقات کی بناء پر اس بارہ میں جو عرفان آپ کو تھا اس سے فائدہ اٹھایا کرتا تھا اور میرا یہ طریق 1942ء تک جاری رہا۔ 1943ء میں خاکسار خدمت سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے قادیان سے باہر گیا۔ اس لئے مجبوراً یہ پاک صحبت ترک کرنی پڑی۔"

(مکتوب بنام محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب)

21۔ محترم عطاء اللہ خان صاحب جدہ (سعودی عرب) سے لکھتے ہیں۔

"جانا تو سب نے اسی راستے سے ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی اور خصوصاً سلسلہ کی خدمت کا حق ادا کرنے والوں کی وفات کا قلق تو ظاہر ہے۔ سلسلہ سے متعلق دوستوں کو ایسا ہی احساس ہوتا ہے جیسا کہ اپنا عزیز جدا ہوا ہے۔ حقیقت میں دارالامان کے ہر شخص کو کسی نہ کسی طرح آپ سے مستفید ہونے کا موقع ملا ہوگا۔ ہم اس وقت بچے اور اسکول کے طالب علم تھے۔ بعد میں بھی حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کا مقام نیکی اور تقویٰ ہیں۔ گویا دین ودنیا دونوں میں سے اللہ تعالیٰ نے نوازا۔"

(مکتوب بنام محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب)

22۔ محترم سید محمد زکریا صاحب صدر جماعت احمدیہ بھدرک (بھارت) لکھتے ہیں۔

"ہر آنکہ بنا چار بایدیش نوشید
زجام قطرہ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اخبار الفضل اور بدر سے معلوم ہوا کہ میرے دیرینہ کرم فرما، مشفق و مہربان اور آپ کے والد بزرگوار حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ اپنے محبوب حقیقی سے جاملے... مرحوم کی زندگی قابل رشک تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی ہونے کے علاوہ حضرت مصلح موعودؓ کی زندگی بھر خدمت کرنے کا خصوصی شرف حاصل ہوا۔
سفر میں اور حضر میں آپ کی ہمیشہ معیت رہی۔ یہ شرف نصیب ہونا معمولی بات نہیں۔ یہ آپ کے اور آپ کے خاندان کے لئے بڑے فخر کا موجب ہے اور رہتی دنیا تک تاریخ میں بڑے فخر کے ساتھ اس اعزاز پر جو مرحوم کو حاصل ہوا ذکر کیا جائے گا... مرحوم بڑے لمبے لمبے خط محبت و شفقت و نصیحت سے پُر لکھا کرتے تھے۔ جنہیں اب تک میں محفوظ رکھتا ہوں اور گاہ بگاہ دل کی آگ بجھانے کے لئے پڑھتا ہوں"

(مکتوب بنام محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب)

قراردادہائے تعزیت

1۔ مجلس علمی جامعہ احمدیہ۔ ربوہ

"آپ بڑے ہی منکسر المزاج، سادہ طبیعت، خدا ترس اور صاحبِ رؤیا بزرگ تھے۔ یقیناً آپ سلسلہ کے اُن ممتاز بزرگوں میں سے ایک تھے جنہوں نے آنے والی نسلوں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ چھوڑا۔"

2۔ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ۔ ربوہ

"چمن زار احمدیت کے یہ تینوں دلکش پھول ایک عرصہ تک اپنی خوشبو سے اپنے ماحول کو مہکا کر حال ہی میں یکے بعد دیگرے ہماری مادی آنکھوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو گئے۔"

3۔ مجلس اقتصادیات ٹی آئی کالج۔ ربوہ

"آپ ایک بلند پایہ بزرگ اور خلافت ثانیہ کے انوار سے براہ راست فیض حاصل کرنے والے خوش قسمت اور خوش نصیب یار غار تھے"

4۔ لجنہ اماء اللہ کنری۔ سندھ

"حضرت ڈاکٹر صاحب کو نہ صرف صحابی ابن صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آپ اسلام واحمدیت سے والہانہ عشق و محبت رکھتے تھے۔ اور ہر لمحہ اسلام کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف رکھتے... آپ کو حضور سے اتنا والہانہ عشق تھا کہ آپ اپنے اہل وعیال سے بھی زیادہ حضور کے ساتھ وابستگی اور محبت رکھتے تھے"

5۔ جماعت احمدیہ جڑانوالہ

"حضرت ڈاکٹر صاحب گوناگوں خوبیوں اور محاسن کے حامل تھے... تقویٰ شعار کے اعتبار سے بھی ان کا شمار اہل اللہ میں ہوتا تھا"

6۔ نظارت خدمت درویشاں۔ ربوہ

"درویشان قادیان کو محترم حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی وفات پر بے حد صدمہ پہنچا ہے اور آپ سے اور آپ کے ذریعہ آپ کے جملہ افراد خاندان سے اظہار افسوس کرتے ہیں"

منظوم خراج عقیدت

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کا جنازہ دیکھ کر

(مولانا محمد صدیق امرتسری۔ ربوہ)

کر دیا گل موت کی آندھی نے اک روشن چراغ
چل بسے افسوس حضرت ڈاکٹر صاحب بھی آج
اک حباب بحر ہے دنیا میں انساں کی حیات
توڑ دیتی ہے جسے یکدم کوئی موج فرات
موت کیا ہے اپنے محبوب حقیقی سے وصال
جس کا ہے انجام بالآخر حیات لازوال
کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً میں ہے نہاں راز حیات
چل رہی ہے جس کے پردہ میں یہ ساری کائنات

آشنا ہو جو کوئی شیرینی انجام سے!
ڈر نہیں سکتا کبھی وہ موت کے ہنگام سے
زندگی میں ہو اگر شامل کمال زندگی
موت سے بجھتی نہیں شمع جمال زندگی
حشمت اللہ تھے صحابی مہدی معہود کے
اور طبیب خاص بھی تھے مصلح موعود کے
نیک طینت، نیک سیرت باوفا و باصفا
لاجرم تھا قابل تقلید اسوہ آپ کا
رخ پہ تھا ہر آن نور احمدی جلوہ فشاں
اب مسیحا کے بھلا ایسے صحابی پھر کہاں
خدمت خلق خدا تھا کام ان کا صبح و شام
بس اسی میں ہی وہ رہتے تھے ہمیشہ شاد کام
ہو کے ہم سے یوں جدا مقصود اپنا پا گئے
آپ مر کر ہم کو راز زندگی سمجھا گئے
جا ملے مولیٰ سے اپنے اس جہاں کو چھوڑ کر
اقربا و خویش اور کون و مکاں کو چھوڑ کر
خندہ بر لب شادماں دل، چل دیئے سوئے بہشت
جسم خاکی چھوڑ کر اپنا برائے خاک و خشت
عہد جو باندھا مسیح پاک سے پورا کیا
احمدیت پر سبھی کچھ اپنا قرباں کر دیا
دے انہیں مولیٰ وہاں فردوس میں عالی مقام
ساقی کوثر پلاتے ہیں جہاں کوثر کے جام
آپ کی اولاد پر بھی رحمتوں کا ہو نزول
وہ بھی ہو جائیں تری درگاہ عالی میں قبول

باپ کی مانند ہوں سب احمدیت پر نثار
اور رہے اولاد احمد سے انہیں بھی اُنس و پیار
حیف اب تو رہ گئے اصحاب احمد چند ہی
جا ملیں گے وہ بھی آخر کار مولیٰ سے سبھی
وقت ہے اب بھی کہ پالیں فیض ان پیاروں سے ہم
ورنہ پچھتانا پڑے گا بعد میں با چشم نم!

۞۞۞

"بیادِ ایاز محمود"

(عبدالباری قیوم شاہد۔ ربوہ)

جانے والے تیری فرقت نے رُلایا ہے ہمیں
تیری رحلت سے مسیحا کا زماں یاد آگیا
اک زماں تک جس کی صحبت سے ہوا تو سرفراز
مصلح موعود وہ فخرِ جہاں یاد آگیا
زندگی تیری جہاں گزری ایاز احمدی
حضرت "فضلِ عمر" کا وہ مکاں یاد آگیا
نوعِ انساں کے لئے تیری دعائیں وقف تھیں
تیرے سجدوں کا ہمیں سوز و فغاں یاد آگیا
تیری تحریروں سے ظاہر ہو گیا جن کا جمال
حضرت حشمت ترا حسنِ بیاں یاد آگیا
آج کیوں منصور ہیں اندوہ سے گریہ کناں
ان کو وہ جد شفیق و مہرباں یاد آگیا

میرا دل رنجور ہے حسرت لئے اس دید کی
آج تو قوم کو گریہ کناں یاد آگیا
جانے والے جا! مبارک ہو تجھے وصل حبیب
جس کی خاطر مضطرب تھا وہ یہاں یاد آ گیا

(الفضل 25/ اپریل 1967ء صفحہ 4 جلد 21/56 شمارہ نمبر 87)

حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات

آج اک مرد مجاہد ہے فنا کو پاگیا
حضرت حشمت کو قدرت کا بلاوا آگیا
حضرت محمود کا خادم، طبیب جانثار
وہ "ایاز احمدی" بھی اُس جہاں کو پاگیا
لے گیا ہے کون پھر اس باغ سے وہ عندلیب
کس کے کہنے سے یہ ہم پر غم کا سایہ چھا گیا
اے خدا! راضی ہیں ہم تیرے اصول موت پر
پھر دل قیوم کو تیسرا نظارہ بھاگیا

(عبدالباری قیوم شاہد)

باب نمبر:14

مضامین کی صورت میں خراجِ عقیدت

- میرے والد ڈاکٹر حشمت اللہ خان از ڈاکٹر محمد احمد
- یادرفتگاں از ڈاکٹر محمد احمد
- میرے پیارے والد صاحب از سلیمہ بیگم
- حضرت اباجان ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب از ثمینہ بیگم
- ہمارے داداجان از امۃ الحکیم بیگم
- بیان نذیر بیگم صاحبہ اہلیہ صوفی نذیر احمد جرمنی
- بیاد حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان از عبدالباری قیوم شاہد
- حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کے ساتھ گزری ہوئی چند یادیں

میرے والد ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب

(از ڈاکٹر محمد احمد صاحب)

20/ اگست 1968ء

میرے والد محترم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی ساری زندگی دین اور بنی نوع انسان کی خدمت میں گزاری۔ آپ کو بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے زبردست عشق تھا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے دن جب آپ لاہور میں تھے آپ کو بہت شدید صدمہ پہنچا اور اسی انتہائی صدمہ کی حالت میں آپ جنازہ کے ساتھ قادیان گئے اور بٹالہ سے قادیان تک کافی فاصلہ تک جنازہ کو کندھا بھی دیا۔ آپ کو تین خلفائے احمدیت کا زمانہ دیکھنے کو ملا اور تینوں خلفاء کی بیعت پہلے دن ہی کرنی نصیب ہوئی۔ حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دمشق والی پیش گوئی (جس کا ذکر آگے آئے گا) میں ایک فرشتہ قرار دیا۔

1918ء سے لے کر 1965ء تک آپ کو حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ رہ کر حضور کی غیر معمولی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔ 1918ء سے انفلوئنزا والی بیماری میں حضور نے آپ کو اپنے علاج کے لئے پٹیالہ سے بذریعہ تار بلوایا اور تین ماہ تک اپنے پاس اُس دالان میں رکھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود رہا کرتے تھے۔ اس دوران دونوں اکٹھے ہی کھانا کھاتے اور اکٹھے ہی نمازیں پڑھا کرتے۔ اکثر حضرت اماں جانؓ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا آتا تھا۔ 1918ء کے انفلوئنزا کی وباء نہایت خطرناک تھی اور ساری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ والد صاحب کو اس موقعہ پر اہالیان قادیان کی بالعموم اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مصلح موعودؓ کی خصوصی خدمت کا موقعہ ملا۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت مصلح موعودؓ کے ایماء پر مستقل طور پر پٹیالہ سے قادیان ہجرت کر کے 40 سال سے زیادہ عرصہ تک بفضلہٖ تعالیٰ خدمت کی توفیق ملی۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے والد صاحب کو نمازوں اور قرآن شریف کا عاشق، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا عاشق اور بنی نوع انسان کی روحانی اور جسمانی خدمت کرنے والا پایا۔ آپ کی روحانی خدمات یہ تھیں کہ آپ نے اپنے پٹیالہ کے قیام کے دوران علماء کو قادیان سے بلوا کر بے شمار جلسے کروائے تا کہ پٹیالہ کے لوگوں کو حق کا پیغام پہنچ جائے۔ پھر خود بھی ہر وقت تبلیغ میں مصروف رہتے تھے۔ جب آپ قادیان تشریف لے آئے تو قادیان کے گردونواح کے علاقوں میں آپ کی تبلیغ سے بہت سے افراد احمدی ہوئے۔ حضرت مصلح موعودؓ کے یورپ کے سفروں میں آپ نے تبلیغ کا کوئی موقع نہ چھوڑا۔ جسمانی خدمات یہ ہیں کہ جب تک پٹیالہ میں رہے ہر امیر و غریب کی ہر طرح سے علاج معالجہ میں مدد کی اور بیماروں کا نہایت

شفقت اور محبت سے علاج کیا جس سے سارا شہر آپ کا مداح بن گیا۔ موتیا کے بے شمار آپریشن پٹیالہ میں کئے جس سے بہت سے مریضوں کو بینائی ملی۔ اللہ تعالیٰ نے بطور سرجن اور بطور فزیشن آپ کے کاموں میں برکت عطا کی۔

پھر قادیان آکر جو آپ نے شبانہ روز خدمت کی وہ احباب جماعت کے علم میں ہے۔ قادیان کے پرانے ملنے والے احباب بہت پیار اور محبت سے آپ کا تذکرہ کرتے ہیں اور انہیں دل سے دعائیں دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے والد صاحب کی تمام اولاد کو بھی دین کی خدمت کا جذبہ عطا فرمایا ہے۔ احباب جماعت سے میری درخواست ہے کہ وہ والد صاحب کی بلندی درجات کے لئے دعائیں کریں اور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری اگلی نسلوں کو بھی اُسی طرح دینی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ جیسا کہ ہمارے والد صاحب نے کی ہے اور ہماری اولاد در اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین

یادرفتگان

(ڈاکٹر محمد احمد صاحب)

یادرفتگان کے سلسلے میں ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے اپنے والد صاحب کے بارے میں ایک مضمون لکھا جو 9/نومبر 1967ء کے الفضل میں شائع ہوا اور دوسری مرتبہ 28/اپریل 1996ء کے پرچے میں شائع ہوا۔

آپ تحریر کرتے ہیں۔

والد صاحب میں ایک نمایاں صفت دوستی میں وفاداری کی بھی تھی۔ آپ جہاں حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے انتہائی وفادار اور فدائی کے طور پر رہے اور اسی طرح حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خاندان کے ساتھ وفاداری اپنی آخری سانس تک دکھائی۔ وہاں اپنے بچپن کے دوستوں کے ساتھ دوستی اور وفاداری کے تعلق کو قائم رکھا۔

چنانچہ جس دوستی اور وفاداری کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ ان کے پرانے دوست پرنسپل میڈیکل آفیسر ریاست پٹیالہ جن کا نام لیفٹیننٹ کرنل ڈی ایف ایچ کاون آئی ایم ایس تھا کے ساتھ محبت اور وفاداری کا ہے۔

1912ء سے 1914ء تک والد صاحب نے ان کے ساتھ پٹیالہ کے سب سے بڑے راجندر ہسپتال میں کام کیا۔ والد صاحب ان کے ساتھ آپریشن روم میں کام کرتے تھے جس سے وہ بہت خوش تھے۔ حتّٰی کہ انہوں نے اپنے تمام اسٹاف کے سامنے کہا کہ میں نے اپنی ساری زندگی میں ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب سے بہتر اسسٹنٹ سرجن نہیں دیکھا۔ ان دو سالوں میں آپ کی محبت آپس میں بڑھ گئی۔ 1914ء کی جنگ عظیم میں ڈاکٹر کاون صاحب کو فوری طور پر انڈین آرمی میں بلایا گیا اور وہاں سے

فرانس کے علاقہ میں محاذ پر بھیج دیا۔ والد صاحب نے ان کی اس طرح جدائی کو بہت محسوس کیا۔ ان کی بیوی اور بیٹی پٹیالہ میں ہی مقیم تھیں آپ ان کی کوٹھی پر جا کر ان کا ایڈریس لے آئے اور ایک محبت بھرا خط انہیں محاذ جنگ پر ہی بھجوایا۔ وہ والد صاحب کے خط سے بہت خوش ہوئے اور فوری طور پر والد صاحب کو جواب لکھا کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ بالکل خیریت سے ہیں۔ یہ وفاداری اور محبت کا تعلق تھا کہ والد صاحب نے ان کی خیریت دریافت کی۔ جبکہ راجندر ہسپتال کے کسی ڈاکٹر نے ڈاکٹر کاون کو کوئی خط نہ لکھا۔ یہ خط و کتابت 1918ء تک جاری رہی تا آنکہ حضرت امام الثانی رضی اللہ عنہ نے والد صاحب کو قادیان بلالیا۔ قادیان میں آپ حضرت صاحب کے ہر قسم کے علاج اور دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔

1924ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سفر یورپ پر گئے اور والد صاحب کو حضرت صاحب کے ہمراہ جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ لندن پہنچتے ہی والد صاحب نے ڈاکٹر کاون کو انڈیا آفس کے ذریعے خط لکھا۔ تیسرے روز ہی کرنل صاحب کا جواب آ گیا کہ میں فلاں تاریخ کو لندن آرہا ہوں۔ آپ واٹرلو کے اسٹیشن پر مجھے ملیں۔ میری بیٹی بھی میرے ساتھ آئی ہوگی۔ بہر حال پروگرام کے مطابق دونوں کی ملاقات ہوئی اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ خاص طور پر کرنل کاون کا دل اس قدر خوش تھا کہ انہوں نے تین چار گھنٹے صرف کر کے والد صاحب کو ویمبلے کی ساری نمائش دکھائی۔ اس پروگرام میں ان کی بیٹی بھی شامل تھیں۔ اس ملاقات کے بعد نہ صرف ڈاکٹر کاون بلکہ اس کی بیٹی کے ساتھ بھی والد صاحب خط و کتابت کرتے رہے اور یہ خط و کتابت مسلسل 26 سال تک جاری رہی۔ حتّٰی کہ 1950ء میں والد صاحب کی آنکھ میں موتیا شروع ہو گیا اور پھر 1954ء تک خط و کتابت بند رہی۔

پھر جب 1955ء میں والد صاحب نے حضرت امام جماعت الثانیؓ کے ہمراہ دوبارہ یورپ گئے تو آپ نے کرنل کاون کو خط لکھا اور تیسرے روز ہی اس کا جواب آ گیا۔ اس دفعہ ڈاکٹر کاون نے آپ کو خط لکھا کہ آپ کو میرے گھر آنا پڑے گا کیونکہ میں بڑھاپے کی وجہ سے لندن نہیں آسکتا۔ چنانچہ آپ نے حضرت امام جماعت الثانیؓ سے اجازت لے کر حضرت صاحب کی کار میں (جو خود حضور نے عنایت فرمائی تھی) Elemdene (یہ ان کی کوٹھی کا نام تھا) جو کہ لندن سے سترہ اٹھارہ میل دوری پر تھی پہنچ گئے۔ یہ ملاقات بھی بہت محبت بھری تھی۔ کرنل کاون اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے والد صاحب سے اردو کی نظم سننے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ آپ نے اردو کی ایک نظم خوش الحانی سے پڑھ کر سنائی۔ اس موقعہ پر آپ نے چند اشعار انگریزی میں کہے جو دونوں کی محبت اور خوشی کا اظہار لئے ہوئے ہیں ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

”وہ دن کتنا خوشی کا تھا جب میں اپنے پرانے اور عزیز دوست سے ملا۔ جب ہم نے باہم مصافحہ کیا تو آسمان شوق سے جھک کر دیکھ رہا تھا۔ اِدھر بھی محبت تھی اور اُدھر بھی محبت۔ دونوں دل محبت سے بھرپور تھے۔ آنکھیں ایک دوسرے کو شوق سے دیکھ رہی تھیں۔ خدا اپنی عجیب قوت کا اظہار کر رہا تھا۔“

دو تین گھنٹے کی ملاقات کے بعد والد صاحب واپس آ گئے۔ محبت اور بڑھ گئی۔ لندن میں عید کے موقع پر آڈرے (کرنل کی بیٹی) اور اس کے خاوند کو آپ نے اپنی احمدیہ بیت الفضل لندن میں بلایا جس پر دونوں بہت خوش ہوئے۔ واپس جاتے ہوئے آڈرے نے کہا کہ میں آپ کو اپنے گھر بلاؤں گی اور اپنی کار میں خود لے جاؤں گی۔ چنانچہ چند روز بعد وہ لندن آئی اور والد صاحب اور میری ہمشیرہ سلیمہ بیگم (بیگم ڈاکٹر عبد الرحمٰن صدیقی صاحب) جو ان دنوں لندن میں تھیں اپنے گھر جو کہ لندن سے بیس پچیس میل کے فاصلے پر تھا لے گئی۔ راستے میں لنچ کا وقت آ گیا۔ ایک بڑے شاندار ریسٹورنٹ میں اس نے لنچ دیا۔ وہاں سے اس کے گھر پہنچے۔ اپنے گھر میں ایک کمرہ اس نے میری ہمشیرہ کے لئے رکھا تھا تا کہ وہاں وہ چند دن گزار سکیں۔ صدیقی صاحب اپنی بیماری کی وجہ سے نہ جا سکے تھے۔ والد صاحب کو اس نے وہ کمرہ دکھایا۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے اور عزیزہ سلیمہ نے وہاں عبادت کی اور اللہ کا نام بلند کیا۔ اس کے بعد جب والد صاحب یورپ سے واپس آئے تو ڈاکٹر کاون اور آڈرے کے ساتھ خط و کتابت جاری رہی۔ ان میں سے اکثر خطوط تبلیغ کے لئے ہوتے تھے۔ اکتوبر 1958ء میں آڈرے کے خاوند کی وفات ہوئی تو ڈاکٹر کاون نے اس کی اطلاع والد صاحب کو دی تو والد صاحب نے بذریعہ کیبل گرام اس کے ساتھ اظہار افسوس کیا اور اس کو تسلی آمیز خط لکھا اور صبر کی تلقین کی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد آڈرے نے آپ کے ساتھ خط و کتابت جاری رکھی کیونکہ والد صاحب کے خطوط میں وہ بہت تسلی پاتی تھیں اور انہیں اپنے لئے بمنزلہ باپ کے سمجھتی تھی۔

1961ء میں اس نے خود آ کر والد صاحب کو ملنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنانچہ 14 / دسمبر 1961ء کو وہ لندن سے پانچ چھ ہزار میل کا سفر طے کر کے صرف والد صاحب کی ملاقات کے لئے پاکستان آئی۔ کسی جگہ کی سیر یا تفریح کرنے کی اس نے خواہش ظاہر نہ کی۔ والد صاحب کی اس سے شفقت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ جس وقت اس نے پاکستان آنے کی اطلاع دی تو والدہ صاحبہ سخت بیمار تھیں اور ان کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ والد صاحب نے رو رو کر اپنی نیم شبی دعاؤں میں والدہ صاحبہ کی زندگی اور صحت کے لئے دعا مانگی تا کہ ان کی انگریز بیٹی ان سے آ کر ملے اور ماں کی شفقت اسے حاصل ہو۔ خدائے رحیم و کریم نے والد صاحب کی عاجزانہ دعاؤں کو سنا اور والدہ صاحبہ کو صحت اور زندگی عطا کی۔ والدہ صاحبہ نے اس کی ربوہ میں مہمان نوازی کے بہت کچھ اقدامات کئے۔

21 / دسمبر کو جب وہ ربوہ پہنچی تو والد صاحب نے خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے چند لوگوں کی دعوت کا اہتمام کیا اور ان کا تعارف کروایا۔ والد صاحب کی شدید خواہش تھی کہ اس کا خاتمہ اسلام پر ہو چنانچہ جتنا عرصہ اس نے ربوہ میں قیام کیا اسے تبلیغ کا خط روزانہ لکھتے تھے اور اس کے لئے دُعا بھی کرتے تھے۔

میرے پیارے والد صاحب

(سلیمہ بیگم بنت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب)

میرے والد محترم حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب مرحوم وہ خوش قسمت وجود تھے جنہیں 1905ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے، آپ کے پاؤں دبانے اور دس روز تک قادیان میں رہ کر حضورؑ کی صحبت سے فیضیاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اور 1907ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَّ کے تحت کھانا کھانے کا انعام خداوندی ملا۔ الحمدللہ

بعدازاں 47 سال تک حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طبی خدمات بجالانے کی سعادت نصیب ہوئی اور بحیثیت میڈیکل آفیسر انچارج نور ہسپتال قادیان، حضرت مسیح موعودؑ کی پیاری جماعت اور جلسہ سالانہ پر آنے والے مہمانوں اور قادیان کے گردونواح میں رہنے والے غیر از جماعت افراد کی بلا تفریق مذہب وملت خدمت کی توفیق ملی۔

جب سے میں نے ہوش سنبھالا حضرت والد صاحب کو باالتزام تہجد کی نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ پنج وقتہ نمازیں مسجد مبارک میں حضرت مصلح موعودؓ یا حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ کی اقتداء میں ادا کرتے۔ سردیوں کے ایام میں نماز ظہر کا وقت ہسپتال میں (جب تک آپ میڈیکل آفیسر انچارج تھے) ہو جاتا تو یہ نماز آپ وہیں ادا کرتے۔ آپ کا روزمرہ کا معمول تھا کہ ہسپتال ڈیوٹی پر جانے سے پہلے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر حضور کی صحت کا حال معلوم کرتے۔ اگر کسی دوائی کی ضرورت ہوتی۔ واپس گھر آ کر دوائی خود بناتے۔ دوائی بناتے وقت کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ دوائی بنانے کے بعد بوتل میں ڈالتے۔ لیبل لگاتے اس میں سے ایک خوراک خود پی لیتے اور پھر خود حضور کی خدمت میں لے جاتے۔ آپ کی دوائی کی خوراک پینے کے عمل کو دیکھتے ہوئے میں نے والدہ صاحبہ سے سوال کیا کہ دوائی بنانے کے بعد ایک خوراک خود کیوں پی لیتے ہیں۔ والدہ صاحبہ نے کہا خود ہی سوچ کر بتاؤ اگر صحیح جواب دیا تو انعام دوں گی۔ میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا کہ ابا جی! ایک خوراک خود پی کر تسلی کر لیتے ہیں۔ اس پر والدہ صاحبہ نے کہا تمہارا جواب درست ہے اور انعام بھی دیا۔ والد صاحب کا ہمیشہ میں دستور رہا کہ خواہ دوائی کی ایک خوراک ہی کیوں نہ ہو۔ پہلے اپنے اوپر اس کا تجربہ کر لیتے تھے۔ حضور اور خاندان کے لئے ایک چھوٹی سی ڈسپنسری گھر پر ہی تھی۔ ایک درازوں والی میز اور پانچ خانوں والا ریک جس میں ٹنکچرز اور سپرٹ کی بوتلیں سائز کے لحاظ سے رکھی ہوتی تھیں۔ ایک کھرل جس میں دوائی بنائی جاتی تھی۔ درازوں میں فرسٹ ایڈ کا سامان تھا اور کچھ سرجری کے آلات اور بلڈ پریشر دیکھنے والا آلہ رکھا ہوتا تھا۔ دیوار میں جو الماری تھی اس میں بڑے بڑے سائز کی

میڈیکل کی کتابیں رکھی ہوتی تھیں اور ایک Microscope بھی رکھی رہتی تھی۔ سفروں میں دوائیاں ساتھ لے جانے کے لئے ایک مضبوط لکڑی کا بکس تھا جس میں مختلف دوائیاں رکھی رہتی تھیں۔ اس میں مختلف سائز کے خانے تھے اور ترتیب سے دوائیاں رکھی جاتی تھیں۔ والد صاحب کو یہ ترتیب زبانی یاد تھی اور جس دوائی کی ضرورت ہوتی اس کے نکالنے میں دیر نہ لگتی تھی۔ Homeopathic دوائیوں کی چھوٹی سے الماری بعض اوقات ہمارے گھر پر ہوتی تھی لیکن زیادہ تر حضور کے پاس قصر خلافت میں ہی ہوتی تھی۔ دوائیوں والی اور کتابوں والی الماری کی روزمرہ صفائی میری ڈیوٹی ہوتی تھی جس کی وجہ سے بہت سی دوائیوں کے نام مجھے بھی زبانی یاد ہو گئے تھے۔

آپ نے اپنی زندگی میں ہر پہلو سے دین کو دنیا پر مقدم رکھا۔ اللہ اور اس کے رسول کے عاشق تھے۔ جب خلافت ثانیہ کے دور میں قادیان میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جلسوں کا آغاز ہوا تو ابتدائی چند سالوں میں اس موقعہ پر جلوس بھی نکالے جاتے تھے۔ جماعت کے بزرگان مختلف گروپس کی قیادت کرتے ہوئے جھنڈے کو تھامے ہوئے احمدیہ چوک سے نعتیہ اشعار پڑھتے ہوئے نکلتے تھے۔ ساتھ چلنے والا گروپ وہ اشعار دہراتا تھا۔ والد صاحب کے جھنڈے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شعر

"وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمد دلبر میرا ہی ہے"

لکھا ہوتا تھا۔ آپ ترنم سے یہ اشعار پڑھتے اور ساتھ چلنے والا گروپ یہ اشعار دہراتے ہوئے احمدیہ چوک سے گزرتا۔

آپ اپنی دوہری مصروفیت کے باوجود بچوں کی تربیت سے غافل نہ تھے۔ لڑکوں کو بچپن سے ہی مسجد میں نماز پڑھنے کا عادی بنایا اور بیٹیوں کو گھر پر پنج وقتہ نماز باقاعدہ پڑھنے کا خوگر بنایا بلکہ نماز تہجد پڑھنے کا بھی عادی بنایا۔

تعلیم کا آپ کو بہت شوق تھا اور آپ کی دلی خواہش تھی کہ آپ کی سب اولاد دینی تعلیم اور دنیاوی اعلیٰ تعلیم پائیں۔ یہ بھی خواہش تھی کہ کوئی بچہ حافظ قرآن بن جائے۔ میرے لئے ایک حافظ قرآن کی خدمات بھی حاصل کی تھیں لیکن اچانک بیماری کی وجہ سے یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا مجھ سے بڑی بیٹی زینب بیگم کو بخاری شریف پڑھانے کے لئے حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب ہلال پوری (والد محترم مولوی محمد احمد جلیل صاحب) سے درخواست کی تو آپ نے اسے بڑے مشفقانہ انداز میں قبول کیا اور آپ کو بخاری شریف سبقاً پڑھانا شروع کر دی۔ جب بخاری شریف ختم ہوئی تو والد صاحب نے اس خوشی کے موقعہ پر ایک چائے کی دعوت کا اہتمام کیا۔ اور مجھے حضور کی خدمت میں بھیجا کہ اس کی منظوری لے کر آؤں۔ حضور نے مجھ سے دریافت کیا کہ یہ چائے کی دعوت کس خوشی میں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپا نے بخاری شریف پوری پڑھ لی ہے تو حضور فرمانے لگے کہ اچھا تو پھر اس تقریب کا نام "بخارین" رکھ دینا چاہئے اور از راہ شفقت دعوت منظور فرمائی۔

آپ کی توجہ خاص اور والدہ صاحبہ کی محنت اور معاونت کے طفیل سب بہن بھائی اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور ہوئے اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے۔ آپ نے بچوں کی تعلیم کی خاطر والدہ صاحبہ کو لاہور میں ٹھہرنے کی اجازت دی اور خود اکیلے ربوہ میں رہے۔ یہاں تک کہ میرا چھوٹا بھائی کریم اور نعیم بی فارمیسی اور دو چھوٹی بہنیں نعیمہ اور ثمینہ ایم اے میں کامیاب ہو گئیں۔

والد صاحب کا معمول تھا کہ گھر میں سال بھر کے لئے گندم بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈلوا دیتے تھے۔ اس کے لئے قادیان کے نزدیک احمدی زمینداروں کو پیشگی رقم ادا فرما دیتے اور پھر جب گندم گھر پہنچنے کے دن ہوتے تو بچوں سے فرماتے کہ دعا کرو گندم خیریت سے گھر پہنچ جائے۔ آپ کی غذا نہایت سادہ اور کم تھی۔ سالن میں زیادہ چکنائی اور مرچ مصالے آپ کو پسند نہ تھا۔ گھر میں جب بھی اچھی چیز پکتی مثلاً مچھلی تو حضور کو ضرور تحفہ بھجواتے۔ بچوں کے بارے میں والدہ صاحبہ کو ہمیشہ تاکید فرمائی کہ انہیں بازار سے سودا وغیرہ نہ لانے بھیجا کریں۔ ہمیشہ یہی کوشش ہوتی کہ سامان اکٹھا منگوا لیں۔ باقی گوشت سبزی وغیرہ کسی ملازم سے منگوایا جاتا۔

آپ کو تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ چھوٹے سے چھوٹے سفر میں بھی قرآن شریف ساتھ رکھتے تھے اور اس کے مطالب پر غور کرتے اور جہاں بھی موقعہ ملتا احمدیت کا پیغام پہنچانے میں کوشاں رہتے۔ بچوں میں سے اگر کوئی زیادہ بیمار ہو جاتا تو اپنے کمرے میں اس کا بستر لگوا لیتے۔ ایک بار میرے گلے میں سخت انفیکشن ہو گئی۔ مجھ سے آپ نے پوچھا کہ آج کیا کھایا تھا جس سے یہ تکلیف ہوئی۔ میں نے جواب دیا کہ انگور کھائے تھے۔ تو پوچھا کہ کھانے سے پہلے اچھی طرح دھو لئے تھے۔ میں نے کہا کہ اچھی طرح دھو کر کھائے تھے لیکن گلے میں شدید تکلیف ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے کمرے میں میرا بستر لگوا لیا اور وقفے وقفے سے گرم پانی میں تین دوائیاں ڈال کر غرارے کرواتے رہے۔ یہ عمل ساری رات جاری رہا۔ صبح ہوئی تو حالت سنبھل چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور صرف اتنا کہا کہ آئندہ انگور کھانے سے پہلے پانی میں ڈال کر دھو لئے جائیں۔

میرے شوہر محترم ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب صدیقی مرحوم (اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کو جنت الفردوس میں اپنے مقام قرب سے نوازے) اوائل 1949ء میں حیدر آباد دکن سے پاکستان آئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی راہنمائی اور ہدایت پر میر پور خاص سندھ میں رہائش پذیر ہوئے۔ ہمارا رشتہ بھی حضرت مصلح موعودؓ کی شفقت اور توجہ خاص سے طے پایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ابتداء میں میر پور خاص میونسپل ڈسپنسری کے انچارج کی حیثیت سے ملازمت کی۔ شادی پر سوا سال گزرا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کو دل کی بیماری (Coronary Thrombosis) کا حملہ ہوا اور آپ نے حضرت مصلح موعودؓ اور والد صاحب کی خدمت میں اس کی اطلاع کی اور درخواست دُعا کی۔

حضرت والد صاحب یہ اطلاع ملتے ہی 3 یوم کی رخصت پر میر پور خاص کے لئے روانہ ہوئے۔ ایک دن اور ایک رات کا عرصہ میر پور پہنچنے پر لگا۔ مجھے بہت تسلی دی اور ڈاکٹر صاحب کو بھی تسلی دلائی اور دعا کی اور کچھ علاج بھی تجویز کیا جس سے فوری

طور پر ایک تکلیف رفع ہوگئی۔ آپ نے ڈاکٹر صاحب کو عمر بڑھانے کا بھی نسخہ بتایا کہ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسُ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ یعنی اور جو انسانوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین پر ٹھہر جاتا ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب اپنی زندگی بھر عمل پیرا رہے۔ آپ صرف ایک دن اور ایک رات ہمارے پاس ٹھہرے اور دعا کرتے ہوئے واپس تشریف لے گئے۔ اس سفر میں برادرم کریم احمد نعیم ان کے ساتھ تھے۔ جاتے ہوئے تاکید کی کہ صحت کے بارے روزانہ رپورٹ اور حضور کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کرتی رہوں۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل واحسان ہوا کہ حضرت مصلح موعودؓ، افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضرت والد صاحب اور جماعت کے بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل ڈاکٹر صاحب صحت یاب ہو گئے۔

حضور ہر سال سندھ کے دورے پر تشریف لاتے اور آپ کی آمد پر ناشتہ پیش کرنے اور واپسی پر شام کی چائے اور رات کا کھانا پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔ حضور کے دورہ سندھ کا پروگرام بنتے ہی والد صاحب دعاؤں میں لگ جاتے کہ حضور از راہ کرم ہماری دعوت قبول فرماتے ہوئے ہمیں میزبانی کا موقع عطا فرمائیں۔ اس موقعہ پر کچھ ہدایات بھی ارسال فرماتے اور تاکید کرتے کہ میزبانی ہر طرح سے مکمل ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں وہ کم ہے کہ ہمیں یہ میزبانی کی سعادت نصیب ہوئی اور ہمارے انتظامات بھی صحیح رہے۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا خاص فضل واحسان اور والد صاحب کی دعائیں اور ڈاکٹر صاحب کی نیک خواہشات تھیں کہ ہمیں نہ صرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر احباب خاندان کی میزبانی کا کئی بار موقعہ ملا اور اسی طرح خلافت سے پہلے ہم حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی میزبانی سے بھی شرف یاب ہوتے رہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالك

والد صاحب ڈاکٹر صاحب کی صحت کی طرف سے ہمیشہ فکر مند رہے اور دردِ دل سے ان کے لئے دعائیں کرتے اور اپنے رب کے حضور گریہ وزاری کرتے رہے۔ اگر کبھی ڈاکٹر صاحب بیمار ہو جاتے اور میں اس جذبہ کے تحت کہ میرے ابا اور امی پریشان ہوں گے ان کو اطلاع نہ کرتی لیکن اللہ تعالیٰ میرے ابا کو اطلاع دے دیتا اور ہمیں اس مضمون کا ٹیلی گرام ملتا۔

"Worried, Wire Siddiquei's Health"

یہ ٹیلی گرام میرے لئے تسلی کا موجب ہوتا اور ان کو میں بیماری کی تفصیل بتا کر دعا کی درخواست کرتی۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر جب ڈاکٹر صاحب کی آمد کی اطلاع ملتی تو صدقہ ضرور دیتے۔ ایک جلسہ سے کچھ روز پہلے میں ربوہ آگئی تھی۔ ایک روز والد صاحب باہر سے تشریف لائے تو مجھے اونچی آواز دے کر بلایا۔ میں گھبرا گئی کہ پتہ نہیں کیا بات ہے؟ جب میں آپ کے پاس گئی تو دیکھا کہ ہاتھ میں بکرا ذبح کرنے والی چھری پڑی ہوئی ہے اور مجھ سے کہا کہ اس کو ہاتھ لگا دو۔ میں چاہتا ہوں کہ صدیقی صاحب کے میر پور خاص سے روانہ ہونے سے پہلے صدقہ دے دیا جائے۔

اپریل 1955ء میں میرے شوہر ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب صدیقی لندن کے لئے روانہ ہوئے۔ میں بھی ساتھ تھی۔ یہ سفر ہم نے حضرت مصلح موعودؓ کے مشورے اور اجازت سے کیا تھا۔ جانے کا مقصد مختلف Subjects میں Short Courses کرنا تھا مثلاً Chest Disease اور Heart Disease اور General Medicine۔ اپریل کے پہلے ہفتہ میں ہم روانہ ہوئے اور حضور ان دنوں کراچی میں تھے۔ جانے سے پہلے حضور سے ملاقات کی اور دعا کی درخواست کی اور والد صاحب بھی حضور کے ساتھ کراچی میں تھے۔ دوران سفر ہم نے دو Break Journey کئے تھے۔ ایک دن قاہرہ میں اور 3 دن روم میں۔ قاہرہ میں رکنے کا مقصد اہرام مصر دیکھنا اور وہ عجائب گھر جس میں اس فرعون کی Mummy کو دیکھنا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کرتے ہوئے دریا میں غرق ہوا تھا۔ روم چونکہ ایک Historical شہر ہے اس کے مختلف تاریخی مقامات خصوصاً وہ Catacombs جہاں پر ابتدائی دور میں عیسائیت کی بہت زیادہ مخالفت کی وجہ سے عیسائی پناہ گزین ہوئے تھے۔ قاہرہ پہنچنے پر ہم نے اپنی خیریت کی اطلاع بذریعہ ٹیلی گرام والد صاحب کو دے دی لیکن یہ ٹیلی گرام آپ کو نہ ملا۔ حضور نے بھی ازراہ شفقت والد صاحب سے دریافت فرمایا کہ سلیمہ اور صدیقی کے پہنچنے کی اطلاع آگئی ہے۔ والد صاحب نے عرض کیا کہ کوئی اطلاع نہیں آئی اور دعا کی درخواست بھی کی۔ دوسرا ٹیلی گرام ہم نے روم پہنچ کر دیا جو کہ شکر ہے کہ مل گیا اور والد صاحب نے فوراً ہی حضور کو اطلاع دے دی کہ ہمارے روم پہنچنے کی اطلاع مل گئی ہے۔ 3 روز کے بعد ہم لندن روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر اپنے خیریت سے پہنچنے کی اطلاع آپ کو دے دی۔ الحمد للہ۔ اور آپ نے حضور کو بھی اطلاع دے دی اور دعا کی درخواست بھی کی۔

اپریل 1955ء میں ہی حضور کا بغرض علاج یورپ جانے کا پروگرام بنا۔ اس سفر میں احباب قافلہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلا قافلہ جس میں متعدد احباب خاندان اور حضرت والد صاحب شامل تھے غالباً اپریل کے دوسرے ہفتے میں لنڈن کے لئے روانہ ہوئے۔ اور وہاں پہنچنے پر ہم ملنے کے لئے مشن ہاؤس گئے اور خواتین مبارکہ سے مل کر ہمیں از حد خوشی اور طمانیت ہوئی۔

دوسرا قافلہ جس میں حضور خود اور سیدہ چھوٹی آپا، سیدہ مہر آپا، صاحبزادی امۃ المتین، صاحبزادی امۃ الجمیل اور ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب تھے سوئٹزرلینڈ پہنچا۔ حضور کے ارشاد کے مطابق والد صاحب کو بھی حضور کی آمد کے ساتھ ہی لندن سے سوئٹزرلینڈ پہنچنا تھا اور آپ وہاں کے لئے روانہ ہو گئے اور حضور کے ساتھ ہی رہے۔ وہاں کے ڈاکٹرز سے حضور کی صحت کے بارے میں مشورہ کے وقت بھی آپ ہمہ وقت ساتھ رہے اور بعد ازاں حضور کے ساتھ ہی لندن پہنچے۔ جب پہلی بار ہم والد صاحب سے مشن ہاؤس میں ملے تو مجھے گلے میں سخت تکلیف اور بخار تھا اور وہاں ڈاکٹر سے علاج بغیر Registeration کے نہ ہوتا تھا جس کا ہمیں ابھی علم نہ تھا۔ والد صاحب نے خود ہی میری حالت دیکھ کر Anti CattareahaVaccine کا انجکشن

مجھے لگایا اور کہا کہ دوسرا دو روز کے بعد لگے گا اس کے لئے آجانا، ملاقات بھی ہو جائے گی۔ ان دوائیوں سے میں بالکل صحت یاب ہوگئی۔

حضور کے لندن آنے پر ہم بہت خوش تھے۔ ہر جمعہ کو ہم مسجد فضل لندن جاتے۔ خواتین مبارکہ سے بھی ملاقات ہو جاتی اور والد صاحب سے بھی ورنہ اجنبی ملک میں بہت اداس رہتے۔ لندن واپس پہنچنے پر والد صاحب اپنے مہربان آفیسر جو کہ پٹیالہ ہسپتال میں ملازمت کے دوران آپ کے آفیسر تھے اور ان کا نام Dr. Cowin تھا اور ان کی بیٹی کا نام Audrey سے ملنے کے لئے گئے اور مجھے اور میرے شوہر کو بھی لے گئے اور دونوں دوست مل کر از حد خوش ہوئے۔ عید الاضحیٰ پر والد صاحب کی دعوت پر Dr. Cowin کی بیٹی Audrey اور اس کے شوہر نے ہمارے ساتھ مشن ہاؤس میں آکر شرکت کی۔

لندن کے قیام کے دوران ایک روز ڈاکٹر صاحب تو اپنی کلاس اٹینڈ کرنے گئے ہوئے تھے۔ مجھے سر میں درد محسوس ہوا تو میں لیٹ گئی اتنے میں مجھے Matron نے اطلاع دی کہ تمہارا فون ہے۔ اس زمانہ میں فون سننے کے لئے سب سے نچلی منزل پر جانا پڑتا تھا اور ہمارا قیام اوپر کی منزل میں تھا۔ میں نے فون اٹھایا تو والد صاحب بول رہے تھے۔ انہوں نے میرا حال پوچھا تو میں نے بتایا کہ سر میں درد ہے۔ کہنے لگے تمہارے پاس تھرمامیٹر ہے۔ میں نے کہا کہ ہے تو کہنے لگے جا کر اپنے کمرے سے اچھی طرح دھو کر اور جھٹک کر لے آؤ۔ میں تھرمامیٹر لے کر آئی تو آپ نے پوچھا کہ اچھی طرح دھو کر جھٹک لیا ہے۔ میرے جی کہنے پر پھر پوچھا کہ کتنے ڈگری پر ہے میں نے بتایا کہ 95 ڈگری۔ تو پھر فرمایا اب منہ میں دو منٹ رکھو۔ دو منٹ کے بعد پوچھا تو میں نے بتایا کہ ٹمپریچر 101 ہے۔ اس پر آپ نے پوچھا کہ صدیقی صاحب کب آئیں گے؟ میں نے بتایا کہ کلاس اٹینڈ کر کے شام کو پانچ بجے۔ پھر آپ نے میرے Appartment کا ایڈریس پوچھا جو میں نے بتا دیا اور جو Underground ٹرین Southfield اسٹیشن سے ہمارے گھر تک آتی تھی اس کا بھی بتا دیا اور پھر میں فون بند کر کے اوپر آکر لیٹ گئی۔ ایک گھنٹہ کے بعد کسی کے سیڑھیاں چڑھنے اور Matron کے ساتھ باتیں کرنے کی آواز آئی اور کچھ دیر بعد والد صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں دروازہ کھٹکھٹایا اور مجھے بہت خوشی اور اطمینان ہوا کہ میرے ابا میرے پاس پہنچ گئے ہیں۔ میں نے بغیر پوچھے دروازہ کھول دیا۔ اس پر آپ نے کہا کہ بغیر پوچھے کیوں دروازہ کھولا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کی آواز میں نے سن لی تھی۔ تو کہنے لگے کہ کچھ بھی ہو بغیر پوچھے دروازہ کھولنا نہیں چاہئے تھا۔ اور کہنے لگے کہ اچھا اب دروازہ بند کر و اور میں Bell بجاتا ہوں تو پوچھو Who is knocking at the Door? آپ کے کہنے کے مطابق میں نے عمل کیا اور والد صاحب کا نام سننے کے بعد دروازہ کھولا۔ اس عمل کی آپ نے 3 بار پریکٹس کروائی اور تاکید کی کہ بغیر پوچھے دروازہ کبھی نہ کھولنا۔ پھر Stethescope سے میرا سینہ دیکھا اور دوائیاں جو ساتھ لائے تھے وہ مجھے کھلائیں۔ چائے اور کھانا دونوں نے مل کر بنایا۔ جب میرے شوہر گھر آگئے تو آپ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ میرے شوہر والد صاحب کو خود ٹرین پر سوار کرا کر آئے۔ آپ نے گھر پہنچ کر اپنی خیریت کی اطلاع دے دی۔

آپ کے اس وقت تکلیف اٹھا کر بر وقت آنے کا اور اپنی غلطی کا سوچتی ہوں تو دل سے دعا نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

میرے شوہر جب جلسہ سالانہ پر جاتے تو ان کے آرام کا بہت خیال رکھتے۔ دل کے مریض ہونے کی وجہ سے کھانا چونکہ پرہیزی کھاتے تھے اس لئے اس کی تیاری کے لئے بہت تاکید کرتے۔ اکثر مجھ سے ذکر کرتے کہ مجھے ان کی صحت کی بہت فکر رہتی ہے۔ انہوں نے اپنے لئے بہت مصروفیات پیدا کر لی ہیں جن کا صحت پر لازمی اثر پڑتا ہے۔ میں جواب میں عرض کرتی کہ اباجان آپ کی دعائیں چاہئیں۔

شادی کے گیارہ سال بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیٹے سے نوازا۔ آپ اس طرف سے بھی بہت فکر مند رہتے تھے۔ عزیزم عبدالمنان کی پیدائش پر آپ بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ جب یہ چھ ماہ کا ہوا تو میں اس کو لے کر ربوہ گئی اور اس کا عقیقہ کی دعوت کی تو اپنے تمام رشتہ داروں کو جو ربوہ میں رہتے تھے بلایا۔ اس قیام کے دوران عزیزم ایسا بیمار ہوا کہ دودھ بالکل چھوڑ دیا۔ اس کے گلے میں بہت تکلیف تھی۔ آپ نے فوری طور پر اس کے گلے کا معائنہ کیا اور شکر کیا کہ کوئی ایسی تکلیف نہیں۔ لیکن اس کی بے چینی دیکھ کر کہنے لگے کہ چلو اسے لاہور لے چلیں اور کسی دوسرے ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔ میں نے کہا نہیں اباجی آپ ہی اس کا علاج کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علاج سے ہی اس کو شفا عطا فرمائے گا۔ لاہور لے جانے سے مجھے ڈر لگتا ہے کہیں راستے میں ہی ختم نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اگلے روز ہی اس کی طبیعت سنبھل گئی اور دودھ پینے لگ گیا۔ آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اس نے ہمیں بہت ہی فکر میں ڈال دیا تھا۔

بچپن میں ہم جب بھی اس کو ربوہ جلسہ پر لے کر جاتے تو راستے کی تھکان کی وجہ سے بخار اور کھانسی کی شکایت ہو جاتی۔ اس کے پہنچنے سے پہلے آپ نے اس کے لئے دوائی تیار کر کے رکھی ہوتی۔ جب یہ کھڑا ہونے لگا تو ہم نے اس کی ایک فوٹو آپ کو بھیجی جسے دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے اور دعاؤں اور محبت بھرا خط جواب میں تحریر فرمایا۔

دسمبر 1966ء میں جب ہماری درخواست پر آپ میرپور خاص تشریف لائے۔ اس وقت بھی یہ خسرہ نکلنے کی وجہ سے سخت بیمار ہو گیا تھا تو فوراً صدقہ دلوایا اور کہا کہ دیگ پکوا کر غریبوں کو کھلا دو۔ ہم نے آپ کی ہدایت پر عمل کیا تو اس کو شفا ہوئی اور بیماری کے اثرات سے محفوظ رہا۔ الحمدللہ

آپ کی زندگی میں ہم آپ کی خدمت کا حق ادا نہیں کر سکے بلکہ آپ ہی آخری لمحات تک ہماری خدمت اور تضرّع بھری دعائیں کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے والد صاحب کو جنت الفردوس میں اپنے محبوب آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے فرزند ارجمند سیدنا حضرت محمود رضی اللہ عنہ جن کے در پر آپ نے ایاز محمود بن کر اپنی زندگی گزاری کے قدموں میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

۞۞۞

حضرت ابا جان ڈاکٹر حشمت اللہ خانؓ

(ثمینہ بیگم بنت حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانؓ)

حضرت ابا جان ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ اللہ تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں اس وجود پر ہوں جو ہمیں اپنی محبت اور دعاؤں سے نوازتا رہا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین میں مقام قرب عطا فرمائے۔ آمین

اگرچہ آپ کے حالات زندگی مکرم و محترم ملک صلاح الدین صاحب آف قادیان نے اصحاب احمد کی جلد میں مرتب کر دیئے تھے اور ہمارے بڑے بھائی ڈاکٹر محمد احمد صاحب مرحوم نے مکرم و محترم عبد الباری قیوم شاہد صاحب اور اپنے بیٹے منصور احمد کی مدد اور دلی تعاون سے کتاب ایاز محمود چھپوائی جس میں آپ کے تمام کوائف و حالات زندگی تحریر فرمائے۔ لیکن پھر بھی تشنگی باقی رہی کہ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ بیتے ہوئے لمحات کی یاد تازہ کروں۔ سو چند لمحات کی یاد تازہ کر رہی ہوں۔

پیارے ابا جان نہایت منکسر المزاج، پُر وقار، سادہ اور پُر مزاح طبیعت کے مالک تھے۔ وہ شفیق صرف اپنی اولاد کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام عزیزوں، دوستوں، احباب جماعت اور مخلوق خدا کی ہمدردی سے سرشار تھے۔ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچانا آپ کا شیوہ تھا اور پھر ایک ڈاکٹر کا پیشہ تو ہوتا ہی مخلوق خدا کی ہمدردی اور خدمت ہے جس سے آپ کماحقہ عہدہ برآ ہوئے۔

تقسیم ملک کے بعد جب ہندوستان اور پاکستان بنا تو آپ بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق آپ کا اہم سامان اور دستاویزات لے کر قادیان سے ہجرت کر کے لاہور حضور کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضور کے ارشاد پر ہی اماں جی کو لکھ دیا کہ وہ بھی ہجرت کر کے لاہور آ جائیں۔ آپ کی بڑی بیٹی زینب بیگم اہلیہ ڈاکٹر غلام حیدر صاحب لاہور میں مقیم تھیں۔ اماں جی کو بیٹیوں کے گھر رہنا پسند نہ تھا اس لئے جواب لکھ دیا کہ میں نہیں آتی لیکن جب آپ کو والد صاحب نے اطلاع دی کہ ان کے لئے جودھامل بلڈنگ میں دو کمرے الاٹ ہو گئے ہیں تو آپ تیار ہو گئیں اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور سید ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے اپنی خاص توجہ سے ہمیں لاہور پہنچانے کا انتظام کر دیا۔ اُن دنوں قادیان سے نکلنے پر ہم سب بہت اداس تھے اور میں چھوٹی ہی تھی گھبرا کر نیچے آ جاتی کہ شاید کوئی اور قافلہ قادیان سے آ جائے۔ ان دنوں تمام ہجرت کرنے والوں کے لئے حضور نے کچھ بلڈنگز لاہور میں الاٹ کروالی تھیں اور کافی لوگ خیموں میں تھے۔ ایک چھوٹا خیمہ تھا جس میں والد صاحب اور بھائی محمود احمد انجکشن تیار کیا کرتے تھے۔ میرے پوچھنے پر والدہ صاحبہ نے بتایا کہ ایسے حالات میں بیماریاں پھیلنے کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے حفظ ماتقدم کے طور پر تمہارے ابا اور بھائی ٹیکے لگاتے تھے۔ پھر کچھ عرصہ بعد

جو دھامل بلڈنگ کے فرسٹ فلور پر ایک چھوٹا کمرہ آپ کو ڈسپنسری کے لئے الاٹ ہو گیا۔ ابا جان وہیں رہتے صرف دوپہر کا کھانا کھانے یا نماز پڑھنے کے لئے اوپر آتے۔

لاہور آنے کے بعد مجھے یرقان ہو گیا جس کا علاج ابا جان نے بتایا کہ صبح نہار منہ مالٹے کھالیا کروں اور ایک مکسچر بنا کر دیا جس سے میں بہت جلد صحت یاب ہو گئی۔ آپ بچوں کی صحت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ سردی شروع ہونے سے پہلے ہی بچوں کے لئے جرابیں اور بنیانیں لاہور سے خرید لاتے اور فرماتے کہ سردی پاؤں سے چڑھتی ہے اور سینے پر اثر کرتی ہے۔ پاؤں گرم ہوں اور سینہ ڈھکا ہوا ہو تو آدمی نمونیہ سے بچ جاتا ہے اور فرماتے ایک نمونیہ سردی لگنے سے ہوتا ہے اور دوسرا گرمی سے لو لگ جانے سے۔ موٹی بنیانیں گھس کر گرمی میں پہننے کے قابل ہو جاتی ہیں اس لئے سردی اور گرمی میں بنیان پہن لینی چاہیے۔ آپ جب حضور کے ساتھ سفر سندھ پر جاتے تو شلوار کے نیچے پہننے کے لئے پاجامہ سلوا کر لے جاتے تاکہ وہاں کی گرم ہوا ٹانگوں پر اثر انداز نہ ہو۔ آپ کی غذا نہایت سادہ اور ہلکی پھلکی تھی۔ والدہ صاحبہ بیمار ہوتیں تو Olive oil میں لوبیا پکا کر انہیں کھلاتے اور سب بچوں کو بھی۔ اسی طرح سبزیاں اور گوشت کا نہایت مزیدار سوپ بنا کر پلاتے۔ جس میں آلو بخارا بھی ڈالتے۔ سردیوں میں Cord Liver oil سب کو استعمال کرواتے۔

کچھ عرصہ ہم اپنے دارالانوار والے گھر میں جا کر رہے۔ وہاں پانی کے لئے ہینڈ پمپ تھا تو فرماتے کہ نلکا چلا کر باغ کو پانی دیا کرو۔ ورزش ہو جاتی ہے۔ کبھی ورزش کے لئے باغ میں دوڑ بھی لگواتے۔ عید آنے سے پہلے آپ نئے نئے سکے عیدی دینے کے لئے جمع کرتے۔ جو بچہ امتحان میں پاس ہوتا اسے بطور انعام بھی کچھ نہ کچھ دیتے اور رات کو بھی جو آپ کو دباتا اس کو آپ لطیفے بھی سناتے اور کہانیاں بھی اور سوال و جواب بھی جاری رکھتے اور پہیلیاں بھی بجھواتے۔ صحیح جوابات پر بطور انعام ڈرائی فروٹ بھی کھلاتے۔ گاؤں سے لوگ اکثر آپ کے پاس گنے بطور تحفہ لاتے تو آپ سب کو اکٹھا کرتے اور صحن میں بٹھا کر خود بھی کھاتے اور بچے بھی۔ آپ فرماتے تھے کہ گنے چوسنے سے دانت مضبوط ہو جاتے ہیں۔

نماز باجماعت کے پابند خود بھی تھے اور لڑکوں کو بھی تاکید تھی کہ باجماعت نماز کی پابندی کریں۔ لڑکیوں کی ذمہ داری والدہ صاحبہ پر تھی۔ قرآن شریف ختم کرنے پر گرم گرم جلیبیاں بانٹتے۔

آپ کی آخری بیماری میں کچھ عرصہ میرپور خاص سے آپ کے پاس آ کر رہی اور آپ کے کمرے میں زمین پر ہی سو جاتی۔ آپ خود بھی تہجد پڑھتے اور مجھے بھی اُٹھا دیتے اور فرماتے کہ نماز کے بعد میرے خطوں کے جواب لکھ دو۔

ہم نواب محمد علی خان صاحب کے مکان میں رہتے تھے۔ اس کی نچلی منزل میں لائبریری تھی جبکہ ہماری رہائش اوپر کی منزل پر تھی۔ ہم بچے تھے اور دیوار سے نیچے بازار کی طرف اکثر جھانکتے تاکہ بازار کی رونق دیکھیں۔ ایک روز میں لکڑی کی کرسی پر چڑھ کر نیچے جھانک رہی تھی اور ساتھ یہ نعت پڑھ رہی تھی۔

محمدؐ	محمدؐ	پکارے	چلا		جا
مدینے	کی	گلیوں	میں	آباد ہو	جا
نبی	کی	محبت	میں	سرشار ہو	جا
زمانے	کے	جھگڑوں	سے	آزاد ہو	جا

جب آخری شعر پر پہنچی تو آپ نماز پڑھ کر اُوپر آرہے تھے آپ نے سن لیا تو کہنے لگے کہ لاؤ تمہیں الٹا کر کے نیچے لٹکاتا ہوں۔ ابھی زمانے کے جھگڑوں سے آزاد ہو جاؤ گی۔ یہ سب آپ نے بطور مزاح کہا تھا۔ اسی طرح آپ بعض مزاحیہ اشعار بھی لکھتے تھے۔

1955ء میں جب آپ حضور کے ساتھ سفر یورپ پر گئے تو میں نے آپ سے فرمائش کی کہ سوئٹزرلینڈ سے میرے لئے Wrist Watch لائیں۔ جب آپ واپس آئے تو آتے ہی گھڑی میری کلائی پر باندھ دی۔ اور چار جوڑی کانٹے اور دو ہار بھی لائے۔ ہار دونوں بہوؤں کے لئے اور کانٹے چاروں بیٹیوں کے لئے۔ سب سے پہلے مجھے کہا کہ اپنے لئے پسند کرو اور میری چوائس کی داد بھی دی۔

مضمون کی طوالت کے ڈر سے ایک بات بیان کر کے ختم کرتی ہوں کہ

”میرے شوہر عبد الشکور صاحب نے مجھے بتایا کہ میں نے حضرت والد صاحب سے کہا کہ میرے والد مولوی فضل دین صاحب آف کھاریاں کے ذریعے احمدی ہوئے تھے تو آپ فرمانے لگے کہ مولوی فضل دین صاحب ہی تو اُس رات مہمانوں میں سے میرے ساتھ تھے جن کو الہامی کھانا کھلایا گیا تھا۔ یعنی الہام یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَ کے تحت“

1۔ سیدنا حضرت فضل عمرؓ کے علمی ذوق کے بارے میں والد صاحب فرماتے ہیں۔

”حضرت فضل عمر نے صدر انجمن کا موجودہ نہایت کامیاب نظام جاری فرمانے سے قبل انسانی جسم کی بناوٹ کے متعلق ضخیم طبّی کتب کا مطالعہ فرمایا تا کہ دل و دماغ اور جوارح کا باہم تعلق معلوم کر کے اس نظام سے استفادہ کرتے ہوئے جامع اور نقائص سے پاک انتظام جاری کیا جا سکے۔ آپ اپنی زندگی کے ابتدائی ایام سے جبکہ آپ کو بہت ہی محدود جیب خرچ ملتا تھا اپنے ذوق مطالعہ کی تسکین کے لئے کتب کی خرید پر کچھ نہ کچھ رقم ضرور خرچ کرتے تھے اور اس طرح آپ نے منتخب کتب کی ایک اچھی لائبریری بنائی ہوئی تھی۔ آپ کے ذاتی کتب خانہ کی ہزاروں کتب جماعت کی مرکزی لائبریری کی افادیت میں اضافہ کا باعث بنی ہوئی ہیں جن میں سینکڑوں کی کتب پر آپ کے دست مبارک کے نشانات دیکھے جا سکتے ہیں جو اس بات کے غماز ہیں کہ ان تمام کتابوں کا حضور مطالعہ فرما چکے تھے۔“

(النور جنوری فروری 2006ء صفحہ 24)

سوانح حضرت سیدنا فضل عمر جلد اول صفحہ 95 پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضور نے 1955ء کے سفر یورپ میں محترم ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب خان مرحوم کو بطور لطیفہ ٹائی کا تحفہ مرحمت فرمایا۔

1۔ صاحبزادی بی بی امۃ القیوم صاحبہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابا جان (سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ) کا آخری وقت تھا تمام خاندان کے لوگ حضور کے پاس جمع تھے تو عین اس وقت مجھے ڈاکٹر صاحب کا خیال آیا اور اچانک میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ "ہائے کوئی ڈاکٹر صاحب کو تو بلائے۔"

2۔ صاحبزادی بی بی امۃ الرشید صاحبہ فرماتی ہیں کہ اس وقت میں دوڑتی ہوئی ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں گئی (اس وقت آپ اپنے آقا کی خدمت میں حضور کے فرمانے پر قصر خلافت سے ملحق کمرے میں رہائش پذیر تھے) اور ان کو کھینچتی ہوئی لے کر آئی۔ تا کہ اپنے آقا کا آخری وقت میں دیدار کر لیں۔ ڈاکٹر صاحب نے آکر سورۃ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی۔

ہمارے دادا جان

(امۃ الحکیم عائشہ بنت ڈاکٹر محمد احمد)

13 ؍اپریل 1967ء کا وہ دن تھا جس کے متعلق ہم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس دن ہمارے پیارے دادا جان ہم سے رخصت ہو جائیں گے۔ گو وہ بہت کمزور اور نحیف تھے۔ خوراک ایک مہینہ بھر سے بند تھی لیکن اس کے باوجود ہم ان کی صحت کی پوری امید رکھتے تھے کیونکہ اس سے پہلے وہ گرمیوں میں اس سے بھی زیادہ شدید طور پر بیمار ہوئے تھے اور خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے ان کو شفا دی تھی اور پھر اس کے بعد انہوں نے کراچی کا سفر بھی کیا تھا۔ افسوس ہم اس خیال میں رہے کہ وہ خدائے قدوس ہمارے دادا جان کو شفاء دے دے گا۔ کیونکہ ابھی تو صرف ہمیں بلکہ تمام جماعت کو ان کی دعاؤں اور خدمت کی بہت ضرورت تھی۔ وہ خود بھی کہا کرتے تھے کہ ابھی تو میں نے دین کا بہت کام کرنا ہے لیکن غیب کا علم تو صرف خدا تعالیٰ ہی کو ہے اب ہم سوائے صبر کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ ایک نعمت جو ہم سے چھن گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آپ کی وفات اتنے پُر سکون طریقے سے ہوئی کہ نیند ہی نیند میں وہ اپنے مولا حقیقی سے جا ملے۔ حالانکہ صرف ایک دن پہلے ان کی باتوں سے ان کا کمرہ گونج رہا تھا۔

ہم نے جب سے ہوش سنبھالا۔ دادا جان کو ہمیشہ اپنے سے بے پناہ محبت کرتے پایا۔ میں نے چھوٹی عمر میں جو سب سے پہلا خط لکھا وہ اپنے دادا جان کو ہی لکھا تھا۔ بہت محبت بھرے جواب دیتے تھے۔ لیکن دین کے معاملے میں بہت سختی کرتے تھے۔ نماز

کی تو بہت ہی سختی سے تاکید کرتے۔ اپنی بیماری میں جب کہ وہ بستر سے اُٹھ بھی نہیں سکتے تھے ان کی یہ خواہش تھی کہ اُن کے کمرے میں نماز با جماعت ادا کی جائے۔ نمازوں میں بہت رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ اپنے عزیزوں کے لئے، غیروں کے لئے اور تمام جماعت کے لئے ان کی دعایں وقف تھیں۔ کبھی تہجد کے وقت ہماری آنکھ کھل جاتی تو خدا تعالیٰ کے حضور ان کی گریہ وزاری دیکھی نہ جاتی تھی۔ ہمیشہ ہمیں نصیحت کرتے تھے کہ اپنی نیند کو کم کرو۔ راتوں کو اُٹھ کر رویا کرو۔ فجر کی اذان کے ساتھ ہی ہمیں آوازیں دینی شروع کر دیتے تھے اور جب تک کچھ صحت رہی امامت کے فرائض خود انجام دیتے رہے۔ زیادہ بیماری کے دوران ذرا صحت ہوتی تو جائے نماز پر جا بیٹھتے اور ہر ایک کے لئے دعا کرتے تھے۔ ان کی روزانہ کی ڈاک جو کہ کافی تعداد میں ہوتی تھی سوائے چند ایک خطوط کے سب کے سب دعا کی تحریروں کے ہوتے تھے اور آپ سب کو جواب دیتے تھے۔ آج ان کی وفات کے بعد اتنی تاریں اور خطوط آئے ہیں کہ اگر ان کو نقل کیا جائے تو بذات خود ایک مضمون ان کی سیرت کا بن جائے۔ ہر شخص بزبان حال کہہ رہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے میرے ساتھ بڑے قریبی تعلقات تھے وہ میرے لئے دعائیں کرتے تھے۔ وہ مجھے بہت محبت بھرے خط لکھتے تھے۔ کون سی آنکھ تھی جو ان کی وفات پر بھیگی نہ تھی اور کون سا دل تھا جو غمزدہ نہ تھا۔ احباب سے ملنے کے بہت شائق تھے۔ حتّٰی کہ اپنے کھانے پینے کی بھی پرواہ نہ تھی۔ جمعہ کے دن تو بہت دیر سے کھانا کھاتے تھے۔ کیونکہ ملنے والے بہت آتے تھے۔ افسوس صد افسوس! اتنی پیاری ہستی ہمیں اتنی جلدی جب کہ ہم نے اس کی جدائی کے متعلق سوچا بھی نہ تھا ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔

حضرت دادا جان میں اتنی خوبیاں تھیں کہ اگر ان کو بیان کیا جائے تو ایک پوری کتاب کی ضرورت ہے لیکن میری خواہش ہے کہ اپنے دادا جان کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور لکھوں۔ اس طرح مجھے بھی بہت تسلی ہو گی۔

احمدیت سے جو ان کو لگاؤ تھا وہ تو کسی سے بھی نہیں چھپا۔ ان کو نہ صرف قرآن شریف پڑھنے کا شوق تھا بلکہ نئے نئے نکات نکالنے کے بھی بہت شائق تھے۔ میں نے لجنہ کا کوئی امتحان دینا تھا تو ان سے کسی بات کی وضاحت چاہی۔ وہ مجھے اس کی وضاحت سے مجھے کہیں سے کہیں لے گئے اور چند ایک ایسے نکات بیان فرمائے جو انہوں نے بہت سوچ بچار کے بعد اخذ کئے تھے۔ اس طرح ہر چیز کے متعلق وہ گہرائی میں جا کر سوچتے تھے۔ اور تفسیر کبیر اور تفسیر صغیر کے درمیان اس مقصد کے لئے انہوں نے سادہ صفحات لگوا رکھے تھے۔ جو کہ تمام ان کی باریک لکھائی سے بھرے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کا تو اس قدر شوق تھا کہ جو بھی ان کو ملنے آتا اس کو قرآن مجید کی کوئی نہ کوئی آیت سمجھانے بیٹھ جاتے۔ سلسلہ کی بہت بہت پرانی جِلدیں ان کے پاس موجود تھیں اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح سے ان سے فیض اٹھانے کی توفیق دے۔ آمین

حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ جو ان کو عشق تھا میرے خیال میں یہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ لوگ آپ کو حضرت مصلح موعودؓ کے الٰہی خادم کی حیثیت سے ہی جانتے ہیں۔ آپ کی عملی زندگی اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ اپنی تمام عمر

اپنے پیارے آقا کے در پر گزار دی۔ آخر وقت تک ان کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ان کو ہی یاد کرتے اس جہاں فانی سے رخصت ہو گئے۔

بچوں سے آپ بہت پیار کرتے تھے۔ خصوصاً میری چھوٹی بہن کے ساتھ ان کو بڑا لگاؤ تھا۔ ان کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے اور اس کو بھی آپ کے بغیر چین نہ آتا تھا، جب آپ پچھلی گرمیوں میں بیمار ہوئے اور کھانا پینا چھوڑ دیا تو میری بہن نے بھی ڈھنگ سے کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ جب آپ تندرست ہوئے تو دونوں نے بڑی خوشی خوشی کھانا کھایا۔ آج ہمارے گھر کا بچہ بچہ اپنے پیارے دادا جان کی یاد میں آنسو بہاتا ہے اور ان کی بلندی درجات کے لئے دعا کرتا ہے۔ نہ صرف آپ بچوں سے پیار کرتے تھے بلکہ ان کے ہر کام اور ہر کھیل میں دلچسپی بھی لیتے تھے۔ میرے بڑے بھائی کو کرکٹ کا بہت شوق تھا۔ اسے یہ شوق بہت چھوٹی عمر سے تھا۔ دادا جان ہمیشہ اس کے اس کھیل میں دلچسپی لیتے اور اس کو کرکٹ کا سامان خرید کر دیتے اور جب بھی ہم جلسے یا چھٹیوں میں ربوہ آتے تو ہمارے ساتھ کھیل میں شریک ہو جاتے اور سمجھاتے کہ اس طرح کھیلو۔ کیونکہ بچپن میں خود آپ کو بھی بڑا شوق تھا۔ اپنا ایک لطیفہ اکثر سناتے تھے۔ کہ جب ہم چھوٹے ہوتے تھے تو کرکٹ کھیلنے کا شوق تو بہت تھا لیکن ہمیں اس کا سامان نہیں ملتا تھا۔ ہم نے درخت کی ٹہنیاں توڑ کر بیٹ اور وکٹیں بنالیں۔ گیند کے لئے کپڑا گول مول کر کے گیند بنالیا۔ اور اس سے ہم کرکٹ کھیلا کرتے تھے۔ کہنے لگے جس جگہ ہم کھیلتے تھے وہاں سے کوئی پانچ میل دور ریاست پٹیالہ کا راجہ کرکٹ کھیلا کرتا تھا۔ اس کا ایک نوکر تھا جو کھیلنے کے لئے میدان بناتا تھا۔ اس کے لڑکے نے ایک دن ہمیں کہا کہ تم لوگ راجہ کے ساتھ میچ کھیلو۔ ہم لوگ مان گئے اور اپنی چیزیں سمیٹ کر پانچ میل دور چلے گئے۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ راجہ آج نہیں کھیلے گا۔ یہاں تک لطیفہ ہی ہے لیکن آگے بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس وقت دعا کی کہ

"اے خدا تو مجھے راجہ جتنی عزت عطا کرنا۔"

خدا کی قدرت جب آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ 1924ء میں لندن گئے تو ایک ہوٹل میں جس پر آپ کھانا کھا رہے تھے اس کے ساتھ والی میز پر وہی راجہ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ بچپن کی مانگی ہوئی دعا کی قبولیت کا یہ بھی ایک پہلو ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ اپنے سفروں کے حالات اکثر سنایا کرتے تھے۔ ایک دن رات کو جب کہ آپ بیمار تھے اپنے یورپ کے حالات سنائے اور مجھے کہنے لگے کہ ان کو کسی رسالے پر چھپوا دو۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ میں ان کی انگریز بیٹی Audrey کے ساتھ ان کے تعلقات کو واضح کرتی۔ آڈرے پٹیالے کے راجندر ہسپتال کے سی ایم او ڈاکٹر کاون کی بیٹی تھی۔ دادا اس ہسپتال میں سرجن تھے۔ ڈاکٹر Cowin آپ کے کام سے بہت خوش تھے کیونکہ سرجری میں آپ بہت مہارت رکھتے تھے۔ گو ڈاکٹر کاون کے ساتھ آپ نے پٹیالہ میں بہت تھوڑا عرصہ گزارا۔ لیکن وہ آپ کی شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ اس نے وطن واپس جا کر آپ سے خط و کتابت جاری رکھی۔ اللہ تعالیٰ کے

فضل سے جب آپ 1924ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یورپ گئے اور وہاں آپ نے انڈیا آفس کے ذریعہ ان کا پتہ لیا اور ملاقات کی۔ یورپ جانے سے کچھ عرصہ پہلے کی خط و کتابت ڈاکٹر کاون سے بند ہو گئی تھی لیکن آپ کی اس ملاقات کے بعد آڈرے نے بھی یہاں خط لکھنے شروع کر دیئے۔ اور پھر خدا کے فضل سے 1955ء میں دوبارہ ملاقات ہو گئی۔ آڈرے کو آپ سے بہت محبت تھی۔ بالکل حقیقی باپ کی طرح سمجھتی تھی۔ 1958ء میں آڈرے کے خاوند اور پھر 1960ء میں ڈاکٹر کاون انتقال کر گئے۔ ان دونوں کی انتقال کی خبر آڈرے نے بذریعہ ٹیلی گرام دادا جان کو دی۔ ڈاکٹر کاون کے انتقال کے بعد دادا جان نے آڈرے کو پاکستان آنے کی دعوت دی کہ اس طرح اس کا غم کچھ ہلکا ہو گا۔ وہ بھی دادا جان کی محبت میں دسمبر 1961ء میں پاکستان پہنچ گئیں اور دادا جان کو مل کر وہ جس قدر خوش ہوئی بیان سے باہر ہے۔ ان کے لئے حتّٰی الامکان خوب تیاریاں کیں ان کی پوری کوشش تھی کہ وہ اسلام اور احمدیت کا اچھا اثر لے کر جائیں۔ ان کی بہت خواہش تھی کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور دوسری کتب جن کا انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے خاص طور پر ان کو پڑھنے کے لئے دیں اور خط تو ہمیشہ ہی ان کے تبلیغی رنگ کے ہوتے تھے۔ بالکل اپنی حقیقی بیٹیوں کی طرح آپ کو ان سے پیار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی وفات سے چند دن پہلے وہ بہت پریشان تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ پیارے دادا جان کی یہ خواہش پوری ہو جاوے کہ ان کی پیاری بیٹی اسلام قبول کر لے۔ آمین

آپ بہت ہی مہمان نواز تھے مہمان کے لئے ہمیشہ آپ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اپنی علالت کے دوران جب کہ آپ نے خود کھانا چھوڑا ہوا تھا ہمیں کہتے "تم کھاؤ مجھے خوشی ہو گی" ایک دن اس طرح جب ان کو کہا کہ آپ کھانا نہیں کھائیں گے تو آپ کو صحت کیسے ہو گی... تو فرمانے لگے کہ تم سمجھتے ہو کہ میں کھانا نہیں کھاتا تو میری طاقت کم ہو رہی ہے۔ یہ غلط ہے میں تو روحانی غذا کھاتا ہوں۔ حتّٰی کہ وفات کی رات کو دو بجے میرے بھائی منصور کو خاص طور پر بلوایا اور کہنے لگے آؤ! میرے ساتھ زور آزمائی کرو۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ میری طاقت کم ہو رہی ہے۔

آپ بلاشبہ بہشتی تھے آپ نے اشاروں کنایوں سے یہ بتانے کی کوشش کی کہ آپ کا آخری وقت قریب ہے لیکن ہم ان کا ایک بھی اشارہ نہ سمجھ سکے۔ اپریل کے دنوں میں جب کہ باہر خاصی گرمی ہوتی تھی گویا بہشت کی ہوائیں آپ کا استقبال کر رہی تھیں۔ نیند کی حالت میں اکثر اوپر کی طرف اشارہ کرتے تھے جیسے کسی کو بلا رہے ہوں۔ یہ سب نشانیاں تھیں ان کی رحلت کی۔

آپ نے بھرپور زندگی گزاری۔ دین کی خدمت بھی کی اور دنیا کا لطف بھی اٹھایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دین حاصل کرو۔ دنیا خود بخود ہمیں مل جائے گی اور پھر آپ کی وفات بھی کتنے پُرسکون طریقے سے ہوئی بغیر کسی تکلیف کے سانس آہستہ آہستہ ہوتا ہوا ختم ہو گیا۔ اور آپ اپنے حقیقی مولا سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

غرض آپ کی زندگی قابل رشک تھی۔ آپ جیسے خوش قسمت کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ جیسا کہ آپ ایک ڈاکٹر تھے۔ آپ کو ڈاکٹری کے پیشے میں محو رہنا تھا۔ لیکن ایک طرف تو ڈاکٹری کے لحاظ سے آپ ایک کامیاب ڈاکٹر تھے اور خدا تعالیٰ نے خاص طور پر آپ کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی۔ دوسری طرف جب آپ دین علوم پر بحث کرتے یا قرآن کریم کے معارف بیان کرتے تو کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ایک ڈاکٹر ہیں۔ غرض آپ نے دینی لحاظ سے بھی اور دینوی لحاظ سے بھی پاک وصاف اور بزرگانہ زندگی گزاری خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے تا ہمارا بھی انجام بخیر ہو۔

قارئین دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر دے۔ ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہمارے گھر میں زلزلہ آگیا ہو۔ دماغ تو کئی ہفتے ماؤف رہے۔ یقین ہی نہیں آتا کہ پیارے دادا جان کا کمرہ خالی ہو گیا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے ہم اس کی رضا پر راضی ہیں۔ محمود کا ایاز، محمود رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔ جس کی فرقت میں اس نے ڈیڑھ سال کا عرصہ کانٹوں پر بسر کیا۔ کمزوری کی حالت کی وجہ سے آپ کی طبیعت بھی چڑچڑی ہو گئی تھی لوگ اس کی وجہ نہیں سمجھتے تھے۔ حقیقت میں تو وہ بے چین تھے۔ اپنے آقا کے بغیر جن کے ساتھ آپ نے اپنی ساری عمر گزاری بیماری نے آپ کو اور بھی نڈھال کر دیا۔ اب تو آپ ہر دکھ سے نجات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں جگہ دے۔ اور حضرت مصلح موعودؓ کا قرب عطا فرمائے۔ آمین

(ماہنامہ مصباح ربوہ، جون 1967ء صفحہ 27-40)

حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم، عزیزہ موصوفہ کے ساتھ خاص محبت رکھتے تھے ان کی خواہش تھی کہ ان کی پوتی دینی و علمی اور عملی میدان میں اعلیٰ قیادت حاصل کرے۔

اس جذبہ کے تحت آپ نے عزیزہ موصوفہ کے نام حسب ذیل نصائح تحریر فرمائیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کو اپنی اولاد کی دینی و دنیاوی اصلاح کا کس قدر شوق تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیاری عزیزہ امۃ الحکیم عائشہ سلمہا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

تم نے مجھ سے AutoGraph طلب کیا ہے سو میں تمہاری پیش کردہ پاکٹ بک پر دے دیا ہے مگر میری عزیزہ میں اور چند ضروری باتیں تمہیں بتانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے۔

اوّل: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ یعنی ہم نے جنوں کو اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس اے پیاری عزیزہ! تم اپنے خدا کی

جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور جس نے وہ چیزیں بھی پیدا کی ہیں جن پر تمہاری زندگی کا دارو مدار ہے اور جس نے تمہارے ماں باپ کے دل میں محبت بھر دی ہے۔ جو تمہاری زندگی کا ظاہری سہارا ہیں۔ سچے دل سے عبادت کیا کرو اور کہا کرو کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے اور بلا مانگے رحم و کرم کرنے والا ہے اور محنتوں کا سچا بدلہ دینے والا ہے اور پھر ایسے وقت کا بادشاہ ہے جب تمام مخلوق انسان کے نیک و بد اعمال کا جو عمر بھر کئے تھے اچھا اور برا نتیجہ دکھانے والا ہے۔ پس اسی صفات والے خدا کو دیکھتے ہوئے بے اختیار کہا کرو کہ ہم تیری ہی عبادت کا دم بھرتے ہیں اور امیدوار نعمت بنتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ کہ ہم سے وہ غلطیاں سرزد نہ ہوں جس کی وجہ سے تیرے غضب کے نیچے آ جائیں۔ اور ایسی غلطیاں نہ ہو جائیں کہ گمراہ کن عقیدہ کے حامل شیطان بن جائیں۔ یہی دعا ہے جو نماز کا مغز ہے نماز ہی حقیقی عبادت ہے جس کے ذریعے خدا کی حقیقی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ پس نماز کو سنوار کر ادا کیا کرو۔ اور غفلت کو چھوڑ کر با قاعدہ اور وقت پر ادا کیا کرو، جب تم ایک مدت تک اس طرح پر نماز ادا کرو گی۔ تو تمہارے اندر ایک دن ایسی روح پیدا ہو جائے گی جو خدا کے احسانوں کو دکھانے لگے گی۔ اور تم اس کے شکر میں لگ جاؤ گی اور جس قدر شکر خداوندی کرو گی تو اسی قدر خدا تعالیٰ تمہاری روح میں محبت الٰہی پیدا کر دے گا اور تمہیں خدا کا قرب حاصل ہو جائے گا۔

پھر نماز ہی ہے جس کے سجدوں میں رو رو کر اپنی زبان میں اپنے مقصدوں کے لئے دعا کرو اس کی مخفی مدد کو حاصل کر کے اپنی حاجتوں کو پورا کروا سکتی ہے۔ اس طرح پر خدا تعالیٰ کی خاص مدد کا بار بار مشاہدہ کرنے سے خدا تعالیٰ کی ذاتی محبت میں ترقی کر جاؤ گی۔ اور ایک دن خدا تعالیٰ کی رضا کا انجام پاؤ گی۔ اور تم خدا تعالیٰ سے پورے طور پر راضی ہو جاؤ گی۔ جب تم اس حالت میں آ جاؤ گی تو تم انسان کامل کہلاؤ گی اور انسانیت کا نمونہ بن جاؤ گی۔

پھر میں تمہیں بتلاتا ہوں دین اسلام جسے ہم اپنا دین کہتے ہیں جس کا ماٹو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے ایک مسلمان پر دو فرائض لگاتا ہے۔

1۔ ایک تو حقوق اللہ کا ادا کرنا۔ یعنی خدا تعالیٰ کو واحد جان کر صرف اس کی عبادت کرنا اور اس سے ہی سب چیزوں سے زیادہ محبت کرنا اور اس کی عبادت میں اور اس کی محبت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرنا کیونکہ وہی ہمارا خالق و مالک ہے۔

2۔ دوسرا فرض مسلمانوں پر حقوق العباد کا ادا کرنا ہے اس دوسرے فرض کی شاخیں بے شمار ہیں اور تمام عمر یہ فرض ہر ایک فرد کے ذمہ لگا رہتا ہے۔ پس اس وسیع فرض کا بیان کرنا بہت لمبا بیان چاہتا ہے میں اس جگہ مختصراً چند بہت ضروری باتیں لکھ دیتا ہوں۔

1۔ تم بچتی رہو کہ کسی مخلوق انسانی کو تم سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ کسی کو برا بھلا نہ کہو اور دوسرا نام نہ رکھو۔

2۔ کسی کی غیبت نہ کرو اور پس پشت دوسرے کے پاس برائیاں بیان کر کے اسے بدنام نہ کرو۔ اسی طرح کسی کی چغلیاں نہ کھاؤ۔

3۔ جب کسی سے مخاطب ہو تو متکبرانہ طریق اختیار نہ کرو۔

4۔ کسی کو برا نہ جانو اور اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر قرار نہ دو۔

5۔ بخل کی عادت سے بچو۔

6۔ اپنی جان سے دوسروں کی خدمت کرو۔

7۔ اپنی حلال کی آمد سے دوسروں کی خدمت کیا کرو۔

8۔ ایسی صحبت سے ہمیشہ کنارہ کش رہو جس کے نتیجہ میں نمازوں سے غفلت پیدا ہو۔ اور بلندی اخلاق (بلند اخلاق کو) صدمہ پہنچے۔

9۔ ماں باپ کی اطاعت کرو۔

10۔ استادوں کی عزت کرو۔

11۔ چھوٹوں پر رحم کرو اور بڑوں کی عزت۔

فقط

خاکسار

حشمت اللہ تمہارا دادا

(30/اگست 1963ء)

(یہ تحریر مکرمہ امۃ الحکیم صاحبہ کے پاس محفوظ ہے)

بیان نذیر بیگم صاحبہ اہلیہ صوفی نذیر احمد صاحب (جرمنی)

آپ فرماتی ہیں کہ

"میرا نام نذیر بیگم ہے اور میری والدہ کا نام حیات بیگم تھا اور میرے سب سے بڑے بھائی جان کا نام محمد نذیر تھا۔ ہمارے گھر میں احمدیت ہمارے بڑے بھائی جان کے ذریعے سے آئی تھی۔ ہمارے خاندان کے افراد قاضی تھے لیکن میرے بھائی جان نے اس کام کو چھوڑ کر اسکول ٹیچر کی ملازمت اختیار کر لی اور سیالکوٹ سے جونیئر ورینکلر ٹیچر کی ٹریننگ لے کر اپنا وطن پسرور چھوڑ دیا اور ضلع شیخوپورہ کے گاؤں چوڑا سگھر میں ملازمت کر لی۔ ملازمت کے دوران ان کی ملاقات اپنے دو ہم پیشہ اساتذہ

سے ہوئی جن کے نام منشی محمد الدین اور سید لعل شاہ ہیں۔ یہ دونوں بفضلہٖ تعالیٰ احمدی تھے اور انہی کے ذریعے سے ہمارا خاندان احمدیت سے متعارف ہوا۔ میری والدہ کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ غالباً ان کو موتیا کی شکایت تھی۔ میرے بھائی جان نے اپنے ان دوساتھی اساتذہ سے والدہ کی بیماری کا ذکر کیا تو دونوں نے مشورہ دیا کہ ان کو قادیان لے جائیں اور نور ہسپتال میں علاج کروائیں وہاں کے بڑے ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب) آنکھوں کے آپریشن کے ماہر ہیں۔

جب ہم قادیان پہنچے تو ہمیں معلوم ہوا کہ محترم ڈاکٹر صاحب اپنے خلیفہ صاحب کے ہمراہ ڈلہوزی گئے ہوئے ہیں۔ یہ بات آج سے تقریباً 65 یا 70 سال پہلے کی ہے۔ ہم تو محترم ڈاکٹر صاحب کی قابلیت اور شہرت کا ہی سن کر قادیان گئے تھے اس لئے میرے بھائی جان نے فیصلہ کیا کہ ہم ڈاکٹر صاحب کا انتظار کر لیتے ہیں۔ ہم نے آپریشن انہی سے کروانا ہے۔ بہر حال جب محترمی ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب قادیان واپس تشریف لائے تو میری والدہ صاحبہ ہسپتال میں داخل ہوئیں اور اس بابرکت دن سے ہی میری والدہ اور میرے بھائی جان احمدیت کے قریب آنا شروع ہو گئے۔

محترمی ڈاکٹر صاحب نے نہایت شفقت اور ہمدردی سے بھائی جان کی خواہش کے مطابق کہ بغیر بے ہوش کئے ہوئے والدہ کا آپریشن کریں ان کا آپریشن کیا اور بھائی جان کو تسلی بھی دلائی کہ ان کو بالکل تکلیف نہ ہوگی اور بھی کہا کہ اگر وہ چاہیں تو آپریشن کے وقت سامنے موجود ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا میرے بھائی جان آپریشن کے دوران سامنے کھڑے رہے۔ چھوٹے بھائی جو کہ دل کے کمزور تھے زیادہ دیر برداشت نہ کر سکے اور باہر چلے گئے۔ الغرض ڈاکٹر صاحب نے نہایت محبت کا سلوک ہمارے ساتھ کیا۔ ہمارا قیام تقریباً ایک ڈیڑھ ماہ قادیان میں رہا۔

اس دوران ڈاکٹر صاحب کی بیگم صاحبہ اور ایک اور خاتون جن کو صوفی صاحب کی بیگم کہتے تھے۔ یہ دونوں بزرگ خواتین روزانہ میری والدہ کے پاس آتیں اور ساتھ دودھ لے کر آتیں۔ ان کو دودھ پلاتی، ان کے کپڑے بدلواتیں اور میلے کپڑے گھر لے جا کر دوسرے روز دھو کر صاف کر کے لے آتیں۔ ہر روز شام کو میری والدہ کو آکر دباتیں اور ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتیں۔

میری والدہ فرماتی تھیں کہ انہوں نے میرے دادا سے سنا ہوا تھا کہ امام مہدی کا ظہور ہو چکا ہے اور جب انہوں نے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھا تو ان کے حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئیں تو بھائی جان کو کہنے لگیں کہ میں نے تو واقعی ان لوگوں میں وہ اخلاق دیکھا ہے جو واقعی اللہ والوں میں ہوتا ہے۔ میں سادہ سی دیہاتی عورت اور پھر غیر احمدی اور وطن سے دور یہاں آئی ہوں اور ان حالات میں میری خدمت کرنے والی کوئی معمولی عورت نہیں ہسپتال کے بڑے ڈاکٹر صاحب کی بیوی ہے۔ میرے لئے احمدیت کی سچائی کی یہ دلیل کافی ہے اس لئے میں بیعت کر کے اس جماعت میں داخل ہوتی ہوں لہٰذا انہوں نے وہیں بیعت کر لی اور میرے بھائی جان نے واپس شیخوپورہ جا کر بیعت کر لی۔

میرے بھائی جان کی دلی خواہش بھی یہی تھی کہ اس عظیم الشان نیکی میں پہلا نمبر میری والدہ کا ہی ہو۔ سوالحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خواہش پوری فرمائی۔ اس کے بعد پھر ہمارے خاندان میں احمدیت پھیل گئی۔

یہ میرے بھائی جان اور میری والدہ کی دعائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے دو بیٹے وقف زندگی ہیں۔ ایک جرمنی کے شہر کولون میں مربی سلسلہ ہیں جن کا نام ڈاکٹر محمد جلال شمس (حال انچارج ٹرکش ڈیسک لنڈن) ہے اور دوسرے بیٹے منیر احمد جاوید حضور انور کے پرائیویٹ سیکرٹری ہیں۔ میرے چھوٹے بیٹے نصیر احمد نجم، مکرم ڈاکٹر عبد المنان صدیقی کے بہت قریبی دوست ہیں اور میرے ایک داماد مکرم حنیف احمد محمود نائب ناظر اصلاح و ارشاد مرکزیہ نے حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کی سیرت و سوانح کی پروف ریڈنگ، تدوین و تزئین کے فرائض سرانجام دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ میرے تمام بچوں کو مقبول خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اور اللہ تعالیٰ محترم ڈاکٹر صاحب اور ان کی اہلیہ صاحبہ پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

جب میں جرمنی آنے سے پہلے ربوہ میں تھی اور فضل عمر ہسپتال میں محترمی ڈاکٹر صاحب کے بڑے فرزند ڈاکٹر محمد احمد صاحب کام کرتے تھے تو جب بھی ان کے پاس علاج کے لئے گئی انہوں نے بھی ہمیشہ میرا علاج ہمدردی سے کیا اور غض بصر کی ان میں اتنی عادت تھی کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ معائنہ کے وقت یا مریض کا حال سنتے وقت انہوں نے ہمیشہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حضور ان کے بھی درجات بلند فرمائے۔ آمین

۞۞۞

بیاد حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب

(عبد الباری قیوم شاہد)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی اور حضرت مصلح موعودؓ کے معالج خصوصی حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ کی وفات پر کافی عرصہ گزر چکا ہے لیکن وفور محبت میں یہی احساس گزرتا ہے کہ وہ ابھی زندہ ہیں لیکن قدرت کے اٹل قانون کے آگے کوئی حیلہ کارگر نہیں۔

اس عرصہ میں ان کی سیرت طیبہ پر کئی بار ایک تفصیلی نوٹ لکھنے کا ارادہ کیا لیکن ہر بار جذباتی کشمکش میرے ارادہ کی تکمیل میں مانع رہی۔ لیکن آج یہ خاکسار بھی اس بزرگ ہستی کی سیرت پر ایک مختصر نوٹ لکھ کر اُذْكُرُوْا اَمْوَاتَكُمْ بِالْخَيْرِ کی برکت سے حصہ لینا چاہتا ہے۔

آپ ایک عظیم علمی اور روحانی شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء عظام کی سیرت اور اخلاق فاضلہ کی جھلک آپ میں نمایاں طور پر نظر آتی تھی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ آپ کی زندگی کا اکثر حصہ خدا تعالیٰ کے برگزیدوں کی صحبت سے فیض یاب ہونے میں گزرا۔ زندگی کا یہ راستہ آپ کے کردار و سیرت کے تشکیل و ترقی میں مدو معاون ثابت ہوا جس نے بعد میں آپ کو حضرت مصلح الموعودؓ کا خادم خصوصی بننے کا شرف عطا کیا اور پھر آپ کو حضرت مصلح الموعودؓ کے لئے جلیل القدر خدمات اور آپ کی قربت وصحبت کے بیش بہا اور انمول اور انگنت مواقع میسر آئے جو صرف آپ کا ہی حصہ ہیں۔ لیکن اس خصوصی شرف کے باوجود یہ عظیم وجود منکسر المزاجی، فروتنی وعاجزی کا پیکر بنا رہا اور کبھی اپنے کسی بھائی کے مقابلے میں فخر و کبر کا پہلو پیدا نہ ہونے دیا۔ یہی وہ خلق کریم تھا جس نے ہزاروں انسانوں کو آپ کا گرویدہ اور قدردان بنا دیا۔

ڈاکٹر صاحب سے میری پہلی تفصیلی ملاقات نخلہ (جابہ) میں ہوئی۔ جب خاکسار حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت کے لئے 1963ء میں ربوہ سے نخلہ گیا تھا۔ میری رہائش حضرت ڈاکٹر صاحب کے رہائشی کمرہ سے ملحقہ کمرہ میں تھی۔ چنانچہ کثرت سے اُن سے گفت وشنید کا موقع ملتا رہا۔ اُن کی ایمان افروز باتوں، ان کے شیریں کلام اور سادہ اور دل موہ لینے والے طرزِ تکلّم سے طبیعت اتنی متاثر ہوئی کہ جب بھی اپنے مقررہ فرائض سے فرصت ملتی۔ اِدھر اُدھر سیر وغیرہ کو جانے کی بجائے ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام کا تذکرہ کچھ اس طرح فرماتے کہ میں کچھ دیر کے لئے اپنے آپ کو حضور علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھا ہوا پاتا اور پھر حضرت مصلح الموعودؓ کی زندگی پر تبصرہ کچھ اس طرح فرماتے کہ ایمان کی حلاوت حاصل ہونے کے ساتھ آپ کے اس انداز بیان پر رشک کئے بنا نہ رہ سکتا۔ کتنی ہی دیر تک میں انہیں دابتا رہتا اور وہ تھے کہ بغیر رکے ہوئے بڑی ہی ایمان افروز باتیں بیان فرماتے اور یہ سلسلہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب واقفین زندگی کی بہت قدر کرتے تھے۔ بڑے ادب واحترام سے ملنے اور ان کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ بے شک آپ بھی فی الحقیقت واقف زندگی ہی تھے۔ آپ نے نوعمری میں مامور زمانہ کے ہاتھ پر بیعت کرکے

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

کا نمونہ پیش کیا۔ ڈاکٹری کا پیشہ اپنانے کے بعد بہتی گنگا کو لات مار دی اور خلیفہ وقت کی خدمت کو مقدم کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا اور انہیں وہ روحانی عظمت وشرف عطاء کیا جو ڈاکٹری کے پیشہ کے ہزاروں روپیہ سے بھی نہ حاصل کر سکتے تھے۔ وہ خدا، اس کے رسول، اس کے مسیح موعود، خلفائے عظام اور نوع انسانی کے عاشق صادق اور سچے خادم تھے۔ ہر ایک کے ذکر کے ساتھ لفظ "پیارا" کا استعمال انہیں ہر ایک کا پیارا بنا گیا اور یہی پیار کا شرف ہے جو اللہ تعالیٰ

نے ان کے گھرانے کو عطا کیا۔ ان کی رفیقہ حیات، ان کے بیٹے، بیٹیاں اور ان کے گھرانے کے تمام افراد اسی پیار کے پتلے نظر آتے ہیں۔ اللہ کرے انہیں یہ شرف ہمیشہ حاصل رہے۔

ڈاکٹر صاحب کا وجود اس گھرانے کا چراغ تھا۔ ان کا جذبہ مہمان نوازی، غریبوں سے ہمدردی، واقفین زندگی اور کارکنان سلسلہ کی قدر افزائی، احمدی بھائیوں کے ساتھ محبانہ اور ناصحانہ خط و کتابت، نماز با جماعت، دعا میں مداومت، تہجد گزاری، مطالعہ قرآن کریم و کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام، بیوی بچوں سے حسن سلوک، علاج و معالجہ میں دعا و ہمدردی کا سلوک، جذبہ شکر گزاری، عشق الٰہی، عشق رسول، عشق مسیح موعود، عشق محمود، خدمت خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام، یہ سب اوصاف اس روشن چراغ کی شعائیں تھیں۔ خدا کرے ان کی اولاد اور ان کی آئندہ نسلیں اس نمونہ کو ہمیشہ قائم رکھ سکیں۔

آپ ایک ماہر ڈاکٹر ہونے کے علاوہ ایک متبحر عالم، محتاط تاریخ دان اور قابل قدر روحانی بزرگ تھے۔ ان کا دولت خانہ مرجع خلائق تھا۔ وہ علالت طبع کے باوجود ہر خورد و کلاں کو شرف بازیابی عطا کرتے اور گھنٹوں تاریخ احمدیت کے بیش بہا خزانے لٹاتے رہتے۔ باوجود کمزوری، نقاہت و ضعف کے انہیں بے شمار واقعات صحت کے ساتھ از بر یاد تھے۔ ان کی شدید اور اولین خواہش تھی کہ احباب ان کے پاس آکر سلسلہ احمدیہ کے تاریخی واقعات نوٹ کر لیا کریں تا کہ وہ آئندہ آنے والے نسلوں کے لئے مشعل راہ بنیں۔ افسوس کہ بہت کم احباب نے اس کی اہمیت کو سمجھا اور بے شمار قیمتی روایات کا خزانہ ڈاکٹر صاحب کی وفات کے ساتھ ہمیشہ ہمیش کے لئے مستور ہو گیا۔

ان سے بقدر استطاعت استفادہ کرنے اور نوٹ لکھنے والوں میں برادرم عزیز الرحمٰن صاحب خالد متعلم جامعہ احمدیہ تھے جن سے ڈاکٹر صاحب بیٹوں جیسی محبت رکھتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ہم دونوں حضرت ڈاکٹر صاحب کی تشویشناک علالت کی خبر سن کر ان کے ہاں گئے لیکن ان سے ملنے کی اجازت نہ مل سکی۔ اس کے بعد عزیز صاحب اکیلے بھی گئے لیکن پھر بھی اجازت نہ ملی تیسری بار جب وہ اصرار کر کے اپنے ایک دوست کے ساتھ ان کمرے میں پہنچ گئے تو آپ نے بڑے درد کے ساتھ نہ ملنے کا شکوہ کیا۔ اس پر عزیز صاحب نے بتایا طبی مشورہ کے تحت ملنے کی اجازت نہ ملی۔ اب بھی ہم اصرار کر کے آگئے ہیں۔ تو ڈاکٹر صاحب بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے ہم سے ملنے والوں کے لئے کوئی روک نہیں ہے وہ جب چاہیں ہمیں ملنے کے لئے آسکتے ہیں۔

دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عملی نمونہ آپ نے پیش کیا جو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ انہیں اپنے فن پر انتہائی حد تک عبور حاصل تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی قوت قدسیہ کا اثر ان کے وجود پر نمایاں طور پر جھلکتا نظر آتا تھا۔ ان کا لباس، ان کی وضع قطع، ان کی چال ڈھال، طرزِ گفتگو غرض کہ سبھی کچھ اسلامی تعلیمات کی جامع تصویر تھا۔ ایک ڈاکٹر کے لئے اپنے پیشہ سے ماوراء امور کی طرف توجہ دینا اور پھر ان میں کمال پیدا کرنا انتہائی مشکل کام ہوتا ہے۔ لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب جسمانی طبیب کے ساتھ ساتھ روحانی طبیب بھی تھے۔ بہتیرے ان کی قبولیت دعا کے قابل تقلید مقام کے معترف

تھے۔ وہ رات کو پہروں جاگتے رہتے اور آستانہ الٰہی پر سر بسجود رہتے۔ ان کے پاس سینکڑوں خطوط دعا اور مشورہ کے لئے آتے تھے۔ آپ مطالعہ کا گہرا شوق رکھتے تھے اور قرآنی مطالب کے اخذ کرنے کا شوق تو انتہا تک پہنچ چکا تھا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کو اپنی وفات کا علم پہلے سے ہو چکا تھا کیونکہ وہ صاحب رؤیا و کشف بزرگ تھے۔ اسی طرح دوسرے احباب نے بھی ان کی وفات کے بارے میں خواب دیکھے۔ لندن سے ان کی منہ بولی بیٹی آڈرے جو، ان کی محبت کی وجہ سے دسمبر 1961ء میں لندن سے ان کو ملنے بھی آئی تھیں کے مرسلہ تار سے بھی یہی معلوم ہوتا تھا کہ اس کو ان کی وفات کے متعلق خبر پر تشویش تھی۔ خاکسار راقم الحروف نے بھی گزشتہ رمضان المبارک میں اعتکاف کے دوران جب ان کے لئے درد دل سے دعائیں کیں تو خواب میں ان کی وفات کی خبر الفضل کے پہلے صفحہ پر تفصیل کے ساتھ درج دیکھی اور اس سلسلہ میں اپنی ایک نظم شائع شدہ دیکھی۔ ایک دوسرے خواب میں ان کے بڑے صاحبزادے مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب کو پراگندہ بال احباب کے درمیان بیٹھے دیکھا اور جب خاکسار حضرت ڈاکٹر صاحب کی وفات کی خبر سن کر ان کے در دولت پر حاضر ہوا تو عین وہی نظارہ دیکھ کر وہ پرانا خواب میرے ذہن پر تازہ ہو گیا۔ یہ خواب میں نے اعتکاف کے دوران محتاط طور پر ڈاکٹر محمد احمد صاحب کو بھی سنا دیئے تھے۔

ان کی وفات پر سینکڑوں خطوط، تاروں اور تعزیت کے لئے تشریف لانے والے احباب کے سلسلہ سے حضرت ڈاکٹر صاحب کے جلیل القدر مقام اور مرجع خلائق ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ چنانچہ راقم الحروف نے بھی اس صدمہ کو شدت سے محسوس کیا اور پھر اس عاجز کو ان کے کفن، دفن، غسل و تدفین اور متعلقہ انتظامات میں نمایاں حصہ لینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ لیکن ایک درد تھا، دل میں ایک کسک تھی کہ ہم اس برگزیدہ وجود کا حق ادا نہیں کر سکے۔ خصوصیت سے وہ خدمات جو اس ایاز احمدی نے اپنے محمود رضی اللہ عنہ کے لئے نصف صدی تک متواتر اور مسلسل و لگاتار سرانجام دیں۔ ان کی یاد سے دل انہیں جماعت احمدیہ کا محسن خیال کرنے لگتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی ایک مقدس امانت کی بڑی خوبی سے حفاظت کی۔ وہ حضرت مصلح الموعودؓ کے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے صرف چند سال بعد مستقل طور پر قادیان تشریف لے آئے اور صرف ڈیڑھ سال بعد مستقل طور پر جنت الفردوس میں اپنے محبوب آقا کے قدموں میں حاضر ہو گئے۔ اللھم اغفرہ وارحمہ وادخلہ فی جنۃ النعیم

اللہ تعالیٰ ان کی تمام اولاد کو بھی ان کی طرح علمی ذوق، تبلیغ احمدیت کا جذبہ اور مہمان نوازی کے خلق کریم کے علاوہ محنت، وفاداری، ملنساری اور محبت کے اوصاف حمیدہ سے وافر حصہ عطا فرمائے اور ان کی اولاد میں بھی اس طبیب خاص کے جانشین پیدا کرے جو امام وقت اور سلسلہ کے جانثار ہوں۔ خدا کرے ان کی آئندہ نسلیں ان کے نمونے کو ہمیشہ قائم رکھ سکیں۔ آمین ثم آمین

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ کے ساتھ گزری ہوئی حسین یادیں

(ڈاکٹر عبد الشکور اسلم خان نیشنل پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ البانیہ)

میرے تایا جان حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کرام میں سے تھے۔ ان کی تحریر کے مطابق انہیں 1899ء میں بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان کو ایک لمبا عرصہ یعنی 47 سال بطور پرسنل فزیشن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ خدمات سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے انچارج نور ہسپتال قادیان، فضل عمر ہسپتال ربوہ کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے یورپ کے دونوں سفروں میں بھی ساتھ رہے۔ خاکسار کو نوعمری کے زمانہ میں کچھ عرصہ ان کے پاس رہنے کا اتفاق ہوا۔ اس تعلق نے کچھ ایسا اثر دکھایا کہ پھر ان کی وفات تک تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ اس سارے عرصہ کی ایسی یادیں وابستہ ہیں جن کا بیان کرنا میرے لئے انتہائی مسرت کا باعث ہے۔

بطور پرسنل فزیشن محترم حضرت ڈاکٹر صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے قریب رہنا انتہائی ضروری تھا۔ اس لئے بعض اوقات حضرت ڈاکٹر صاحب اپنے گھر میں اکیلے بھی ہوتے اس لئے خاندانی لحاظ سے عزیز واقارب کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ کوئی نہ کوئی فرد ان کے پاس رہے۔ چنانچہ 1953-1954ء کے پر آشوب دور میں خاکسار کو حضرت تایا جان کے ساتھ قریباً چھ ماہ رہنے کا موقعہ ملا۔ اس وقت خاکسار میٹرک کا طالب علم تھا۔ اسکول سے فارغ ہونے کے بعد سیدھا ان کی کوٹھی واقع دار الصدر شرقی ربوہ پہنچ جاتا۔ ان دنوں ہماری تائی جان بچوں کے ہمراہ لاہور میں مقیم تھیں اس لئے حضرت ڈاکٹر صاحب ہوتے اور میں ہوتا۔

جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا اور جس کا میری آئندہ زندگی پر بہت اثر پڑا۔ وہ حضرت ڈاکٹر صاحب کا قرآن مجید سے عشق تھا۔ ہمارے دن کا آغاز کچھ اس طرح ہوتا کہ اندازاً ساڑھے تین بجے صبح حضرت تایا جان مجھے جگا دیتے۔ اس عرصہ میں وہ خود حوائج ضروریہ اور وضو سے فارغ ہو چکے ہوتے۔ نیم گرم پانی مجھے تیار ملتا۔ اس وقت میرا کام یہ ہوتا کہ میں بھی حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر اور وضو کر کے ان کے ساتھ تہجد میں شامل ہو جاؤں۔ ان کی یہ بڑی خواہش ہوتی تھی کہ میں ان کے ساتھ تہجد میں باقاعدگی سے شامل ہوں۔ میرا نوعمری کا عالم تھا اس لئے نیند کا غلبہ قدرتی امر تھا۔ بہر حال ان کی محبت اور شفقت نے مجھے اس قابل بنا دیا کہ میں ان کے ساتھ تہجد میں شامل ہونے لگا۔

پھر دوران تہجد کسی وقت مجھے جماہی آجاتی تو نصیحتاً فرماتے کہ کیا تمہیں اس بات کا خیال نہیں رہتا کہ تم خدا کے حضور کھڑے ہوتے ہو اور جماہیاں لیتے ہو۔ خاکسار نے عرض کرنی کہ تایا جان میں ایک نوجوان ہوں۔ مجھ پر نیند کا غلبہ قدرتی بات ہے۔

میں کوشش توکرتاہوں کہ ایسا نہ ہو لیکن کسی وقت نیند والی کیفیت مجھ پر غلبہ پالیتی ہے۔ بہرحال ان کا اس وقت ایسا کہنا تو اچھا نہ لگتا تھا لیکن آج ان کے لئے دعائیں نکلتی ہیں کہ ہمارے بزرگ ہم پر کتنے مہربان تھے کہ انہوں نے ہماری تربیت میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خیال رکھا۔ کیونکہ میرے والدین بھی تہجد گزار تھے اس لئے ہم جہاں بھی ہوتے ہیں ایک ماحول ملتا۔ مجھے یاد ہے کہ جب 49ء تا 51ء ہمیں تعلیم الاسلام ہائی اسکول کے بورڈنگ ہاؤس واقع چنیوٹ میں رہنے کا موقع ملا۔ تو وہاں بھی یہی ماحول تھا۔ سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہاؤس اور اساتذہ سب کا وطیرہ یہی ہوتا تھا کہ جماعت کے بچوں کی کچھ ایسی تربیت کر جائیں کہ ان کو آئندہ زندگی میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ چنانچہ یہ ان بزرگوں کی تربیت کا ہی نتیجہ ہے کہ نماز تہجد کے لئے کبھی بھی الارم لگانے کی ضرورت نہیں پڑی اور آنکھ اپنے وقت پر خود بخود کھل جاتی ہے۔

نماز تہجد کے بعد نماز فجر کی تیاری شروع ہو جاتی۔ سنتوں کی ادائیگی کے بعد باجماعت نماز فجر ادا کرتے۔ اس کے بعد قرآن مجید کا دور شروع ہو جاتا۔ حضرت تایا جان مجھے قرآن کریم کی تفسیر بتاتے اور سمجھاتے کہ قرآن مجید کی ایک آیت سے دوسری آیت کا کس طرح تعلق ہوتا ہے اور اس سے کس طرح مضمون اخذ کیا جاتا ہے۔ اس غرض کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کا حوالہ دینا، بزرگوں کی تفاسیر کا ذکر کرنا اور پھر اپنا نقطہ نظر بیان کرنے کا طریق کار تھا۔ حضرت تایا جان بڑے دلچسپ مضامین بیان کرتے جس سے ان کی قرآن مجید سے گہری وابستگی کا پتہ چلتا۔ قرآن مجید کی پیشگوئیاں اور قرآن مجید کے مختلف مضامین بیان کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ جب میں ملازمت کے سلسلے میں ربوہ سے باہر چلا گیا تو بذریعہ خطوط مجھے بعض تازہ مضامین بتاتے اور اس بات کا اظہار شدت سے کرتے کہ جب تم ربوہ آؤ تو بجائے اپنے والدین کے گھر جانے کے سیدھے میرے پاس آؤ۔ اس عرصہ میں جو نئے مضامین سامنے آئے ہوں ان کو نوٹ کرو اور پھر اپنے گھر جاؤ۔

چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے سورۃ بقرہ کی آیت 239 حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ کی تفسیر بیان فرمائی۔ اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس میں صلوٰۃ الوسطیٰ سے کون سی نماز مراد ہے اور بتایا کہ سابقہ مفسرین نے پانچ نمازوں میں سے قریباً ہر نماز کو ہی اوقات کے لحاظ سے صلوٰۃ الوسطیٰ قرار دیا ہے۔ جبکہ حضرت صاحب نے مختلف دلائل سے سیاق وسباق کو مدنظر رکھتے ہوئے ثابت کیا کہ نماز وسطیٰ سے مراد مومن کی وہ بہترین نماز ہے جو ہر دم اسے ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کیونکہ سیاق وسباق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس نماز کی حفاظت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ مومن کی بہترین نماز ہے جو اسے ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جیسے حدیث میں آیا کہ خَيْرُ الْاُمُورِ اَوْسَطُهَا یعنی بہترین امور وہ ہیں جو وسط پر قائم ہیں۔ اسی طرح امت مسلمہ کے لئے قرآن مجید میں آیا ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

(سورۃ بقرہ آیت 144) لیکن ہم نے تمہیں اُمَّۃً وَّسَطًا بنایا ہے۔ جو بہترین امت ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ کی اس سے اگلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے... فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ یعنی جب تم امن کی حالت میں آجاؤ تو اس طرح سے خدا تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح اس سے پہلی آیت میں اس نے صلوٰۃ وسطیٰ کی صورت میں سکھایا ہے۔ بہر حال آپ نے مختلف دلائل سے ثابت کیا اور مزید فرمایا کہ میں نے اس تفسیر کو ربوہ میں موجود بعض علماء کے سامنے رکھا جنہوں نے میری اس تفسیر سے اتفاق کیا ہے۔

اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ میں علماء کے درسوں میں شامل ہوں اور جو نئے نکات بیان ہوں ان کا ذکر بھی کروں۔ چنانچہ ہر رمضان میں مسجد مبارک ربوہ میں قرآن مجید کا درس ہوتا تھا۔ ان درسوں میں شامل ہونا اور ان کا تذکرہ کرنا بھی ضروری تھا۔ ایک دفعہ پوچھنے لگے کہ آج قرآن مجید کے کون سے سپارے کا درس تھا۔ میرے بتانے پر کہ آج انتیسویں پارے کا درس تھا پوچھنے لگے کہ شَہَابًا طَھُوۡرًا کا کیا ترجمہ کیا اور کیا تفسیر بتائی۔ مقصد یہی تھا کہ مجھے شَہَابًا طَھُوۡرًا کی صحیح تفسیر کا علم ہو سکے۔ غرض کہ یہ وہ باتیں تھیں جن سے ان کی قرآن مجید سے محبت اور پھر اس محبت کا اگلی نسل میں منتقل کرنے کی تڑپ کا اظہار ہوتا ہے۔

خاکسار روزانہ کے پروگرام کی تفصیل بیان کر رہا تھا چنانچہ درس قرآن کے بعد ناشتہ پر بیٹھتے۔ حسب موقع اچھی اچھی باتیں بیان کرتے۔ حضرت تایا جان کے پاس اس زمانے میں ایک Cooker ہوتا تھا۔ جس کے مختلف خانے تھے کسی میں دلیہ ڈالتے کسی میں ساگودانہ اور کسی میں کچھ۔ اس Cooker کو بند کر کے Stove کی ہلکی آنچ پر رکھ دیتے جتنے عرصہ میں ہم درس سے فارغ ہوتے اس وقت تک وہ چیزیں تیار ہو چکی ہوتیں۔ پھر حسب ذوق نمک یا چینی ملا کر کھالیتے۔ یا پھر ٹوسٹ پر مکھن اور جام لگا کر کھالیتے اور چائے پی لیتے۔ اس طرح ہمارا ناشتہ مکمل ہو جاتا۔ میں اسکول چلا جاتا اور آپ حضور کے پاس چلے جاتے۔

شام کی چائے پر پھر علمی گفتگو کا آغاز ہو جاتا۔ اب تو مجھے زیادہ یاد نہیں کہ کون کون لوگ آتے تھے۔ لیکن مولوی نذر محمد صاحب جو امور عامہ میں ہوتے تھے۔ ان کا تو اچھی طرح یاد ہے۔ اسی طرح مکرم خدا بخش صاحب عرف مومن جی، بڑے تایا جان حضرت ملک محمد صاحب یا کبھی میرے والد محترم حضرت محمد ظہور خان صاحب اور دوسرے بزرگ آجاتے۔ یا پھر مریض اور دوسرے ملنے والے آجاتے۔ بعض اوقات عصر کی نماز کے بعد بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاتے۔

پکنک منانے کا بھی شوق تھا۔ مجھے یاد ہے کہ دفاتر صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید میں ہر مہینہ کی آخری جمعرات کی چھٹی ہوا کرتی تھی۔ اور اس چھٹی کا بڑا مقصد تھا کہ کارکنان جماعت سیر و تفریح بھی کر سکیں۔ اور جن کو ضرورت ہو وہ اپنے عزیز و اقارب کو بھی مل سکیں۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ روایات تھیں جس سے افراد جماعت

فائدہ اٹھاتے تھے۔ حضرت تایا جان بھی کبھی کبھی پکنک مناتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ہم ایسی ہی چھٹی کے موقعہ پر دریائے چناب پر پکنک منانے گئے۔ دریائے چناب پر جاکر ایک کشتی لی اس میں ڈاکٹر صاحب کے علاوہ مولوی نذر محمد صاحب، خاکسار اور شاید ایک اور دوست تھے جن کا مجھے یقینی طور پر یاد نہیں۔ چنانچہ اس کشتی میں دریا کی سیر کی۔ اس موقع پر لطیفے، کہانیاں اور شعر و شاعری ہوتی رہی۔ اور اس طرح وہ پکنک بھی یادگار بن گئی۔

حضرت تایا جان کو سبق آموز کہانیاں، لطائف اور گزرے ہوئے واقعات بھی خوب یاد تھے۔ لطائف تو خوب مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے اور کسی کا کوئی لطیفہ یا واقعہ پسند آجاتا تو پھر اس کے بار بار سننے کے لئے اصرار بھی کرتے۔ ان کے اپنے بیان کردہ چند ایک لطائف مجھے اب بھی یاد ہیں۔ ایک لطیفہ وہ عموماً سنایا کرتے تھے کہ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ ایک سفر کے دوران کسی مسجد میں نماز کے لئے پہنچے تو دیکھا کہ ایک اور شخص بھی اس وقت مسجد میں موجود ہے۔ انہوں نے سوچا کہ اس شخص سے تعارف حاصل کیا جائے۔ چنانچہ وہ اس کے پاس گئے وہ راہ و رسم بڑھانے کی خاطر پوچھنے لگے کہ آپ کون ہیں؟ اس شخص نے بجائے اپنا بتانے کے الٹا ان سے سوال کر دیا کہ آپ بتائیں آپ کون ہیں؟ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے جواباً کہا کہ میں ایک شاعر ہوں اور ساتھ ہی اپنا سوال پھر دہرایا کہ آپ کون ہیں؟ اس پر اس نے جواباً کہا کہ میں ایک ماعر ہوں۔ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ شاعر شعری گوید۔ کہ شاعر وہ ہوتا ہے جو شعر کہتا ہے اور پھر کہا کہ اب تم بتاؤ یہ ماعر کیا ہوتا ہے۔ اس پر ماعر صاحب کہنے لگے کہ ماعر معری گوید کہ ماعر وہ ہوتا ہے جو معر کہتا ہے۔ اس پر سعدی علیہ الرحمۃ نے سلسلہ کلام وہیں ختم کرنا مناسب سمجھا۔

دوسرا لطیفہ بھی حضرت سعدی علیہ الرحمۃ سے تعلق رکھتا ہے کہ وہ ایک ایسے امیر کی دعوت میں گئے جو انہیں نہیں جانتا تھا۔ دعوت کیا تھی، صدائے عام تھی یاران نکتہ داں کے لئے۔ اس لئے آپ بے تکلف سادہ لباس میں اس دعوت میں پہنچے۔ دربان اور امیر نے انہیں کوئی خاص وقعت نہ دی۔ اگلے دن پھر دعوت تھی۔ آپ اس دن شاہانہ لباس میں جو کسی بادشاہ نے آپ کو تحفہ میں دیا ہوا تھا زیب تن کر کے پہنچے۔ اب دربان اور امیر نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور سب سے اونچی مسند پر بٹھایا۔ لہذا جب کھانا شروع ہوا تو سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنے شاہی جبہ پر یہ کہہ کر کھانا ڈالنا شروع کیا کہ یہ دعوت تو تمہاری ہے۔ کیونکہ تمہاری وجہ سے مجھے یہ عزت کا مقام ملا ہے۔ ورنہ میں تو کل بھی اس دعوت میں شریک ہوا تھا اور مجھے کوئی نہیں جانتا تھا۔

ایک اور دلچسپ لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ ایک مسجد میں عموماً کچھ لوگ حالات حاضرہ پر گفتگو کرنے کے لئے اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ کچھ لوگ مجلس میں باقاعدگی سے شمولیت اختیار کرتے۔ اور شریک گفتگو ہوا کرتے۔ یہ علماء اور فضلاء کی مجلس تھی اور ہر کوئی اس میں حصہ لیتا سوائے ایک شخص کے جو شریک محفل تو باقاعدگی سے ہوتا لیکن شریک گفتگو کبھی نہ ہوتا تھا۔ بلکہ سننے کی حد تک اپنے آپ کو محدود رکھتا۔ شرکاء مجلس کوشش بھی کرتے مگر وہ کچھ نہ بولتا۔ لوگوں نے سوچا کہ یہ کوئی بہت بڑا

عالم ہے۔ اس لئے کیوں نہ اس سے درخواست کی جائے کہ وہ ہمیں کچھ نصائح ہی کر دے اور اس کے لئے انہوں نے جمعہ کا خطبہ تجویز کیا۔ جب وہ صاحب منبر پر کھڑے ہوئے تو انہوں نے حاضرین سے سوال کیا کہ اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہیں کیا کہنے والا ہوں۔ ظاہر ہے کہ کسی کو کیا علم تھا کہ وہ کیا کہنے والے ہیں اس لئے سب نے بلند آواز سے جواب دیا کہ ہمیں علم نہیں کہ آپ ہمیں کیا کہنے والے ہیں۔ اس پر مقرر صاحب نے کہا کہ میں ایسے لوگوں سے کیا کہوں جن کو کچھ بھی معلوم نہیں کہ میں کیا کہنے والا ہوں۔ اس لئے میں ایسے لوگوں سے کچھ بھی کہنا نہیں چاہتا اور یہ کہہ کر بیٹھ گئے۔ حاضرین کو بہت افسوس ہوا کہ ہمارا مقصد تو پورا نہیں ہوا۔ انہوں نے طے کیا کہ اگلے جمعہ پر ان کو خطبہ دینے کے لئے کھڑا کیا جائے لیکن سب حاضرین ان کے سوال پر یہ جواب دیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ ہمیں کیا کہنے والے ہیں تا کہ وہ اپنا خطاب جاری رکھ سکیں۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق خطیب صاحب کے سوال پر سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ ہمیں کیا کہنے والے ہیں۔ اس پر خطیب صاحب نے کہا کہ جب آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں کیا کہنے والا ہوں تو پھر مجھے بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس لئے انہوں نے پھر خطبہ ختم کر دیا۔ اب کی بار حاضرین نے فیصلہ کیا کہ جب خطیب صاحب یہی سوال دہرائیں تو آدھے حاضرین کہیں کہ ہمیں معلوم ہے اور آدھے حاضرین کہیں کہ ہمیں علم نہیں کہ آپ کیا کہنے والے ہیں۔ تا کہ کسی طرح ان سے کچھ اگلوایا جائے۔ چنانچہ خطیب صاحب کے سوال دہرانے پر حسب پروگرام کچھ نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے اور کچھ نے کہا کہ ہمیں علم نہیں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں اس پر خطیب صاحب فرمانے لگے کہ جو لوگ جانتے ہیں وہ نہ جاننے والوں کو بتا دیں اور یہ کہہ کر بیٹھ گئے۔

یہ وہ لطائف ہیں جن سے تایا جان کے مزاج کا پتہ چلتا ہے۔

ایک بات جس میں آپ کی دلچسپی عروج پر تھی وہ ذکر حبیب تھا۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات اور واقعات کا تذکرہ بھی ہوتا تھا۔ اور وہ یہ سب واقعات سنا کر دلی خوشی محسوس کرتے تھے اور یہی چاہتے تھے کہ ان باتوں کا تذکرہ مسلسل ہوتا رہے۔ چنانچہ خاکسار جب جماعت ڈرگ روڈ کراچی کا جنرل سیکرٹری تھا تو ایسی ہی تقریب کا مسجد احمدیہ ڈرگ روڈ میں اہتمام کیا۔ افراد جماعت نے حضرت ڈاکٹر صاحب کے خطاب کو بہت دلچسپی اور توجہ سے سنا اور صدر صاحب جماعت ڈرگ روڈ نے کھانے کی دعوت کا بھی اہتمام کیا۔ آپ نے میر پور خاص جہاں آپ کے داماد مکرم ڈاکٹر عبد الرحمن صدیقی صاحب مرحوم و مغفور امیر تھرپا کر سندھ رہائش پذیر تھے جا کر خاکسار کے نام ایک خط تحریر کیا۔ یہ خط ان کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے آپ لکھتے ہیں۔

"ہم خدا کے فضل سے کل تم سے رخصت ہو کر ساڑھے پانچ بجے شام میر پور پہنچ گئے۔ الحمد للہ علی ذالك۔ میں یہ خط جہاں خیر خیریت کے لئے لکھ رہا ہوں وہاں اظہار تشکر کے لئے بھی لکھ رہا ہوں کہ تم نے اس بار ملاقات کا موقع دیا اور ہمیں چھوڑنے اسٹیشن پر بھی آئے۔ اس کے ماسوا اپنے حلقے میں ہماری دعوت کا انتظام بھی کیا۔ یہ سب باتیں قابل شکریہ و دعا ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمہاری محبت زیادہ کرے اور تمہیں اپنی دینی و دنیوی ترقی نصیب کرے۔ تمہارے محلے کے پریذیڈنٹ صاحب کا جنہوں نے دعوت کی تھی بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے عمدہ کھانے کا انتظام کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ میں اس مجلس کا بھی شکر گزار ہوں جو مسجد میں ہوئی اور پھر کھانے کے وقت احباب جمع ہوئے۔ جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں نے علمی اور ایمان افروز باتیں بیان کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے بہت تھوڑا بیان کر سکا۔ میری دلی خواہش ہے کہ ایسی مجلس عرفان لگاتار کئی دن تک قائم ہو تا کہ میں مفید باتیں اور ضروری مسائل بیان کر سکوں۔ جب تم نے اس دعوت میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی۔ میرا دل پورے طور پر تیار نہیں ہوا تھا لیکن تمہاری توجہ اور محبت کی وجہ سے باوجود بہت علالت کے میں تمہارے حلقے میں پہنچ ہی گیا۔ مجھے آپ سب لوگوں کی شمولیت سے بہت خوشی ہوئی اور مجھے شرح صدر حاصل ہو گیا کہ آپ کے حلقے کے لوگ ایک صحابی سے باتیں سننے کے خواہش مند ہیں۔ اس وقت میں تو نہیں کہہ سکتا کہ فلاں وقت کراچی آؤں گا لیکن اللہ تعالیٰ کو اگر منظور ہوا تو ایک بار پھر قریب یا بعید وقت میں آؤں گا اور آپ کے حلقے کے احباب سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ میں پریذیڈنٹ صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے پُر تکلّف دعوت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ آمین

عزیزم میرا جی چاہتا کہ تمہارے محلہ میں ہی آباد ہو جاؤں۔ اس کی سبیل نکالیں۔

نوٹ: عزیزم طبیعت کی خرابی کی وجہ سے خط اچھا نہیں لکھ سکا۔"

حضرت ڈاکٹر صاحب اس بات کا بھی خاص خیال رکھتے تھے کہ میں اپنی تعلیم کی طرف بھی توجہ دوں۔ چنانچہ بعض اوقات وہ مجھ سے میری تعلیم کے بارے میں دریافت کرتے۔ خاص طور پر انگلش کے بارے میں سوال کرتے۔ پھر میرے معیار کو دیکھتے ہوئے فرماتے کہ عزیزم ہمارے وقت میں تو آٹھویں کلاس کے طالب علموں کا اس سے بہتر معیار ہوتا تھا۔ خاکسار نے عرض کرنی کہ یقیناً آپ کے وقت میں ہی معیار بہتر ہو گا مگر آپ بتائیں کہ میں کیا کروں کہ ہمارا عمومی معیار اس وقت یہی ہے۔ میں اپنی کلاس میں اچھے طالب علموں میں شمار ہوتا تھا۔ پھر ہمارا تعلیم الاسلام ہائی اسکول بھی اچھے اسکولوں میں گنا جاتا تھا۔ ایک سال قبل ہمارے اسکول کے ایک طالب علم منور احمد آف چونڈہ نے میٹرک کے امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔ اور اس سال پہلے دس طلباء میں سے چھ طلباء ہمارے اسکول کے تھے۔ ہمارے اساتذہ ہمیں بڑی محنت سے پڑھاتے ہیں۔ ہمارے انگلش کے استاد پہلے مکرم ابراہیم بنگالی صاحب تھے۔ بعد میں ماسٹر سعد اللہ خان صاحب ہو گئے۔ حساب کے استاد مکرم محمد ابراہیم ناصر صاحب تھے جو بعد میں تعلیم الاسلام کالج میں لیکچرار ہو گئے۔

جنرل نالج کے استاد خواجہ منظور احمد صاحب تھے جو بعد میں کراچی میں یونیورسٹی میں پروفیسر ہو گئے۔ سائنس کے لئے حضرت صوفی غلام محمد صاحب تھے۔ اب تو یہ سب بزرگ فوت ہو چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سب اساتذہ کی ہمیشہ یہی لگن رہی۔ کہ ہمارے طلباء اسکول اور جماعت احمدیہ کا نام روشن کریں۔ اس لئے اسکول کے اوقات کے بعد بھی بغیر کسی زائد

اجرت کے وقت دیناہی ان کا خاصہ تھا۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہی جزائے خیر عطا فرمائے اور ان سب پیاروں کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

چنانچہ میرے تعلیمی معیار کو دیکھتے ہوئے حضرت ڈاکٹر صاحب کا یہی مشورہ تھا کہ میں اس سال میٹرک کا امتحان نہ دوں۔ کیونکہ ان کو خطرہ تھا کہ میں کہیں فیل نہ ہو جاؤں۔ اور خاندان کی بدنامی کا موجب نہ بنوں۔ میں اپنے حالات کے تحت امتحان دینے پر مجبور تھا۔ اس لئے خاکسار نے ان کو تسلی دلائی کہ میں محنت کروں گا۔ اور آپ کی توجہ اور دعا سے خدا کے فضل سے کامیاب ہو جاؤں گا۔ چنانچہ خاکسار نے حسب پروگرام امتحان دیا۔ پنجاب یونیورسٹی کا میٹرک کے لئے آخری امتحان تھا۔ اس کے بعد میٹرک کے لئے بورڈ بن گیا تھا۔ جب نتیجہ نکلا تو میں نے اچھی فرسٹ ڈویژن میں امتحان پاس کیا۔ میرے 70% نمبر تھے اور اپنے اسکول میں دسویں، گیارہویں پوزیشن پر تھا۔

اُن دنوں حضرت ڈاکٹر صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سندھ کی زمینوں پر گئے ہوئے تھے۔ خاکسار نے ان کی خدمت میں اپنے نتیجہ کی اطلاع دی اور لکھا کہ میں خدا کے فضل اور آپ کی دعاؤں سے کامیاب ہو گیا ہوں۔ میرا خط پا کر بہت خوش ہوئے اور سندھ سے ہی مجھے کارڈ لکھا کہ اگر تم اپنی تعلیم جاری رکھو گے تو میں تمہیں 5 روپے ماہوار وظیفہ دوں گا۔ اس زمانے میں یہ اچھا خاصہ وظیفہ تھا۔ یہ تھے میرے تایا جان سراپا مشفق و مہربان۔ جنہوں نے میری ہمت بندھائی اور آگے بڑھنے کی نہ صرف توجہ دلائی بلکہ وظیفہ کی پیشکش کر کے ان کی نگاہ میں جو تعلیم کی قدر تھی اس کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے فضلوں کی بے انتہا بارش برسائے اور اپنے قرب میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کی خوبیوں کا بہترین وارث بنائے۔ آمین

جب میں ملازمت کے سلسلہ میں ربوہ سے باہر چلا گیا تو اس کا ان کی طبیعت پر بہت اثر تھا اور وہ اس کا اظہار اس طرح کرتے کہ میں ایک پاکیزہ ماحول سے نکل گیا ہوں۔ جہاں تقویٰ کے ساتھ تعلیم کا دور دورہ تھا۔ ہر چھوٹا بڑا ایک دوسرے کا خیر خواہ تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ مجھے یہ ماحول چھوڑ کر باہر نہیں جانا چاہئے تھا۔ خاکسار نے اپنی مجبوری بیان کرنی اور انہوں نے اپنی محبت کے تقاضے کے ماتحت اظہار کرنا۔ حتّٰی کہ ایک دفعہ کہنے لگے کہ آخر ربوہ کو چھوڑ کر تمہیں کیا ملا۔ خاکسار نے عرض کی کہ مجھے وہ کچھ ملا جو مجھے یہاں نہ مل سکا۔ اس پر بہت حیران ہوئے کہ میں نے یہ کیا بات کر دی ہے۔ فرمانے لگے کہ وہ کون سا خزانہ ہے جو تمہیں یہاں نہ ملا اور ربوہ سے باہر جا کر مل گیا۔ میں نے کہا کہ مجھے ”خدا“ مل گیا۔ اس پر تفصیل کے لئے اصرار کیا تو خاکسار نے بتایا کہ یہاں رہتے ہوئے والدین اور بزرگوں کا قرب حاصل تھا۔ سب ہی عزیز و اقارب پاس رہتے تھے۔ بڑے اور چھوٹے سب ہی پیار کرنے والے قریب تھے۔ عزیز و اقارب کو چھوڑ چھاڑ کر باہر چلا گیا تو حالات کی سختی خدا تعالیٰ سے تعلق کی شیرینی میں تبدیل ہوئی۔ اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب بہت محظوظ ہوئے اور پھر اس موضوع کو دوبارہ نہیں چھیڑا بلکہ ہمارا آپس کا تعلق اور پیار کا رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا۔

میں جہاں بھی رہا حضرت ڈاکٹر صاحب سے بذریعہ خط و کتابت تعلق قائم رکھا۔ عموماً نصیحت آموز خطوط ہوتے تھے۔ جس میں قرآن کریم سے تعلق اور نمازوں کی حفاظت پر زور ہوتا۔

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"تمہارا قرآن کی طرف رخ ہونا نہایت مبارک بات ہے۔ جس سے مجھے بہت خوشی بھی ہے اور میں اس خوشی کی لہر میں کہتا ہوں کہ قرآن کریم کی تفہیمات کا ایک خزانہ مجھ سے مل سکتا ہے۔ پس تم ہوشیار ہو کر اور بیدار ہو کر فائدہ اٹھالو۔ دیکھو یہ چیز تم کو اپنے ابا یا اماں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ دولت تمہیں اس فقیر سے مل سکتی ہے۔"

(خط محررہ 8-3-64)

ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"دوسری بات یہ کہتا ہوں کہ انسان اکثر دنیا کے کاموں میں اور اس کے لذائذ میں پھنس جاتا ہے۔ اسے موت اور اس کے بعد کی پاداش یاد نہیں رہتی۔ مگر آخر پچھتانے اور رونے لگتا ہے۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ ابھی سے نیکیاں کمانی شروع کر دو اور نمازوں کی حفاظت کرو اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے کا شیوہ اختیار کرو۔"

(محررہ 11-07-65)

پھر ایک خط میں تحریر کرتے ہیں۔

"آئندہ خط میں قرآنی نکات لکھیں یا نہ سمجھ آنے والی آیتوں کو لکھیں۔ اس زندگی میں سب سے اچھی غذا، ذکر کتاب اللہ ہے۔"

(خط محررہ 01-04-64)

اسی خط میں مزید لکھتے ہیں کہ

"عزیزم! انسان پر اس دنیا میں رہتے ہوئے تکلیفیں آتی رہتی ہیں مگر خدا ہے کہ انہیں دور کرتا رہتا ہے۔ اگر یہ تائید الٰہی مومن کو حاصل نہ ہو وہ زندہ در گور ہو جائے۔ ایک نظم میرے دلی ولولہ کے نتیجہ میں بن گئی تھی اس کا ایک شعر میرے اپنے دل پر ایسا اثر رکھتا ہے کہ میں بار بار حظ اٹھاتا رہتا ہوں وہ شعر یہ ہے۔

دیتا ہے درد دل کو شفا خود ہی بار بار
پھر کیوں بتاؤں درد نہاں چارہ گر کو میں

اگر چاہو گے تو پوری نظم ان شاء اللہ لکھ دوں گا۔ یا عند الملاقات زبانی ترنم کے ساتھ سنا دوں گا تم بھی کچھ نظمیں یاد کر لو اور مجھے سنانا۔"

(خط محررہ 01-04-64)

آپ کو تبلیغ کا بھی بہت شوق تھا چنانچہ زیر تبلیغ دوستوں سے بذریعہ خط و کتابت بھی رابطہ رکھتے تھے۔ مجھے بھی یاد دہانی کراتے رہے اور میرے از دیاد علم کے لئے دلائل بھی بتاتے رہتے تھے۔ میرے ایک ہومیو پیتھک ساتھی ڈاکٹر شجاع الدین خان صاحب مرحوم جماعت اسلامی کے بہت مداح تھے۔ ان سے کئی سال تک میری تبلیغی گفتگو جاری رہی۔ ان سے کئی کئی گھنٹوں احمدیت کے موضوع پر بات ہوئی۔ میں ان کے لئے اپنے بزرگوں کو دعا کے لئے لکھتا رہتا تھا۔ چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب نے ایک دفعہ لکھا۔

"مکرم شجاع الدین خان صاحب اگر چاہیں تو احمدیت کو باآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ مگر احمدیت کے خلاف انتہائی سخت پروپیگنڈا کیا گیا ہے جس سے ایک ہزار میں سے 999 لوگ متاثر نظر آتے ہیں۔ بات سادہ تھی کہ مسلمانوں کو ایک مسیح اور مہدی کا انتظار تھا۔ ہمارے پنجاب میں ایک کتاب "احوال الآخرت" نام کی مدت سے پڑھی جارہی ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ زمانہ آخری زمانہ بین طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اسی میں چاند اور سورج گرہن کی پیشگوئی درج ہے کہ مہدی کی نشانی کے طور پر سورج اور چاند کو رمضان میں گرہن لگے گا۔ سو یہ 1311ھ میں لگ گیا جو ایک زبردست نشان ہے۔ یہ نشان کسی مامور من اللہ کو نہیں دیا گیا۔

ایسا ہی اونٹ بے کار ہو جانے کی خبر حدیث شریف میں مذکور ہے۔ مراد یہی تھی کہ دُخانی سواریاں ایجاد ہو کر چلنے لگ جائیں گی۔ تو اونٹوں پر سوار ہونا ختم ہو جائے گی۔ سو یہ پیشگوئی بھی پوری ہو گئی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خبر دی تھی کہ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَن یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔ سو ہمارے مسیح موعود کا دعوی چودھویں صدی کے سر پر ہوا۔ اب جب ایسے تین زبردست نشانات نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی ثابت کر دی کہ واقعی یہ وہی مسیح اور مہدی ہیں جن کے آخری زمانہ میں مبعوث کئے جانے کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دی تھی اور قرآن مجید میں بھی صریح پیشگوئیاں درج ہیں۔ تو ہم نے ان نشانیوں کو پورا ہوتے دیکھ کر مدعی وقت کو مانا جس سے ہمیں فائدہ پہنچا ہے کہ جہاں ہمیں تازہ بتازہ نشانات دیکھنے نصیب ہوئے اور اسلام کی صداقت پر پختہ ایمان نصیب ہوا۔ وہاں آپ (مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام) آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سچے اور وفادار متبع ثابت ہوئے اور ہم حضور کی پیشگوئیوں کو سچا جانتے ہیں۔ برخلاف ہمارے مخالف آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بیان کردہ پیشگوئیوں کو جھٹلاتے ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سچے متبع کہلانے کے مستحق نہیں۔"

آپ نے اپنی طرف سے اتنی تفصیل سے دلائل دیئے کہ حجت تمام کر دی۔ مگر مکرم شجاع الدین خان صاحب کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق نہ ملی اور وہ احمدیت قبول کئے بغیر فوت ہو گئے۔

کراچی میں ایک دوست جو حضرت ڈاکٹر صاحب کے اپنے زیر تبلیغ تھے ان سے رابطہ کرنے کے لئے مجھے لکھتے رہتے تھے۔

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

”برکت علی خان صاحب ٹیلی فون انسپکٹر آر ٹی ٹی اسکول مالیر کراچی نمبر 27 سے مل کر میرا السلام علیکم کہو اور میرے خط کا جواب طلب کرو۔ شاید تلخ جواب سننا پڑے۔ اس کا خیال رکھ کر ان کے پاس جانا۔ یہ بھی کہنا کہ میں تو تاحال بیٹا سمجھ رہا ہوں اور دعائے خیر و برکت کر رہا ہوں۔ وہ اگر خود تعلق توڑنا چاہتے ہیں تو یہ ان کا اختیار ہے۔“

(خط محررہ 17-01-64)

پھر یاد دہانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”تم نے برکت علی خان صاحب ٹیلی فون انسپکٹر آر ٹی ٹی اسکول مالیر کا ضرور پیچھا کرنا ہے۔ ابتدائی ملاقات اجنبیت دکھاتے ہوئے کرنی ہے اور مجھے رپورٹ دینی ہے۔ پھر میری ہدایت کے مطابق دوسری تیسری ملاقات کرنی ہے۔ یہ تمام کام تبلیغ خالص ہو گا اور تمہارے لئے باعث برکت ہو گا۔“

(خط محررہ 08-03-64)

ہمارے بزرگوں کو تبلیغ کا کتنا شوق تھا ان خطوط میں اس کی جھلک نظر آتی ہے۔ احمدیت کا قدم انہیں داعیان الی اللہ کی کوششوں اور دعاؤں سے آگے سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تبلیغ کے جہاد میں تیزی سے قدم بڑھائیں اور اپنی اولادوں کو بھی تحریک کریں اور توجہ دلاتے رہیں تبھی ہم اپنے بزرگوں کے کاموں کو آگے بڑھانے والے ہوں گے۔ آج جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاکسار کو البانیا میں تبلیغ اسلام کی توفیق مل رہی ہے یہ سب ان بزرگوں کی دعاؤں اور محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب بہت محبت کرنے والے وجود تھے اور میرے ساتھ تو ان کا خاص تعلق ہے۔ اس کا ثبوت اس ایک واقعہ سے ملتا ہے کہ جب 1963ء کے آخر میں میری شادی کی تاریخ مقرر ہوئی تو میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب سے عرض کی کہ آپ نے نہ صرف میری شادی میں شامل ہونا ہے بلکہ بارات میں شامل ہو کر کراچی آنا ہے۔ فرمانے لگے کہ اول تو میں نے کبھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی تقریبات میں شمولیت کے لئے اجازت نہیں لی اور اگر شامل بھی ہونا ہو تا تو تب بھی میں ربوہ سے کراچی کا اتنا کٹھن سفر نہیں کر سکتا۔ اس لئے مجھے تو معاف ہی رکھو۔ میں نے اپنی محبت میں ان سے کہا کہ یہ ممکن نہیں کہ آپ میری بارات میں شامل نہ ہوں۔ آپ نے تو صرف یہ سوچنا ہے کہ آپ نے اس میں کس طرح شامل ہونا ہے۔ اس پر سوچ کر کہنے لگے کہ میری تین شرطیں ہیں۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ آپ کی تمام شرطیں منظور

ہیں۔ آپ بس یہ طے کر لیں کہ آپ نے کس طرح شامل ہونا ہے۔ تائی جان پاس ہی بیٹھی تھیں۔ تایا جان سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں کہ شادی اس کی ہو رہی ہے اور شرطیں آپ لگا رہے ہیں۔ میں نے تائی جان سے عرض کی کہ آپ فکر نہ کریں میری خواہش ہے کہ تایا جان میری بارات میں شامل ہوں اس لئے مجھے ان کی ہر شرط منظور ہے۔

تایا جان نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے کس طرح اجازت حاصل کی اس کا تو مجھے علم نہیں۔ آپ میرے والد بزرگوار کے ہمراہ ربوہ سے بذریعہ چناب ایکسپریس روانہ ہوئے۔ ہماری بارات مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب جو اس وقت کراچی کے امیر جماعت تھے کے گھر اتری۔ میرے خسر مکرم شیخ خادم حسین صاحب مرحوم نے دعائیہ اشعار پر مشتمل ایک نظم جو مکرم آفتاب احمد صاحب بسمل نے اس خاص موقعہ کے لئے کہی تھی دیدہ زیب کاغذ پر چھپا کر رکھی تھی۔ وہ ہر براتی کے حصہ میں آئی۔ جب یہ اشعار حضرت ڈاکٹر صاحب نے پڑھے تو مجھے فرمانے لگے کہ میں ابھی کچھ اشعار موزوں کرتا ہوں تم ان کے سنانے کے لئے کسی مترنم آواز والے دوست کا بندوبست کرو۔ ادھر محترم شیخ رحمت اللہ صاحب نے بہت ہی خوبصورت انداز میں بارات کے استقبال کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ مکرم مبارک ارشاد صاحب نائب قائد کراچی کی قیادت میں خدام پر مشتمل ایک گروپ اور احباب دورویہ قطاروں میں کھڑے تھے۔ بارات کے داخل ہونے پر سب نے اھلاً وسھلاً ومرحبا کے پاکیزہ الفاظ سے استقبال کیا۔ خاکسار بھی چونکہ کراچی جماعت کا ایک ادنیٰ کارکن تھا شامل ہونے والے دوستوں کو جانتا تھا اس لئے جلد ہی مترنم آواز میں پڑھنے والے دوست کا انتظام ہو گیا۔ اس عرصہ میں حضرت ڈاکٹر صاحب چھ اشعار پر مشتمل ایک دعائیہ نظم موزوں کر چکے تھے اور پھر رخصتی کی تقریب ہوئی۔ اس تقریب کی خوبی یہ تھی کہ بارات میں دو صحابی جو دو بھائی بھی تھے پھولوں کے ہار پہنے تقریب میں شامل تھے اور یہ نظارہ بہت دلچسپ اور یادگاری تھا۔

چونکہ تایا جان کی ایک شرط یہ تھی کہ بوجہ عمر رسیدہ ہونے کے وہ ہمارے ساتھ اسی روز ربوہ واپسی کا سفر نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے مجھے کہا کہ میرے لئے دو دن بعد کی چناب ایکسپریس کی سیکنڈ کلاس میں بکنگ کروا دو۔ لیکن اس کمپارٹمنٹ میں بک کروانا جس میں محترم ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب صدیقی اور ان کی اہلیہ یعنی تایا جان کے داماد اور ان کی بیٹی آپا سلیمہ بیگم صاحبہ کی بکنگ ہو۔ کیونکہ وہ جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے ربوہ جا رہے تھے۔ اب یہ بظاہر ایک ناممکن امر نظر آتا تھا لیکن خدا کے نیک بندوں اور پیاروں کی باتیں ہی کچھ اور ہوتی ہیں۔ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ خدا اپنے پیاروں کے لئے کیسے کیسے عجائب کام دکھاتا ہے اور خود قرآن مجید ہماری اس طرف راہنمائی کرتا ہے کہ

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ۝نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ ۝ (حٰم السجدۃ آیت 31-32) کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کی دنیاوی خواہشات بھی اللہ تعالیٰ کے فرشتے پوری کرنے پر مامور ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت تایاجان کی بظاہر چھوٹی اور عجیب خواہش کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرماتے ہوئے فرشتوں کو پورا کرنے کا حکم صادر فرمادیا۔ کراچی میں ہمارے محترم دوست محمود احمد صاحب ریلوے میں ملازم تھے۔ خاکسار نے ان سے حضرت ڈاکٹر صاحب کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس وقت گئے اور بک شدہ ٹکٹ اور ریزویشن مجھے لاکر تھمادی کہ اسی سیکنڈ کلاس کے کمپارٹمنٹ میں تایاجان کی سیٹ ریزرو ہوگئی ہے جس کا آپ نے ذکر کیا تھا۔ اس بات پر دل خدا کی حمد سے لبریز ہوگیا کہ وہ اپنے پیاروں سے کس محبت سے پیش آتا ہے اور ان کی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کا کتنا احترام کرتا ہے۔

تایاجان یہ بکنگ پاکر بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ جب آپ کراچی سے چناب ایکسپریس کے ذریعہ حیدر آباد پہنچے اور آپا سلیمہ نے میرپور خاص سے حیدر آباد آکر جب چناب ایکسپریس میں بیٹھنے کے لئے اس کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا تو غیر متوقع طور پر اپنے والد محترم کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان کی خوشی کا کیا عالم ہوا ہوگا اور خدائے تعالیٰ کی کس طرح حمد کی ہوگی کہ وہ پیاری کیفیات ہیں جو خدائے تعالیٰ اپنے پیاروں کو عطا کرتا ہے ان کیفیات کو انسان الفاظ میں نہیں سمو سکتا۔

بہر حال تایاجان حسب وعدہ ربوہ پہنچ کر ولیمہ کی دعوت میں شریک ہونے کے لئے احمد نگر پہنچے اور مجھے آکر خوشی سے بتایا کہ میں پروگرام کے مطابق دعوت ولیمہ میں شریک ہوگیا ہوں۔ ان کی شفقت کو دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی ہی مہربانی ہے کہ جس نے مجھے ایسے پیار کرنے والے وجود کی معیت عطا فرمائی۔ الحمد للّٰہ علی ذالك

حضرت تایاجان خوشی اور غمی دونوں موقعوں پر خدا تعالیٰ کی حمد کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے اور یہی مومن کی اصل شان ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا یہ شعر اس کی عکاسی کرتا ہے۔

ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلا ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو

حضرت تایاجان کے ایک بیٹے سلیم احمد صاحب مرحوم عین جوانی کے عالم میں ہجرت قادیان سے قبل فوت ہوچکے تھے۔ ان کی وفات میری ہوش سے پہلے کی ہے۔ اس لئے اس کا مجھے علم نہیں کہ تایاجان نے اس غم کو اس وقت کس طرح برداشت کیا

ہو گا۔ البتہ جب میرے بڑے بھائی عبد المجید خان صاحب عین جوانی کے عالم میں فروری 1964ء (32 سال کی عمر) میں انگلینڈ میں صرف دو دن بیمار رہ کر اچانک فوت ہو گئے۔ ان کی نعش بوجہ موصی ہونے کے انگلینڈ سے ربوہ لائی گئی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئے۔ جب خاکسار دفنانے کے بعد واپس کراچی چلا گیا تو جو خط اس موقع پر انہوں نے مجھے لکھا اس میں انہوں نے تحریر فرمایا کہ اس وفات میں بھی ہمیں خدا کی رحمت نظر آتی ہے۔

آپ لکھتے ہیں۔

"یہ تم پر واضح ہو چکا ہے کہ عزیزوں کی جدائی کا صدمہ کیسا ہوتا ہے۔ ہمارے سلیم کو فوت ہوئے انیس سال ہو چکے ہیں۔ اس کی جدائی کا صدمہ اب تک باقی ہے ہم جی تو رہے ہیں مگر دل کی خواہش سے نہیں بلکہ خدا کی رضا کے ساتھ راضی ہوتے ہوئے۔

عزیزم عبد المجید مرحوم کی وفات جہاں انتہائی صدمہ کا موجب بنی ہے وہاں خدا تعالیٰ کی ایک رحمت بھی نظر آتی ہے۔ وہ احباب جماعت کی ہمدردی کا اظہار ہے۔ یہ ہمدردی اور یہ اظہار غم عزیز جان کے تعلق ہیں۔ جہاں مرحوم کی موت کو زندگی کی حالت میں دکھاتے ہیں وہاں وہ مرحوم ہمیں بھی زندہ کر گیا نظر آتا ہے۔ یہ داستان لمبی ہے تحریر میں لانی مشکل ہے۔"

(خط محررہ 64-03-08)

بھائی مرحوم کی وفات پر کثرت سے احباب جماعت نے تعزیت کی۔ ایک بڑی تعداد نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ بھائی مرحوم نے 1952ء سے 1961ء تک صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں کام کیا تھا۔ لندن جانے سے قبل آپ دفتر اصلاح و ارشاد میں کام کرتے تھے۔ جبکہ حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ ناظر اصلاح و ارشاد تھے۔ آپ کو حضرت میاں صاحب کا بہت قرب حاصل تھا۔ بھائی مرحوم آپ (حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ) کے قابل اعتماد خادم تھے۔ اس لئے بہت سے ذاتی امور بھی ان کے سپرد ہوتے تھے۔ بھائی مرحوم کی وفات پر ایک مختصر مضمون حضرت مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری نے روزنامہ الفضل میں شائع کروایا تھا۔ بھائی مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ پھر عین جوانی کے عالم میں صرف دو دن بیمار رہ کر فوت ہو گئے۔ اس لئے تایا جان نے مجھے لکھا۔

"اب تم کمر ہمت باندھ کر ایک چھوٹا رسالہ لکھو جس میں مرحوم کی زندگی کے حالات درج ہوں اور جس کے متعلق ہمدردی کے اظہارات اس میں درج ہوں اور جس میں تمہارے ماں باپ کا ذکر بھی آجائے جس میں عزیزم لطیف کی کارکردگی کا ذکر بھی آجائے اور تمہارے دادا جان اور دادی جان کا ذکر بھی آجائے۔"

(خط محررہ 64-03-08)

آج میں یہ تحریر لکھ کر نہ صرف ان کی نصیحت پر عمل کر رہا ہوں بلکہ اُذْکُرُوْا اَمْوَاتِکُمْ بِالْخَیْرِ کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے ان کی باتوں کو یاد کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ان عظیم بزرگوں کو سایہ عاطفت میں جگہ دے اور ہمیں حقیقی طور پر ان کا روحانی وارث بنائے۔ آمین۔ اس احمدیت کی جو آبیاری انہوں نے اپنے وقت پر کی آج ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بہتر رنگ میں خدمت کی توفیق ملے اور پھر ہماری نسلیں بھی ہم سے بڑھ کر اسلام احمدیت کی خادم بنیں اور اسلام کے جھنڈے کو اونچا سے اونچا لے جانے کے لئے اپنا تن من اور دھن سب کچھ قربان کر دیں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین یاارحم الراحمین

باب نمبر:15

حضرت ڈاکٹر صاحب کا منظوم کلام

- دردمندانہ التجا
- بحضور حضرت اقدس سیدنا خلیفۃ المسیح الثانیؓ
- اللہ تعالیٰ کے حضور

درمندانہ التجا

ہوں میں فرقت میں تڑپتا اور بلکتا نیم جاں
وصل کا ساغر پلا دے ہاں پلا دے آج تو

دامن امید کو میں کس قدر لمبا کروں
میوے جنت کے کھلا دے ہاں کھلا دے آج تو

مرتے مرتے ہو گیا ہوں سنگ سے جاں کی طرح
امر سے اپنے جلا دے ہاں جلا دے آج تو

نا امیدی اور مایوسی میں ہوں میں گھر گیا
حوصلہ میرا بڑھا دے ہاں بڑھا دے آج تو

خاک آلودہ ہوں پیارے اور گناہوں میں پھنسا
پاک مجھ کو خود دے بنا ہاں بنا دے آج تو

باد یہ پیمار ہوں گا میرے پیارے کب تلک
راہ ملنے کی بتا دے ہاں بتا دے آج تو

(الفضل 10 / مارچ 1940ء)

۞۞۞

(2)

بحضور حضرت اقدس سیدنا خلیفۃ المسیح الثانیؓ

بیٹھے ہیں در پہ جو بن کر ایاز ہم
کیونکر نہ پھر اٹھائیں گے محمود ناز ہم

عشق خدا میں بڑھ کر جو محمود ہو گئے
پیچھے رہیں گے کیوں بھلا بن کر ایاز ہم

چھیڑیں گے جب بھی روح کے خوابیدہ ساز آپ
تھامیں گے اپنا اس گھڑی پارنیہ ساز ہم

سجدہ میں جا گریں ملائک بھی اس گھڑی
رکھیں گے جب زمین پر جبین نیاز ہم

تیری وفا سے ہوں گے جدا ہم نہ زنیہار
سہہ لیں گے سب رقیبوں کے سارے ہی ناز ہم

۞۞۞

(3)

اللہ تعالیٰ کے حضور

حیران ہوں کہ روؤں دل کو یا پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہوں تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں (غالب)
کیوں کر نہ پیٹوں خالی از سودائے سر کو میں
پھر کیوں لگاؤں آگ نہ بے یاد گھر کو میں
لوٹی گئی دولت الفت جو سر بسر
اپنی نظر سے دور رکھوں اُجڑے گھر کو میں
وہ یار جو ہے حسن میں یکتاؤ بے مثال
اُس کی وفا سے کیوں نہ کروں ایک ہی شام و سحر کو میں
ہوتا ہے جب کہ دور میری آنکھوں سے کبھی
پھرتا ہوں پھر تو درد سے تھامے جگر کو میں
آتی جھلک ہے حسن کی اس کے جو بار بار
لاؤں نظر میں کیوں حسن قمر کو میں
دیتا ہے درد دل کو شفا خود ہی بار بار
پھر کیوں بتاؤں درد نہاں چارہ گر کو میں
آتا ہے جب کہ دل میں میرے خود ہی یار من
کیا باک گر نہ پاؤں کسی نامہ بر کو میں

روتا ہوں جب کہ صبح و مسا اس کی یاد میں
میری بلا کے ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
از بس خطائیں میری ہیں بے حد و بے شمار
مر جاؤں در پہ مانگتا عفو وغفر کو میں

باب نمبر:16
ڈاکٹر صاحب کی پرانی یادیں
آپ کے بچوں کی زبانی

- ڈاکٹر محمد احمد صاحب
- کریم احمد نعیم صاحب
- نعیمہ بیگم صاحبہ
- مبشر احمد صاحب
- فریدہ جمیل صاحبہ
- منصور احمد صاحب
- منصورہ صاحبہ
- محسن احمد صاحب
- سلیمہ بیگم صاحبہ

1۔ڈاکٹر محمد احمد صاحب

ڈاکٹر محمد احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ

ایک معمولی سی خدمت اور چھوٹی سی نیکی پر خوش ہو جانا اور اس کے بدلے میں بے شمار دعائیں دینا والد صاحب کا شیوہ تھا۔ 1942ء میں والد صاحب جگر کی سوزش میں بیمار ہو گئے اور ایک طویل عرصہ تک صاحب فراش رہے اور خاکسار ان کا علاج کر رہا تھا۔ آپ کی غذا صرف پھلوں کا رس رہ گئی تھی۔ ایک روز گھر میں سب پھل ختم ہو گئے اور قادیان کے بازار میں کوئی پھل نہیں مل رہے تھے۔ اگلے روز میں اپنی ڈسپنسری کے لئے دوائیاں لینے ایک روز کے لئے لاہور جا رہا تھا اور ارادہ تھا کہ واپسی پر پھل بھی لیتا آؤں گا۔ راستے میں امر تسر کے اسٹیشن پر میرا ایک عزیز مل گیا جو کہ دو تین گھنٹے میں قادیان واپس جا رہا تھا۔ میں نے امر تسر سے ہی کثیر تعداد میں پھل خرید کر اس کے حوالے کر دیئے کہ جاتے ہی والد صاحب کو پہنچا دے۔ اس طرح پر آپ کو یہ پھل 12 بجے کے قریب ہی مل گئے جس سے والد صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا کہ محمد احمد نے کمال کر دیا اور میرے لئے بہت دعائیں کیں۔

2۔کریم احمد نعیم صاحب

کریم احمد نعیم صاحب، ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا ایک اہم واقعہ بیان کرتے ہیں۔

قادیان 1947ء غالباً اگست کا تیسرا یا آخری ہفتہ تھا اور یہ دن تقسیم ملک کے دن تھے۔ ایک دن میرے والد صاحب نے مجھے اور میرے ایک عزیز عبد الرشید کو بلایا اور خاموشی کے ساتھ اپنے پیچھے چلنے کو کہا اور کہا کہ کسی سے کوئی بات نہیں کرو گے۔ ہمیں لے کر آپ قصر خلافت قادیان میں دفتر پرائیویٹ سیکرٹری والے زینے سے لے کر اوپر گئے اور دروازہ کھٹکھٹا کر اپنے آنے کی اطلاع دی۔ حضور نے دروازہ کھول کر ہمیں اندر بلوا لیا۔ ہمارے سامنے حضور نے ایک لبالب بھرے ٹرنک کو تالا لگایا جس کی چابی حضور کے ازار بند کے ساتھ بندھی ہوئی تھی اور ڈاکٹر صاحب کو اشارہ کیا کہ ٹرنک اٹھوا لیں۔ ہم دونوں نوجوانوں نے اس ٹرنک کو ایک ایک طرف سے پکڑ کر اُٹھا لیا اور والد صاحب کے پیچھے چل پڑے۔ آپ قادیان کی گلیوں سے ہوتے ہوئے محلہ دار الفضل کے ایک مکان تک پہنچے اور کسی کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد کسی نے آ کر بتایا کہ جس ٹرک پر آپ نے فوجی افسر کے ساتھ جانا تھا وہ تو آپ کا انتظار کئے بغیر چلا گیا ہے۔ آپ قادیان ریلوے اسٹیشن پر آ جائیں۔ ان دنوں قادیان میں بہت بارشیں ہو رہی تھیں اور گلیوں میں چلنا بہت دشوار تھا۔ ہم بمشکل ریلوے سٹیشن پر پہنچے جہاں وہ فوجی ٹرک کھڑا تھا جو صدر انجمن احمدیہ نے فوجی نیلام سے خریدا تھا۔ اس میں ایک فوجی میجر، سید ولی اللہ شاہ صاحب اور نیک محمد خان صاحب بیٹھے تھے۔ والد صاحب اس میں سوار ہو گئے اور ٹرک روانہ ہو گیا اور ہم گھر واپس آ گئے۔ ہمیں والد صاحب کے

متعلق کوئی علم نہ تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ لیکن وہ فوجی ٹرک واپس آ گیا تھا۔ بعد میں جب ہم سب قادیان چھوڑ کر لاہور آ گئے تو معلوم ہوا کہ قادیان والا ٹرک والد صاحب کو بٹالہ رفیوجی کیمپ میں چھوڑ کر واپس چلا گیا جہاں آپ ایک دن اور دو راتیں بھوکے پیاسے رہے پھر ایک سکھ کے ٹرک میں جو یہ آواز لگا رہا تھا کہ جو کوئی لاہور جانا چاہتا ہے میرے ساتھ آ سکتا ہے آپ سوار ہو گئے۔ اس ٹرک والے نے آپ کو لاہور کے باہر شاہدرہ کے پاس اُتار دیا۔ یہاں سکھوں کے قافلے آ رہے تھے اور کسی وقت بھی جان پر حملہ ہو سکتا تھا۔ اسی حالت میں آپ پریشان کھڑے تھے کہ ٹانگہ آیا اور آپ کے پاس رک گیا۔ اس ٹانگے والے نے آپ کو دیکھ کر کہا ڈاکٹر صاحب آپ یہاں کیسے؟ یہاں تو ہر وقت جان کو خطرہ ہے۔ آپ یہیں ٹھہریں میں تھوڑی دور سواریوں کو چھوڑ کر آپ کو لے جاتا ہوں۔ یہ وہ ٹانگے والا تھا جس کو آپ جب حضور کے لئے یا ہسپتال کے لئے دوائیاں لینے قادیان سے لاہور آتے تھے تو پورے دن کے لئے کرایہ پر لے لیتے تھے اور وہ آپ کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اس ٹانگے والے نے بہت ہمدردی سے آپ کو ہماری آپا زینب بیگم کے گھر فلیمنگ روڈ پر پہنچا دیا۔ وہاں پہنچتے ہی آپ بے ہوش ہو گئے اور بے ہوش ہونے سے پہلے آپا کو کہا کہ اگر میں زندہ نہ رہوں تو تم ہی امانت (ٹرنک) حضور کے لاہور آنے پر ان کو پہنچا دینا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور دوسرے روز آپ ہوش میں آ گئے اور حضور کی امانت شیخ بشیر احمد صاحب کی کوٹھی واقعہ ٹمپل روڈ پر حضور کو پہنچانے خود گئے۔

بہت سالوں کے بعد میرے پوچھنے پر آپ نے بتایا کہ اُس ٹرنک میں حضور کی اور خاندان کی جائیدادوں کے کاغذات اور اہم اور قیمتی چیزیں تھیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا اور حضور کی دعائیں تھیں کہ اتنے خطرات سے بچ کر آپ حضور کی قیمتی امانت جس کے لئے حضور نے آپ پر Blind Trust کیا تھا۔ آپ خود حضور کی خدمت میں پہنچا سکے۔ الحمد للہ

3۔ نعیمہ بیگم صاحبہ

نعیمہ بیگم صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ

والد صاحب سے اُن کے احترام کی وجہ سے اگرچہ ہمیں اُن سے بات کرتے ہوئے کافی جھجک محسوس ہوتی تھی لیکن آپ ہمیشہ ہی ہماری حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے اس سلسلے میں چند ایک چھوٹے چھوٹے واقعات تحریر کرتی ہوں۔

i۔ ایک مرتبہ جبکہ میں کافی چھوٹی تھی میں نے کابلی چنے کا پلاؤ پکایا جو آپ کو بہت پسند آیا۔ اس پر آپ نے مجھے اس وقت چار آنے بطور انعام دیئے۔ ویسے بھی ان چار آنوں کی اس وقت بہت قیمت تھی لیکن اس سے جو میری حوصلہ افزائی ہوئی، خوشی محسوس ہوئی اس کی کوئی قیمت نہیں۔

ii۔ اسی چھوٹی عمر کا واقعہ ہے کہ ہماری اماں جی ہماری آپا سلیمہ کو اسلامیہ کالج فار ویمن لاہور میں داخل کروانے گئیں۔ میں گھر پر قادیان ہی تھی۔ بڑی آپا کی شادی ہو چکی تھی کھانا پکانے والا کوئی دوسرا نہ تھا۔ اگرچہ میری چچازاد بہن میرے پاس آ گئی تھی۔ سالن تو ہم نے پکا لیا۔ روٹی پکانے کے لئے پریشان تھے کسی کو نہ آتی تھی۔ والد صاحب نے ہمیں پریشان دیکھا تو چولہے کے پاس آ کر ہمارے پاس بیٹھ گئے اور کہنے لگے آؤ! ہم سب مل کر روٹی پکاتے ہیں۔ ان کی حوصلہ افزائی سے ہم تینوں نے مل کر روٹی پکالی۔ اگرچہ اتنی اچھی تو نہ پک سکی لیکن کھانے کے قابل بن گئی۔

iii۔ ایم اے کے امتحان کے لئے میں نے بہت تیاری کی تھی اور اللہ تعالیٰ سے امید تھی کہ فرسٹ ڈویژن آ جائے گی لیکن ایسا نہ ہوا اور سیکنڈ ڈویژن آئی صرف چند نمبروں سے فرسٹ ڈویژن نہ آ سکی۔ جس پر میں بہت افسردہ ہو گئی۔ جب والد صاحب کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے مجھے بہت تسلی دلائی اور کہا اللہ تعالیٰ کو میانہ روی پسند ہے اس لئے تمہیں افسوس کی بجائے خوش ہونا چاہئے کہ تمہاری درمیانی ڈویژن ہی آ گئی ہے اور یہ بھی کہا کہ تم تو ایک اعلیٰ مقصد کے لئے جا رہی ہو اس لئے خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا کی اور اس کامیابی سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے تمہیں سلسلہ کی خدمت کے لئے چن لیا۔ دراصل جب میں نے ایم اے کیا اس وقت جامعہ نصرت ربوہ کو قائم ہوئے دو یا تین سال ہی ہوئے تھے اور وہاں لیڈی لیکچرار کی بہت ضرورت تھی اس ضرورت کے تحت حضرت مصلح موعودؓ نے والد صاحب کو کہا تھا کہ اپنی بیٹی کو تاریخ میں ایم اے کروائیں کیونکہ کالج میں اس کی ضرورت ہے اور پھر میرا جیسے ہی امتحان ختم ہوا حضور نے فرمایا کہ رزلٹ کا انتظار کئے بغیر کالج جوائن کر لو۔

عزیزہ نعیمہ بیگم صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ

iv۔ والد صاحب کی کوشش ہوتی تھی کہ اسکول و کالج کے زمانے میں طویل چھٹیوں کے دوران بچے کچھ نہ کچھ علم سیکھتے رہیں۔ جب میں نے ایف اے کا یونیورسٹی سے امتحان دیا اور نتیجہ نکلنے اور مزید داخلہ سے پہلے تقریباً 3 ماہ کی چھٹی تھی تو آپ نے ہمیں لاہور سے اپنے پاس ربوہ بلوا لیا اور ماسٹر عطاالرحمن صاحب سے درخواست کی کہ وہ مجھے شام کے وقت ایک گھنٹہ کے لئے آ کر عربی پڑھا دیا کریں۔ انہوں نے یہ درخواست قبول فرمالی اور مجھے بی اے کا عربی کا کورس پڑھانا شروع کر دیا۔ آپ نے مجھے بہت اچھی طرح سے عربی پڑھائی اور اسی بنا پر بی اے میں یونیورسٹی کے امتحان میں لڑکیوں میں فرسٹ آنے پر مجھے گولڈ میڈل ملا اور وظیفہ بھی لیکن چونکہ میں نے عربی میں ایم اے نہ کیا اس لئے وظیفہ نہ حاصل کیا۔

v۔ اپنی اولاد کے لئے والد صاحب بہت دعائیں کرتے تھے اور میرا یقین ہے کہ آخری دم تک کرتے رہے۔ یہ آپ کی آخری بیماری کے آخری ایام کا واقعہ ہے۔

ان دنوں میرے خانگی حالات کچھ ٹھیک نہ تھے اور سخت مالی پریشانی بھی تھی۔ ان آخری ایام میں بھی میں نے دیکھا کہ والد صاحب تہجد کی نماز میں سجدوں میں گرے میرے لئے رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعائیں قبول فرمائیں اور آپ کی وفات سے پہلے محض اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اور میری بڑی بہن آپا سلیمہ اور بہنوئی ڈاکٹر صدیقی صاحب کی

کوشش سے سندھ میں میرے لئے سکول میں سروس کا انتظام کر دیا اور اتنی ہی تنخواہ بھی مقرر ہوئی جتنی کہ والد صاحب کی خواہش تھی۔ جب ان کو سب علم ہوا تو بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ افسوس اس کے صرف چند روز بعد ہی آپ کی وفات ہو گئی۔ وہ ہمارے لئے دعاؤں کے خزانے چھوڑ گئے لیکن میں ان کی کوئی خدمت نہ کر سکی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ان کی دعاؤں کا فیض اب بھی جاری ہے بلکہ اس کے بے انتہا ثمر ہم پا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے حضور سجدہ ریز ہو کر اپنے انعامات کا شکر ادا کرنے والا بنائے اور والد صاحب کی تمام اولاد در اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

4۔ مبشر احمد صاحب

ڈاکٹر صاحب کے بڑے پوتے اور ڈاکٹر محمد احمد صاحب کے بڑے بیٹے مبشر احمد صاحب اپنے دادا جان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

میں نیوی میں ٹریننگ کے دوران کراچی میں نیوی ہیڈ کوارٹر میں مقیم تھا۔ اُن دنوں دادا جان کراچی آئے اور مجھے ملنے آئے۔ نیوی کی طرف سے اندر آکر ملنے کی اجازت نہ ملی تو مجھے گیٹ کے پاس بلوا لیا۔ اس وقت میں نے اُن سے دعا کے لئے کہا کہ میرا امتحان ہے۔ آپ کامیابی کے لئے دُعا کریں۔ آپ نے اسی وقت گیٹ کے پاس ہی کھڑے ہو کر دعا کی اور اس دُعا کے نتیجے میں اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوا اور پھر کچھ عرصہ بعد مجھے نیوی کی طرف سے لندن ٹریننگ کے لئے بھی بھجوا دیا گیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور دادا جان کی دعاؤں کے طفیل ہوا۔

مبشر احمد فرماتے ہیں کہ

سردی کے موسم میں دادا جان کراچی آئے میں ان سے ملنے گیا اور چلغوزے ان کے لئے لے گیا۔ اس ذرا سی خدمت پر آپ بے حد خوش ہوئے اور مجھے بہت دعائیں دیں۔

5۔ فریدہ جمیل صاحبہ

ڈاکٹر صاحب کی بڑی نواسی جو کہ زینب بیگم صاحبہ کی بیٹی فریدہ جمیل ہیں تحریر کرتی ہیں کہ

i۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب میری خالہ نعیمہ کی شادی تھی۔ میرا اور میری ماموں زاد بہن حکمی کا بہت دل چاہتا تھا کہ اس موقعہ پر گھر کو سجائیں لیکن اماں جی (ہماری نانی جان) سے پیسے مانگتے ہوئے ہمیں بہت ڈر لگتا تھا ان کی نسبت نانا جان سے ہم اتنا نہیں ڈرتے تھے۔ لہٰذا ہم دونوں نے سوچا کہ نانا جان کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ گھر کو سجانے کے لئے رنگ برنگی جھنڈیوں کے لئے ہمیں پیسے دے دیں۔ نانا جان نے ہماری بات سنی اور بہت خوش ہوئے اور ہمیں پیسے دے دیئے۔ ہم فوراً ہی بازار جا کر جھنڈیاں لے آئے اور گھر کو خوب سجایا۔

ii۔ فریدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ

ہمارے پیارے نانا جان بچوں کا حوصلہ بہت بڑھاتے تھے۔ جلسے کے موقعہ پر جب ہم سب ربوہ اکٹھے ہوتے تو مل کر کرکٹ کھیلتے۔ جب بھی آپ گھر پر ہوتے تو آپ ہمارا حوصلہ بڑھانے کے لئے ہمارے ساتھ کرکٹ کھیلنے لگ جاتے اور میری امی کو بھی بلا لیتے کہ تم بھی بچوں کے ساتھ کھیلو اور بڑے ماموں جان اور ممانی جان بھی ان کے کہنے پر شامل ہو جاتے۔ خوب مزہ آتا۔

iii۔ عزیزہ مزید بیان کرتی ہیں کہ

جلسے کے موقعہ پر کچھ مریض آپ کو گنے بطور تحفہ بھجواتے۔ نانا جان کو معلوم تھا کہ گنے کھانے سے بچوں کے دانت مضبوط ہوتے ہیں اس لئے سب بچوں کو اکٹھا کر لیتے۔ اوپر کی طرف سے تھوڑا سا گنے کا چھلکا اتار کر سب بچوں کو دے دیتے اور کہتے کہ دیکھیں کون بچہ جلدی گنا کھاتا ہے۔ اس طرح پر ہم سب جوش میں آکر جلدی جلدی گنا چوس لیتے۔ ہمارا حوصلہ بڑھانے کے لئے خود بھی مقابلے میں ہمارے ساتھ شامل ہو جاتے۔

iv۔ فریدہ صاحبہ تحریر کرتی ہیں کہ

نانا جان میں مزاح کی عادت بھی کافی تھی اور بچوں کو بھی اس سے خوش کرتے تھے۔ ربوہ کا ہی ایک واقعہ ہے کہ نانا جان کافی کمزور ہو چکے تھے لیکن آپ ہمیشہ ہی تہجد باقاعدگی سے پڑھتے۔ جب نماز کے لئے رات کو دو تین بجے اٹھتے تو ایک دو ٹافی اپنے منہ میں ڈال لیتے تا کہ کچھ طاقت آجائے۔ ٹافی کے اوپر کے کاغذ آپ پلنگ کے نیچے پھینک دیتے۔ ایک روز مجھے اور میری کزن حکمی کو بلا کر کہنے لگے۔ دیکھو! جو چھلکے میرے پلنگ کے نیچے ہیں وہ اٹھا کر ٹوکری میں ڈال دو۔ اگر تمہاری نانی جان نے دیکھ لیا تو مجھے ڈانٹیں گی۔ ہماری نانی جان بہت صفائی پسند اور بہت سگھڑ تھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نانا جان اور نانی جان کے درجات بہت بلند فرمائے ہم نے ان سے بہت اچھی باتیں سیکھیں۔

6۔ منصور احمد صاحب

منصور احمد صاحب ابن ڈاکٹر محمد احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ

1967ء میں مَیں نے میٹرک کا امتحان دینا تھا میں رات کو دیر تک امتحان کی تیاری میں اپنی بیٹھک میں مصروف رہتا تھا۔ انہی دنوں دادا جان اپنی آخری بیماری کی وجہ سے علیل تھے اور بہت کمزور بھی ہو گئے تھے۔ ایک رات تقریباً ایک یا ڈیڑھ بجے کا وقت ہو گا کہ مجھے دادا جان نے آواز دی۔ جب میں ان کے پاس گیا تو کہنے لگے کہ میرے ٹیبل لیمپ کا بلب شاید فیوز ہو گیا ہے اس لئے اندھیرا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا کہ میں ابھی اپنے ٹیبل لیمپ کا بلب لا کر آپ کے ٹیبل لیمپ میں لگا دیتا ہوں اور فوراً ہی میں نے بلب تبدیل کر دیا اور روشنی ہو گئی اس پر پیارے دادا جان نے مجھے پیار سے گلے لگا کر بہت ہی دعائیں دیں اور انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ ایک نہایت ہی معمولی خدمت بلکہ فرض ادا کرنے پر مجھے آپ کی قیمتی دعائیں حاصل ہوئیں۔

7۔ منصورہ صاحبہ

عزیزہ منصورہ صاحبہ بنت ڈاکٹر محمد احمد صاحب بیان کرتی ہیں کہ
ہم ربوہ میں رہتے تھے اور جب دادا جان کی وفات ہوئی تو میں صرف پانچ سال کی تھی اس لئے مجھے بہت کچھ یاد نہیں صرف ایک ہلکا سا خاکہ ذہن میں ہے کہ دادا جان قصر خلافت کے کمرہ میں رہتے تھے جو ان کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے رہنے کے لئے دیا تھا تا کہ آپ ان کے پاس 24 گھنٹے رہیں۔ آپ صرف عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لئے گھر آتے تھے۔ شام کی چائے پینے، سب کا حال معلوم کرتے۔ مجھ سے وہ بہت پیار کرتے تھے۔ جتنی دیر آپ گھر رہتے تھے میں ان کے پاس ہی رہتی تھی۔ پھر حضور کی وفات کے بعد آپ مستقل طور پر گھر آ گئے۔ امی بتاتی تھیں کہ ان کی بیماری میں میں ان کے ساتھ ہی کھانا کھاتی تھی اور ان کے پاس بہت رہتی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد امی مجھے اکثر کھانا کھلانا ہی بھول جاتی تھیں۔
ایک اور بات جو ذہن میں ہے کہ ان کا ایک دوائیوں کا بکس ہوتا تھا جس کی میں صفائی کیا کرتی تھی اور کہتی تھی کہ دادا جان میں آپ کی دوائیوں کی Setting کر دوں۔ جس وقت آپ کی وفات ہوئی میں سکول میں تھی اور نوکر وقت سے پہلے مجھے لینے کے لئے آ گیا۔ جب گھر آ کر معلوم ہوا کہ دادا جان کی وفات ہو گئی ہے تو میں رونے لگ گئی اور مجھے بہت محسوس ہوا کہ اب دادا جان ہمارے پاس نہیں رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے ہیں۔

8۔ محسن احمد صاحب

عزیزم محسن احمد ابن کریم احمد نعیم صاحب بتاتے ہیں کہ
i۔ ہم بہت چھوٹے چھوٹے تھے اور جب داؤد خیل سے ربوہ دادا جان کے پاس آتے تو دادا جان ہمیں اپنے پاس بلا لیتے اور ہم ان کو دبانے لگ جاتے جس سے آپ بہت خوش ہوتے اور اپنی صدری میں سے پیسے نکال کر ہمیں دیتے۔ پیسوں کے لالچ میں مَیں اکثر ان کو دبانے بیٹھ جاتا تو آپ کہتے میری جیب میں سے پیسے لے لو۔
ii۔ ایک بڑا اور مضبوط لکڑی کا بکس قادیان میں آپ نے حضور کی دوائیوں کے لئے تیار کروایا تھا جس میں ضرورت کی تمام دوائیاں موجود رہتیں اور ہمیشہ آپ کے پاس رہتا تھا۔ جب بھی حضور نے سفر پر جانا ہوتا تو آپ بہت احتیاط سے اس بکس کو تیار کرتے تا کہ کوئی دوائی رہ نہ جائے۔ اس کام میں صوفی محمد یعقوب صاحب کمپاونڈر نور ہسپتال آپ کی مدد کرتے۔ حضور کی برکت سے یہ بڑا بکس قادیان سے لاہور اور پھر ربوہ بھی آ گیا۔ اس کی دوائیوں کی رکھنے کی ایک ایک جگہ آپ کو یاد تھی۔

9۔ سلیمہ بیگم صاحبہ

آپ کی بیٹی سلیمہ بیگم صاحبہ جو کہ آپ کی وفات سے کچھ روز پہلے ربوہ گئی تھیں بیان کرتی ہیں کہ
آخری علالت میں ایک دوائی کی ضرورت آپ کو پڑی تو مجھے فوراً بتایا کہ فلاں خانے میں وہ دوائی ہے تو میں نے وہیں اس کو پایا اور جلدی سے نکال کر آپ کو دے دی۔

:

باب نمبر: 17

اُذْكُرُوْا اَمْوَاتَكُمْ بِالْخَيْرِ

کے تحت حضرت ڈاکٹر صاحب کے مضامین

- بیگم صاحبہ حضرت میر محمد اسماعیل صاحب کی وفات
- حضرت پروفیسر علی احمد صاحب مرحوم
- حضرت یعقوب علی عرفانی صاحب کی وفات
- حضرت ماسٹر محمد حسین خان صاحب کی وفات
- حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب کی وفات
- چوہدری برکت علی خان صاحب کی وفات
- حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی کی وفات
- محترمہ سیدہ سکینہ بی بی صاحبہ اہلیہ حضرت سید فضل شاہ صاحب کی وفات
- ایک خوش بخت نوجوان محمد لطیف کی افسوسناک وفات
- ایک بزرگ خاتون سیدہ خیر النساء کا انتقال
- ایک عزیز بھائی حمید کی وفات
- مرزا مہتاب بیگ صاحب کی مفارقت
- حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی علالت
- محترم سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی صحت کیلئے تحریک دُعا
- ملک عبدالرحمٰن صاحب کی وفات
- عزیزم محمد یحییٰ خان صاحب کی وفات
- مرزا عبدالغنی صاحب کی وفات
- حضرت محمد کرم الٰہی پٹیالوی مرحوم
- دُختر نیک اختر مکرم ملک غلام فرید صاحب کی حادثاتی وفات کے غم واندوہ میں مومنانہ صبر کا نمونہ
- حضرت ڈاکٹر گوہر الدین صاحب کی وفات
- چوہدری محمد شریف صاحب کی وفات
- محترم ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب رانجھا ابن حضرت مولوی شیر علی صاحب کی وفات
- محترم نیک محمد خان صاحب مرحوم غزنوی کی وفات
- محترم شیخ نصیر الحق صاحب مرحوم
- محترم خان صاحب میاں محمد یوسف صاحب مرحوم

محترمہ بیگم صاحبہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کی وفات

''آج ہم اس نیک دل خاتون کی تدفین کے بعد گھر واپس لوٹ رہے ہیں جن کو عاشق خدا، عاشق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم، عاشق جری اللہ، عاشق دین، اصفیاء حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ عنہ کی زوجیت کا تیس سال تک شرف حاصل رہا۔ یہ نیک اور بزرگ خاتون 1917ء میں حضرت میر صاحب کے نکاح میں آئیں تھیں اور ان کے بطن سے بہت سے قیمتی گوہر پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک وہ ہیں جن کو ہمارے مقدس امام حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی انتیس سال سے رفیقہ حیات بننے کا شرف حاصل ہے اور سالہاسال سے لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کی پہلی جنرل سیکرٹری اور اب صدر چلی آرہی ہیں۔ (یعنی حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ۔ ناقل)

حضرت میر محمد اسماعیل صاحب کا تقویٰ، اُن کا اخلاص اور ان کی للّٰہیت اور بزرگی احباب جماعت پر ظاہر و باہر ہے۔ آپ سادہ طبع، خوش خلق، مخلص خادم سلسلہ تھے۔ مجھے آنمحترم کے ساتھ 1918ء سے آپ کی وفات تک تعلق رہا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے بعض سفروں میں ہم دونوں شامل رہے۔ آپ زندہ دلی کی تصویر تھے اور عرفان الٰہی کا بھی آپ کو خاص مقام حاصل تھا۔

1930ء کے سفر ڈلہوزی کا واقعہ ہے کہ ایک روز حضرت صاحب مع اپنے خدام کے پہاڑی ٹیلہ ڈیان کُنڈ پر تشریف لے گئے جو کہ سبز گھاس سے ڈھانپا ہوا تھا۔ اتفاق سے میں نے اس موقعہ پر چند شعر کہے تھے جنہیں حضرت مولوی عبد الرحیم صاحب درد نے ترنم کے ساتھ حضرت کی مجلس میں پڑھا۔ ان شعروں میں جب یہ شعر پڑھا گیا۔

بہت تھوڑی پونجی ہے ایماں کی اپنے
مگر ہاتھ شیطان کا وا ہو رہا ہے

تو آپ پر سخت رقت طاری ہو گئی۔

حضرت میر صاحب کی خوبیوں کا تذکرہ طویل داستان ہے۔ اُنہیں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے بے انتہا محبت تھی۔ اُنہیں بمنزلہ والدہ سمجھتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے عاشق زار تھے۔ حضور کے خادموں کے ساتھ انتہائی شفقت کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔

وہ گھڑی کیا ہی سعید گھڑی تھی جبکہ حضرت میر صاحب کی یہ بیگم صاحبہ مرحومہ جن کی آج تدفین ہوئی ہے حضرت میر صاحب کی نکاح میں 1917ء میں آئی تھیں اور یہ نکاح اتنا مبارک ثابت ہوا کہ اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد میں وہ گوہر آبدار بھی شامل ہے جسے 1935ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا یعنی حضرت سیدہ مریم صدیقہ اُمّ متین صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ جنہیں دین کی خدمت اور حضور کی لمبی بیماری میں حضور کی تیمارداری کرنے کا خاص اور قابل فخر موقع ملا۔ ہم درد دل سے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب

رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ صاحبہ مرحومہ پر ہزاروں رحمتیں برسائے اور یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت اُمّ متین مریم صدیقہ بیگم صاحبہ کو بھی اپنے خاص لطف و کرم سے نوازے۔

خاکسار حشمت اللہ

ناچیز خادم حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ"

(الفضل 20/ستمبر 1964ء صفحہ 4 جلد 18/53 شمارہ نمبر 219)

حضرت پروفیسر علی احمد صاحب مرحوم

ہمارے مکرم و محترم حضرت پروفیسر علی احمد صاحب بھاگلپوری اس جہان فانی سے گزر گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

ان کی وفات گو لمبی عمر میں ہوئی لیکن اُن جیسا متقی وجود اگر کچھ اور قائم رہتا تو بہتوں کی بھلائی کا موجب ہوتا۔ آپ کی منکسرانہ روش ایک اعلیٰ درجہ کی انسانیت ظاہر کرنے والی تھی پھر باوجود ضعیف العمری کے نماز باجماعت ادا کرنا ایک عمدہ نمونہ تھا۔ محبت کے جذبہ کے ساتھ مصافحہ کرنا آپ کا عام طریق تھا۔ گویا دُعا دے بھی رہے ہیں اور دعا لے بھی رہے ہیں۔

اُن کے چہرہ کا تبسّم روح افزاء تھا۔ اُن کا چھوٹوں اور بڑوں سے طرزِ تخاطب خلق کی عمدہ مثال تھی۔ آپ کا صبر و سکون سبق آموز تھا۔

آپ ہم سے رخصت ہو گئے اور ان کی برکات سے جو آپ کے وجود سے وابستہ تھیں ہم محروم ہو گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

(الفضل 27/جون 1957ء صفحہ 6 جلد 11/46 شمارہ نمبر 153)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کی وفات

پیارا عرفانی:

"آج (07/دسمبر) کے الفضل میں وہ خبر پڑھی جس نے میرے جسم و جان کے ذرے ذرے کو ہلا دیا۔ وہ خبر حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحبؓ کی وفات کی خبر ہے۔ میرا دل ہاں وہ دل جو انواع و اقسام کے صدمات چکھنے کے باوجود ابھی زندگی کے آثار دکھائے چلا جا رہا ہے۔ اس خبر کے صدمہ کی شدت سے بغیر سخت ہلنے کے رک نہ سکا۔

اس پیارے کی جدائی نے ایک بار پھر وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے لا کھڑا کیا جو کہ 26 مئی 1908ء کو دیکھا تھا۔ اس وقت یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا میری آنکھیں اپنے فرض کی ادائیگی میں معطل ہو گئی ہیں۔ اور سورج بھی اس روز شعاع ریزی میں معطل ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ یقیناً سوائے اس کے کچھ نہیں تھی کہ اس شمع حسن کے پروانے نے اپنی آخری منزل طے کر کے شمع نور کی نشاندہی کے فرض کو جو اس کے اپنے ذمے تھا ختم کر دیا اور ہم سے جُدا ہو گیا۔ خواہ پروانہ کس قدر بھی آتشِ سوزاں کی جھُلس کو برداشت کر رہا ہو دنیا پھر بھی چاہتی ہے کہ یہ نظارہ ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے رہے۔ مگر پیارا مولا جو ارحم الراحمین ہے۔ اپنے پیاروں کی اس قربانی کو ہاں اس آتش سوزاں میں جلنے کو ہمیشہ کے لئے قائم نہیں رہنے دیتا۔ اپنے ابر رحمت کو موت کی شکل میں نمودار کر کے دنیا سے اُٹھالیتا ہے اور اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے دیتا ہے۔

ہمارے مسیح نے جب انتھک محنت سے چور ہو کر اور اپنی ہستی کا ذرہ ذرہ راہ مولیٰ میں ہاں پیارے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی راہ میں پیش کر کے شہادت کے انتہائی نقط کو ظاہر کر دیا تو ارحم الراحمین کے ابر رحمت نے سایہ کیا اور 26 مئی 1908ء کو الرحیل ثم الرحیل کی خوش کن خبر دیتے ہوئے اپنے وصل سے مشرف کر دیا۔

آج عرفانی بھی اپنی مراد کو پہنچ گیا اور آج وہ عرفان حقیقی سے متمتع ہو رہا ہے۔ اُس کا پیارا مولیٰ اس سے راضی اور وہ اس سے راضی۔ اُس کو میرا بہت بہت محبت بھرا اسلام۔"

یکے از محبان و محبوبان عرفانی
خاکسار (ڈاکٹر) حشمت اللہ

(الفضل 10/ دسمبر 1957ء صفحہ 3 جلد 11/46 شمارہ نمبر 291)

حضرت ماسٹر محمد حسین خان صاحب کی وفات

باغ احمد کی ایک اور بلبل خاموش ہو گئی:

"کل 10 جنوری 1959ء کو مسجد مبارک سے لاؤڈ سپیکر سے اعلان ہوا کہ ہمارے بھائی محمد حسین صاحب خان ٹیلر جو صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تھے آج فوت ہو گئے ہیں۔ ان کا جنازہ ابھی نماز عصر کے وقت پڑھا جائے گا۔ احباب جلد مسجد مبارک میں پہنچ جائیں۔ جونہی یہ آواز میرے کان میں پڑی میں نے سمجھ لیا یہ وہی ہیں جن سے مسجد مبارک میں نمازوں کے وقت بار بار ملاقات ہوا کرتی تھی۔ ہاں یہ وہی تو ہیں جو محبت بھرے دل کے ساتھ مصافحہ کیا کرتے تھے۔ اور اخوّت کا گہرا سبق دیا کرتے تھے۔ یقیناً ان کا مصافحہ محبت کا وہ رنگ رکھتا تھا جس میں جنت کے میووں کی چاشنی پائی جاتی تھی۔ جنت کے

میوے کیا اس سے اس چاشنی کی لذت محسوس ہوتی تھی۔ جو کہ ہمارے پیارے مولیٰ نے ہماری روحوں کو پلائی ہوئی ہے۔ جس کی نسبت ہمارا مسیح ہمارا محبی کہتا ہے۔

تو نے خود روحوں پر اپنے ہاتھ سے چھڑ کا نمک
اس سے ہے شور محبت عاشقان زار کا

اسی چاشنی کی نسبت ہمارا پیارا قرآن۔ ہاں ہماری زندگی کا جام قرآن کہتا ہے۔ "خَلَقْتُ بِیَدَیَّ" پھر میرا شعور مجھے بتلاتا تھا کہ یہ وہی تو ہیں جن سے بار بار ملاقات ہوا کرتی تھی۔ اور جو ہر ملاقات کے وقت بلبل نغمہ سرا کی طرح اپنے رب کے احسانوں کا ذکر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میرے مولیٰ نے مجھے بشارت دی تھی کہ تو ہجرت کر کے اپنے مسیح کے قدموں میں قادیان چلا جائے گا۔ پھر اپنی ہجرت قادیان کا مفصل ذکر کیا کرتے تھے۔ اور رقت کی وجہ سے آواز بھر جاتی تھی اور یہ آواز میرے جیسے ناچیز کو زندگی کے جام کے گھونٹ پلانے لگتی تھی۔ اس وقت میرا دل اپنے رب محسن کے شکر سے لبریز ہو جایا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اُس نے کیسے کیسے روحانی حسین پیدا کئے ہیں اور میری روح کو خوشی پہنچانے کے لئے ایسے حسینوں کو میرے پاس لے آتا ہے جو اپنے عشق مولیٰ میں ڈوبی ہوئی داستان سنا کر میری روح کو تازہ کرتے ہیں۔

میں اس پیارے متوفی کے بارہ میں گواہی دیتا ہوں کہ جب بھی ان کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا ہے بجز اس راگ کے اور کچھ نہیں سنا کہ میرے مولیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ مجھے اپنے پیارے مسیح کے قدموں میں قادیان لے آیا۔ اور پھر اس نے قادیان میں مکان کے مل جانے کی بشارت دی۔ اور وہ بھی مل گیا۔ اور پھر وہ اس بات کا ذکر بھی شکر مولیٰ کے رنگ میں کیا کرتے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فلاں وقت سے اپنے کپڑے سلوانے مجھ سے شروع کر دیئے۔ پھر اُن کے چہرے سے اس غم کے آثار بھی نظر آیا کرتے تھے کہ کچھ دنوں سے حضور نے اُن سے کپڑے سلوانے بند کر دیئے ہیں۔ آخر میں ایک اور بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آنمرحوم اپنے کامیاب مناظروں کا جو آریوں اور سکھوں کے ساتھ کیا کرتے تھے تفصیلی ذکر کیا کرتے تھے اور اُن کی مذہبی کتابوں کے شلوک وغیرہ سنایا کرتے تھے اور اس طرح پر تبلیغ دین کا ایک ولولہ پیدا کر دیا کرتے تھے۔

یقیناً یہ ایک ایسی روح تھی جو زندہ تھی اور دوسروں کی زندگی بھی بڑھانے والی تھی۔ آج یہ بلبل باغ احمد خاموش ہو گئی ہے۔ اللہ اُسے اگلے جہان کی گلستان احمد کی بلبل بننا نصیب کرے۔ آمین"

(الفضل 15/ جنوری 1959ء صفحہ 4 جلد 13/48 شمارہ نمبر 13)

۞۞۞

حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب کی وفات

مورخہ 28/ فروری 1960ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی حضرت مصلح الموعودؓ کے دست راست مجاہد احمدیت حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب ناظر اصلاح وارشاد صدر انجمن احمدیہ ربوہ کا انتقال ہوا۔ اس سانحہ ارتحال کے موقعہ پر حضرت ڈاکٹر صاحب نے ایک نوٹ سپرد قلم فرمایا۔

آپ فرماتے ہیں۔

"حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب کل وفات پا گئے میری اُن سے پہلی ملاقات 1908ء میں ہوئی تھی۔ جبکہ وہ کالج میں تعلیم پا رہے تھے اور آخری ملاقات گزشتہ جلسہ سالانہ سے صرف دو روز قبل ہوئی تھی جو بات مجھے ان کی آخری ملاقات میں بھی نمایاں نظر آئی وہ آپ کا تبلیغ کے سلسلے میں لامتناہی جوش تھا۔ اسی طرح کا جوش وعزم ان میں 1908ء میں بھی موجود تھا۔ پھر اس قدر لمبے زمانہ میں جو نصف صدی سے زیادہ ہوتا ہے آپ نے اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا۔ کہ آپ واقعی سلسلہ کے بہادر سپاہی اور جرنیل تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے لنڈن کے سب سے پہلے مبلغ بنے۔ جبکہ آپ نے نہایت صبر واستقلال کے ساتھ تھوڑے سے خرچ میں گذارا کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت نصیب کی کہ آپ نے مسجد فضل کے لئے وہ مکان اور جگہ خریدی جس جگہ آج سبز گنبدوں والی مسجد دور سے اپنی امتیازی اسلامی شان کے ساتھ نظر آتی ہے۔ یہ جگہ آپ نے 1920ء میں خریدی تھی اور اس کی اطلاع آپ نے بذریعہ تار حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو دی تھی جبکہ حضور ڈلہوزی میں مقیم تھے۔ حضور نے اس خبر کو سن کر غیر معمولی طور پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور اس خوشی میں حضور نے اپنے خدام کو ڈلہوزی کے ایک نہایت پُر فزا مقام ڈیا نکنڈ میں دعوت چائے دی اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا کہ حاضرین میں سے ہر ایک کوئی نہ کوئی شعر اس خوش خبری کے تعلق میں کہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے بھی نظم ارشاد فرمائی جو شائع ہو چکی ہے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ اور حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ کی نظمیں بھی بہت پسند کی گئیں۔ ماتحت کام کرنے والے تو کام کرنے والی جماعتوں میں بہت ہوتے ہیں۔ لیکن جرنیلوں کا ملنا مشکل ہوتا ہے اور فتح نصیب جرنیل تو اور بھی مشکل سے ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت چوہدری صاحب کو اسم بامسمّٰی بنایا تھا۔ یہ الٰہی تصرف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا نام بھی فتح محمد رکھا گیا اور میدان ہائے کارزار میں بھی فتح مندی کا سہرا آپ کو نصیب ہوا۔

پیارے مرحوم بھائی! آپ کا جینا نہایت مبارک۔ آپ کی زندگی نہایت مبارک اور آپ کی وفات نہایت مبارک ہے۔ مگر ہماری آنکھیں آپ کی جدائی سے اشکبار ہیں مگر ہمیں اپنے پیارے مولیٰ کے فیصلوں کے ساتھ اتفاق ہے۔ آپ نے اسلام کی خاطر اپنے پیارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اپنے پیارے آقا حضرت محمود رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتے

ہوئے ان تھک محنت کی۔ آپ کے جسم کا ذرہ ذرہ تھک چکا تھا۔ مولیٰ کریم نے آپ کو اپنی آغوش میں بلا لیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کو اپنے سب سے بڑے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قرب میں جگہ دے۔ آمین

خاکسار حشمت اللہ سلسلہ کا ادنیٰ خادم"

29-02-60

(الفضل 2/مارچ 1960ء صفحہ 4 جلد 14/49 شمارہ نمبر 49)

۞۞۞

چوہدری برکت علی خان صاحب کی وفات

"چوہدری برکت علی صاحب وفات پا گئے ہم اپنے رب کی رضا کے ساتھ راضی ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

بعض موتیں زندگی کے مترادف ہوتی ہیں جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ یعنی اے ایمان والو! تم ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے مردہ مت کہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مرنے والا نیک نمونہ چھوڑ جاتا ہے اور اپنے ایمان کی شہادت پیش کر جاتا ہے تو وہ بھلایا نہیں جاسکتا۔ وہ زندہ نظر آتا ہے پھر ایسے لوگ اپنی روحانیت سے فائدہ اُٹھا کر جاتے ہیں اور جب اُن کے نمونہ پر چلنے والے لوگ اُن کی روحانیت سے فائدہ اُٹھا کر روحانی آدمی بن جاتے ہیں تو مرنے والوں کا نمونہ نئے روحانی لوگوں کے ذریعے زندہ رہتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کو مردہ نہیں کہا جاسکتا۔

میرے نزدیک چوہدری صاحب ایسے ہی بزرگوں میں سے تھے مجھے چوہدری صاحب مرحوم کو دیکھنے کا موقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے وقت میں ملا۔ جب 1918ء میں ہجرت کر کے میں قادیان آگیا پھر تو بار بار دیکھنے کا موقع ملتا رہا۔ میں نے ہمیشہ ہی آنمرحوم کو انہماک کے ساتھ دین کا کام کرتے پایا۔ وہ اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں خوب حظ اٹھاتے تھے جس کی مثال اس منظر سے دی جاسکتی ہے جب چیونٹیاں کسی میٹھی چیز پر جمع ہوتی نظر آئیں۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جان جائے پر یہ چیز ہاتھ سے نہ جائے۔ یہی حال اُن کا تھا جو کام اُن کے سپرد ہو وہ دن رات اس میں منہمک ہو جاتے۔

میں نے اُن کو کبھی بھی لغویات میں حصہ لیتے نہ دیکھا۔ وہ سلسلہ کے کام کو ہی اپنا بہشت سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اُن کو تحریک جدید میں لگایا گیا تو ایک بہادر سپاہی کی طرح موت فوت کے خوف سے بے نیاز ہو کر اپنے جوہر دکھاتے رہے اور بتلادیا کہ سلسلہ کے سچے وفادار خادم اس طرح کے ہوا کرتے ہیں۔ تبھی تو جوہر شناس جوہری نے اُن کو تحریک جدید کی دولت

بنا کر تحریک میں رکھ دیا۔ کہتے ہیں کہ دولت دولت کو کھینچتی ہے سو چوہدری صاحب مرحوم نے تحریک کے لئے دولت کو خوب کھینچا۔

یہ دولت اب ہم سے واپس لے لی گئی ہے لیکن اس حال میں کہ کئی دولت گر اپنے پیچھے چھوڑ گئی ہے۔ اللہ ان سے راضی ہو اور اپنی کنار عاطفت میں اُن کو لے لے اور اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کی بھی پردہ پوشی فرمائے اور ہم پیچھے رہنے والوں کو اُن کے نمونہ کو قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین"

(الفضل 10/ اپریل 1960ء صفحہ 4 جلد 14/49 شمارہ نمبر 80)

حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی کی وفات

"کل شام جب میں نے حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی کی میت پر حاضر ہو کر آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو مجھے یوں معلوم ہوا کہ آپ کی یہ خاموشی ہمارے لئے ہے ورنہ آپ اب بھی اپنے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

میری آنکھیں اس نظارہ کو نہیں بھولتیں جب 25/ مئی 1908ء کی شام کو آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی معیت میں گھوڑا گاڑی کے پیچھے پائیدان پر چاک و چوبند کھڑے تھے اور بیدار خادم اور بیدار محافظ نظر آرہے تھے۔ یہ میری پہلی ملاقات تھی جو میں نے محض اپنی آنکھوں کے ذریعہ کی تھی۔ آج تک کہ قریباً 53 سال گزر چکے ہیں آپ کا گرویدہ چلا آرہا تھا مجھے بہت ہی خوشی ہے کہ آپ کی زیارت کا آپ کی زندگی کے آخری دنوں میں بھی مجھے موقع نصیب ہوا۔ میرا دل محبت کے جوش سے ان کے حجرہ میں لے گیا جبکہ آپ مہمان خانہ ربوہ میں قادیان کی واپسی کی تیاری کر رہے تھے۔ میں نے شکر ربی کیا کہ عین وقت پر ملاقات نصیب ہوئی۔ جبکہ آنمحترم نے محض ایک گھنٹہ بعد واپسی کے سفر پر روانہ ہو جانا تھا۔ یا یوں کہو کہ داغ مفارقت دے جانا تھا۔ اس وقت کی ملاقات کے وقت جو کچھ یہ عاجز گویا ہوا وہ یہ تھا۔

"بھائی جی! میں ابھی ابھی 14/ جولائی 1908ء کا الحکم پڑھ کر آرہا ہوں۔ اس اخبار میں آپ کی ضبط کردہ تقریر جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رؤسائے لاہور میں 17/ مئی کو فرمائی تھی درج ہے۔ اس تقریر کو پڑھ کر میرے دل سے آپ کے لئے بہت دعائیں نکلیں۔"

میری یہ ملاقات تقریباً پانچ منٹ رہی۔ اس سے زیادہ کی گنجائش نہ تھی کہ آپ کا سامان سفر باندھا جارہا تھا۔

جب کل مجھے آپ کی وفات کا علم ہوا تو اگرچہ آپ کی جدائی شاقّ تھی لیکن دوسری طرف میں آپ کی خوش بختی پر نازاں بھی تھا۔ اس عاجز کو جس طرح 25/ مئی 1908ء کو شام کے وقت سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی زیارت وفات

سے صرف بارہ تیرہ گھنٹے پہلے نصیب ہوئی تھی۔ اسی طرح حضرت بھائی عبد الرحمن صاحب قادیانی کی زیارت بھی اپنی دلی محبت کی بناء پر وفات سے صرف دو روز پہلے نصیب ہوئی۔ ذالك فضل الله

حضرت بھائی صاحب جیسا کہ آنمحترم کے صفاتی نام سے عیاں ہوتا ہے واقعی جماعت احمدیہ کے مرکز کے ساکنین کے لئے بھائی ہی تھے۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت کرنا عین سعادت سمجھتے تھے اور نہایت تندہی سے یہ کام سرانجام دیتے تھے۔ علاوہ اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے آخری سفر لاہور میں آنمحترم کو حضور کی معیت حاصل تھی۔ جو آپ کی خدمت گزاری کی قدر کا ثبوت ہے۔

آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے بہت سے ابتدائی سفروں میں شامل ہوئے۔ 1924ء کے سفر یورپ میں بھائی صاحب شامل تھے۔ 1955ء میں بھی حضور آنمحترم کو ساتھ لے جانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے بھائی صاحب نہیں جاسکے۔

آپ نے اپنے نام کے ساتھ قادیانی کا لقب لگایا اُس کو پورے طور پر نباہا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ برضا ورغبت درویشوں میں شامل ہوگئے۔ قادیان سے باہر آنے سے ہمیشہ گھبراتے تھے۔ مگر شوق دیدار حضرت مصلح موعودؓ آپ کو پاکستان لے آتا تھا۔ آپ کا یہ آخری سفر آپ کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سچا خادم ہونے کی دلیل بن جاتا ہے۔ جبکہ ہمیں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ سفر کے لئے قادیان سے باہر نکلنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن اپنی اہلیہ محترمہ کے منشاء کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهِ کا ثبوت بہم پہنچاتے ہوئے سفر کی صعوبت اختیار کرلی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام بھی آخری سفر لاہور کے لئے اوّل تیار نہ تھے لیکن حضرت ام المؤمنین کی خواہش کے مطابق آپ نے سفر لاہور اختیار کرلیا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے لاہور میں وفات پاکر اپنی مخلصین کو آخری خدمت کا بہت موقع دیا۔ حضور کا جسد اطہر بٹالہ سے قادیان کندھوں پر لے جایا گیا اور لاہور کے احمدی احباب کو نماز جنازہ پڑھنے کی توفیق ملی۔ اسی طرح حضرت بھائی صاحب نے بھی احباب کو اپنی میت کے لے جانے میں خدمت کا موقعہ عطا فرمایا اور آپ کا جنازہ شاندار طریق پر ربوہ میں پڑھا گیا اور پھر قادیان میں پڑھا جائے گا۔ ان شاء اللہ

خاکسار راقم کو آپ کی جدائی کا بہت صدمہ ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ وہ ہمارے سفر یورپ 1924ء کے بارہ ساتھیوں میں سے ایک ساتھی تھے جو ہم سے جدا ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ آنمحترم کے درجات بلند فرمائے اور اپنے آقا کا قرب نصیب کرے۔"

(الفضل 11 ر جنوری 1961ء صفحہ 3 جلد 15/50 شمارہ نمبر 9)

۞۞۞

محترمہ سیدہ سکینہ بی بی صاحبہ اہلیہ حضرت سید فضل شاہ صاحب کی وفات

سیدہ سکینہ بی بی صاحبہ اہلیہ حضرت سید فضل شاہ صاحب 15-16 اکتوبر کو درمیانی شب کے آخری حصہ میں بعمر 82-83 سال لاہور میں اپنے بیٹے ڈاکٹر سید عنایت اللہ شاہ صاحب کے ہاں وفات پا گئیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

آپ اپنے شوہر حضرت سید فضل شاہ صاحب جو کہ ابتدائی صحابہ میں سے تھے کی دینی لحاظ سے سچی زوج تھیں۔ سید فضل شاہ صاحب کا صحابہ کی 313 والی فہرست میں دوسو چالیسواں نمبر ہے۔ حضرت شاہ صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی حضرت سید ناصر شاہ صاحب مرحوم 313 صحابہ حضرت مسیح موعودؑ میں شامل ہیں آپ کا نام 239 نمبر پر مذکور ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی اور دونوں کی ازواج کی نیکی کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان چاروں افراد نے بیک وقت ابتدائی وقت میں وصیت کی اور ایک ہی فارم پر وصیت نامہ تحریر ہوا۔ اور حصہ جائیداد بھی بصورت نقد روپیہ کے تحریر وصیت کے ساتھ ہی ادا کر دیا تھا۔ احتیاط اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اوڑھنے والی چادر کی قیمت کا بھی دسواں حصہ وصیت کی رقم میں شامل کر دیا تھا۔ آج سیدہ سکینہ بی بی صاحبہ پر سکون حالت میں اپنے رب اعلیٰ کی طرف انتقال فرما گئی ہیں۔

عروسی بود نوبت ماتمت
اگر برنکوئی بود خاتمت

اور مقبرہ بہشتی میں جگہ پائی ہے۔

امید ہے اگلے جہان میں بھی قرب نصیب رہے گا۔ احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ پر اور آپ کے خاوند پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے اور آپ کی اولاد پر فضل فرمائے اور ان کے ایمان اور نیک اعمال میں ترقی دے اور انجام بخیر فرمائے۔ آمین"

(الفضل 20/اکتوبر 1961ء صفحہ 5 جلد 15/50 شمارہ نمبر 243)

۞۞۞

ایک خوش بخت نوجوان محمد لطیف کی افسوسناک وفات

گزشتہ ہفتہ کے روز ایک پیارے عزیز کی جان اس قفس سے موٹر کے حادثہ سے جدا ہوئی ہے جو کہ نہایت دردانگیز سانحہ ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

یہ عزیز محمد لطیف مرحوم معلم وقف جدید تھے۔ اس حادثہ نے اہل ربوہ کو سخت غم واندوہ میں مبتلا کر دیا اور بہتوں نے اپنی آنکھوں سے آنسو بہائے۔ ابھی یہ نعش برلب سڑک بغرض تفتیش پڑی تھی اور ایک انبوہ اس مقام پر جمع تھا اور پیارے عزیز

کی تکلیف دہ موت کے غم میں مبتلا تھا کہ اسی وقت اس مقام سے ذراہٹ کر ایک عزیز کی شادی کی برات بھی ترتیب دی جارہی تھی۔ اس وقت یکا یک میرے دل میں خیال آیا کہ انسان بھی کیسے عجائبات کا حامل ہے کہ ایک وقت میں وہ تاسف میں مبتلا ہوتاہے اور آنکھوں سے آنسو بہاتاہے۔ دوسرے وقت وہ خوشی کی لہروں سے بھرپور ہوتاہے اور غموں کے تمام تاثرات ان لہروں کے نیچے دب جاتے ہیں۔

مگر سچا غم بغیر اجر کے نہیں رہتا۔ چنانچہ اگلے روز جب میں ان مرحوم کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے گیاتو عزیزم شیخ نور الحق صاحب نے اپنے والد محترم شیخ فضل قادر صاحب ابن شیخ نور احمد صاحب کا ایک تازہ رؤیا(یعنی اس شب کا رؤیا جس سے اگلے دن یہ واقع ہوا)سنایا۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ

"ایک موٹر سڑک پر جارہی ہے اور ایک مقام پر یہ نظارہ نظر آیا کہ موٹر کے آگے ایک پرندہ پھڑ پھڑا رہاہے جیسے اس کی جان نکل رہی ہے۔"

بعینہٖ یہی حالت عزیز محمد لطیف پر گزری جبکہ وہ موٹر کی زد میں آگیااور جاں بحق ہوا۔

جب میں نے یہ رؤیاسنااور وہ اگلے روز بھی پوراہو گیاتو مجھے عزیزم فضل قادر صاحب کے والد کی ایک خواب (سیرت احمد مؤلفہ مولوی قدرت اللہ صاحب میں بیان شدہ) یاد آگئی جو یہ تھی۔ یہ خواب سن 1881ء-1882ء کا ہے۔

"دیکھا ہمارے گھر میں مختلف رنگ و مختلف قد و قامت کے بہت سے پرندے ہیں ایک مرغ جتنا جانور ان سب میں بڑا ہے وہاں ایک شخص کو میں نے دیکھا جس سے میں ناآشنا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا یہ پرندہ کیا ہے اس نے کہا بڑا پرندہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔"

جب میں نے یہ رؤیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سنایا تو آپ نے فرمایا(بلفظ راوی)

"یہ نبی بزرگ ہے۔ خدا فرماتاہے کہ ہم انبیاء کو بہشت میں پرندہ کی شکل میں داخل کرتے ہیں۔"

جب میں نے باپ اور بیٹے کی خوابوں کو یکجائی طور پر دیکھا تو صاف واضح ہو گیا کہ والد کی رؤیا کا بیٹے کی رؤیا سے تعلق ہے۔ خصوصاً جبکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ عزیز محمد لطیف مرحوم ان رؤیا بینوں کے عزیزوں میں سے تھے۔ یہ عزیز اول تو باپ کو قریباًنوے سال قبل دکھلایا گیااور پھر بیٹے کو اسی رات دکھلایا گیا۔ جبکہ اگلے دن اس نے قفس سے نکل کر داخل ہونا تھا۔ پس مبارک ہوئی وہ موت جس کے نتیجہ میں جاودانی زندگی نصیب ہوئی اور مبارک ہیں وہ وجود جن کی خوابیں پوری ہوئیں۔ غم تو بے انتہاہے لیکن ان کو خوشی کی لہر زیادہ نظر آتی ہے۔ جن کی اُخروی زندگی ہاں بہشتی زندگی پر پورا یقین ہے۔ پس وقوعہ کے روز مرحوم کی دردانگیز موت کے ساتھ ساتھ شادی کی برات ترتیب پانا بتلاتا ہے کہ یہ موت ایک پہلو سے نہایت خوشی پہنچانے والی ہے۔ جیسا کہ اوپر کے بیان سے عیاں ہوتاہے۔ پس ہم وہی کہیں گے جو بزرگان سلف نے کہا تھا۔

عروسی	بود	نوبت	ماتمت
اگر	برنکوئی	بود	خاتمت

میں اس قدر عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس عاجز کا دل ہمارے پیارے بزرگ حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی اچانک موت کا زخم لئے ہوئے تھا کہ اس عزیز کی اچانک موت نے اس زخم کو بہت گہرا کر دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
نہیں معلوم کہ کون کون اور کس حد تک اس غم میں مبتلا ہوئے مگر میں عزیزم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب اور وقف جدید کے جملہ واقفین سے افسوس کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آخر میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اے ستار و غفار! تو ہمیں بھی اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے کہ ہماری روح بھی اس وقت پرواز کرے۔ جس وقت تیرا حسین چہرہ ہمیں نظر آ رہا ہو۔ آمین یارب العالمین

(الفضل 30 / جنوری 1962ء)

۞۞۞

ایک بزرگ خاتون سیدہ خیر النساء کا انتقال

"مورخہ 19 جنوری کو بروز جمعہ ایک بزرگ خاتون محترمہ سیدہ خیر النساء صاحبہ جو حضرت ڈاکٹر سید عبد الستار شاہ صاحبؓ کی دوسری صاحبزادی تھیں انتقال فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
یہ نیک خاتون ان وجودوں میں سے ایک تھیں جو منشائے الٰہی سے دنیا میں محض دوسروں کی ہمدردی اور غم خواری کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا وجود اپنے ذاتی فائدہ کے لئے کچھ بھی نہیں کرتا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منشائے ایزدی نے نفسیاتی جذبات کے بھرنے کے مواقع کو ان سے ہمیشہ کے لئے دور کر کے انہیں دوسروں کی غم خواری اور خدمت گزاری کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ وہ اس دنیا میں ملکی صفات کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اور ہر حسن اخلاق اور بزرگانہ اوصاف کی بدولت خلق خدا کو نفع پہنچانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اس مرحومہ بزرگ خاتون نے صبر و شکر پرہیز گاری، خدمت گزاری کا عمدہ نمونہ قائم کیا۔ ہمارے مشاہدہ نے بتلایا کہ آنمحترمہ بہن بھائیوں کی آڑے وقت میں خدمت کے لئے ہمیشہ موجود پائی جاتی تھیں۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آنمحترمہ نے اپنے بزرگ والدین سے یہ بزرگی حاصل کرلی ہے اور اس طرح تمام عزیزوں کی غم خواری اپنے ذمہ لے لی ہے اور عملی طور پر خیر خواہی کر کے اسم بامسمّٰی بن گئیں ہیں۔ آنمحترمہ کا دائرہ محبت اور غم خواری اپنے عزیزوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ آپ ایک وسیع حلقہ بنائے ہوئے تھیں۔ میں نے اپنی اہلیہ کو ہمیشہ آنمحترمہ کا

گرویدہ پایا۔ پارٹیشن کے بعد میرے کنبے کے افراد کئی سال تک لاہور میں مقیم رہے۔ میری اہلیہ جب بھی لاہور سے ربوہ آتیں خواہ چند دنوں کے لئے سہی تو سیدہ خیر النساء صاحبہ سے ضرور ملتیں۔ ایسا کئی اور خواتین کا حال تھا۔

جذبہ خیر خواہی ایک نہایت قیمتی چیز ہے۔ جس قدر یہ جذبہ کسی میں پایا جائے گا اسی قدر بزرگی اسے حاصل ہو گی۔ سیدہ مرحومہ کی بڑی بہن سیدہ زینب صاحبہ اپنے انہیں نیک جذبات کی وجہ سے ''بزرگ صاحب'' کا لقب پائیں۔ اللہ کی ہزاروں رحمتیں ہوں ان ہر دو بزرگ خواتین پر کہ تعلق باللہ اور خیر خواہی خلق اور حسن اخلاق کا عمدہ نمونہ چھوڑا ہے۔ ہمیں بزرگ خواتین کی زندگیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے بزرگ والدین یاد آتے ہیں۔ یہ کیا ہی بزرگ جوڑا تھا۔ کہ جس کے وجود سے یہ بزرگ خواتین صف ہستی پر نمودار ہوئیں اور اسلام کے باغ میں رونق پیدا ہوئی۔ اس مبارک جوڑے سے نہ صرف یہ دو بزرگ ہی پیدا ہوئیں بلکہ اور بھی گوہر والماس پیدا ہوئے۔ جو ایک سے ایک بڑھ کر اپنی چمک دکھلاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مجھے 1910ء سے حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب سے تعارف حاصل ہوا۔ جبکہ میں میڈیکل اسکول لاہور میں تعلیم پاتا تھا اور شاہ صاحب محترم ایف ایس سی کلاس میں پڑھتے تھے۔

اس وقت بھی انہیں بزرگ سمجھتے ہوئے ان سے ملا کرتا تھا اور آج تک میں ان کی عزت کرتا ہوں میں نے ان کو نہ صرف خدا اور اس کے رسول کا عاشق پایا بلکہ قرآن کریم کا بھی عاشق پایا۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت اور اطاعت ان میں نمایاں نظر آتی ہے۔ پھر سلسلہ احمدیہ کی خدمت کا بے حد جذبہ آپ کے اندر رہے۔ پھر اس آنمحترم احمدی احباب سے خاص ہمدردی اور محبت رکھنے والے وجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے وجود کو تادیر قائم رکھے اور اپنے فضل سے صحیح بخاری کے ترجمہ اور تشریح کے انجام دینے کی توفیق دے۔

اس محترم جوڑا کے دوسرے فرزند حضرت ڈاکٹر سید حبیب اللہ شاہ صاحب تھے جن کو قرآن کریم سے انتہائی محبت تھی اور قرآن کریم کے بہت سے مطالب آپ پر عیاں تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے جب آپ ملتان میں سپرنٹنڈنٹ جیل تھے حضرت صاحب بھی چند روز کے لئے ملتان میں میاں مظفر احمد صاحب (سلمہ) کے ہاں مقیم ہوئے۔ حضرت سید حبیب اللہ شاہ صاحب بھی حضرت خلیفۃ المسیح مجلس میں تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت کی مجلس میں حضور کی اپنی نظم پڑھی جارہی تھی تو حضرت شاہ صاحب نے ہر شعر کے مقابل پر آیت قرآنی پڑھ کر سنائی کہ یہ شعر اس آیت کا ترجمہ ہے۔ گویا نہ صرف قرآن کریم حفظ بلکہ اس کی آیتوں کے معنے اور مطالب بھی حفظ تھے۔

تیسرے فرزند اس پاک جوڑے کے حضرت سید عزیز اللہ شاہ صاحب تھے جو حافظ قرآن تھے۔ اور نہایت نرم دل اور منکسر المزاج وجود تھے۔ آپ کی بزرگی اس امر سے عیاں ہوتی ہے کہ آپ کی لخت جگر کو حضرت المصلح الموعودؓ نے اپنے نکاح کے لئے چنا۔

چوتھے فرزند اس مقدس جوڑے کے حضرت حافظ سید محمود اللہ شاہ صاحب تھے جو نہایت بااخلاق بزرگ تھے۔ آپ نہ صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ عشق و محبت کا خاص تعلق رکھتے تھے بلکہ خیر خواہی خلق کا جذب بھی اعلیٰ درجہ کا پایا جاتا تھا۔ آپ کی محبت کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ بزرگوں کا ادب کرنا اور چھوٹوں پر شفقت کرنا آپ کا خاصا تھا۔ آپ کی دعاؤں کے صدقے آپ کے بیٹے بھی نیک اور پارسا ہیں۔ ان میں سے ایک خوش بخت وہ بھی ہیں جن کے نکاح میں حضرت المصلح الموعودؓ نے اپنی ایک لختِ جگر دے دی اور اللہ تعالیٰ نے اس جوڑے کو چھ بچے بھی عطا فرمائے۔

پانچویں فرزند اس قیمتی جوڑے کے محترم سید عبد الرزاق شاہ صاحب جن کا وجود مرجع خلائق نظر آتا ہے۔ وہ اب اپنے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیماری کے ایام میں حضور کی خدمت میں رہتے ہیں۔ وہ سلسلہ کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اپنی عمدہ ملازمت کو ترک کر کے پاکستان آ گئے تھے اور سندھ میں نہایت شاندار کام سلسلہ کی زمینوں کے متعلق انجام دیا۔ اب خدا تعالیٰ انہیں اپنے امام کی خدمت میں لے آیا ہے۔

اس نیک جوڑے سے پیدا ہونے والی دو خواتین کا تو ذکر اوپر آ چکا ہے۔ تیسری خاتون وہ مبارک خاتون ہیں جو حضرت المصلح الموعود کی زوجہ مطہرہ تھیں یعنی سیدہ اُمّ طاہر۔ ان کے اوصاف مختلف احباب کے قلم سے 1944ء کے الفضل کئی نمبروں میں شائع ہو چکے ہیں۔

آخر میں اس بزرگ خاتون مرحومہ کے درجات بلند ہونے کے لئے اور ان کے والدین کے درجات کی بلندی کے لئے بھی دعا کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ جملہ احمدی برادران کو نیک اور پاکیزہ زندگی نصیب ہو اور پاک اولاد عطا ہو۔ آمین"

(الفضل 03/ فروری 1962ء صفحہ 5 جلد 16/51 شمارہ نمبر 29)

ایک عزیز بھائی حمید کی وفات

"مورخہ 11 مارچ کو عین اس وقت جبکہ رات اپنا دامن سکیڑنے کو تھی گو ابھی اندھیرا کافی تھا اور میں ادائیگی نماز فجر کے لئے مسجد مبارک میں داخل ہونے کو تھا کہ میرے بیٹے عزیزم محمد احمد نے تیز رفتاری کے ساتھ میرے نزدیک پہنچ کر کہا کہ بھائی حمید فوت ہو گئے ہیں اور ان کا تابوت ابھی ابھی چک 4-1 ضلع ملتان سے ان کا بیٹا عزیزم رشید احمد لایا ہے۔ اس خبر کو جو اچانک سننے میں آئی۔ میں نے پر سکون طور پر سنا اور بقائمی ہوش و حواس جان لیا کہ ہمارا پیارا بھتیجا عبد الحمید خاں ابن حضرت بھائی محمد یوسف صاحب فوت ہو گیا ہے۔ اور الٰہی تقدیر پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

اس وقت میرے رب محسن نے میرے دل میں بجائے رنج و غم کے جذبات کے سکینت بھر دی۔ عزیزم مرحوم کی غم واندوہ کی زندگی خصوصاً پارٹیشن کے بعد کی زندگی میرے سامنے آ گئی۔ یہ وہ زندگی تھی کہ جس کے تصور سے میرا دل کانپ اٹھا کرتا

تھا اور اس قدر کوفت کا شکار ہو جایا کرتا کہ اگر کوئی خاص وجہ میرے زندہ رکھے جانے کی نہ ہوتی تو اس حالت میں دنیا سے گزر جاتا۔ پس ایسی حالت میں عزیز کی وفات جہاں میرے لئے شدید صدمہ کا موجب ہوئی ہے کہ ایک گوہر ہم سے چھن گیا وہاں ایک سکینت بھی حاصل ہوئی۔

یہ عزیز ہمارے خاندان کے سرتاج حضرت بھائی محمد یوسف صاحب کا بیٹا تھا۔ یہ محمد یوسف صاحب وہ ہیں جنہوں نے نہ صرف خود احمدیت کو ابتداء1893ء میں قبول کیا بلکہ اپنے کنبے کے بقیہ افراد کو بھی نور احمدیت سے منور کرنے کا موجب بنے۔ ان افراد میں آپ کے والد اور دادا اور تینوں بھائی یعنی حضرت حافظ ملک محمد صاحب، خاکسار حشمت اللہ اور محمد ظہور صاحب شامل ہیں۔

میرے سکینت قلب کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مجھے ان مرحوم کی اور اس کی بہن کی یتیمی کی حالت میں کئی سال تک خدمت کا موقع ملا اور تاحال میر از انوئے خدمت ہر دو بچوں کے لئے بچھا رہتا تھا۔ تیسری وجہ میرے سکینت قلب کی یہ بھی تھی کہ عزیز کا ایمان باللہ اور اسلام پر خاتمہ ہوا اور وہ جو رنج و محن اٹھاتے ہوئے اس دنیا میں زندہ رہا۔ اس کے مقابل پر وفات کے وقت اعلیٰ شگفتگی کے ساتھ جاں بحق ہوا۔ یہ ایک روحانی بات ہے ہر ایک کے لئے سمجھنا آسان نہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ درست کیونکہ میری آنکھوں نے اس کے چہرہ کو نورانی پایا۔ اور خاص تبسم کرتا ہوا پایا۔ جس وقت میں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مجھے اپنے سامنے آسمان سے نور برستا نظر آیا۔ اس حال میں، میں نے جملہ حاضر احباب کی بخشش کے لئے دعا کی اور اپنے عصیاں کی مغفرت چاہی۔

میں ایسے پیارے وجود کی جدائی سے دلفگار ہوں اور بہت سے دلفگار ہوں لیکن الٰہی فیصلہ کے حسن سے بے خبر نہیں ہوں اس لئے اس کے حضور شکر گزار ہوں۔

الغرض آنمرحوم کی نماز فجر کے معاً بعد ادائیگی نماز جنازہ کے بعد مقبرہ بہشتی میں لے جایا گیا اور گھنے بادلوں کے زیر سایہ خاموشی کے ساتھ مقبرہ بہشتی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آنمرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین"

(الفضل 15 / مارچ 1962ء صفحہ 5 جلد 16 / 51 شمارہ نمبر 60)

محترم مرزا مہتاب بیگ صاحب کی مفارقت

"ہمارے بھائی اور دیرینہ شفیق دوست آج 17 / مارچ 1962 ہم سے جدا ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

یہ جدائی اگرچہ ہمارے خالق ومالک کی مشیت کے ماتحت وقوع میں آئی ہے۔ (خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ) لیکن یہ امر واقع ہے کہ چند ماہ سے مرحوم بڑے ذوق و شوق سے اس سفر آخرت کے لئے تیاری کرتے نظر آتے تھے۔ بڑی شدت سے قادیان کے

لئے پاسپورٹ اور ویزا حاصل کیا اور سرعت کے ساتھ اپنے مال و اسباب کو اس طرح دور کر کے جس طرح ایک دھوبی کپڑوں سے میل کو دھو دیتا ہے۔ قادیان کی راہ لی۔ حتّٰی کہ اپنی بیوی کا بھی جو کراچی سے ربوہ پہنچنے والی تھیں انتظار نہ کیا۔ میری آنکھوں کے سامنے ابھی تک وہ نظارہ موجود ہے جبکہ آنمحترم قادیان روانہ ہونے سے ایک دن پہلے پر شوق انداز سے مجھے ملنے کے لئے تشریف لائے تھے اور محبت بھرا معانقہ کیا میرے دل نے اس وقت ہی محسوس کیا تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ قادیان گئے اس مخفی خواہش نے کہ قادیان میں ہی فوت ہو۔ ایسی مرض میں مبتلا کر دیا کہ جس کی وجہ سے سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ مگر موت واقع نہ ہوئی۔ دوبار مثانہ کا آپریشن ہوا۔ پیشاب کی رکاوٹ کی پیش آمدہ تکلیف تو دور ہوگئی لیکن تخم فنا دل میں لگ گیا۔ کمزوری لاحق ہوگئی۔ ناچار ربوہ واپس آگئے۔ لیکن یہ واپسی عارضی ثابت ہوئی کہ صرف دو ہفتے ہی جئے۔ مرض گردہ اور دل میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جلد دنیا فانی سے سدھار کر رفیق اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئے۔

آنمحترم اخلاص سلسلہ اور اخوت افراد سلسلہ سے بھرپور تھے۔ خوش خلقی اور محبت کا دستر خوان اپنی دکان پر ہمیشہ بچھائے رہتے تھے۔ مجھے آنمحترم سے خادمانہ تعلق 1920ء سے چلا آرہا تھا۔ وہ مجھ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ شاید اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ قریباً تیس پینتیس سال ہوئے آپ کا نکاح ہی ہمارے وطن کی خاتون عزیزہ امۃ القدیر (قدیراں) سے ہو گیا۔ یہ عزیزہ ایک طرف سے تو نہایت پرانے اور نہایت مخلص صحابی حضرت میاں عبد اللہ صاحب سنوری کی پوتی ہیں۔ دوسری طرف صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب ابن حضرت خلیفۃ المسیح کی رضائی والدہ ہیں۔ اس جوڑے نے بہت ہی خوش خرم وقت گزارا۔ چھ بچے پیدا ہوئے جو زندہ سلامت ہیں۔ الغرض محترم مرزا صاحب ایک طرف تو نہایت مخلص خاندان کے داماد بن گئے۔ دوسری طرف رضاعت کے ذریعہ آپ کے خاندان کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بھی تعلق قائم ہو گیا۔

80 سال سے زیادہ عمر پائی۔ جو احمدیت کی برکت کا ثبوت ہے ورنہ 1920ء میں ہی مرحوم پرانے بخار میں مبتلا تھے اور سل کے مرض کا شبہ کیا جاتا تھا۔

مرحوم کا کیا ہی اچھا انجام ہوا کہ خوشی خوشی ذات باری تعالیٰ کی طرف رجوع کر گئے۔ اے اللہ! تو ہم عاجزوں کے گناہوں کو بھی معاف فرما اور ہمارا خاتمہ بھی اس وقت ہو جبکہ تو ہم سے راضی ہو اور ہم تجھ سے راضی ہوں۔

عروسی بود نوبت ماتمت
اگر برنکوئی بود خاتمت

(الفضل 25 مارچ 1962ء صفحہ 5 جلد 16/51 شمارہ نمبر 68)

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی علالت

ذیل کا مضمون ڈاکٹر صاحب مرحوم نے مورخہ 15/اگست 1962ء کو حضرت شاہ صاحب مرحوم کی تشویشناک علالت کے موقعہ پر تحریر فرمایا تھا جو آپ دونوں کی وفات کے بعد الفضل میں شائع ہوا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔

"یہ راقم سید ولی اللہ شاہ صاحب کی ظاہری اور باطنی خوبیوں کا 1910ء میں گرویدہ ہوا۔ جبکہ آنمحترم گورنمنٹ کالج کی ایف ایس سی کلاس میں تعلیم پا رہے تھے اور یہ عاجز میڈیکل اسکول لاہور کا سیکنڈ ائیر کا طالب علم تھا۔ یہ راقم انہیں اپنے بورڈنگ میں ایک مکرم و معظم بزرگ کی حیثیت سے لے گیا تا کہ خود فیض حاصل کرے اور دوسرے طلباء کو احمدیت کی صداقت کی باتیں سنوائے۔ چنانچہ آنمحترم نے کچھ باتیں صداقت احمدیت کے متعلق کیں اور تشریف لے گئے۔

میں بورڈنگ کے گیٹ کے باہر ان کے ساتھ گیا۔ رخصت ہوتے وقت مجھ سے پوچھا کہ میری باتوں کا سامعین پر کچھ اچھا اثر بھی ہوا؟ میں نے محسوس کیا کہ آنمحترم کے دل میں عشق احمدیت موجزن تھا اور وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی جلد از جلد اس کوچہ کا گرویدہ بنالیں۔ وہ دن 1910ء کا کیا ہی مبارک دن تھا جبکہ ہم دونوں دوستی کے رشتے میں منسلک ہوئے۔

یہ خدا تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ ہم دونوں جو اپنے ناموں میں اللہ کے اسم ذات کی مشارکت رکھتے ہیں۔ ولی اللہ، حشمت اللہ نصف صدی سے زیادہ مدت سے شیر و شکر بنے ہوئے ہیں۔ علاوہ مشارکت اسم ذات باری تعالیٰ کے ایک اور مشارکت بھی کار فرما نظر آتی ہے وہ اس ذات کا حسن ہے جو خدا تعالیٰ کے محبوب حقیقی محمد و احمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اسم احمد کی مظہر ہے۔ یعنی مسیح موعود مہدی معہود علیہ السلام کے پرنور چہرہ نے اور حسن باطنی نے ہم دونوں کو گرویدہ بنالیا۔

پس یہ دو مضبوط بند ہیں جنہوں نے ہمارے دلوں کو باندھے رکھا ہے اور فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا کا بین ثبوت بہم پہنچایا۔

میں نے ایک دفعہ رؤیا میں دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب قادیان میں مسجد میں ہیں جو مسجد اقصیٰ کی طرح کی ہے اور نماز سے فارغ ہو کر مسجد کے صحن سے گزر کر باہر جانے کو ہیں۔ اسی وقت میں بھی مسجد میں داخل ہوا ہوں اور میں دور سے دیکھ کر حضرت شاہ صاحب کے پاس تیز قدم کے ساتھ بڑھا ہوں اور حضرت شاہ صاحب بھی مجھے دیکھ کر میری طرف بڑھے ہیں۔ آخر ہم دونوں محبت بھرا معانقہ کرتے ہیں۔ اس وقت حضرت شاہ صاحب تندرست اور خوبرو اور خوبصورت لباس میں نظر آرہے ہیں۔

یہ صحت مندانہ حالت، یہ خوبصورت لباس جو رؤیاء میں نظر آئے۔ یہ وہ صحت اور تندرستی ہے جو بعثت اخروی سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کا اچھے لباس میں ملبوس ہونا اچھی منزلت کی نشانی ہے اور ہمارا دونوں کا معانقہ ہونا اس دنیا کے تعلقات محبت کے سچے ہونے اور ایمان اور اعمال میں ہم رنگی کی دلیل ہے۔ بیت یعنی خدا کے گھر میں اکٹھا ہو گئے ہیں۔ گویا جس طرح اس

دنیا میں ہم للّٰہی محبت کے ذریعہ ہم رنگ اور ہم مشرب ہیں۔ عقبیٰ میں بھی ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔ جو قادیان کے نور سے منور ہونے کے ذریعہ ہوں گی۔ان شاء اللہ تعالیٰ“

(الفضل 18/ مئی 1967ء صفحہ 5 جلد 21/56 شمارہ نمبر 107)

محترم سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی صحت کیلئے تحریک دُعا

(ذیل کا نوٹ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اس وقت تحریر فرمایا جبکہ آپ حضرت المصلح الموعود کے ہمراہ نخلہ (جابہ) میں مقیم تھے۔)

حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔

”حضرت شاہ صاحب دوماہ سے زائد عرصہ سے صاحب فراش ہیں اور کافی عرصہ تک لاہور کے CMH ہسپتال میں زیر علاج رہنے کے بعد آپ ربوہ تشریف لے آئے ہیں۔ اگرچہ شاہ صاحب کی بیماری سخت قسم کی تھی اور آپ کئی بار بے ہوشی کے دورے بھی ہوتے رہے ہیں اور حالت نہایت تشویشناک ہوتی رہی ہے مگر احباب کی پرسوز دعائیں رحم ربی کھینچتی چلی جارہی ہیں اور حضرت شاہ صاحب کے مرض کی شدت رک جاتی رہی ہے۔

میں ان سطور کے ذریعہ احباب کی خدمت میں درخواست دعا کرتا ہوں کہ احباب ان کے لئے دعائے صحت کا سلسلہ جاری رکھیں۔ دعا کی تحریک میں خصوصیت کے ساتھ اس لئے کر رہا ہوں کہ میں نے آج سے قریباً چند ہفتے پہلے رؤیاء میں دیکھا تھا کہ شاہ صاحب قادیان کی ایک مسجد میں ہیں۔ دیکھا کہ شاہ صاحب نماز سے فارغ ہو کر باہر آنے لگے ہیں۔ اسی وقت میں بھی مسجد میں داخل ہوا ہوں اور آں محترم کو ملنے کے لئے جوش محبت سے تیز قدم کے ساتھ آگے بڑھا ہوں اور شاہ صاحب بھی مجھے دیکھ کر محبت کے ساتھ میری طرف بڑھے ہیں۔ اور ہم نے محبت بھرا معانقہ کیا۔ اس وقت حضرت شاہ صاحب کا چہرہ ہشاش بشاش اور صحت مند ہے اور آپ کا لباس خوبصورت اور قیمتی ہے جو آپ کے جسم پر بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ رویاء بظاہر آپ کی صحت یابی کی خوش خبری ہے مجھے امید ہے احباب کرام کی متضرّعانہ دعائیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کو جذب کر لیں گی اور شاہ صاحب کو شفائے کامل نصیب ہوگی۔ آپ ترجمہ صحیح بخاری کے ختم کرنے کے بہت متمنی ہیں اور میرے نزدیک ان کی موجودہ بیماری ترجمہ کے کام کے بار کا نتیجہ ہے۔ یہ کام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح نے جو خدمت دین کے اس زمانہ میں سب سے بڑے شیدائی ہیں آپ کے سپرد کیا ہوا ہے۔ پس جہاں حضرت شاہ صاحب کا ذاتی ذوق و شوق ترجمہ بخاری شریف کے لئے آپ کو ہر دم جوش دلاتا رہتا ہے وہاں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح کا ارشاد عالی بھی آپ

کو بے چین کئے رکھتا ہے کہ کسی طرح یہ کام انجام پا جائے۔ ان حالات میں ہمارا ان کے لئے دعائیں کرنا لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہونے کے مترادف ہو گا۔"

(الفضل 28/ اگست 1962ء صفحہ 4 جلد 16 / 51 شمارہ نمبر 198)

۞۞۞

ملک عبد الرحمٰن صاحب کی وفات

"آج مورخہ 08/ فروری 1963ء نماز فجر کے بعد مسجد مبارک میں کئے گئے اعلانوں میں سے ایک یہ بھی اعلان تھا کہ فلاں صاحب وفات پا گئے ہیں۔ ان کا جنازہ بعد نماز عصر پڑھا جائے گا۔ میں نے سماعت کی کمی کی وجہ سے یا وفورِ محبت کی وجہ سے ملک عبد الرحمن صاحب کا نام سن کر بھی یقین نہ کیا کہ یہ وہی ملک عبد الرحمن صاحب جو بڑے شوق و التزام کے ساتھ مسجد میں نماز کے لئے آیا کرتے تھے۔ اور آج سے ایک سال قبل تک مجھ سے اکثر دعا کے لئے کہا کرتے تھے اور مجھ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے تبرکات میں سے ایک کپڑے کا چھوٹا سا ٹکڑا حاصل کر چکے تھے۔ وہ مجھ سے تو دعائیں لیتے رہے مگر خود بھی بہت دعا گو تھے۔ مرحوم نے حقیقی محبوب سے ایسی لو لگائی تھی کہ اس بے وفا گھر سے چھٹکارا حاصل کر کے محبوب حقیقی کے پاس ہی پہنچ گئے۔ ہم کہتے ہیں تم خوش رہو۔ تم اپنے رب سے راضی ہو۔ ہم نے تمہارے لئے بہت دعائیں کی ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہمارا رب ہمیں بھی ضائع نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بلند درجات عطا کرے اور ہم عاجزوں کو بھی نظر رحمت سے بخش دے۔"

(الفضل 13/ فروری 1963ء صفحہ 2 جلد 17 / 52 شمارہ نمبر 38)

۞۞۞

عزیزم محمد یحییٰ خان کی وفات

محترم محمد یحییٰ خاں صاحب مرحوم ابن حضرت مولوی محمد حسن خان صاحب کی وفات پر جو 24/ جنوری 1963ء کو راولپنڈی میں ہوئی۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب نے اپنے قدیمی تعلق کی بناء پر ذیل کا مختصر مضمون رقم فرمایا اور اس میں حضرت مولوی محمود حسن خاں صاحب کے اوصاف پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ (ادارہ)

"کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کا پاک کلمہ ایک عظیم احسان خداوندی ہے جو وحی پاک میں ثبت ہے۔ بے شک تاریخ عالم کے تھوڑے سے مطالعہ سے بھی پتہ چل جاتا ہے کہ آج تک ان گنت انسان اس زمین پر پیدا ہوئے اور انہوں نے حسب استطاعت اپنی زندگی کے آثار دکھلائے۔ لیکن وہ مستقل طور پر اپنی زندگی کو قائم نہ رکھ سکے۔ اور بالآخر ایک ایک کر کے اس

جہاں سے گزر گئے۔ یہ امر ظاہر و باہر ہے اور کسی بھی دلیل کا محتاج نہیں کہ ہر متنفس جو پیدا ہوتا ہے اُسے بالآخر موت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایسی ظاہر اور عیاں بات کا خدا کی الہامی کتاب میں ذکر کچھ معنی رکھتا ہے۔ خدائے علیم و بصیر جانتا تھا کہ مرور زمانہ سے ایک باطل عقیدہ دنیا میں پھیل جائے گا وہ عقیدہ ہے کہ یسوع مسیح یعنی عیسیٰ علیہ السلام دو ہزار سال سے داہنے ہاتھ زندہ بیٹے ہیں۔ پس اس پاکیزہ کلمہ سے سچی توحید کے سچے علمبردار مسلم کو متنبہ کر دیا کہ تم ایسے باطل عقیدہ کا شکار نہ بن جانا ہر ایک جو پیدا ہوتا ہے اسے ایک بار موت کا مزہ چکھنا پڑتا ہے۔ تب ہی وہ اپنے خالق و مالک حقیقی کی طرف رجوع کر سکے گا۔

سو پیارے بھائی محمد یحییٰ خاں کی وفات کی خبر مکرم مسعود احمد خاں دہلوی کی جانب سے اُن کے عزیز بچہ کے ذریعہ جب مجھے پہنچی تو انا للہ وانا الیہ راجعون کا سچا کلمہ فوراً منہ سے نکلا اور میں خدائی فیصلہ کے ساتھ متفق ہو گیا۔ مگر کسی دوست کی جدائی وجود کو ہلائے بغیر نہیں چھوڑتی۔ موت کی خبر سننے والا بظاہر اپنے آپ کو زندہ پاتا ہے لیکن وہ محسوس کرتا ہے کہ دوست کے گزر جانے کی وجہ سے یہ چیز اس کے اندر سے بھی نکل گئی ہے۔ وہ چیز یہ امید ہے کہ دوست زندہ ہے۔ کبھی نہ کبھی ملاقات ہو جائے گی۔ اس طرح ہر ایک جزوی موت اس پر بھی وارد ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ پے در پے دیکھتا ہے کہ اس کے عزیز و اقارب اور پیارے دوست اس دنیا سے گزر گئے تو سمجھ لیتا ہے ایک دن اس کی باری بھی آنے والی ہے۔ اس احساس سے اس کی دنیا پرستی کی زندگی کو دھکا لگتا ہے اور وہ موت کے قریب ہو جاتا ہے۔ پھر میت کا جنازہ پڑھنا۔ اُسے کندھا دینا، عزت کے ساتھ اُس کو دفن کرنا یہ سب نظارے نفس آرام طلب پر ایک موت وارد کرتے ہیں۔ کیا ہی احسان ہے اسلام کا کہ جنازہ کی نماز پڑھنا، میت کو کندھا دینا اور قبرستان تک جانا۔ ان سب باتوں کو ثواب کا بہت بڑا موجب قرار دیا ہے۔ اسی طرح ذکر موتیٰ کو بھی ثواب قرار دیا گیا ہے۔ اس سے بھی انسان کے نفس پر ایک موت وارد ہوتی ہے اور روح خدا تعالیٰ کی طرف راغب ہوتی ہے اور اس عمل سے ایک عجیب قوت ملتی ہے۔ کہ انسان اپنے پیاروں سے جو اس دنیا سے گزر گئے ہیں ایک رنگ میں ملاقات کر لیتا ہے۔

بعد ہذا تحریر کہ محمد یحییٰ خاں مرحوم ابن حضرت مولوی محمد حسن خان صاحب مجھ سے محبت رکھنے والے دوست تھے اور مجھے اُن سے محبت تھی۔ اور ان کے ساتھ مل بیٹھنے سے ایک خاص لطف حاصل ہوتا تھا۔ جس کی زیادہ وجہ یہ تھی کہ مرحوم اپنے والد صاحب کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ شکل بھی ملتی تھی اور عادات بھی اور طرز کلام بھی۔

حضرت مولوی محمد حسن خان صاحب کو بہت کم احباب جانتے ہیں کیونکہ انہیں وفات پائے چھیالیس سینتالیس سال ہو گئے ہیں۔ ان کا اسم گرامی صحابہ 313 کی فہرست میں بلکہ ازالہ اوہام میں بیان شدہ احباب میں موجود ہے۔ لیکن میرے جیسا جو پٹیالہ کی مٹی سے پیدا ہونے والا ہے۔ جہاں پر حضرت مولوی صاحب نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزارا تھا۔ انہیں ہر گز بھلا نہیں سکتا۔ میری خوش قسمتی ہے کہ عقل و شعور کے شروع ہوتے ہیں حضرت مولوی صاحب کی گفتار و کردار کی تصویر

سامنے آ گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مولوی صاحب یوں تو غریب سے آدمی ہیں لیکن کمال درجہ سیر چشم ہیں۔ رفتار میں باوجود معمر ہونے کے خوب تیزی ہے۔ لباس اگرچہ غریبانہ ہے لیکن شرافت کے آداب لئے ہوئے ہے۔ چہرہ باطنی خوشی کو ظاہر کرنے والا ہے۔ جسم کسی آرام و آسائش کا خواہاں نہیں۔ جسم دبلا پتلا لیکن مجموعی حرکات و سکنات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے عشق میں مر رہا ہے اور پھر اس کی یاد سے زندہ ہے۔ غالباً غالب نے اپنے معشوق کے ساتھ دوہرے تعلق کی وجہ سے ہی شعر لکھا ہے۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یعنی جس معشوق کے فراق میں مر رہے ہیں جی بھی تو رہے تھے اُسی کے حسن کے تصور سے۔ آخر میں معلوم ہو گیا کہ حضرت مولوی محمود حسن خاں پیارے احمد کے عشق میں مر رہے ہیں۔ اور ان کے حسن کی فروانی کی وجہ سے اپنی غربت اور سادگی میں بھی نہایت خوش و خرم ہیں۔ اور خود اس قدر خوبصورت بن گئے ہیں کہ میرے جیسا حسن پسند اُن پر مرنے لگ گیا۔ وہ میری آنکھ کا تارا بن گئے۔ میں خوش قسمت ہوں کہ میرے مخفی عشق کی خبر اُن کو بھی ہو گئی۔ اور بوقت سفر آخرت مجھے ہی اپنی اولاد پر مقدم کرتے ہوئے ایک اہم وصیت کی اور یہ کہتے ہوئے کہ مجھے آپ پر اعتبار زیادہ ہے۔ اے اللہ! تو آں محترم کی روح پر رحمتیں نازل فرما اور اُن کے آج 24/ جنوری 1963ء فوت ہونے والے بیٹے محمد یحییٰ خاں پر بھی غفر کی چادر ڈال دے اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرما۔ آمین“

(الفضل 31/ جنوری 1963ء صفحہ 5 جلد 17/ 52 شمارہ نمبر 27)

مرزا عبد الغنی صاحب کی وفات

”ہمارے مشفق و مہربان دوست مرزا عبد الغنی صاحب سابق محاسب صدر انجمن احمدیہ داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ درست ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کہ ہر ایک جان نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ ایک عزیز جان جو بہت سے متعلقین کو دل و جان سے پیاری ہوتی ہے جب مفارقت اختیار کرتی ہے تو سب کے اندر غم و حزن پیدا کر جاتی ہے۔ ہمارے مرزا صاحب کی مفارقت اگرچہ ان کی 75 سال عمر پورا ہونے کے وقت ہوئی ہے۔ مگر ان کی جدائی اسی طرح محسوس ہو رہی ہے جس طرح کوئی شخص جواں عمری میں فوت ہو گیا ہے۔

یہ کیفیت در اصل ایسے وجودوں کی وفات کے وقت پیدا ہوتی ہے جو تادم زیست لوگوں کے لئے مشفق و مہربان بنے رہتے ہیں۔ ہمارے بھائی مرزا عبدالغنی صاحب بھی ایک محبوب ہستی تھے۔ انہیں مصلحت الٰہی نے ہم سے جدا کر دیا ہے اور وہی ذات باری تعالیٰ حقیقی حکیم ذات ہے۔ ہم اس کے فیصلہ کے ساتھ متفق ہیں۔ لیکن اس کے حضور عاجزانہ عرض کرتے ہیں کہ وہ ہمارے متوفی (بھائی) کے ساتھ عفو و مغفرت کا سلوک کرے اور اپنی رحمتوں سے نوازے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین"

(الفضل 19/جولائی 1963ء صفحہ 4 جلد 17/52 شمارہ نمبر 169)

حضرت محمد کرم الٰہی صاحب پٹیالوی مرحوم

"مورخہ 23 جنوری کو بعد نماز حضرت شیخ محمد کرم الٰہی صاحب پٹیالوی کی نعش کا تابوت جو کراچی سے لایا گیا تھا مقبرہ بہشتی کے قطعہ خاص میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مرقد پر اپنے انوار کی بارش برسائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب کرے۔

حضرت شیخ صاحب اپنے اکلوتے بیٹے سردار محمد بشیر احمد صاحب ایڈوکیٹ کراچی کے پاس رہا کرتے تھے۔ میں چونکہ مرحوم کے زیر سایہ جماعت احمدیہ پٹیالہ کا 1906ء سے سیکرٹری رہا ہوں اور آں محترم کی محبت سے فیض یافتہ ہوں اس لئے میں اپنے اوپر واجب جانتا ہوں کہ ان کے کچھ فضائل بیان کر دوں۔

آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روحانی بلندی کو اوّل براہین احمدیہ کے مطالعہ سے معلوم کیا۔ آپ پہلے سرسید احمد مرحوم کی تحریکات کے قائل تھے لیکن جب براہین احمدیہ کا مطالعہ کیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گرویدہ ہو گئے۔ یہ حضور کے دعویٰ اور ارشاد بیعت سے پہلے کی بات ہے جب 1889ء میں لدھیانہ میں بیعت اولیٰ ہوئی نہ آ سکے۔ لیکن جب حضور دوسری بار 1891ء میں تشریف فرما ہوئے تو جناب شیخ صاحب جو ان دنوں بابو صاحب کہلاتے تھے لدھیانہ بمعیت ایک انبالوی احمدی کے پہنچے۔ اس وقت انبالہ کے دوست نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ

"یہ نوجوان بہت سمجھدار ہے پہلے سرسید احمد کی تحریرات سے متاثر تھا لیکن براہین احمدیہ کے مطالعہ کے بعد حضور کا معتقد ہو گیا ہے مگر میرے کہنے پر بھی یہ حضور کی بیعت نہیں کرتا۔"

اس پر حضور علیہ السلام نے مرحوم سے دریافت فرمایا۔ جس کا جواب شیخ صاحب نے یہ دیا کہ

"میں بیعت سے اس لئے رکا ہوں کہ اوّل تو میں نے ایک دوسری جگہ بیعت کی ہوئی ہے۔ دوسرے میں خوف کھاتا ہوں کہ میں شاید حضور کی تعلیم کے مطابق عمل نہ کر سکوں۔ تو یہ میرے لئے بہت گھاٹے کا موجب ہے۔"

اس پر حضور نے فرمایا۔

"اس میں کیا حرج ہے کہ دوسری جگہ بیعت ہے تم میری بیعت بھی کر لو۔ دیکھو طالب علم جب مدرسہ جاتا ہے تو کبھی ایک استاد سے پڑھتا ہے کبھی دوسرے اور کبھی تیسرے سے۔ رہا میری بتائی ہوئی نیک باتوں پر عمل نہ ہو سکنے کا خوف، سو ہمارا تو یہی فرض ہے کہ ہم تقویٰ کی تعلیم دیں۔ بیعت کرنے والا خدا پر بھروسہ کر کے بیعت کرے تو اُسے سچے عملوں کی توفیق بھی مل جائے گی۔"

اس پر شیخ صاحب نے بیعت کر لی۔ حضور نے بیعت اس طرح کی کہ حضور حضرت شیخ صاحب کو حجرے کے اندر لے گئے اور ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر بیعت کے الفاظ کہتے جاتے تھے جن کو صاحب مرحوم دہراتے گئے۔ آخر پر لمبی دعا کی۔

شیخ صاحب نے مجھ سے ایک دفعہ بیان کیا کہ بیعت کے بعد میں موقعہ بموقعہ قادیان جاتا رہتا تھا۔ حضور نے ایک دفعہ مجھ سے دریافت فرمایا کہ

"آپ نے تو سرسید کی تعلیمات کا مطالعہ کیا ہے اور میری تعلیمات کا بھی۔ پس کیا کچھ فرق دونوں تعلیمات میں آپ کو معلوم ہوا ہے۔"

جس پر میں نے برجستہ کہا کہ

"دونوں تعلیموں کو دو مثالوں سے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ سرسید کی تعلیم تو بمنزلہ خشک روٹی کے ہے جو گلے سے مشکل سے نیچے اترتی ہے اور حضور کی تعلیم بمنزلہ نہایت لذیذ کھانے کے ہے جو انتہائی لذیذ ہونے کی وجہ سے باآسانی گلے سے نیچے اترتا ہے۔"

حضرت شیخ صاحب بالکل معمولی تنخواہ پر کلرک کے عہدہ پر کام کرتے رہے۔ لیکن وضعداری میں کسی امیر سے کم نظر نہ آتے تھے۔ اردو، فارسی کا علم خوب حاصل تھا اور علمی مجلس کے زیور کی طرح نظر آتے تھے۔ منکسر المزاج بھی بہت رکھتے تھے مگر متعدد بار آپ سے نماز کا امام بننے کے لئے کہا گیا لیکن آپ نے اسے قبول نہ کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ عاشقانہ تعلق۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظر میں بھی آپ مخلص فرد تھے جیسا کہ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ

"جب حضور علیہ السلام نے منارۃ المسیح کی تعمیر کے لئے چندہ کے لئے اشتہار دیا تو علاوہ اشتہار کے چند احباب کو خاص چٹھیاں بھی حضور نے بھیجی تھیں۔ اور ہر ایسے شخص سے ایک سو روپیہ چندہ طلب کیا تھا۔ حضرت شیخ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میری معمولی تنخواہ کے پیش نظر والد صاحب جو باہر تھانہ دار تھے یا تحصیلدار تھے مجھے کبھی کبھی امدادی رقم بھیجا کرتے تھے۔ عین اس دن کے حضور علیہ السلام کا خط ایک سو روپیہ کا مجھے ملا۔ والد صاحب کی طرف سے ایک سو روپے کی امدادی رقم مجھے بذریعہ منی آرڈر ملی۔ میں نے وہ رقم وصول کر کے اُسی روز حضور کی خدمت میں روانہ کر دی۔"

اس واقعہ سے جہاں شیخ صاحب کی اخلاص کا ثبوت ملتا ہے وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں بھی آپ کی جو قدر تھی اس کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

حضرت شیخ صاحب مرحوم کے تقویٰ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ پر ایک وقت سالہا سال کی معمولی ملازمت کے بعد ایسا بھی آیا کہ آپ کو تھانیدار کی پوسٹ مل گئی۔ اگرچہ ان دنوں تھانیدار کی تنخواہ کچھ زیادہ نہ ہوتی تھی لیکن رعب اور بالائی آمدنی کا موقعہ بہت ہوتا تھا۔ لیکن حضرت شیخ صاحب نے جہاں بالائی آمدنی سے کلی اجتناب کیا وہاں بے جا رعب سے بھی اجتناب کیا۔ اور اس آسامی پر بجائے جن بننے کے فرشتہ بنے رہے۔

فقہ کے باریک مسائل بآسانی بیان فرما دیتے تھے۔ جب خلافت ثانیہ کا قیام ہوا تو اس وقت آپ کی راست روی اور عقل سلیم واضح طور پر معلوم ہوئی۔ واقعہ یوں گزرا ہے کہ

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی وفات سے صرف ایک دن قبل قادیان سے لکھا گیا ایک خط اگلے روز یعنی جمعہ کے روز مسجد جامعہ میں مجھے ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی عمر بجائے دنوں کے گھنٹوں میں شمار ہو سکتی ہے۔ ہم نے وقت پر اطلاع دے دی ہے آئندہ کا بھی فکر ہے۔ اس پر جماعت نے خاکسار راقم کو اور مکرم مولوی محمد مصطفی صاحب مرحوم کو قادیان جانے کے لئے منتخب کیا۔ چنانچہ ہم دونوں اُسی روز شام کی گاڑی سے قادیان کے لئے روانہ ہو کر اگلے روز ہفتہ کے دن ایک بجے کے قریب قادیان پہنچ گئے اور فوراً مسجد نور میں جہاں اجتماع ہو رہا تھا پہنچ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت نواب صاحب کی کوٹھی سے نکل کر ایک گروہ معزز احباب کا مسجد نور میں داخل ہوا۔ اس گروہ کے آگے آگے مولوی محمد احسن صاحب امروہی تھے۔ حضرت مولوی صاحب موصوف نے فوراً منبر پر چڑھ کر فرمایا۔

”میرے نزدیک خلافت کا قیام از بس ضروری ہے اور میرے نزدیک اس منصب کے لائق حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد ہیں اور میں تو ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ آگے آپ لوگوں کا اختیار ہے۔“

اس پر قریباً تمام احباب نے بلند آواز سے کہا یہ درست ہے۔ حضور بیعت لیں۔ چنانچہ بصد جوش بیعت شروع ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بھی بیعت کی توفیق دے دی بلکہ میرا نام داعیان میں شامل ہو گیا۔ مگر محمد مصطفی صاحب نے بیعت نہ کی۔ اگلے روز ہم دونوں پٹیالہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ پٹیالہ پہنچ کر میں نے جماعت کا فوری جلسہ بلایا اور احباب سے بیعت کی درخواست پر دستخط کروائے۔ چنانچہ حضرت شیخ صاحب نے بشرح صدر دستخط کئے حالانکہ جماعت کے صدر اور چند پرانے رفقاء نے ابھی دستخط نہ کئے تھے۔ اس وقت سے تا وقت وفات نہایت مخلص اور وفادار سلسلہ رہے۔ ایک دفعہ ایک غیر مبائع نے انہی دنوں یہ کہا۔ دونوں جماعتوں میں صرف خفیف سا فرق ہے ورنہ اعتقادی لحاظ سے کوئی زیادہ اختلاف نہیں۔ اس پر شیخ صاحب مرحوم نے فرمایا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ جب گاڑی کانٹا بدلتی ہے تو شروع میں بہت قریب معلوم ہوتی ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں کہیں سے کہیں چلی جاتی ہے۔

آپ کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی جس کے جڑنے میں نقص رہا اور آپ صاحب فراش ہو گئے۔ لمبا عرصہ تک صاحب فراش رہنے کے بعد آہستہ آہستہ کمزور ہو گئے لیکن باوجود قسما قسم کی تکلیفوں کے ہر آن خدا تعالیٰ کا شکر زبان پر جاری رہا۔ کبھی ایک بار بھی بے صبری نہ دکھائی۔ اسی حالت میں اپنے معبود و مطلوب حقیقی سے جا ملے۔"

(خان حشمت اللہ خان)

(الفضل 28/ جنوری 1964ء صفحہ 4 جلد 18/53 شمارہ نمبر 24)

۞۞۞

دُختر نیک اختر مکرم ملک غلام فرید صاحب کی حادثاتی وفات کے غم واندوہ میں مومنانہ صبر کا نمونہ

گزشتہ اتوار مجھے تین بجے شام کے قریب اچانک یہ خبر ملی کہ مکرم ملک غلام فرید صاحب کی ایک صاحبزادی موٹر کے حادثہ میں وفات پا گئی ہیں اور مرحومہ کا جنازہ لاہور سے لایا گیا ہے اور بعد نماز عصر نماز جنازہ ہو گی۔ میں وضو تو نماز عصر کے لئے کر ہی رہا تھا۔ اسی وقت نماز جنازہ میں شرکت کی نیت بھی کر لی اور اپنی جائے قیام سے نیچے اتر کر ملک صاحب موصوف کی ملاقات کے لئے اس جگہ پہنچا جہاں وہ تشریف فرما تھے۔

ملک صاحب سے انتہائی غم بھری محبت کے ساتھ معانقہ ہوا اور انا للہ وانا الیہ راجعون کے پاک کلمات منہ سے نکلے اور کچھ دیر خاموشی طاری رہی پھر میں نے دریافت کیا کہ موت کب اور کس طرح واقع ہوئی۔ ملک صاحب نے پر وقار طریق پر بغیر کسی آثار غم واندوہ کے اس تکلیف دہ حادثہ کا ذکر کیا اور بیان کے آخر پر یہ فرمایا۔

"میں تو سجدوں میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے وہ خیر ہی ہے۔ ہاں میں اس فکر میں ضرور مبتلا ہوں کہ مبادا اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو۔"

جناب ملک صاحب کا یہ بیان سن کر مجھے اس غم کی گھڑی میں ایک سچی راحت نصیب ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ احباب جماعت کے ساتھ فضل ورحم کا ہے کہ وہ غم میں بھی ان کے اندر صبر وسکون کی حالت پیدا کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ تکلیف کو بھی راحت جاننے لگتے ہیں۔ کیوں نہ ہو یہ سبق حضرت مہدی علیہ الصلوۃ والسلام کی سچی اطاعت اور پاک نمونہ سے حاصل ہوا ہے جب مہدی علیہ الصلوۃ والسلام کے صاحبزادے مرزا مبارک احمد صاحب نے 1907ء میں وفات پائی تو آپ اندرون خانہ سے باہر مسجد میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ کے چہرہ مبارک سے کوئی آثار غم واندوہ کے ظاہر نہ تھے اور جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے کلام نکلا وہ حاضرین کو تسلی دلا رہا تھا۔ گویا غمزدہ حاضرین کے غم کو دور کرنے کے لئے تشریف فرما ہیں اور ان کا اپنا دل بظاہر غم سے بالکل آشنا نہیں معلوم ہوتا تھا یہی وہ کیفیت تھی جس کے زیر اثر حضور نے بعد میں یہ منظوم کلام لکھا تھا جو کتبہ مزار مرزا مبارک احمد پر لکھا گیا۔

جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خُو تھا
وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر
کہا کہ آئی ہے نیند مجھ کو یہی تھا آخر کا قول لیکن
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے بھی ہم پھر جگا جگا کر
برس تھے آٹھ اور کچھ مہینے کہ جب خدانے اُسے بلایا
بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

الحمدللہ اس قسم کے نمونے بہت سے احباب جماعت میں نظر آتے ہیں۔ جناب ملک صاحب کا کیا ہی پیارا قابل تقلید اظہار ہے کہ میں تو سجدوں میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہی بجالاتا ہوں۔ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مبادا اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو۔
یہ اسی طرح کا سجدہ ہے جس طرح کا سجدہ آج سے ہزاروں سال پہلے حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا تھا۔ جب حضرت ایوب علیہ السلام کو اپنے خادموں کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ آپ کا کل مال ومتاع جاتا رہاہے اور آپ کے تمام لڑکے لڑکیاں جن کی تعداد دس تھی مکان کی چھت گرنے کی وجہ سے بیک وقت ہلاک ہو گئے ہیں تو آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور سجدے میں جا پڑے اور کہا
”خداوند نے دیا اور خداوند نے لے لیا خدا کا نام مبارک ہو۔“
الغرض ملک صاحب نے صبر واستقلال کا نمونہ ہمیں دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے نمونہ کو تادیر قائم رکھے اور ان کو غم کی گھڑیوں سے بچائے رکھے آمین۔ دراصل ایسے پاک نمونے ہی ہیں جو خدا تعالیٰ کے حسن واحسان کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ ہم نے ایسے نمونے بھی دیکھے ہیں جو اپنے نقصان کے وقت خدا تعالیٰ کے تمام احسانوں کو بھول کر شکوہ کے الفاظ منہ سے نکالنے لگتے ہیں۔ میں اس جگہ ایک سچا واقعہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جس سے پاک وبد نمونہ کا موزانہ ہو جاتا ہے۔
یہ غالباً 1946ء کی بات ہے کہ ہمارے حضرت خلیفۃ المسیح تبدیلی آب وہوا کے لئے پالم پور ضلع کانگڑہ میں تشریف لے گئے تھے اور اس جگہ کے ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر مسٹر جھانجی کا مکان کرایہ پر لے کر رہائش اختیار کی تھی۔ انہی دنوں ڈاکٹر صاحب کا بڑا لڑکا جو میڈیکل کالج کے فائنل ایئر میں پڑھتا تھا بقضائے الٰہی فوت ہو گیا۔ میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں تعزیت کے لئے حاضر ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے واقعہ موت اور غم بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ منہ سے نکالے۔
“God does not know how to create. He only knows how to kill” (نعوذباللہ)

یہ عجیب بات ہے کہ میرا لڑکا سلیم احمد مرحوم بھی اس کے قریب زمانہ میں 21 سالہ عمر میں فوت ہوا تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اپنے فضل ورحم سے صبر کی توفیق عطا فرمائی تھی۔ میں ڈاکٹر جہانجی صاحب کے مندرجہ بالا الفاظ سن کر عجیب حالت تشکر میں پڑ گیا کہ کیا ہی پیارا اللہ میرا رب ہے جس نے مجھے اپنے پاک مہدی کا دامن پکڑوا دیا اور خدا تعالیٰ کا وفادار بندہ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ سب احمدی احباب کے ایمانوں میں برکت دے اور سب کے دل عشق الٰہی سے بھر دے تا کہ دنیا کے جملہ ہموم و غموم اور اُس کی دلفریبی سے نجات ملے۔ آمین"

(الفضل 13/ فروری 1965ء صفحہ 4 جلد 19/ 54 شمارہ نمبر 35)

حضرت ڈاکٹر گوہر الدین صاحب کی وفات

"آج شام جبکہ میں نیم جان سے بھی کم جان تھا۔ میرے بیٹے عزیزم ڈاکٹر محمد احمد سلمہ نے مغرب کی نماز کے بعد مسجد سے آکر نہایت سہمی ہوئی اور پر درد آواز سے اناللہ پڑھتے ہوئے مجھے حضرت ڈاکٹر گوہر الدین صاحب کے جنازہ کے باہر سے لائے جانے اور نماز جنازہ کے پڑھے جانے کی اطلاع دی اور کہا کہ میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے ان کا جنازہ پڑھنے اور چہرہ دیکھنے کی توفیق ملی ہے۔ میں نے عزیز کو کہا کہ واقعی یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تمہیں ایسی بزرگ ہستی کا جنازہ پڑھنے اور چہرہ مبارک دیکھنے کی توفیق ملی اور میں نے عزیز کے شامل جنازہ ہونے کو اپنی بھی خوش قسمتی محسوس کی کہ میں جو آج کل اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہونے کی بھی سکت نہیں رکھتا۔ اپنے پیارے بھائی گوہر الدین صاحب کی آخری خدمت سے محروم رہتا۔ اگر میرا عزیز نماز جنازہ میں شرکت نہ کرتا۔ اس افسوسناک خبر کے دینے کے بعد عزیزم دوبارہ تدفین کے لئے مقبرہ بہشتی چلے گئے اور میں غم کے گہرے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا۔ اس غم کا اندازہ صرف اور صرف میرا پیدا کرنے والا رب اعلیٰ ہی جانتا ہے۔ میری حالت جو موت کے قریب دکھلا رہی ہے ان واقعات میں سے جو لاتعداد ہیں سب سے اہم واقعہ یا سانحہ غم وہ ہے جو 26/ مئی 1908ء کو دیکھنا نصیب ہوا۔ میں آج کل ان گھڑیوں کو یاد کر کے روزانہ چشم پُر آب ہو جاتا ہوں۔ کہ مفارقت حضرت امام مقدس مسیح الموعود والمہدی معہود جَرِیُ اللّٰہِ فِی حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ کا غم تازہ ہو جاتا ہے۔

لیکن عجیب بات ہے کہ تین چار روز سے میری یہ حالت ہوئی ہے کہ جب بھی نماز کی نیت باندھتا ہوں آنکھوں سے۔ ہاں بڑھاپے کی خشک آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے ہیں۔ بلاشبہ یہ آنکھیں بہت دن تک ایک مقدس ہستی کے غم میں آنسو بہاتی رہتی تھیں۔ لیکن کمزوری اور بے حالی نے آنکھوں کے پانی کو خشک کر چھوڑا تھا۔ اور روحانی باپ کی جدائی پر ابھی سال پورا نہ ہوا تھا کہ 6/ نومبر کو اپنے پیارے بھائی۔ ہاں دل وجان سے زیادہ عزیز بھائی ڈاکٹر گوہر الدین کی مفارقت کا صدمہ مجھ نیم جان کو آن لگا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ چند دنوں سے آنکھوں میں از سر نو آنسو پیدا ہو کر بہنے لگے تھے۔ یہ اس حادثہ کی وجہ سے

تھے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب 4/ نومبر فوت ہو چکے تھے اور میرا دل غائبانہ طور پر انتہا غم میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جس کی شہادت آنکھوں کے آنسوؤں نے دے دی تھی۔

میں اس جگہ اپنی خوش قسمتی کے پیش نظر ہزار شکر اپنے خالق اور مالک اور علیم و بصیر کا ادا کرتا ہوں کہ سانحہ عظیمہ وفات حضرت ڈاکٹر گوہر الدین صاحب کی خبر مجھے باطنی طور پر دے دی اور اس نے اپنے فضل سے ہی اپنے عزیز بھائی کی مفارقت کا صدمہ برداشت کرنے کی طاقت بھی مجھے عنایت فرمادی۔

میں جو بستر علالت پر دو ماہ سے لاچار پڑا ہوں اور کھڑے ہونے کی سکت بھی نہیں رکھتا تھا کہ رات کے پردہ نے پردہ پوشی کر دی اور بیداری کے سکر میں مبتلا ہو کر بے بس ہو گیا لیکن غم کچھ ایسا نہ تھا کہ چین کی نیند سونے دیتا۔ بار بار جاگ آتی اور دعائے مغفرت کرتا اور پھر خاموش ہو جاتا۔ آخر 2 بجے شب میرا تمام فکر جاتا رہا اور بیداری نے قبضہ جما لیا۔ نفل پڑھے دعائے مغفرت مانگی مگر تسلی نہ ہوئی۔ آخر نماز جنازہ غائب پڑھنا شروع کر دی۔ تب خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے جدا ہونے والے بھائی کے لئے مغفرت کے رنگ میں بے حد آنسو بہانے کی توفیق دی۔ جس کی نظیر مجھے اپنی ذات کے لحاظ سے بہت کم نظر آتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میرے پیارے بھائی کی کس کس خوبی نے میرے دل پر قبضہ کیا ہوا تھا مگر میری تضرّعات نے اس کا پورا ثبوت بہم پہنچا دیا۔ کہ میرا پیارا بھائی میرا محبوب بھائی تھا جس کی مفارقت میرے لئے انتہائی صبر آزما تھی۔ میں نے اس غم مفارقت کی تلافی کچھ اس طرح کی کہ نماز جنازہ ادا کرتے ہوئے درود شریف محبت حقیقی کے ساتھ زیادہ پڑھا۔ گویا اپنے غم میں پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حضور پیارے گوہر الدین کے لئے رزق روحانی جمع کروا دیا۔ میں ادائیگی نماز کے بعد سرور کی حالت میں آ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لاچار و بیمار کو زیادہ آزردہ خاطر نہ دیکھنا چاہتا تھا۔ میں آخر اپنے پیارے بھائی کو بواسطہ خالق حقیقی دلی سلام بھیجتا ہوں اور میں یقین کی آنکھ سے کہتا ہوں کہ پیارے بھائی! تجھے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام کا حصول مبارک ہو۔ حضرت ڈاکٹر صاحب اور یہ عاجز 1909ء سے 1912ء تک میڈیکل بورڈنگ کے ایک کمرہ میں رہائش پذیر رہے تھے اور اکٹھے باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔"

(الفضل 10/ نومبر 1966ء صفحہ 5 جلد 20/55 شمارہ نمبر 261)

حضرت چوہدری محمد شریف صاحب کی وفات

"آج 08 نومبر 1966ء کو بعد نماز ظہر حضرت چوہدری محمد شریف صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع منٹگمری (حال ساہیوال) کا جنازہ پڑھا گیا۔ جو علاوہ امیر جماعت ہونے کے کئی خصوصیات بھی رکھتے تھے۔ اوّل آپ اصحاب احمد تھے۔ پھر آپ حضرت نواب محمد دین صاحب خاص الخاص خادم سلسلہ احمدیہ کے فرزند اکبر تھے۔

مزید بر آں یہ کہ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے 1924ء کے سفر لنڈن میں شریک ہونے والے حضور کے بارہ حواریوں میں سے ایک تھے۔ آپ کا وجود سلسلہ احمدیہ کا مایہ ناز اور بہت ہی قابل رشک وجود تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب کرے۔ پھر آخری زندگی میں بھی حضرت مصلح الموعود کے حواریوں میں شمار فرمائے۔

آپ نہایت کم گو اور سنجیدہ مزاج بزرگ تھے۔ مجھ سے بہت حسن ظن رکھتے تھے اور مجھے سے محبت خاص رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ پھر میں یہ فخر بھی محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے سالہا سال تک آپ کی طبی خدمت بلامعاوضہ انجام دینے کی توفیق دی۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی رحم فرمائے اور میرا انجام بخیر فرمائے۔ آمین"

خاکسار حشمت اللہ

طبّی خادم سلسلہ احمدیہ

(الفضل 11 ر نومبر 1966ء صفحہ 4 جلد 20/55 شمارہ نمبر 262)

محترم ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب رانجھا ابن حضرت مولوی شیر علی صاحب کی وفات

"میں نے ایک نوٹ میں جو الفضل میں شائع ہو چکا ہے حضرت چوہدری محمد شریف صاحب کا ذکر خیر کیا تھا۔ لیکن حکمت الٰہی سے مرحوم ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب رانجھا کے جنازہ کا ذکر خیر نہ کر سکا۔ کیونکہ مجھے جو بستر علالت پر پڑا ہوں یہ علم ہی نہ ہو سکا تھا کہ اس دن ایک کی بجائے دو جنازوں کی نماز ادا کی گئی۔ آج میں اپنے مرحوم بھائی کا جو میری نظر میں حضرت مولوی شیر علی صاحب کا نمونہ تھے ذکر کرتا ہوں۔

ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب رانجھا مرحوم کے کراچی میں سکونت پذیر ہونے کی وجہ سے مجھے ان سے ذاتی طور پر کوئی زیادہ تعلق قائم کرنے کا موقع نہ ملا، مگر ان کی جگہ میرے دل میں ضرور تھی کہ وہ حضرت مولوی شیر صاحب کے فرزند اکبر ہیں۔ پس میں اپنی دلی کیفیت بیان کرتا ہوں کہ مجھے جو صدمہ ڈاکٹر گوہر الدین صاحب کی مفارقت سے پہنچا ہے۔ قریباً ویسا ہی صدمہ مجھے رانجھا صاحب کی وفات سے پہنچا ہے۔ اس کی تہہ میں حضرت مولوی شیر علی صاحب کی دلی محبت جو وہ مجھ سے رکھتے تھے کارفرما ہے۔ کہیں اُن کی جدائی وہی اثر پیدا کرنے کا موجب بنی جو حضرت مولوی شیر علی صاحب کی جدائی سے ہوا تھا۔ اور پھر اس بات سے بھی غم پہنچا کہ ایسی بزرگ ہستیاں یکے بعد دیگرے جلد جلد داغ مفارقت دیتی جا رہی ہیں۔

رانجھا صاحب کی وفات کئی پہلو سے افسوسناک ہے۔ اوّل یہ کہ ایک نہایت نیک سیرت فرشتہ صفت شخص ہم سے چھن گیا۔ دوم یہ کہ احمدیت کے اخلاص کا ایک اور نمونہ ہم سے رخصت ہو گیا۔ مرحوم کے اخلاص سلسلہ کا پتہ پھر اس سے چل جاتا

ہے کہ آپ چندہ کی ادائیگی میں نمونہ تھے۔ بلکہ کامل نمونہ تھے کہ مرنے پر بہت سارو پیہ وصیت کے حساب میں زائد پایا گیا۔ پھر آپ کی سیرت اس سے واضح ہو جاتی ہے کہ مرحوم کی حقیقی ہمشیرہ محترمہ خدیجہ بیگم صاحبہ بنت حضرت مولوی شیر علی صاحب نے کل ہی بیان فرمایا کہ حضرت مولوی صاحب کی وفات کے بعد بھائی عبد الرحمن مرحوم ابا جان کا ظاہری اور باطنی نمونہ بن گئے تھے۔

آپ کے حسن اخلاق کے متعلق عزیزم ڈاکٹر محمد احمد سلمہ نے ذکر کیا کہ فضل عمر ہسپتال کا ایک نوجوان محمد اسحق جو مدد گار کارکن ہے وہ آپ کی میت کو دیکھ کر زار زار روتا تھا اور کہتا تھا کہ میرا باپ مجھ سے جدا ہو گیا ہے اس اسحق کو مرحوم نے کراچی میں پہلے اپنے ماتحت ملازم کرایا تھا۔ پھر بیٹوں کی طرح اس کا خیال رکھا۔ پس وہ کیوں غم کے آنسو نہ بہاتا کہ وہ مرحوم کے وجود میں باپ والی شفقت دیکھ چکا تھا۔

آخر میں درد بھرے دل کے ساتھ دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم رانجھا صاحب کو اپنی آغوش محبت میں لے لے کہ وہ پاک باپ کا پاک بیٹا تھا۔"

(الفضل 13/ نومبر 1966ء صفحہ 5 جلد 20/55 شمارہ نمبر 264)

محترم نیک محمد خان صاحب مرحوم غزنوی کی وفات

"یوں تو ہر فرد نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ جس کے بعد اُسے آخروی زندگی سے واسطہ پڑ جاتا ہے۔ لیکن نیک محمد خان صاحب غزنوی کی مفارقت ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ کئی ہستیاں مثلاً حضرت قاضی اکمل صاحب، حضرت مولانا شمس صاحب، حضرت ڈاکٹر گوہر الدین صاحب، حضرت چوہدری محمد شریف صاحب، محترم ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب رانجھا مرحوم یکے بعد دیگرے تھوڑے عرصہ میں داغ مفارقت دے چکی ہیں۔

فوت ہو جانے والی بزرگ ہستیاں اپنی برکات سمیت دنیا سے مفقود ہو جاتی ہیں اور اپنے حلقہ احباب کو سوگوار چھوڑ جاتی ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو ہوشیار اور بیدار ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں وہ ایسے صدموں سے سبق حاصل کرتے ہیں وہ نیکوں کی نیکیوں کے وارث بن جانے کی کوشش کرتے ہیں اور فائز المرام ہو جاتے ہیں۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے نے آگھیرا اور بیوی کے بانجھ ہو جانے کی حالت میں اولاد سے مایوسی ہوئی اور پھر لواحقین میں کوئی روحانی وارث بھی نظر نہ آیا تو انہوں نے خدا تعالیٰ کے حضور گڑ گڑا کر عرض کی۔

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۝ (مریم:6-7)

یعنی میں اپنے متعلقین سے خائف ہوں کہ (ان میں کوئی روحانیت نہیں ہے) دوسرا خوف یہ ہے کہ میری بیوی بانجھ ہے (میرے اولاد ہونے کا امکان نہیں ہے) میں تو اپنی موہبت سے کوئی والی عطا فرما جو میری اور آلِ یعقوب کی روحانیت کا وارث ہو اور میرے رب اُسے پسندیدہ وجود بنا دے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اگر نیکوں کی روحانیت کے وارث پیدا نہ ہوں تو جماعت کے لئے یہ سخت خطرے کا مقام ہوتا ہے۔ جماعت کو اس وقت خاص طور پر اللہ تعالیٰ کا رحم مانگنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُسے فتنوں سے بچائے اور ان میں نیک روحیں زیادہ پیدا ہوں۔ جو رخصت ہونے والے بزرگوں کی جانشین بننے کی اہل ہوں۔

نیک محمد خان صاحب غزنوی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ کے عاشق صادق خادم تھے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو انعام کے رنگ میں عطا ہوئے تھے۔ صفاتی لحاظ سے نیک محمد خاں صاحب کا شمار طیور میں ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو اُن کے لشکر کے لئے تین اقسام کے وجود عطا ہوئے جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ (النمل:18)

یعنی (کسی وقت کسی ملک پر چڑھائی وغیرہ کے وقت) حضرت سلیمان کے لئے جن وانس اور ہر قسم کے لشکر جمع کئے گئے تھے۔ اسی طرح کی عطا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوئی تھی۔ یعنی آپ کو ذی وجاہت احباب بھی عطا ہوئے۔ حضور کو اس قسم کے احباب بھی ملے جو عالم دین تھے۔ انہوں نے حضور کی معیت اور تائید میں انتھک علمی خدمت انجام دی۔ جیسے حضرت قاضی اکمل صاحب، حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب، حضرت مولوی شمس صاحب اور محترم شیخ عبد القادر صاحب۔ دوسری قسم عطا طیور کا ملنا تھا یہ وجود بھی حضور کو عطا ہوئے، ان میں حضرت بھائی عبد الرحمن صاحب قادیانی اور نیک محمد خان صاحب غزنوی مرحوم شامل ہیں۔

مکرم نیک محمد خان صاحب نے سالہا سال تک حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی والہانہ طور پر خدمت انجام دی چونکہ اس عاجز کو بھی 1918ء سے شرف خادمیت محمود حاصل ہو گیا تھا۔ بدیں وجہ مجھے نیک محمد خان صاحب مرحوم کی خدمت کے کارنامے دیکھنے کا اکثر موقع ملتا رہا۔ جیسا کہ میں نے آپ کو طیور کے گروہ میں شمار کیا ہے۔ سو آپ ہمیشہ طیور کی سی سبک رفتاری کے ساتھ کام انجام دیتے تھے۔ میلوں میل دوڑ کر حضور کی ڈاک مطلوبہ جگہ پر پہنچانا آپ کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

1921ء میں حضور نے کشمیر کا سفر کیا تھا۔ حضور کی معیت میں علاوہ اہل بیت کے جملہ صاحبزادے اور صاحبزادیاں بھی تھیں نیز حضرت اماں جان اور حضرت اماں جی (اہل بیت حضرت خلیفہ اول) مع تین بچوں کے بھی شامل تھے۔ حضور نے سفر کے آخری حصہ میں احمدیوں کے ڈار خاندان سنور میں قریباً ایک ماہ قیام فرمایا جہاں سے جھیل کوثر ناگ وغیرہ کو سیر بھی کی تھی۔ ان ایام میں حضرت اُمّ ناصر احمد صاحب سخت بیمار ہو گئیں۔ لگاتار تیز بخار کی وجہ سے ٹائیفائیڈ کا شبہ ہو گیا۔ جس کے لئے ہمیں

کلورین مکسچر کی ضرورت پیش آگئی۔ اس مکسچر کے اجزاء ہمیں شہر سرینگر سے جو وہاں سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر تھا مل سکتے تھے۔ جس کے لئے حضور نے نیک محمد خان صاحب مرحوم کو بھیجا جانا تجویز کیا۔ چنانچہ مرحوم نے گھوڑے کی پیٹھ پر سفر کرتے ہوئے 24 گھنٹے کے اندر سرینگر سے ادویہ لا حاضر کیں۔ مکسچر خدا تعالیٰ کے فضل سے مفید ثابت ہوا اور حضرت اُمّ ناصر کا بخار ٹوٹ گیا۔

اس مثال سے نیک محمد خان صاحب مرحوم کی خدمات محمود کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت کرے اور انہیں جنت میں بلند مقام نصیب کرے۔ ایسے لوگوں کا اب ملنا مشکل ہے جو جاں نثاری کے ساتھ کام کریں۔ یہ عطا سلیمان صفت حضرت محمود رضی اللہ عنہ سے بطور خاص مقدر تھی جہاں وہ خود داغ مفارقت دے گئے وہاں اُن کے خاص خدام بھی اب جلد جلد رخصت ہو رہے ہیں۔"

(الفضل 23؍نومبر 1966ء صفحہ 5 جلد 20/55 شمارہ نمبر 272)

محترم شیخ نصیر الحق صاحب مرحوم

اظہار خوشنودی بر نظم محترم سعید احمد صاحب اعجاز

"یوں تو الفضل خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں ایک روح رواں کی طرح ہے جس کے ذریعہ علم و عرفان اور جماعت احمدیہ کی خدمات دینی کا علم حاصل ہوتا ہے جس سے احمدیت کی روح ہر چھوٹے بڑے کے اندر ودیعت کرتی رہتی ہے۔ لیکن اس میں جماعت کی قابل قدر ہستیوں کے ایسے خاص خاص مضمون بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جن سے اعلیٰ درجہ کی تحقیقاتی باتیں معلوم ہوں اللہ تعالیٰ کا شکر دل میں پیدا ہوتا ہے کہ جماعت احمدیہ کے بہت سے احباب علم و عرفان سے بھرپور ہیں۔

اس وقت میرا روئے سخن 26 نومبر کے الفضل میں شائع ہونے والے اس نظم کی طرف ہے جو محترم سعید احمد صاحب اعجاز لاہور نے محترم نصیر الحق صاحب مرحوم کی یاد میں کہی ہے۔ میں اس نظم کے کہنے پر محترم سعید احمد صاحب اعجاز کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے مرحوم شیخ صاحب کی سیرت کی تصویر کھینچ کر رکھ دی۔ میں جہاں سعید احمد صاحب اعجاز کی درازی عمر کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ وہاں الفضل کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسی قابل قدر نظم پڑھنے کا موقع دیا۔

اللہ تعالیٰ ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے شیخ نصیر الحق صاحب پر کہ وہ نیکی اور نیکوکاری کا نمونہ تھے۔ یہ رنگ انہوں نے جماعت احمدیہ کی حقیقت کو سمجھنے اور عمل کرنے سے ہی حاصل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر احمدی کو یہ رنگ اختیار کرنے کی توفیق دے۔ آمین"

(الفضل 30/ نومبر 1966ء صفحہ 5 جلد 20/55 شمارہ نمبر 278)

محترم خان صاحب میاں محمد یوسف صاحب مرحوم

"حضرت خان صاحب میاں محمد یوسف صاحب اپنے نیک نمونہ سے بہتوں کے لئے بھلائی کا موجب بنے رہے۔ تقدیر الٰہی نے ان کا وصال ایسے وقت میں مقدر کیا تھا جبکہ کئی ایک بزرگ یکے بعد دیگرے داغ مفارقت دے کر راہی ملک بقا ہوئے۔

جماعت کے بزرگوں کا پے در پے اور جلد جلد اس دار فانی سے رخصت ہونا جماعت احمدیہ کے لئے خاص فکر کا موجب ہونا چاہیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئینہ کمالات اسلام میں فرماتے ہیں۔ کہ

"حقیقی خیر وبرکت کا زمانہ وہ تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے صحابہ میں موجود تھے اور اس زمانہ کا تسلسل آخری صحابی کی زندگی تک رہتا ہے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کا وجود کتنا موجب خیر وبرکت ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت میاں صاحب کو جو احمدیت کا نمونہ تھے۔ غریق رحمت کرے اور جنت میں اعلیٰ مقام نصیب کرے اور احباب کو حضرت میاں صاحب کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین"

(الفضل 03/ فروری 1967ء صفحہ 4 جلد 21/56 شمارہ نمبر 23)

باب نمبر:18
حضرت ڈاکٹر صاحب کے چند علمی مضامین

- جماعت احمدیہ کی ذمہ داری
- ہمارا جلسہ سالانہ و درخواست دُعا صحت یابی سیدنا حضرت مصلح موعود
- مومنوں کی عید
- جماعت احمدیہ کی امتیازی خصوصیات
- مسلمانوں کی حفاظت اور پاکستان کی سلامتی کے لئے دعا کی تحریک
- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک اہم نصیحت
- ماہ رمضان اور جماعت احمدیہ
- رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم
- اَنَا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ مَثِیْلُہٗ وَخَلِیْفَتُہٗ
- حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خدام کے ساتھ اللہ تعالی کا خاص سلوک
- میرا زمانہ ملازمت ریاست پٹیالہ
- ہمارا جلسہ سالانہ
- ذکر حبیب علیہ السلام

جماعت احمدیہ کی ذمہ داری

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خیر خواہی خلق کے جذبات جن کا آپ کی تحریروں سے اور آپ کی عملی زندگی سے پتہ لگتا ہے ہمارے لئے ایک عظیم الشان نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے مخلوق خدا کو طرح طرح کے عذابوں کے رونما ہونے کے متعلق قبل از وقت بار بار خبروں سے متنبہ کیا کہ برے اعمال سے توبہ کرو تا کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ان عذابوں کو ٹال دے جو سر پر کھڑے ہیں۔ وائے افسوس دنیا نے اس آواز پر جو ہمدردی خلق سے پُر تھی مطلق توجہ نہ دی۔ آپ نے کھلے طور پر بتلا دیا کہ دنیا نے اپنے خالق و مالک حقیقی کو بھلا دیا ہے بلکہ بہتوں نے اس کے وجود سے ہی انکار کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں کس دف سے منادی کروں کہ اے لوگو! تمہارا زندہ اور قادر خدا موجود ہے تم اس کی طرف آؤ۔ ورنہ ہر طرح کی مصیبتیں دنیا پر مسلط رہیں گی۔

آپ نے اپنی تمام زندگی اس خیر خواہی میں صرف کر دی اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس دنیا کو آرام کی جگہ سمجھ کر آرام نہ کیا۔ آپؑ نے اس مقصد کے حصول میں ہی اپنا آرام پایا اور اپنے فرض منصبی کو ادا کر کے اپنے محبوب حقیقی کے پاس چلے گئے۔ ہاں اپنے مقتدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس چلے گئے اس کا مقتدا محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی دنیا کی خیر خواہی کا ایک مجسمہ تھا۔ یہ ایک طرف تو اپنے محبوب رب اعلیٰ کے عشق میں محو تھا۔ دوسری طرف باوجود شہنشاہوں کا شہنشاہ ہونے کے دنیا کے ہر فرد بشر ہاں یتیموں اور بیواؤں کا خادم بھی تھا۔ کاش ہمارے جسم کے تمام ذرّے اس کی خاک پا بن کر تا ابد رہیں۔

میرے دل میں رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ اس پیارے کو اللہ تعالیٰ شہنشاہ بناتا ہے مگر وہ ان چیزوں کو نہیں لیتا۔ جو شہنشاہوں کے لائق ہوتی ہیں۔ وہ اس قدر بھی پسند نہیں کرتا کہ اس کے رب اعلیٰ کا کوئی ایک بندہ بھی دکھ میں ہو۔ اور وہ آرام میں ہو۔ ہائے افسوس اس مقدس وجود کی دنیا نے قدر نہ کی۔

آپ کے پاک نمونہ اور پاک نصائح سے اور آپ پر نازل شدہ کلام پاک کی برکت سے فائدہ اٹھانے والوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ان کی روحانی استعدادیں آسمان کو چھونے لگیں۔ مگر جلد ہی وہ کہاں درنہاں حقیقی معشوق دنیا کی شوخیوں کی وجہ سے پھر لوگوں کی نظروں سے چھپ گیا اور ضلالت نے دنیا کو گھیر لیا۔

آخر رحمت الٰہی پھر جوش میں آئی اور اس نے مسیح موعود علیہ السلام کو اس چودھویں صدی کے سر پر مبعوث فرمایا اور اس نے ثابت کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم واقعی رحمت للعالمین تھے۔

آخر ہمارا پیارا مسیح موعود علیہ السلام بھی اپنے فرض منصبی کو ادا کرتے ہوئے اپنے پیشوا اپنے معشوق کے پاس چلا گیا اور اپنے ماننے والوں کو روحانی برکات... کا انعام دے گیا۔ بیشک یہ بڑا انعام ہے۔ جو جماعت کو ملا لیکن اس کے ذمہ کام بھی تو اس کے مطابق ہی بڑا اہم کیا گیا ہے۔

میں اپنے احباب سے بحیثیت ایک ادنیٰ خادم اسلام واحمدیت کے یہ عاجزانہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی تمام غفلتوں کو چھوڑ کر اور دنیا کے عیش کو چھوڑ کر دنیا کی تمام الائشوں سے توبہ کر کے اپنے رب کے حضور گڑ گڑائیں اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کو اپنا شعار بنائیں تاوہ خدائے خشمگیں دنیا پر رحم کرے۔ اگر جماعت نے خدانخواستہ یہ کام نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اپنا منصب نہ پہچانا اور وہ پیچھے ہٹ گئی۔"

(الفضل 29/ نومبر 1959ء صفحہ 4 جلد 13 / 48 شمارہ نمبر 282)

ہمارا جلسہ سالانہ و درخواست دعا صحت یابی سیدنا حضرت مصلح موعود

"الحمد للہ کہ باوجود اس کے کہ وقتی ضرورت کے ماتحت جلسہ سالانہ کو قریباً ایک ماہ کے لئے ملتوی کیا گیا تھا۔ پھر بھی ہمارا یہ جلسہ قریب بلکہ اب تو بالکل ہی قریب آ گیا ہے۔

اُمید ہے کہ احباب کرام اس مبارک اجتماع میں شرکت کی غرض سے تیاری فرما رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کا حافظ وناصر ہو اور سب کو اپنے ارادہ میں کامیاب فرمائے۔

برادران! جس طرح آپ بصد شوق اپنے مقدس امام کے دیدار کت لئے سفر کی تیاری میں مصروف ہوں گے اور سفر پر روانگی کے دن کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اسی طرح کا انتظار آپ کے پیارے روحانی باپ کو بھی ہے کہ کب اپنے روحانی فرزندوں کو اپنی آنکھ سے دیکھیں۔

میں بطور گواہ کے عرض کرتا ہوں کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز قریباً اڑھائی ماہ سے جب سیر کے لئے موٹر میں تشریف لے جاتے ہیں تو موٹر میں بیٹھتے ہی دریافت فرماتے ہیں کہ آج کیا تاریخ ہے؟ تاریخ بتادی جاتی ہے تو پھر حساب کر کے فرماتے ہیں جلسہ میں اتنے دن رہ گئے ہیں۔ جب اگلا دن آتا ہے تو پھر دریافت فرماتے ہیں۔ آج کیا تاریخ ہے؟ پھر حساب کر کے فرماتے ہیں جلسہ میں اس قدر وقت باقی ہے۔ قریباً ڈیڑھ ماہ سے مکرم ناظر صاحب اعلیٰ سے روزانہ دریافت فرماتے ہیں کہ مہمانوں کے لئے گندم آ گئی ہے اور آٹا تیار ہو جائے گا۔ وغیرہ

احباب کو بیشک دعوئے محبت ہے لیکن اوپر کے بیان کردہ حال سے اپنی محبوبیت کا بھی تو اندازہ لگائیں۔ بیٹوں کی باپ سے محبت کا دعوی درست۔ لیکن باپ کی محبت بیٹوں کی محبت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو حضرت یعقوبؑ فراقِ یوسفؑ میں

اپنی بینائی نہ کھو بیٹھتے۔ پس احباب یقینا جان لیں کہ حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی محبت اپنے روحانی فرزندوں سے بے اندازہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کے محاسن میں برکت دے تا آپ یوسفؑ کی مانند اپنے چاہنے والے یعقوبؑ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں۔

یہ میری ایک فقیرانہ عرض ہے کہ ہمارا یہ پیارا وجود بہت دنوں سے بیمار ہے اس نے تمام عمر دین مصطفی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پھیلانے میں صرف کر دی اور تھک کر چور ہو گیا۔ اس حالت کا نام جو چاہیں رکھیں۔ اگر اس طرح پر اپنی جان کو گھلا کر تھک جانا کوئی جرم ہے تو بڑا بھاری جرم ہوا ہے۔ اس جانکاہی کی اور اس تڑپ کی جو دین کی راہ میں شروع جوانی سے آج تک ہمارے پیارے آقا نے دکھائی ہے مثال نہیں ملتی۔

ان حالات کے پیش نظر احباب جلسہ سے درخواست ہے کہ اس دفعہ خاص رنگ میں ان ایام کو گزارا جائے۔ سفر کے ابتداء سے ہی تسبیح و تحمید کے سلسلہ کو جاری کیا جائے۔ اور قیام ربوہ میں بھی یہ تسبیح جاری رہے۔ تسبیح کے کلمات یہ ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو الہامی طور پر بتلائے گئے۔

"سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ"

میں پھر عرض کروں گا کہ اگرچہ ایسے اجتماع کے موقعہ پر لوگوں کے بہت سے دنیوی کاروبار بھی مد نظر ہوتے ہیں جو جلسہ میں شمولیت کے زائد قسم کے فوائد ہوتے ہیں اور ان کا انجام دینا منع قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن وقت کی نزاکت کا تقاضا ہے کہ جس قدر ہو سکے دنیوی مشاغل سے بچا جائے اور اپنی توجہ میں یک جہتی پیدا کر کے اپنے رب غفور الرحیم کے حضور دعائیں کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ جو شافی مطلق ہے ہمارے مقدس امام کو صحت عطا فرمائے اور حضور کی خواہش کو کہ حضور مع احباب کرام قادیان جائیں پورا فرمائے۔

بے شک احباب ہمیشہ دعا کرتے ہیں اور جلسہ میں بھی کریں گے۔ لیکن جس بات کی طرف میں خاص توجہ دلا رہا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر ایک بھائی جو جلسہ میں شامل ہو رہا ہے اپنی حالت اس فقیر کی مانند بنا لے جو کسی بڑے بادشاہ کے سامنے سوال کرنے کے لئے جاتا ہے اور بادشاہ بڑی شان و شوکت اور قدرت کا مالک ہے اور سائل کے متعلق سمجھتا ہے کہ وہ حقیقی ضرورت اور خواہش کے مطابق ہمارے حضور آیا ہے۔ اگر سائل کی طرف سے اپنی حقیقی اور مقدم خواہش کے پیش کرنے میں غفلت پائی جائے گی تو سوال رد ہو جائے گا اور اگر اصل سوال کے ساتھ نفس کی خواہش کا دخل ہو جائے گا تو وہ درخواست مسترد ہو جائے گی۔ البتہ وہ سائل شاہی عطایا حاصل کرے گا جو خالص فقیر بن کر پیش ہو گا۔ اگر لغو کاموں، فضول گوئیوں اور چائے خانوں میں وقت ضائع کیا گیا تو وہ مقصد عظیم جس کے لئے دعا کی تحریک کی گئی ہے حاصل ہونا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔ آمین"

(الفضل 16؍جنوری 1960ء صفحہ 3-4 جلد 14/49 شمارہ نمبر 14)

۞۞۞

مومنوں کی عید

”رمضان کا مبارک مہینہ ختم ہونے کو ہے۔ عنقریب وہ چاند اپنا چہرہ دکھائے گا جو عید کا چاند کہلاتا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ مومن جو ایک ماہ سے اپنے رب کے لئے بھوک پیاس برداشت کر رہے تھے وہ دن دیکھیں گے جو اُن کے لئے کھانے پینے کا دن ہو گا جس دن روزہ حرام کر دیا جائے گا اور جس دن وہ اپنے رب محسن کے احسان میں سجدہ شکر بجالائیں گے کہ ان کے پیارے رب نے انہیں اپنے حضور بار بار آنے کا موقع دیا۔ وہ اس کے حضور روئے اور بلبلائے۔ اپنے گناہوں کی معافیاں چاہیں۔ اس کا فضل ورحم مانگا۔ اُس کو راضی کرنے کے لئے صدقات ادا کئے۔ راتوں کو جاگے۔ دنوں کو بھوک پیاس میں گزارا۔ مگر ہم اپنے رب سے کہتے ہیں کہ اگرچہ مومن نہیں چاہتے کہ وہ اس حالت سے نکالے جائیں کیونکہ وہ ایک ماہ تک اس کی راہ میں مرنا سیکھ چکے ہیں۔ مگر اے ارحم الراحمین تو ان کو اس حالت سے نکال کر عید کے میدان میں لا کھڑا کرتا ہے۔ جو کہ تیرے رحم کا تیرے پیار کا بین ثبوت ہے مگر اے ارحم الراحمین اب یہ روزہ دار مومن محض اس عید سے خوش ہوتے نظر آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ چاند اور یہ عیدیں مدتوں سے دیکھی بھالی ہیں۔ وہ اب تجھ سے حقیقی عید طلب کرتے ہیں۔ وہ تجھ سے تیرا دیدار طلب کرتے ہیں۔ وہ اس چاند میں تیرا حسن نہاں دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کو وہ آنکھیں ملیں کہ جن سے تیرا حسن پنہاں نظر آجائے۔ وہ شعور چاہتے ہیں کہ جس سے ہر پہلو سے تیری رعنائی نظر آجائے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے لاکھ جتن کئے کہ کسی طرح تیرا دیدار کریں لیکن دنیا کا دیو لعین ہمارے راہ میں روک بنا دیتا ہے جس نے اس زمانہ میں اپنی قوتوں کے ساتھ حملہ کر دیا ہے۔ ہم نے تیری راہ میں تھوڑی سی تکلیف اٹھائی ہے۔ اور تو عید کا چاند نکال کر ہم پر شفقت کو ختم کرنے لگا ہے۔ ہم تیرے حضور عرض کرتے ہیں کہ ہم نے یہ ظاہری عیدیں بہت دیکھ لیں۔ اب تو تُو وہ عید دکھا کہ جس سے تیری عاجز مخلوق گناہوں اور غفلت سے نجات پا جائے اور اسے تیرا حسین چہرہ نظر آنے لگے۔ اور اس کے دل ایسے سجدہ میں جا پڑیں کہ پھر اٹھنے کا نام نہ لیں۔ اُن کا دل ہی تیرا عرش ہو۔ وہ تجھ سے راضی ہو اور تو اس سے راضی ہو۔ پس یہ حقیقی عید ہے جو ہم تجھ سے مانگتے ہیں۔ ان معروضات کے بعد یہ خاکسار اپنے دل کی کہتا ہے۔

بخش دے میرے خدا میرے تو عصیاں سارے
تا کسی طور سے ہو جائے گنہگار کی عید
ذرّہ ذرّہ میرے جسم کا قرباں تجھ پر
یہ نہیں گر تو نہیں عاشق دلدار کی عید“

(الفضل 02/اپریل 1960ء صفحہ 4 جلد 14/49 شمارہ نمبر 73)

۞۞۞

جماعت احمدیہ کی امتیازی خصوصیات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اس زمانہ میں دنیا کو زندہ اور قادر خدا دکھلایا ہے اور زندہ خدا کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنی قوت جاذبہ سے اپنے گرد ایک مقدس جماعت اکٹھی کی ہے جو اپنے ایمان و اخلاص میں صحابہ کے رنگ میں رنگین نظر آتی ہے۔ میں نے اس جماعت کی فدائیت کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات کے متعلق بھی دیکھا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی ذات کے متعلق بھی مشاہدہ کیا ہے اور پھر زمانہ دراز تک حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ذات کے متعلق بھی دیکھتا چلا آرہا ہوں۔ اس فدائیت میں خدا کی خدائی نظر آتی ہے۔ اس فدائیت کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ یہ جماعت واقعی زندہ خدا پر زندہ ایمان رکھتی ہے۔

اے ہمارے رب محسن! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے ہم جیسے عاجزوں اور مسکینوں کو اپنا چہرہ دکھلا دیا۔ ہم تیرے حسن کو دیکھ کر زندہ ہیں۔ ہمیں کوئی بدترین خلائق بھی کہے تو ہمیں اس سے کوئی غم نہیں پہنچتا۔ مخالفین ہمیں جو مرضی ہے کہیں جیسا سلوک چاہیں کریں۔ ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ جتنا وہ ہمیں ذلیل گردان کر اپنے سے دور پھینکیں گے اتنا ہی ہم آپس میں محبت بڑھا کر اپنی جنت بسالیں گے۔ جہاں ہمیں اپنا پیارا خدا نظر آتا رہے گا ہم اُن کو وہی کہہ سنائیں گے جو ہمارے پیارے مسیح مہدی و نبی اللہ نے کہا تھا۔

بحمدہ اللہ کہ خود قطع تعلق کرد ایں قومے
خدا از رحمت و احساں میسر کرد خلوت را

یعنی میں جو گوشہ نشین تھا اور گوشہ نشینی کو پسند کرتا تھا الحمد للہ کہ وہ گوشہ نشینی خدا نے رحمت و احسان سے مجھے پھر دے دی ہے کہ قوم نے خود مجھ سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ لیکن ہمارا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ہم مضبوط جماعت بن کر زندگی بسر کریں بلکہ ہمارا کام وہ کشتی لڑنا ہے جو اس زمانہ کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ وہ کشتی ابلیس اور خدا تعالیٰ کے درمیان قائم ہوئی ہے۔ آج ابلیس دنیا پر پورے طور پر مسلط ہے۔ اس نے اپنے مظاہر دنیا میں بہت سے پیدا کر چھوڑے ہیں۔ ابلیس کا سب سے پہلا مظہر قابیل حضرت آدم کا بڑا بیٹا تھا۔ جس نے اپنے چھوٹے بھائی ہابیل کا خون اندرونی حسد کی وجہ سے زمین پر گرایا تھا۔ لیکن آج ابلیس نے عیسائی قوم کو جسے دنیوی قوت بے انتہا حاصل ہے اپنا مظہر بنایا ہے۔ وہ سچائی کا خون بہانے لگ گئی ہے۔ یعنی اسلام کی سچائی کو طرح طرح کے طریقوں سے مٹانا چاہتی ہے۔ اس کشتی میں اسلام کی طرف سے سب سے پہلے لڑنے والا پہلوان ہمارا پیارا مسیح موعود علیہ السلام تھا۔ وہ خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتا ہوا اسلام کی طرف سے تن تنہا نکلا۔ اُس نے دلائل قاطعہ سے عیسائیت کا ابطلان ثابت کیا۔ اور اسلام کی برتری کو روز روشن کی طرح چمکتے ہوئے دلائل سے واضح کیا۔ اور آسمانی

نشان دِکھلا کر اسلام کو زندہ مذہب ثابت کیا اور تمام قوموں کو اسلام کے بالمقابل نشان دکھلانے کے لئے مقابلہ پر بار بار بلایا لیکن ضلالت کے حامیوں نے دُنیا کے لئے ہدایت کی راہ کو نہ کھلنے دیا۔

اسلام کے خدا نے جو اسلام کو ایک بار پھر بلند و برتر دین دیکھنا چاہتا تھا۔ بہت سے نشانات حضور کے ذریعہ ظاہر کئے۔ ان روشن نشانوں کے لاکھوں انسان گواہ بنے۔ ان نشانوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بہت سے لوگ پختہ ایمان کے ساتھ جمع ہو گئے اور خدمت دین اسلام کا کارخانہ قادیان میں جاری ہو گیا۔

خدا کے فرستادہ موعود نے مسیح کے مخالف لوگوں کو جو مختلف مذاہب کے نمائندہ تھے دلائل حقہ اور نشانات سماوی سے زیر کیا۔ اپنے ہاتھ میں جمع ہونے والی جماعت کو کامل اتباع سنت نبویؐ میں لگا دیا اور اُن کے نفس امارہ کی جولانیوں کو کلی طور پر روک دیا۔ اور انہیں سچے واحد خدا کے حضور تضرّع اور عاجزی سے دعائیں کرنے والی جماعت بنا دیا۔ پھر ان کے اندر جذبہ خدمت دین اسلام پیدا کر کے مالی قربانی کی ویسی ہی مثال قائم کر دی جس طرح صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جمع ہو کر قربانیاں دی تھیں۔

اس کارخانہ خدمت اسلام کے بالمقابل آج روئے زمین پر کوئی کارخانہ نہیں ہے۔ مخالفین بغض و حسد سے بھر گئے۔ اور اس خادم دین اسلام جماعت کو ہی ملیامیٹ کرنے پر تل گئے لیکن یہ لوگ اپنے ظالمانہ اقدام میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

اول: یہ کہ جماعت احمدیہ ایک سچی خادم اسلام جماعت جسے اسلام کے حامی خدا نے اسلام کی سربلندی ظاہر کرنے کے لئے قائم کیا ہے۔

دوم: یہ کہ جماعت منافقت سے پاک ہے اور حکومت وقت کی مطیع اور انتہائی طور پر وفادار جماعت ہے۔

سوم: یہ لغویات سے بچنے والی اور گناہ کبیرہ سے منزہ جماعت ہے۔

چہارم: اس کے افراد سچی بات کہنے میں دلیر ہیں۔ خواہ ایسی گواہی دینے میں ان پر موت ہی وارد ہوتی ہے۔ حلال اور طیب کمائی ہے۔ گزراوقات کرنے والے ہیں۔ دغا و فریب یا رشوت وغیرہ کے ذریعہ مال کمانے سے کلی طور پر اجتناب کرنے والے ہیں۔ نفس امارہ کو زیر کرتے ہوئے غض بصر کرنے کے عادی ہیں۔ اس طرح گناہ میں پھنسنے سے بچ جاتے ہیں۔

پنجم: اپنی پاک کمائی سے خدمت اسلام کے لئے شرح صدر سے مال خرچ کرنے والے ہیں۔ سینما اور دوسرے اخلاق کش تماشوں سے اجتناب کرتے ہوئے۔ عبادات الٰہی کو بوجہ احسن انجام دینے والے ہیں۔ ہر طرح کی فضول خرچی سے بچتے ہوئے اپنے مال کو خدمت اسلام میں لگانے والے ہیں۔

ششم: سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا تعالیٰ کو ہر دم اپنی مدد کے لئے پورے یقین کے ساتھ پکارنے والے ہیں۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے یقین ہے کہ یہ کشتی کامیابی کے ساتھ لڑی جائے گی۔ ابلیسی فوجیں مغلوب ہو جائیں گی اور توحید خالص قائم ہو جائے گی۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا جھنڈا دُنیا میں بلند ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جماعت سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہو جائے گی۔"

(الفضل 11/اپریل 1963ء صفحہ 3 جلد 17/56 شمارہ نمبر 85)

مسلمانوں کی حفاظت اور پاکستان کی سلامتی کے لئے دعاؤں کی تحریک

"پاکستان زندہ باد" یہ الفاظ ہیں جو میں خواب میں ایک بورڈ پر لکھ رہا ہوں۔ اگر چہ میں پاکستان کی سلامتی کے لئے پہلے بھی دعا کیا کرتا تھا لیکن جس دن سے دو سال گذرے یہ رویاء دیکھا ہے مجھے خاص طور پر درد دل سے سلامتی پاکستان کے لئے دعا کی توفیق مل رہی ہے۔ میرے دل میں پاکستان کے متعلق درد کا پیدا ہونا غیر حقیقی نہیں بلکہ پاکستان کو علیٰ وجہ البصیرت مستحق دُعا سمجھتا ہوں۔

پاکستان آج چکی کے دو پاٹوں کے درمیان ایک دانہ کی طرح ہے۔ ایک پاٹ تو وہ ہے جو پاکستانی کی توحید باللہ کے عقیدہ کا مخالف ہے کہ وہ خدا کے وجود کا ہی منکر ہے اور خدا کے نام کا تمسخر اڑاتا رہتا ہے۔ دوسری طرف وہ گروہ ہے جو تین خداؤں کی خدائی منوانے کے لئے سر توڑ کوشش کر رہا ہے۔

ایسے حال میں جہاں افراد پاکستان میں یگانگت اور یک جہتی کا ہونا ضروری ہے وہاں خدا کے حضور سجدہ ریزی بھی ضروری ہے مجھے یقین ہے کہ لاکھوں پاکستانی اس کی سالمیت کے لئے دعا کرتے ہوں گے۔ لیکن جس دعا کی طرف میں توجہ دلاتا ہوں وہ اس طرح کی دعا ہے کہ جس طرح قوم یونسؑ نے عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے آہ زاری کی تھی۔ میں جذبہ شکر گزاری کی وجہ سے احباب کے لئے للّٰہی طور پر اپنا ایک حالیہ رؤیاء بیان کرتا ہوں۔ جس سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان اسلام کے حق میں مستعد ہو رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ

"میں ایک بڑے کمرہ میں ہوں جو بظاہر میری رہائش کا کمرہ ہے اور دیکھا کہ فرش پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ اُس وقت میں نے عرض کیا حضور میری بیعت لے لیں۔ میں یہ احساس رکھتا ہوں کہ میری بیعت تو 65 سال پہلے کی ہے اور اس درخواست کو بیعت خاص لینے کی درخواست سمجھتا ہوں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام بیعت لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں... اور میرا ہاتھ بیعت لینے کے لئے خوب زور سے اپنے ہاتھ میں دبا کر اور اپنا چہرہ آسمان کی طرف کر کے اور میرا رخ بھی آسمان کی طرف کر کے التجاء اور دُعا کی۔ انتہائی کیفیت کے ساتھ کہتے ہیں۔ "اے تو ہل اور سوراخ کو بند کر دے۔"

اس وقت میں بیدار ہو جاتا ہوں اور اپنے آپ کو پر سرور پاتا ہوں۔ میں جو بھی تعبیر اس رؤیاء کو سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے کہ جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اور جسم و جان کا ذرہ ذرہ خدمت اسلام کے لئے خرچ کیا تھا۔ اور جو آج سے چھپن سال پہلے دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ مسلمانوں اور اسلام کی بے کسی کو دیکھتے ہوئے اپنے اس نہایت حقیر خادم کو جو اس وقت تک زندہ (بعمر 77 سال) ہے ساتھ شامل کر کے انتہائی قلق کے ساتھ رب کعبہ کے حضور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ظاہری و باطنی بربادی سے بچالے۔ ان حالات میں ہر وہ شخص جو اسلام سے تعلق اور ہمدردی رکھتا ہے اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جانا چاہئے تا کہ مسلمانوں کے خلاف تقدیر معلق بدل جائے۔ آثار ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ مسلمانوں پر رحم ربی ہونے والا ہے چنانچہ علاوہ ان دوخوابوں کے جن کا ذکر اوپر ہوا اور بھی میرے عزیزوں کو بعض خوابیں نظر آتی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آج کل اللہ تعالیٰ احمدیوں کی تضرّعات سن رہا ہے اور رجوع برحمت ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرے۔ آمین"

(الفضل 19/جون 1964ء)

۞۞۞

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک اہم نصیحت

"خاکسار اخبار الحکم کے ایک پرانے فائل کا مطالعہ کر رہا تھا تو مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل ایک اہم نصیحت نظر آگئی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اسے احباب کے استفادہ کے لئے الفضل میں شائع کرادوں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آخری زمانہ کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو حکم بنا کر بھیجا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ حضور کے پاک کلمات کو حرز جان بنالیں۔

"25/اپریل 1908ء بوقت سیر۔ ایک دوست نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے خط کے ذریعہ سے استفسار کیا کہ میری والدہ میری بیوی سے ناراض ہے اور مجھے طلاق کے واسطے حکم دیتی ہے۔ مگر مجھے بیوی سے کوئی رنجش نہیں۔ میرے لئے کیا حکم ہے۔"

حضور علیہ السلام نے جواباً فرمایا۔

"والدہ کا حق بڑا ہے اور اس کی اطاعت فرض ہے۔ مگر پہلے یہ دریافت کرنا چاہے کہ آیا اس ناراضگی کی تہ میں کوئی اور بات تو نہیں جو خدا کے حکم کے بموجب والدہ کی اس کی اطاعت سے بری الذمہ کرتی ہو تو اس کا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی مشروع امر ممنوع نہیں جب تو واجب ہے۔"

اصل میں بعض عورتیں محض شرارت کی وجہ سے ساس کو دکھ دیتی ہیں۔ گالیاں دیتی ہیں ستاتی ہیں، بات بات میں اسے تنگ کرتی ہیں۔ والدہ کی ناراضگی بیٹے کی بیوی پر بے وجہ نہیں ہوا کرتی سب سے زیادہ خواہش مند بیٹے کے گھر کی آبادی کی والدہ ہوتی ہے۔ اور اس معاملہ میں ماں کو خاص دلچسپی ہوتی ہے۔ بڑے شوق سے ہزاروں روپے خرچ کرکے خدا خدا کرکے بیٹے کی شادی کرتی ہے۔ تو بھلا اس سے ایسی امید وہم میں بھی آسکتی ہے کہ وہ بے جا طور پر اپنے بیٹے کی بیوی سے لڑے جھگڑے۔ اور خانہ بربادی چاہے۔ ایسے لڑائی جھگڑے میں عموماً دیکھا گیا ہے کہ والدہ ہی حق بجانب ہوتی ہے۔ ایسے بیٹے کی بھی نادانی اور حماقت ہے کہ وہ کہتا ہے کہ والدہ تو ناراض ہے مگر میں ناراض نہیں ہوں۔ جب اس کی والدہ ناراض ہے تو وہ کیوں اس کی بے ادبی کے الفاظ بولتا ہے کہ میں ناراض نہیں ہوں۔ یہ کوئی سوکنوں کا معاملہ تو ہے نہیں۔ والدہ اور بیوی کے معاملہ میں اگر کوئی دینی وجہ نہیں تو پھر وہ کیوں ایسی بے ادبی کرتا ہے اگر کوئی وجہ اور باعث اور ہے تو فوراً اُسے دور کرنا چاہئے۔ خرچ وغیرہ کے معاملہ میں اگر والدہ ناراض ہے اور یہ بیوی کے ہاتھ میں خرچ دیتا ہے تو لازم ہے کہ ماں کے ذریعہ خرچ کرادے۔ اور کل انتظام والدہ کے ہاتھ میں دے۔ والدہ کو بیوی کا محتاج اور دست نگر نہ کرے۔ بعض عورتیں اُوپر سے نرم معلوم ہوتی ہیں مگر اندر ہی اندر وہ بڑی نیش زنیاں کرتی ہیں۔ پس سبب کو دور کرنا چاہئے اور جو وجہ ناراضگی کی ہے اُس کو ہٹا دینا چاہئے اور والدہ کو خوش کرنا چاہئے۔ دیکھو شیر اور بھیڑیئے اور درندے بھی تو ہلائے ہل جاتے ہیں اور بے ضرر ہو جاتے ہیں۔ دشمن سے بھی دوستی ہو جاتی ہے۔ اگر صلح کی جاوے تو پھر کیا وجہ ہے کہ والدہ کو ناراض رکھا جاوے۔"

(الحکم 26/ جنوری 1908ء)

حضور علیہ السلام کے مندرجہ بالا ارشاد کو پیش نظر رکھنا ہمارے نوجوانوں کا فرض ہے۔"

(الفضل 29/ جولائی 1964ء صفحہ 4 جلد 18 / 53 شمارہ نمبر 175)

۞۞۞

ماہِ رمضان اور جماعت احمدیہ

"یہ کس قدر خوشی کا مقام ہے کہ ابھی چند دن قبل جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ایک لاکھ کی تعداد میں احمدی احباب مرکز احمدیت ربوہ میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی برکتیں حاصل کر چکے ہیں۔ اس جلسہ کے معاً بعد خدا تعالیٰ احباب جماعت کی نیک سعی کے بدلہ میں رمضان المبارک کا مبارک تحفہ لے آیا ہے۔ کیا ہی مبارک ہیں وہ احمدی بھائی جو محض خدا تعالیٰ کو پانے کی سعی کے لئے انتہائی سردی کے دنوں میں گھروں سے نکل کر اس مقام بے آب و گیا میں جمع ہوئے اور تین دن تک اپنے محسن رب کے حضور گریہ وبکا کرتے رہے۔ مگر ہمارا خدا وہ خدا ہے جو نیکیوں کو نیک بدلہ دینے میں ہرگز دیر نہیں کرتا۔ وہ...وَإِذَا الْجَنَّةُ

اُزْلِفَتْ کے وعدہ کے مطابق جلسہ سالانہ کے سات دن کے بعد رمضان شریف کی جنت اُن کے لئے لے آیا جو علاوہ روزہ کی لذت کے درسِ قرآن کی عظیم الشان نعمت بھی پیش کر رہا ہے۔

ان ایام میں یوں تو جگہ جگہ احمدی جماعتوں میں درس القرآن ہو رہا ہے۔ لیکن درس قرآن کا سب سے بڑا اور پر لطف دستر خوان ربوہ کی مسجد مبارک میں لگتا ہے جبکہ ہزاروں کی تعداد میں احمدی احباب روزہ کی لذت لئے مسجد میں ظہر کے وقت آجاتے ہیں۔ اور درس قرآن لگاتار تین گھنٹے سن کر اپنی روحانی لذت کو کئی گنا بڑھا کر گھروں کو چلے جاتے ہیں۔

کیا ہی خوش قسمت اور قابل عزت و توقیر وہ ہستیاں ہیں جو للّٰہی طور پر درس قرآن دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمروں میں برکت دے اور ان کے مرتبوں کو بلند فرمائے اور بیش از پیش اس کار خیر کا انجام دینے کی توفیق دے۔

درس دینا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ سب سے پہلی بات تو تین گھنٹے کلام کرنا ہے۔ پھر قرآن کریم کے مشکل مقامات کو حل کرنا ہے۔ اور ایک پارہ کے درس کا مقررہ وقت کے اندر ختم کرنا ہے۔ ان کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر ہو اور ان کی صحت کو برقرار رکھے، اور ان کی عمر دراز فرمائے۔ آمین۔ تمام احباب جماعت سے درخواست ہے کہ ان ربانی علماء کی درازی عمر کے لئے دُعا کرتے رہیں۔

یہ سال کچھ بابرکت معلوم ہوتا ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص کا اسلام کے حق میں نزول ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حضور رونے اور بلبلانے کی توفیق دے اور ہماری آرزوؤں کو جو دین اسلام کے بکمال تام پھیلنے کے متعلق ہیں پوری فرما دے۔ پھر ہماری تفرعات کو سنتے ہوئے ہمیں زیادہ سے زیادہ خدمت اسلام کی تقویت بخشے۔ اور ہمارے امام ہمام کو جن کے ہاتھ پر جمع ہو کر ہم بھائی بھائی بنے ہیں اپنے فضل سے صحت عطا فرما دے۔ اس طرح پر اس بابرکت خاص مہینہ کے خاتمہ پر ہمیں بجائے ایک کے کئی عیدیں دیکھنا نصیب کرے۔ آمین

مبارک ہے جماعت احمدیہ جو خدا تعالیٰ کو سمیع و بصیر اور قادر و توانا یقین کرتی ہے۔ اور یقین کامل کے ساتھ اپنے رب کے حضور دعاؤں میں لگی رہتی ہے اور دعاؤں کی قبولیت کے انعام حاصل کرتی ہے۔ اور اس یقین پر قائم ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن ضرور دین اسلام کو دنیا بھر میں پھیلانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔"

(الفضل 22 / جنوری 1965ء صفحہ 4 جلد 19 / 54 شمارہ نمبر 18)

بڑا آج فضل خدا ہو رہا ہے
کہ محمود جلوہ نما ہو رہا ہے

ہزاروں	ہی	سجدے	کریں	میری	آنکھیں
کہ	حاصل	انہیں	مدعا	ہو	رہا ہے

(از ڈاکٹر صاحب مرحوم)

۞۞۞

رحمت العالمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

عین اس وقت جب کہ خدا کے سب سے پہلے گھر خانہ کعبہ میں 360 بتوں کی پوجا ہو رہی تھی اور عین اس وقت جبکہ خدا کی پیاری قوم بنی اسرائیل اپنی قسما قسم کی بے اعتدالیوں اور طرح طرح کی محسن کشیوں اور انبیاء کے قتل کرنے کی وجہ سے خدا کے غضب کے نیچے آچکی تھی۔

ہاں عین اس وقت جب کہ سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والی قوم نے انہیں خدا کا بیٹا قرار دے لیا تھا۔ اور اس کا یہ فعل اس قدر محرک ہلاکت تھا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک قرآن مجید میں اس عقیدہ کے بارہ فرمایا ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ(مریم:91-92)

یعنی قریب ہے کہ آسمان پھٹ جاوے۔ اس (عقیدہ) سے اور زمین پھٹ جاوے اور پہاڑ سخت جنبش کرتے ہوئے گر جاویں۔ اسی جگہ سے کہ انہوں نے (عیسائیوں نے عیسیٰ کو) خدا کا بیٹا قرار دیا ہے۔

الغرض عین اس وقت جبکہ تینوں قسم کے فساد روحانی برپا ہو چکے تھے گویا تمام دنیا فساد زدہ ہو چکی تھی۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ(الروم:42)

یعنی برّ و بحر میں انتہائی فساد پیدا ہو چکا تھا۔ گویا دنیا فنا ہونے کو ہے۔ عرب کے ایک یتیم بے کس کا دل متقاضی ہوا کہ اس خدا کی اس رحمت کو دنیا کی طرف کھینچے جس کی وجہ سے کلی فنا یعنی قیامت بپا ہونے سے رک جائے۔

یہ ظہور رحمت قرآن کریم کی صورت میں کسی قلب پر ہوا۔ جو پہاڑوں سے زیادہ طاقتور تھا۔ اگر یہ قلب اس وقت دنیا میں موجود نہ ہوتا تو اس وحی کا نزول بھی نہ ہوتا جس کا نام قرآن کریم ہے اور اگر یہ وحی نہ آئی ہوتی تو دنیا کا انتہائی فساد ہرگز دور نہ ہوتا اور کلی فنا یعنی قیامت پر منتج ہوتا۔ چنانچہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ہیں جو عین قریب ہیں اور ایک دوسری کے مقابل کھڑی ہیں جس سے یہ مراد ہے کہ قیامت آہی چلی تھی مگر

میرے وجود نے اس کے مقابل پر کھڑے ہو کر اسے روک دیا ہے گویا جس طرح لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو زمین و آسمان کو بھی پیدا نہ کرتا) آپ کی شان ہے۔ اس طرح رحمۃ للعالمین بھی آپ ہی کی شان ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

نظر حق میں نہ رکھنے والے محروم رہیں تو اور بات ہے لیکن علم و عرفان سے بہرہ ور ہونے والوں پر یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ مخالفِ اسلام دنیا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان عالی سے بے خبر ہے تو وہ مخالف ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ مسلمان کہلانے والوں نے بھی اپنے نبی کی وہ قدر نہیں کی جو اُنہیں کرنی چاہئے تھی وہ جیسا کہ اور انبیاء علیھم السلام کے متعلق سمجھ رہے ہیں کہ ان کا فیضان ختم ہو چکا ہے اور ان کی امت کہلانے والوں میں سے اب کوئی شخص ایسا نہیں اٹھتا جو اللہ تعالیٰ سے تائید یافتہ، ہدایت حقیقی پر قائم، دنیا کی اخلاقی و روحانی حالت کا مصلح اور اپنے نبی کی روشنی فیضان سے عالم کو منور کر دینے والا ہو۔ اسی طرح اپنے پاک نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نسبت بھی سمجھ بیٹھے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ کا فیضان بھی ختم ہو چکا ہے اور آپ کی اُمّت میں سے اب کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہو سکتا۔ بحالیکہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ اس لئے آپ کا فیض قیامت تک جاری رہنے والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:32)

کہہ دے (اے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم) اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو (جو سب سے زیادہ محبت کرنے والا ہے) میری پیروی کرو۔ تمہیں وہ مقام حاصل ہو جائے گا کہ خود تمہارا رب تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ محبت الٰہی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کی دعائیں سنتا ہے۔ اس کو اپنے شیریں کلام سے بتا دیتا ہے کہ میں نے تیری دعا سن لی ہے اور قبول کر لی ہے۔ اور میں تیرے مقصد کو پورا کروں گا۔

پس یہ بات ہرگز قابل قبول نہیں کہ دوسرے انبیاء کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ علم کا بھی فیضان روحانی بند ہو چکا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا افاضہ روحانی ہمیشہ جاری رہنے والا ہے۔ اور ہمیشہ آپ کی امت میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔ جو خدا تعالیٰ کے محبوب ہوں گے اور ان کے وجود سے مسلمانوں کو تقویت ایمان نصیب ہوتی رہے گی اور جب تک ایسے کامل اتباع کرنے والے کاملین لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کے ذریعہ تحمید و تقدیس باری تعالیٰ کا سلسلہ قائم ہو۔ اس وقت تک قیامت بھی رکی رہے گی۔

یہ تیرھویں صدی جو گزری ہے جس کے آخر میں دنیا کی پھر وہی حالت ہو گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بھی ایک طرف عیسائی معہ اپنے فاسد عقیدہ کے دنیا پر غلبہ حاصل کئے ہوئے تھے اور دوسری طرف یہودی، بدھ، پادری وغیرہ قومیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام سے دشمنی کا خاص مظاہرہ کر رہی تھیں۔

ایسے حال میں رحمۃ للعالمین کی روحانیت جوش میں آئی اور اس نے دنیا پر اپنا کامل بروز چاہا۔ چنانچہ آپ کے رب نے چودھویں صدی کے سر پر اس وجود کو ظاہر کر دیا جس نے شان رحمتہ العالمین کی شہادت دی۔ وہ موجودہ ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ آپ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت ایسی جاگزیں تھی جس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ آپ کے محبت کے انداز کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ آپ محبت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں سراپا غرق ہیں۔ آپ حقیقۃ الوحی صفحہ 115 میں تحریر فرماتے ہیں۔

”میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود و سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کا مرتبہ شناخت نہیں کیا گیا۔

وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اُس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا۔ اس کو تمام انبیاء اور تمام اولین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ انسان نہیں بلکہ ذریت شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اس کو عطا کیا گیا ہے جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا۔ وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری کیا حقیقت سے ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں۔ کہ توحید حقیقی ہم نے اس نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے۔ اور خدا کے مکالمات اور اس کے مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اس بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اس وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔“

پھر فرماتے ہیں۔

عجب نوریست در جان محمد
عجب لعلیت در کان محمد
زظلمتها دل آگہہ شود صاف
کہ گردو از محبان محمد

نہ	دانم	ہیچ	نغمے	در	دو عالم
کہ	دارد	شوکت	و	شان	محمد
اگر	خواہی	کہ	حق	گوید	ثنایت
بشو	از	دل	ثناء	خوان	محمد

لیکن دنیا نے اس وجود (مسیح موعود علیہ السلام) کی بھی اس طرح شناخت نہیں کی جس طرح رحمۃ للعالمین کی نہیں کی۔ اور اس فیض محمدیؐ سے حصہ نہ پایا۔ جس کو لے کر یہ مامور من اللہ آیا تھا۔ اور نہ صرف شناخت ہی نہ کی اور فائدہ ہی نہ اٹھایا۔ بلکہ دشنام دہی اور ایذاء رسانی کا مظاہرہ انتہاء تک کر دیا۔

آپ کے ساتھ دنیا کو جو سلوک کرنا تھا اس کی خبر بذریعہ الہام پہلے ہی سے آپ کو دے دی گئی تھی۔

"دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"

(الہام مندرجہ براہین احمدیہ)

آج دنیا پر جو قسما قسم کے عذاب نازل ہو رہے ہیں وہ اس وجہ سے ہیں کہ لوگوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین تسلیم نہیں کیا۔ جس کے رحم نے تقاضا کرتے ہوئے اپنے بروز کے ذریعہ نشانات رحمت دکھائے۔ اور چاہا کہ لوگ اپنے مالک حقیقی کی شناخت کر لیں مگر لوگوں نے ان نشانات خداوندی کی تکذیب کی تو خدا نے بھی ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عذابوں کے نزول کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اور ان کو جتلا دیا کہ یہ دنیا در اصل آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے ہی بالکل فنا ہونے کو تھی۔ مگر بباعث برکت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو شناخت نہ کیا اور حقیقی توحید لوگوں میں قائم نہ ہوئی تو کلی فنا یعنی قیامت سر پر کھڑی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لوگوں کی حالت کو دیکھتے ہوئے کہ وہ کس طرح دنیا پر مردہ خوار جانوروں کی طرح گرے ہوئے ہیں۔ بار بار توجہ دلائی کہ حالات بہت نازک ہیں توبہ کرو، توبہ کرو، تا تم پر رحم کیا جائے اور فرمایا کہ اس وقت نجات اس ہی سے وابستہ ہے۔

خدا نے مجھے اسلام کی صداقت تمام دنیا پر ظاہر کرنے کے لئے زبردست نشانوں کے ساتھ بھیجا ہے۔ آؤ! میرے پیچھے آ جاؤ۔ تم اس خدا کا چہرہ دیکھ سکو جس کا چہرہ آج سے تیرہ سو سال پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دکھلایا تھا مگر دنیا نے انحراف کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام اور وحی کے ذریعہ بتا دیا کہ دنیا اب قیامت کا منہ دیکھے گی۔

چنانچہ آپ نے 1907ء میں اپنی کتاب حقیقۃ الوحی صفحہ 256 میں تحریر فرمایا ہے۔

"یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے۔ پس یقیناً سمجھو جیسا کہ پیش گوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے ایسا ہی یورپ میں بھی آئے اور نیز ایشیا کے مختلف مقامات میں آئیں گے اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہوں گے اور اس قدر موت ہو گی کہ خون کی نہریں چلیں گی اور اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہوں گے اور زمین پر اس قدر سخت تباہی آئے گی کہ اس روز سے انسان پیدا ہوا ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہو گی اور اکثر مقامات زیر وزبر ہو جائیں گے کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی اور اس کے ساتھ اور بھی آفات زمین و آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہوں گی۔ یہاں تک کہ ہر ایک عقل مند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائیں گی اور ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں کے کسی صفحہ میں ان کا پتہ نہیں ملے گا تب انسانوں میں اضطراب پیدا ہو گا کہ یہ کیا ہونے والا ہے اور اب بہتیرے نجات پائیں گے اور بہتیرے ہلاک ہو جائیں گے وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہوں گی کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے یہ اس لئے کہ نوع انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دنیا پر گر گئے ہیں اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے۔

اور توبہ کرنے والے امان پائیں گے اور وہ جو بلا سے پہلے ڈرتے ہیں ان پر رحم کیا جائے گا کیا تم خیال کرتے ہوئے کہ تم ان زلزلوں سے امن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تیئں بچا سکتے ہو؟ ہر گز نہیں۔ انسانی کاموں کا اس دن خاتمہ ہو گا۔ یہ مت خیال کرو کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک ان سے محفوظ ہے میں تو دیکھتا ہوں کہ شائد ان سے زیادہ مصیبت کا منہ دیکھو گے۔

اے یورپ! تو بھی امن میں نہیں، اور اے ایشیا! تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوئی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا۔ مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا جس کے کان سننے کے ہوں سنے کہ وہ وقت دور نہیں میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کر دوں۔ پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوئے۔

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لو گے مگر خدا غضب میں دھیما ہے توبہ کرو، تا ہم پر رحم کیا جائے جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ مردہ ہے نہ کہ زندہ۔"

(روحانی خزائن جلد 22)

الغرض مندرجہ بالا پیش گوئی سے کلی طور پر ظاہر ہے کہ یہ در اصل دنیا اپنے مبتلائے فسق وفجور اور خدا شناسی سے دور ہو جانے، اپنے خود تراشیدہ وخیالی بتوں کو خدا بنانے کی وجہ سے متقاضی چلی آتی تھی کہ کلی طور پر فنا کر دی جائے۔

مگر ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود دنیا کے لئے رحمت بنا اور خدا تحمید وتقدیس اس کے ذریعہ سے قائم ہوئی اور ایک لمبے عرصہ تک فنا ہونے سے بچ گئی۔ لیکن جب دنیا نے خدا کو اور اس کے پیارے رسول کو چھوڑ دیا اور آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن کریم کی روگردانی کی تو خدا نے بھی ان کو چھوڑ دیا اور آج دنیا قیامت خیز حالات میں سے گزر رہی ہے اور ابھی ان عذابوں کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ خدا جانے وہ اور کیا دیکھے گی۔

میں آخر پر خیر خواہی کی نیت سے مختصراً لکھتا ہوں کہ دنیا نے اس پاک وجود کی جو رحمۃ للعالمین بن کر دنیا کا شفیع بنا اور جس نے قیامت کو واقع ہونے سے روک دیا تھا طرح طرح کی گستاخی کی ہے۔

(1) عیسائیوں نے یسوع مسیح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے افضل قرار دیا کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ اور اپنے پیارے باپ کے پاس آسمان پر بیٹھا ہے۔ اس عقیدہ کی تائید مسلمانوں نے بھی یوں کی کہ یہ اعتقاد ظاہر کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نے زندہ آسمان پر اٹھایا ہوا ہے اور وہ آسمان سے اس وقت نازل ہوں گے جب امت محمدیہ روحانی اور جسمانی طور پر کمزور ہو جائے گی اور عیسیٰ علیہ السلام رحم کھا کر بجائے عیسائیوں کی مدد کرنے کے مسلمانوں کی مدد کریں گے کہ یہ روحانی اور جسمانی طور پر کمزور ہیں۔

(2) یورپ کی دنیوی ترقی سے متاثر ہو کر ایک اسلامی ملک نے عربی رسم الخط کو ہی اڑا دیا۔ اول تو نماز ہی ترک کر دی۔

(3) اسلامی پردہ کو جو شرم وحیاء اور روحانیت پیدا کرنے کا زینہ تھا چاک کر ڈالا۔

ہندوؤں نے یا روح اور مادہ کی خدا کے برابر ماننے والے آریوں کے بعض لیڈروں نے اسلام پر اور بانی اسلام پر اس قدر بے جا حملے کئے کہ دنیا کا مصلح قرار دے دیا۔ اور بعض نے جب رسول اللہ صلی علیہ والہ وسلم سے بھی (نعوذ باللہ) افضل قرار دے دیا۔

غرض یہ نقص تھا جو دنیا کے اندر رچا ہوا تھا، اور تقاضا کر رہا تھا کہ دنیا کلی طور پر فنا کر دی جائے مگر رحمت العالمین کی روح جوش میں آئی اور اپنے بروز کی بعثت کا موجب بنی جو کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود میں ظاہر ہوا۔ جس نے پھر کوشش کی کہ دنیا اپنے رب حقیقی کی سچی شناخت کرے اور اس کی پرستش میں لگ جائے۔ مگر افسوس مادہ پرستی کی انتہائی محویت سے لوگوں کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا اور دنیا حمد وثناء باری تعالیٰ میں اس طرح مشغول نہ ہو سکی جس طرح رحمۃ للعالمین کے وقت میں ہوگی اور فنا سے بچ گئی تھی پس تقدیر کا نوشتہ ان کے سامنے آگیا اور آتا چلا جائے گا۔ یا تو دنیا توبہ کر کے اپنے حقیقی مالک اور خالق کے آستانہ پر گر جائے گی یا پھر فنا ہو جائے گی۔ رب ارحم یا ارحم الراحمین

❁❁❁

اَنَاالۡمَسِیۡحُ الۡمَوۡعُوۡدُ مَثِیۡلُہٗ وَخَلِیۡفَتُہٗ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 28 جنوری 1944 ء کے مبارک جمعہ کے خطبہ میں اپنی ایک عظیم الشان رؤیاء بیان فرمائی جو یکم فروری کے الفضل میں شائع ہو چکی ہے رؤیاء بہت لمبی ہے اس کے دوران میں حضور کی زبان پر عربی میں الہام جاری ہوا جس کا ذکر کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں۔

”جس وقت میں یہ تقریر کر رہا ہوں (جو خود الہامی ہے) یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ والہ وسلم کے ذکر کے وقت اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی علیہ والہ وسلم کو میری زبان سے بولنے کی توفیق دی ہے اور آپ فرماتے ہیں۔ اَنَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہ۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے ذکر میں ایسا ہی ہوتا ہے اور آپ فرماتے ہیں وَاَنَاالۡمَسِیۡحُ الۡمَوۡعُوۡدُ مَثِیۡلُہٗ وَخَلِیۡفَتُہٗ۔ اور میں بھی مسیح موعود ہوں لیکن اس کا مثیل اور اس کا خلیفہ ہوں۔ تب خواب میں ہی مجھ پر ایک رعشہ کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ میری زبان پر کیا جاری ہوا اور اس کا کیا مطلب ہے کہ میں مسیح موعود ہوں اس وقت معاً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس کے آگے جو الفاظ ہیں کہ مَثِیۡلُہٗ کہ میں اس کا نظیر ہوں۔ وَخَلِیۡفَتُہٗ اور اس کا خلیفہ ہوں یہ الفاظ اس سوال کو حل کر دیتے ہیں۔

عاجز راقم عرض کرتا ہے یہ درست ہے۔ حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا الہام مَثِیۡلُہٗ کے معنی بیان کرتا ہے لیکن یہ بات تو حضور کے خصائل طیبہ اور اعمال صالحہ سے آج سے تیس سال پہلے سے جب حضور تائید الٰہی سے خلیفہ ہوئے ہیں ظاہر ہو رہی ہے۔ پھر یہ کیا ہے کہ آج نئے سرے سے انا المسیح الموعود کے الفاظ حضور کی زبان مبارک پر جاری کئے گئے اور یہ رعشہ براندام کیوں ہوا۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم سے کوئی خاص روحانی تغیر حضور کے اندر ہوا ہے اس لئے یہ کیفیت پیدا ہوئی۔ اور شکر مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے خلیفہ برحق ہونے کی صورت میں اعمال حسنہ کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے المسیح الموعود کا خطاب عطا فرمایا اور اس بات کا اظہار فرمایا ہے کہ حضور کے کام وہی ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تھے۔ گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام حضور کے وجود کے اندر زندہ ہو کر کام کر رہے ہیں اور مَثِیۡلُہٗ کے لفظ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ خود مسیح موعود تو دوبارہ دنیا میں نہیں آسکے ان کا مثیل یعنی شبیہ حضور کو قرار دیا ہے کہ میرے نزدیک کیفیت کو واضح کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی مندرجہ ذیل کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام آئینہ کمالات اسلام میں فرماتے ہیں۔

”میرے پر کشفاً ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہرناک ہوا جو عیسائی قوم سے دنیا میں پھیل گئی۔ حضرت عیسیٰ کو اس کی خبر دی گئی تب ان کی روح روحانی نزول کے لئے حرکت میں آگئی اور اس نے جوش میں آکر اور اپنی امت کی ہلاکت کی مفسدہ بردار پا کر زمین پر اپنا قائمقام اور شبیہ چاہا جو اس کا ہم طبع ہو کر گویا وہی ہے سو اس کو خدا تعالیٰ نے وعدہ کے موافق ایک شبیہ عطا کیا۔

اور اس میں مسیح کی ہمت سیرت اور روحانیت نازل ہوئی اور اس میں اور مسیح میں بشدت اتصال کیا گیا گویا وہ ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے بنائے گئے ہیں اور مسیح کی توجہات نے اس کے دل کو اپنا قرار گاہ بنایا اور اس میں ہو کر اپنا تقاضا پورا کرنا چاہا پس ان معنوں سے اس کا وجود ٹھہرا اور کے پر جوش ارادات اس میں نازل ہوئے جن کا نزول الہامی استعارات میں مسیح کا نزول قرار دیا گیا۔"

خَلِیْفَة کا لفظ میرے نزدیک یہ بات واضح کر رہا ہے کہ حضور والا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل متبع اور آپ کے سچے جانشین ہیں میں نے جو مندرجہ بالا تشریح کی ہے اس لئے نہیں کہ میرے سامنے کوئی علمی مشغلہ ہے اور نہ مجھے اس کا حق ہے کیونکہ میں کوئی عالم نہیں ہوں۔ بلکہ اس لئے کہ اس کی بنیاد میں ایک الٰہی شہادت ہے اور وہ اس طرح پر کہ 1930ء کا واقعہ ہے ماہ رمضان کی بارہویں تاریخ کو میں بعد نماز فجر سویا ہوا تھا۔ میں نے رؤیاء میں دیکھا کہ اس بات کی منادی ہوئی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس تشریف لا رہے ہیں۔ (یعنی زندہ ہو کر واپس آرہے ہیں) اس منادی کی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور عاجز راقم استقبال کے لئے مسجد مبارک کے چوک میں پہنچے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بجز ہم دونوں کے اور کوئی نہیں۔ اسی اثناء میں نظر آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جانب شمال سے تشریف لا رہے ہیں اور حضور کے چہرے پر سفید نقاب ہے جب حضور اس مقام پر پہنچے تو حضور نے چہرہ مبارک پر سے نقاب اٹھا دیا۔ اس وقت حضور کا چہرہ مبارک ایسا منور نظر آیا جس کی مثال بیان نہیں کی جا سکتی۔ تھوڑے توقف کے بعد پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے حضور سے مصافحہ کیا۔ پھر اس عاجز نے کیا۔ حضور پر نور نے میرے ہاتھ کو کچھ دیر تک ہاتھ میں تھامے رکھا اسی اثناء میں مجھے کچھ معلوم ہونے لگا کہ حضور کی شکل حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی سی ہو رہی ہے اور ساتھ ہی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب لاہور میں تھے وہ تندرست ہو کر آئے ہیں مگر یہ خیال زیادہ غالب نہ ہوا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس رویاء میں کچھ تعلق لاہور کا پایا جاتا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو بھی اَنَا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ کا الہام لاہور میں ہوا ہے گویا لاہور سے مسیح موعود آرہے ہیں اس رؤیاء کے وقت میری خوشی کی کوئی حد انتہا نہ تھی میرا جسم اس وقت خوشی کی وجہ سے چارپائی پر اچھل رہا تھا گویا چارپائی سے گرنے کو تھا۔ اس وقت کی خوشی کا اندازہ بجز اس مثال کے نہیں لگایا جا سکتا کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت غم واندوہ پہنچا تھا اور جو شدت اس کی تھی اس کے مقابل کی اس وقت خوشی معلوم ہوتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے دن عاجز راقم لاہور میں تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ حضور کی وفات کا صدمہ اس قدر شائد ہی کسی کو پہنچا ہو جس قدر اس عاجز کو۔ میرے خیال کو ہر کوئی سمجھے گا جب کہ میری اس وقت کی حالت سامنے رکھے گا۔ میں اس وقت ایک نہایت مسکین طالب علم

تھا جس کا لاہور جیسے شہر میں کوئی واقف نہ تھا رات کے بسیرے تک کے لئے جگہ نہ رکھتا۔ گھر (پٹیالہ) سے آئے چند ہفتے گزرے تھے میں اپنے گھر سے اپنے دل کے تین زخم لے کر آیا تھا۔ یعنی مئی 1907ء میں میری پہلی بیوی فوت ہو کر میرے دل کو غم آلود بنا گئی۔ اگست 1907ء میں والد صاحب فوت ہو کر میرے دل کو غم آلود بنا گئے۔ اگست 1907ء میں والد صاحب فوت ہو کر جدائی کا غم اور بے کسی کے حالات چھوڑ گئے۔ شروع اپریل 1908ء میں میری والدہ فوت ہو گئی تھی۔ میں غم زدہ تھا بے کس تھا جسم کے لحاظ سے نہایت کمزور تھا۔ جبکہ سب سے بڑے صدمہ کا شکار ہوا۔ یعنی ماں باپ سے پیارے کی جدائی 26/ مئی 1908ء کو دیکھنا نصیب ہوئی۔ ایسی حالت میں یہ صدمہ نہایت شدید تھا ایسے صدمہ خوردہ کو اگر یہ خوش خبری مل جائے کہ اس کی گم شدہ محبوب چیز اسے واپس مل رہی ہے تو اس کل خوشی کا کیا اندازہ لگ سکتا ہے۔

میں نے یہ رؤیا دیکھی اور خدا گواہ ہے کہ دیکھی اور قدرت کے ہاتھوں نے مجھ سے اسے لکھوا دیا۔ اور وہ 11 ستمبر 1940ء کے "الفضل" میں زیر عنوان "حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی بیعت حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم نے کس طرح کی" شائع ہو چکی ہے۔ اسی بناء پر میں حق رکھتا ہوں کہ عرض کروں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا دوبارہ آنا برحق۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا رعشہ براندام ہونا برحق۔ اور حضور کا اَنَاالْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ کہنا برحق۔ کیونکہ زندہ ہونے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام 1930ء میں حضور ہی سے تو ملاقات ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مسیح کا عاشق صادق اپنی فرزانگی چھوڑ کر دیوانہ وار خطبہ کے دوران میں ہی آمنا وصدقنا پکار اٹھا۔ کہ ایسا ہونا مقدر تھا کیونکہ اللہ جل شانہ نے خود پیارے مسیح کو اس بات کی خبر دی تھی چنانچہ حضور فرماتے ہیں۔

"خدا تعالیٰ نے مجھے بشارت دی کہ موت کے بعد میں پھر تجھے حیات بخشوں گا اور فرمایا کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کے مقرب ہیں وہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں۔"

اور پھر فرمایا۔

"اور میں چمکار دکھلاؤں گا اور اپنی قدرت نمائی سے تجھے اٹھاؤں گا پس میری دوبارہ زندگی سے مراد بھی میرے مقاصد کی زندگی ہے۔"

(فتح اسلام حاشیہ صفحہ 30)

پس حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا وجود لائق صد ستائش ہے کہ وہ پیارے مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو دوبارہ دنیا میں لانے کا موجب بنا اور یہ عاجز اپنے پیارے مولا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اس عاجز کو آج سے چودہ سال پہلے حضور کا مسیح موعود ہونا دکھا دیا۔ آج تو کیا اگر آج سے چودہ سال پہلے حضور اَنَاالْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ کہتے تو عاجز اس وقت اس کی تصدیق کے لئے خدا کے فضل سے کھڑا ہو جاتا۔

اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے پھر کیوں آج سے چودہ سال پہلے اعلان نہ کرا دیا۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ انہی دنوں ایک فتنہ برپا ہوا جو مستریوں کا فتنہ کہلاتا ہے اس کے کچھ دن بعد احرار کا فتنہ برپا ہوا۔ پھر فتنہ مصری برپا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو ان ابتلاؤں میں سے گزار کر اس کے اخلاص کو مضبوط فرمایا۔ پھر تحریک جدید کی الہامی تحریک نے قلوب میں اور مضبوطی پیدا کر دی۔ نیز اس عرصہ میں بہت سی سچی خوابیں حضور نے بیان کی جس میں بڑی بڑی غیب گوئیاں تھیں۔ اور وہ پوری ہوئیں پھر ایک بار بر سر منبر حضور نے فرمایا کہ میں احرار کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ امریکہ سے 2800 جہاز کا برٹش گورنمنٹ کو ملنے کا واقعہ جماعت میں خوب مشہور ہو چکا ہے۔ یہ رؤیا حضور کی مہینے پہلے احباب کو سنا دیتے ہیں۔ اس طرح پر لوگوں میں مشہور ہو جاتی ہے۔ پھر الٰہی تصرف کے ماتحت امریکہ برٹش گورنمنٹ کو ہوائی جہاز دیتا ہے اور پورے 2800 نہ ایک کم نہ ایک زیادہ۔

جو اپنی رؤیاء میں نے اوپر بیان کی ہے اس کے تعلق خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے 1930ء کے رمضان کی بارہ تاریخ بھی تھی۔ اور اس وقت سے ہی میرے قرآن کریم کی جلد میں خالی ورقوں میں سے ایک صفحے پر لکھی ہوئی موجود ہے۔ جس کا جی چاہے دیکھ لے میں یہ بھی قسم کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس کے دیکھنے کے وقت میرے دل اور جسم کی حالت وہی تھی جو کہ بیان ہوئی ہے کوئی انسانی منصوبہ ایسی رؤیاء چودہ سال پہلے نہیں بنا سکتا اور پھر کوئی شخص امیدی بناوٹی چیز کو قریباً چار سال پہلے شائع نہیں کر سکتا۔

پھر عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ رؤیاء ایسے شخص کو دکھاتا ہے جو کہ 1924ء کے سفر ولایت میں حضور کے ہمراہ تھا اور دمشق کے سفر میں بھی حضور کے ہمراہ تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی پیشگوئی (کہ مسیح موعود خود یا اس کا کوئی خلیفہ دمشق کا سفر کرے گا) کے پورا ہونے کا گواہ بنا تھا اور پھر عجیب بات ہے کہ جیسا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیشگوئی تھی کہ مسیح کا نزول دمشق کے منارۃ البیضاء کے قریب ہو گا۔ اور دو فرشتوں کے کندھوں پر ہو گا۔ اس کے پورے ہونے کے وقت دو خادموں میں سے ایک خادم یہ عاجز بھی تھا۔ یعنی ایک تو مکرم خان صاحب ذوالفقار علی خان صاحب تھے دوسرا یہ عاجز۔ یہ کسی کے بس کی بات نہ تھی کہ جس روز مینارۃ البیضاء دمشق کے قریب نزول کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو شرح صدر ہوا کہ ہمارے اس دمشق کے سفر سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیشگوئی کے مسیح موعود دو فرشتوں کے کندھوں پر منارۃ البیضاء دمشق کے قریب نازل ہو گا پوری ہوئی۔ حضور کے ہمراہ بارہ خدام میں سے صرف مندرجہ بالا دو خدام ساتھ تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ نماز فجر ادا کرنے کے بعد حضرت صاحب مصلے پر بیٹھے ہوئے تھے اور صرف ہم دونوں حضور کے سامنے جاء نماز پر بیٹھے تھے کیونکہ ہوٹل کے جس کمرہ میں نماز ادا کی گئی تھی اس میں ہم دونوں ہی ٹھہرے ہوئے تھے تیسرا کوئی نہ تھا۔ پس جہاں اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو ساڑھے تیرہ سو

سال کی پیشگوئی کے پورا ہونے میں شریک رکھا۔ وہاں حضور کے مسیح موعود ہونے کا گواہ بننے کا بھی فخر بخشا۔ ذالك فضل الله یؤتیہ من یشاء

میرے نزدیک یہ تمام کام منشاء الٰہی کے ماتحت ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

میرے نزدیک حضرت خلیفۃ المسیح کے مسیح ہونے کا وہی وقت تھا جب کہ 1930ء میں عاجز راقم نے یہ رؤیاء صادقہ دیکھی اس وقت حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کی عمر چالیس سے کچھ اوپر تھی یعنی روحانی بلوغت کو پہنچ چکی تھی۔

دوسرا ثبوت اس امر کا یہ ہے کہ رویائے صادقہ دیکھنے کے کچھ دنوں بعد جب حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کو سنائی تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ

”ڈاکٹر صاحب! میرے لئے بھی دعا کرو۔ کہ میں بھی انسانوں میں داخل ہو جاؤں۔ چنانچہ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت مرزا صاحب نے بیعت کر لی۔“

(دیکھو الفضل 11/دسمبر 1940ء)

میرے نزدیک یہ ایک واضح ثبوت ہے اس امر کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ المسیح الموعود ہو چکے اور اپنے والد کے رنگ میں رنگین ہو چکے تھے۔ تب ہی تو بڑے بھائی نے ہاتھ پر بکنا منظور کر لیا۔ جب کہ اُن میں اپنے والد کی شکل نظر آئی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

خاکسار حشمت اللہ

(الفضل 06/اپریل 1944ء صفحہ 3-4 جلد 32 شمارہ نمبر 81)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خدام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص سلوک ایک نشان کے پورا ہونے کی گواہی

خاکسار ڈاکٹر حشمت اللہ پٹیالوی حال طبی خادم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ 1907ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر قادیان میں حاضر ہوا تھا۔ ان دنوں یہ عاجز جماعت احمدیہ پٹیالہ کا سیکرٹری تھا۔ جلسہ کے آخری دن صدر انجمن احمدیہ کے سیکرٹری صاحب کی جانب سے اعلان ہوا کہ آج بعد نماز مغرب و عشاء صدر انجمن احمدیہ کا جنرل اجلاس ہو گا جس میں بیرونجات کی انجمنوں کے پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کی شمولیت لازمی ہے۔ اجلاس مسجد مبارک میں ہو گا۔

خاکسار اس اعلان کے بعد نماز مغرب و عشاء کے ختم ہونے پر مسجد میں حاضر ہوا۔ باوجود یہ کہ سخت بھوکا تھا کیونکہ صبح آٹھ بجے کا کھانا کھایا ہوا تھا۔ مگر غیر حاضری کے خوف سے مسجد چھوڑ کر کھانا کھانے نہ گیا مگر میں نے دیکھا کہ تمام مسجد خالی ہو گئی ہے میں نے خیال کیا کہ دوسری انجمنوں کے عہدیداران اور اراکین صدر انجمن ابھی تشریف لے آئیں گے اور اجلاس کی کارروائی شروع ہو جائے گی مگر میرا خیال پورا نہ ہوا۔ جلد تو کیا کافی دیر گزرنے پر بھی کوئی نہ آیا میں حیران سا ہو گیا۔ ایک طرف بھوک ستا رہی تھی دوسری طرف غیر حاضری کا ڈر۔ اسی حالت میں تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ تب اراکین مجلس تشریف لائے اور اجلاس شروع ہوا اور پونے بارہ بجے ختم ہوا۔ اور میں مسجد سے اتر کر لنگر خانہ کی طرف گیا جسے بند پایا۔ تب میں اسی حالت میں اپنی قیام گاہ میں گیا اور لیٹنے کو تھا کہ کمرہ کے دروازہ پر کسی صاحب نے دستک دے کر کہا۔ جس بھائی نے کھانا نہیں کھایا۔ وہ لنگر خانہ میں پہنچ کر کھانا کھالے لنگر خانہ دوبارہ کھولا گیا ہے چنانچہ میں گیا اور جو کچھ کھانے کو ملا شکر کے ساتھ کھالیا۔ اس وقت میرے سوا غالباً دو بھائی اور تھے جن سے میں شناسا نہ تھا اور روشنی بھی مدھم تھی اس لئے میں معلوم نہ کر سکا کہ وہ کون اصحاب تھے۔

اگلی صبح کے نو بجے کے قریب معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اندرون خانہ سے سیر وغیرہ کے لئے باہر تشریف لائے ہیں اور دیکھا کہ حضور مسجد مبارک کے چھوٹے زینہ کی چوکھٹ پر گلی کے رخ کھڑے ہیں اور مہمان اور کچھ مقامی احباب سامنے گلی میں کھڑے ہوئے ہیں اس وقت حضور علیہ السلام نے فرمایا مولوی صاحب کو بلائیں۔ جب حضرت مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے حاضر ہو گئے تو فرماتے ہیں۔

"معلوم ہوتا ہے آج رات کے کھانے کا انتظام اچھا نہ تھا کہ بعض مہمانوں کو کھانا نہیں ملا کسی کی بھوک عرش تک پہنچی ہے اور مجھے دس بجے کے قریب بشدت الہام کیا گیا۔ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرّ (اے نبی بھوکے اور بے حال کو کھانا کھلاؤ) سو میں نے اسی وقت باہر کہلا بھیجا تھا کہ جن مہمانوں کو کھانا نہیں ملا ان کو کھانا کھلایا جائے۔"

یہ عاجز بھی حضور کے سامنے اس وقت موجود تھا جبکہ حضور حضرت مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو رہے تھے۔ اور میں دل میں خوش ہو رہا تھا کہ رات میرے خدا نے مجھے کھانا کھلوایا ہے۔

میرے اس بیان کی مصدق تحریر ذیل میں لکھی جاتی ہے جو کہ مکرم شیخ عبد الحق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابق معاون ناظر ضیافت نے مورخہ 30/مارچ 1907ء کو لکھ کر دی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مکرمی معظمی جناب حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب سلمہ اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

1907ء کے جلسہ پر کچھ دوست ایک رات بھوکے رہے۔ $10\frac{1}{2}$ (ساڑھے دس) بجے کے قریب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہام ہوا اَیُّھَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَ الْمُعْتَرَ رات کو ہی آدمی تلاش کرنے لگے اور جو رات کھانا کھائے بغیر سو گئے تھے ان کو جگا کر کھانا کھلایا گیا۔ صبح حضور مسجد مبارک کی پرانی سیڑھیوں پر تشریف لائے اور سیڑھیوں کے اس دروازہ پر جو نیچے کوچہ میں کھلتا تھا۔ تشریف فرما ہوئے میں بھی اس طرف آرہا تھا چند اور آدمی بھی آ گئے۔ حضور نے فرمایا مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اول) کو بلاؤ۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اوّل تشریف لائے تو حضرت نے مخاطب ہو کر فرمایا۔ مولوی صاحب! رات کو جو الہام ہوا وہ بہت زور اور شدت اپنے اندر رکھتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دوستوں کا اضطراب اتنی جلدی عرش پر پہنچ گیا اور عرش کو ہلا دیا کہ فوراً ہی الہام کے ذریعہ ان کو کھانا کھلانے کی اطلاع پہنچی۔

والسلام

عبدالحق احمد سابق معاون ناظر ضیافت

30/مارچ 1958ء

گویہ الہام اسی رات پورا ہو گیا تھا کہ جس رات حضور کے ارشاد کے ماتحت دوبارہ لنگر کھول کر بعض احباب کو رات کے بارہ بجے کھانا کھلا دیا گیا تھا ہو سکتا تھا کہ الہام کی وجہ سے جب دوبار لنگر خانہ کھولا گیا تھا تو کوئی ایسا شخص ہی نہ ملتا جس نے کھانا نہیں کھایا تھا مگر دو تین ایسے آدمیوں کا پایا جانا جنہوں نے کھانا نہ کھایا تھا اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ الہام خدا کے سچے نبی کو خدائے علیم وبصیر کی جانب سے کیا گیا تھا اس لئے بے کھانا کھائے مہمان کا نہ ملنا ناممکن تھا۔ چنانچہ الہام کی بنا پر بھوکے مہمانوں کی تلاش پر دو تین مہمان ضرور ملے جنہوں نے اس الہام کے ماتحت رات کے بارہ بجے کھانا کھایا۔ پھر جہاں الہام کی تعمیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرما دی وہاں اس بات کی تصدیق بھی ہو گئی کہ بشدت الہام کئے جانے کی وجہ ضرور موجود تھی اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے اور پھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خدا کی راہ میں بھوک برداشت کرنے والوں کی سیری کا انتظام خدا خود فرماتا ہے۔

لیکن حضور کا یہ فرمانا کہ کسی کی بھوک عرش تک پہنچی ہے جس نے اسے ہلایا ہے ظاہر کرتا ہے کہ کس خاص شخص کی بھوک ہے جس کا یہ کرشمہ ہے۔ پس اس جگہ میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ

(1) میں اس رات سخت بھوکا تھا کہ آٹھ بجے صبح کا کھانا کھایا ہوا تھا پھر دن میں کچھ میسر نہ آیا تھا اور عمر نوجوانی کی تھی۔

(2) بھوک کی یہ تکلیف مجھے سلسلہ کے کام کی وجہ سے برداشت کرنا پڑی تھی کہ صدر انجمن کے اجلاس میں شمولیت کا سوال تھا۔

(3) میں اپنی ناداری اور جسمانی کمزوری اور کمزوری طبع کے باعث اس وقت نہایت قابل رحم تھا پس ان حالات میں میرا یقین ہے کہ وہ میری ہی بھوک تھی جس نے عرش کو ہلایا اور میرے نزدیک بعد کے واقعات سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔

بعد کے حالات

جلسہ ختم ہونے پر خاکسار پٹیالہ آ گیا اور فکر روزگار میں مبتلا ہو گیا کیونکہ تاحال میرا کوئی مستقل روزگار نہ تھا اور والد صاحب کو فوت ہوئے چار ماہ گزر چکے تھے۔ گویا لفظ مُعْتَرّ مجھ پر پورا صادق آتا تھا۔ ایسے حال میں باوجود یہ کہ مجھے ملازمت پسند تھی (مجھے ملازمت پسند نہ تھی اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہمارے مکرم بھائی بابو عبد الحمید صاحب سیالکوٹی نے جو ان دنوں اکونٹنٹ جنرل پٹیالہ کے محکمہ میں ممتاز عہدے پر تھے مجھے ازراہ ہمدردی کہا تھا میں آپ کو اپنے محکمہ میں ملازمت دلوا دوں؟ جس پر میں نے جواباً کہہ دیا تھا آپ کے محکمہ میں ونٹر سیزن (موسم سرما) میں دفتر دس بجے سے چار بجے تک لگنے کی وجہ سے جمعہ کی نماز کے لئے وقت نہیں ملتا اور میں نماز جمعہ کو چھوڑ نہیں سکتا) پھر بھی مجبوراً میں نے محکمہ تعلیم میں ملازمت کی درخواست دے دی لیکن محکمہ نے التفات نہ کی۔ میں زیادہ پریشان حال ہو گیا اور کمزور بھی ہو گیا۔ میرے اس حال کو دیکھتے ہوئے میرے محترم بزرگ شیخ عبد اللہ صاحب مرحوم نے میرے لئے ایک اسامی فوجی کمپنی کی اکونٹنٹی کی تلاش کی اور مجھ سے پوچھا کہ اگر تم اس جگہ ملازم ہونا چاہو تو میں تمہارے لئے کوشش کر دوں کیونکہ یہ اسامی کرنل محمد رمضان کے ہاتھ میں ہے جو میرا لحاظ کرے گا۔ میں نے جواباً کہا کہ میں تو حاجت مند ہوں اگر ملازمت مل جائے تو غنیمت ہے اس پر آں مرحوم کرنل سے ملے۔ مگر کرنل نے یہ کہہ کر کہ جس لڑکے کی سفارش آپ کر رہے ہیں وہ تو "مرزائی" ہے ملازمت دینے سے انکار کر دیا۔ شیخ صاحب مرحوم نے اگلے روز مجھ سے تمام حال بیان کر کے کہا کہ کل میں تمہیں ساتھ لے جا کر کرنل کو ملوں گا۔ سو اگر کرنل مرزائی وغیرہ کا سوال کرے تو تم خاموش ہو جانا میں خود ہی جواب دے لوں گا جس سے آں محترم کی مراد یہ معلوم ہوتی تھی کہ میں اپنی احمدیت کو چھپا لوں۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ جناب عالی! یہ ملازمت تو صرف تیس پینتیس روپے ماہوار کی ہے۔ میں تو اگر ہزار روپے ماہوار کی بھی ہو تب بھی اسے قبول نہ کروں کہ مجھے اپنی احمدیت چھپانی پڑے۔ اس پر آں محترم خاموش ہو گئے۔

اتفاق سے اسی روز حضرت مولوی عبد القادر صاحب لدھیانہ سے پٹیالہ تشریف لے آئے۔ انہیں کرنل صاحب کے ہاں ملازمت کا معلوم ہو گیا تب انہوں نے مجھے ساتھ لے کر کرنل سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا میں نے کہا کہ جس شخص نے پہلے ہی بربنائے احمدیت مجھے ملازمت دینے سے انکار کر دیا ہے اسے دوبارہ ملنے سے کیا بنے گا۔ مگر حضرت مولوی صاحب باصرار اگلے روز شام کے وقت مجھے کرنل کی کوٹھی واقعہ چھاؤنی پٹیالہ لے گئے۔ ہم ابھی کوٹھی کے احاطہ کے گیٹ میں داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ صحن میں کھڑے کرنل نے کافی فاصلہ سے ہمیں دیکھتے ہی بلند آواز سے یوں کہنا شروع کر دیا۔ مولانا! ایتھے کوئی نوکری نہیں۔ ایتھے کوئی نوکری نہیں۔ بایں ہمہ حضرت مولوی صاحب مجھے ساتھ لئے کرنل کے قریب پہنچ ہی گئے تب کرنل نے حاکمانہ لہجہ میں کہا۔ مولانا میں نے کہا ہے یہاں کوئی نوکری نہیں جو نوکری تھی وہ کل ایک سکھ لڑکے کو دے دی ہے۔

اس پر حضرت مولوی صاحب واپس آ گئے مگر میرا دل کرنل کی درشت کلامی اور برے سلوک سے کہ مجھے ردّ کر کے ایک سکھ لڑکے کو ملازمت دے دی سخت آزردہ ہو گیا۔

ہم مغرب کی نماز کے وقت اپنی مسجد میں واپس پہنچ گئے اور نماز ادا کی جب فرضوں کے بعد کی سنتیں ادا کر رہا تھا تو میرا دل جوش دعا سے بھر گیا اور نہایت عاجزی سے اپنے رب محسن کے حضور التجا کی کہ مجھے رزق دے اور ایسا رزق دے کہ میں کرنل جیسے لوگوں کا محتاج نہ ہوں۔

اگلے روز میں اپنی دکان کھولے بیٹھا تھا گاہک کوئی نہ تھا کہ مال نہ تھا ایسے حال (خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل سے مجھے ناداری کی حالت کے باوجود اس بات کی توفیق دی کہ اپنی دکان سے عمدہ چیزوں کا تحفہ (جن میں ایک عمدہ ترکی ٹوپی بھی تھی) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں بذریعہ ڈاک بھیج دی۔ فالحمد للہ علی ذالك) میں میرا ایک سکول فیلو سامنے سے میرے پاس آن بیٹھ گیا اور کہنے لگا "یار تیری! دکان پر چیزیں تو ہیں نہیں اس لئے گاہک بھی نہیں آتے تم کماتے کیا ہو اور کھاتے کہاں سے ہو؟" اس پر میں نے کہا! بھئی میں کروں تو کیا کروں جب میرے پاس روپیہ ہی نہیں تو دکان کے لئے بکری کا سامان کس طرح مہیا کروں۔ میں نے ایک دو جگہ ملازمت کی کوشش بھی کی تھی مگر مجھے ملازمت کسی نے دی نہیں۔ اس پر وہ سکول فیلو جس کا نام مادھو رام تھا بولا۔ بھئی تم میٹرک پاس ہو (ان دنوں میٹرک پاس لوگوں کی بہت قدر تھی) کیوں میڈیکل سکول لاہور میں داخل نہیں ہو جاتے؟ میں نے کہا! بھئی جس حال میں کہ میرے کھانے پینے کا سامان بھی مہیا نہیں ہو سکتا تعلیم کے لئے اور وہ بھی لاہور جا کر خرچ کہاں سے لاؤں؟ اگر مجھے وسعت حاصل ہوتی تو میں اپنے شہر کے کالج میں ہی کیوں تعلیم حاصل نہ کرتا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ "بھئی میڈیکل سکول کی تعلیم کے لئے ریاست کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے۔" میں نے کہا مجھے وظیفہ کس نے دینا ہے جسے معمولی ملازمت بھی نہ ملی۔ اس پر اس نے کہا کہ میرے محلہ میں میڈیکل ڈپارٹمنٹ کا سکینڈ کلرک لالہ مولک رام رہتا ہے میں اسے کہوں گا کہ تمہیں وظیفہ دلوا دے۔ میں نے کہا کہدو۔ تب اس نیک لڑکے نے اسی شام کلرک صاحب کو کہا۔ اس نیک دل کلرک نے میری درخواست چیف میڈیکل آفیسر کو پیش کر دینے کا وعدہ کر لیا اور چند دن بعد کی تاریخ بتلا دی۔ اور کہا کہ صاحب بہادر میجر اینسورتھ (Major Ainsworth) کی کوٹھی پر اتنے بجے درخواست لے کر پہنچ جانا۔ چنانچہ میں گیا اور حسب وعدہ کلرک نے میری درخواست پیش کر دی۔ صاحب بہادر نے میرے چہرے کو دیکھ کر صرف یہ پوچھا کہ

Do you Like to Join medical school Lahore?

(یعنی کیا تم میڈیکل سکول لاہور میں داخلہ لینا چاہتے ہو؟) میں نے اس کا مثبت جواب دیا تب صاحب موصوف نے میرے کھڑے کھڑے پرنسپل صاحب میڈیکل کالج لاہور کے نام چٹھی لکھ کر مجھے دے دی اور فرمایا کہ کل ہی لاہور کو روانہ ہو جاؤ کہ پرسوں داخلہ لیا جا رہا ہے چنانچہ میں اگلے روز شام کو لاہور روانہ ہو گیا۔ اور 20-اپریل 1908ء کو لاہور پہنچ کر میڈیکل سکول

میں داخل ہو گیا۔ تب میں نے خدا تعالیٰ کو پہچانا کہ وہ غریبوں کا خبر گیر ہے۔ اور صرف وہی ہے جو سچی محبت کر سکتا ہے اور وہی ہے جو غریبوں کی عاجزانہ دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتے ہوئے انہونی کو ہونی کر دکھاتا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی میرے پیارے رب نے میری بہت سی دعائیں قبول کی تھیں مگر اس دعا کی قبولیت کا جو کرنل کے بنگلہ سے واپس آن کر مسجد میں کی تھی نہایت عظیم الشان نتیجہ دیکھ کر میرا سر آستانہ الٰہی پر ایسا گر گیا کہ پھر اس آستانہ سے کبھی نہ اٹھا یہاں تک کہ وہ مخفی در مخفی ذات باری تعالیٰ میرے قریب ہو گی اور مجھ پر اپنی غفران کی چادر ڈال دی اور اپنی ملک میں مجھے لے لیا۔

میرے چار سال تعلیم لاہور کے نمازوں اور سجدوں میں گزرے۔ میں ایک حقیر ترین طالب علم سے باعزت طالب علم بنتے ہوئے تعلیم کے آخری امتحان میں کامیاب ہوا اور 12 جون 1912ء سے ریاست پٹیالہ میں ملازم بن گیا۔ اور رزق خدا حاصل ہوا۔ الہام اَطۡعِمُوا الۡجَآئِعَ کی وسعت خوب واضح ہو گئی۔

رب اعلیٰ کی غریب نوازی

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری بھوک کو دیکھتے ہوئے یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اَطۡعِمُوا الۡجَآئِعَ وَ الۡمُعۡتَرّ کا بشدت الہام کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے واسطہ سے رات بارہ بجے کھانا کھلوایا تھا اس پاک ذات نے میری روحانی غذا کا بھی انتظام فرمایا۔ جسمانی غذا کے انتظام کے لئے علاوہ اسی رات کھانا کھلانے کے میڈیکل سکول میں داخل کروا کر میرے ڈاکٹر بن جانے کا انتظام بھی فرمایا تاکہ باعزت روزگار حاصل ہو مگر روحانی غذا کے لئے معجزانہ رنگ میں انتظام فرمادیا وہ یہ کہ مجھے لاہور میں آئے صرف دس روز ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو 29 اپریل 1908ء کو لاہور لے آیا تا میں غریب و مسکین حضور کے دیدار اور فیض صحبت اور کلمات طیبات سے مستفید ہو سکوں چنانچہ یہ باتیں محض فضل ربی سے حاصل ہوئیں۔ جن کا ذکر ایک طویل داستان ہے جو میرے اس مضمون میں بیان نہیں کی جا سکتی۔

میرا زمانہ ملازمت ریاست پٹیالہ

(12-جون 1912ء تا یکم فروری 1919ء)

میں لاہور میں میڈیکل سکول کے آخری امتحان میں کامیاب ہو جانے کا نتیجہ سن کر فوراً پٹیالہ چلا گیا۔ اور 12-جون 1912ء کو راجندر ہسپتال پٹیالہ میں جو ریاست کا بہت بڑا مرکزی ہسپتال تھا حاضر ہو گیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے میرے افسر میرے کام سے خوش ہو گئے اور ابھی ایک سال بھی نہ ختم ہونے پایا تھا کہ مجھے اہم کام سپرد کر دیئے گئے۔ میرے سب سے بڑے افسر ڈاکٹر کاون نے تو میرے کام کو دیکھتے ہوئے تا منظوری بجٹ مجھے اپنی جیب سے الاوانس دینا شروع کر دیا اور اسی افسر نے دفتر کے عملہ کے سامنے ایک روز یوں کہہ دیا کہ میں نے ڈاکٹر حشمت اللہ جیسا سب اسسٹنٹ سرجن اپنی تمام سروس کے زمانہ میں نہیں دیکھا۔ ایک دو سال کے عرصہ میں میری شہرت ہر خاص و عام میں پھیل گئی یہاں تک کہ مجھے ایک وقت

مہاراجہ صاحب کے خاص طبی عملہ میں لیا جانے لگا۔ جو میری متضرّعانہ دعا کی وجہ سے رک گیا۔ کیونکہ مجھے اپنے دین کے برباد ہو جانے کا خطرہ تھا۔

یہ تو ہوا ظاہری رزق کا بیان۔ لیکن خدا تعالیٰ نے میری روحانی پرورش کا سامان بھی ساتھ ہی رکھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ میری دعا برائے احسن رزق کے چند ہی دن بعد میری میڈیکل تعلیم کا انتظام ہو گیا اور لاہور میں چار سال میں تعلیم ختم کرنے کے بعد مجھے معزز ملازمت مل گئی۔ اور میری شہرت عزت قائم ہو گئی۔ اور کشائش رزق بھی حاصل ہوئی۔ مگر میرا رب محسن مندرجہ بالا انعاموں سے بالاتر چیز دینا چاہتا تھا وہ مجھے اپنا حسین چہرہ اپنی قدرت نمائی کرتے ہوئے دکھلانا چاہتا تھا۔ ایک روز کیا دیکھتا ہوں جبکہ میں اپنے ہسپتال کے عظیم الشان آپریشن روم کے (جس کا میں انچارج تھا) باہر چبوترے پر کھڑا ہوا تھا کہ سامنے وہی کرنل رمضان جس نے اس روز قریباً آٹھ سال پہلے مجھے بری طرح دھتکارا تھا میری طرف چلا آ رہا ہے اور جب تقریباً اس قدر دور رہ گیا جس قدر فاصلہ سے اس نے مجھے دھتکارا تھا تو اس نے مجھے فرشی سلام کیا۔ اور میرے قریب پہنچ کر لجاجت کے رنگ میں کہنے لگا۔ جناب ڈاکٹر صاحب! میرے بزرگ کی آنکھ کا آپریشن ہونا ہے۔ مہربانی فرما کر اس کا خیال رکھیں۔ میں نے اسے تسلی بخش جواب دے دیا اور اس کے برے سلوک کو نہ جتایا مگر میرا دل اپنے رب محسن کے حضور سجدہ میں گر گیا۔ اور مولا بس، مولا بس پکار اٹھا اور اس احسان خداوندی نے میرے دل میں شکریہ کی اس قدر لہر پیدا کر دی کہ جی چاہتا تھا کہ اپنے پیارے اللہ کا شکر کرتے کرتے فنا ہو جاؤں کیونکہ مجھے صاف معلوم ہو گیا کہ میرے پیارے رب نے کرنل مذکور کے برے سلوک کو دیکھا اور میرے دکھ کو سنا اور میری دعا کے مطابق رزق عطا کیا اور پھر میرے پاس کرنل کو حاجت مندانہ حالت میں لایا۔ اس طرح میرے زخمی دل کا علاج فرمایا۔

خدا تعالیٰ کی مزید چہرہ نمائی

اب خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے فراخی رزق تو حاصل ہو چکی تھی لیکن خدا تعالیٰ مجھے روحانی رزق بھی بکثرت دینا چاہتا تھا اور رزق کیا تھا اور کیونکر ملا اس کا مختصر بیان حسب ذیل ہے۔

میں اگرچہ 1906ء سے جماعت پٹیالہ کا سیکرٹری بنا چلا آ رہا تھا نیز 1906ء سے ہی انجمن تشحیذ الاذہان کا ممبر بھی تھا لیکن میرا ذاتی تعارف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ نہ ہونے کے برابر تھا کیونکہ مسکینی طبیعت پر غالب تھی اور دل میں شرم بے حد تھی لیکن نامعلوم میرے مولا نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے دل میں میرا خیال کس طرح ڈالا کہ حضور کی جانب سے شفقت نمائی ہونے لگ گئی آخر میرے مولا، میرے زبردست آقا، میرے رب محسن نے مجھے ایک دن پٹیالہ سے اٹھا کر اسی طرح قادیان پھینک دیا جس طرح کہ گوپھن کے ذریعہ پتھر دور فاصلہ پر پھینک دیا جاتا ہے واقعہ یوں ہوا کہ 1918ء میں انفلوئنزا کی سخت وبا پھوٹی اور سخت موتا موتی لگی قادیان میں بھی اس کا زور ہوا اور کئی احباب کی موت کا موجب بنی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی پر بھی اس مرض کا سخت حملہ ہوا۔ یہاں تک کہ اپنی حالت کے پیش نظر حضور نے

وصیت بھی لکھوا دی تھی۔ حضور کا علاج یونانی اور انگریزی دونو طریقوں سے کیا جا رہا تھا۔ مفتی فضل الرحمن صاحب اور مولوی غلام محمد صاحب امرتسری یونانی اور حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب انگریزی علاج کر رہے تھے۔ لیکن ایک مرحلہ ایسا آ گیا کہ دوسرے ڈاکٹر کی ضرورت پڑ گئی ایسی ضرورت کے وقت بیک وقت دو تار حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی جانب سے دیئے گئے ایک تار حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کو پانی پت دیا گیا اور دوسرا تار خاکسار راقم ڈاکٹر حشمت اللہ کو پٹیالہ دیا گیا۔

خاکسار کو جمعہ کی نماز کے وقت تار ملا۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے میں قادیان جانے کے لئے گھر سے فوراً تیار ہو گیا۔ اور حصول رخصت کے لئے اپنے سول سرجن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صاحب سول سرجن نے بمشکل دو دن کی رخصت منظور کی ایک تو اس وجہ سے زیادہ دن کی رخصت نہ دی کہ ایک عظیم ہسپتال کے اہم کام میرے سپرد تھے دوسرے اس وجہ سے کہ انفلوئنزا کی وباء کی وجہ سے ڈاکٹروں کی ہر جگہ اشد ضرورت تھی۔ تاہم میں نے دو دن کی رخصت کو ہی غنیمت جانتے ہوئے اسی شام کو قادیان کی راہ لی۔ اور اگلے روز دو تین بجے قادیان پہنچ گیا۔ قریب چار بجے کے مجھے حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں لے جایا گیا اس وقت حضور زمین پر کئے ہوئے بستر پر جو دالان میں تھا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام رہا کرتے تھے لیٹے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر حضور خوش ہوئے اور اپنی بیماری کا حال بیان فرمانے لگ گئے۔ بیان کے دوران اتفاق سے اہل پیغام کا (غالباً اس کی ایذا رسانی کا ذکر گیا) تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے حضور کا بیان ختم ہونے پر میں نے آپ کا طبی معائنہ کیا اور بشرح صدر بتلایا کہ پھیپھڑے اور دل خدا تعالیٰ کے فضل سے بالکل محفوظ ہیں اور دونوں نہایت عمدہ ہیں یہ سن کر حضور کو بہت تسلی ہوئی اور حضور کا چہرہ پُر رونق نظر آنے لگا۔ حضور نے میری چارپائی اسی دالان میں لگوا دی اور میری دو دن کی رخصت میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کو پٹیالہ بھیج کر تین ماہ کی توسیع کروا دی علاج معالجہ کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے صحت میں روز بروز ترقی ہوتی چلی گئی۔ میری رہائش رخصت کے اختتام تک اسی دالان میں رہی اور حضور بھی اسی کمرہ میں قیام فرما رہے رات کو صرف میں ہی حضور کے پاس سوتا تھا اور ہم دونوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ یہاں مجھے اپنے رب محسن کی غریب نوازی ایسے رنگ میں نظر آتی ہے کہ گویا اس کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا ہے اور وہ مجھے آسمان پر سے زمین پر آیا ہوا نظر آتا ہے اس کی یہ کیسی قدرت نمائی ہے کہ مجھ غریب مسکین کی ایک رات کی بھوک کو دیکھا اور اپنے پیارے نبی کو شدت کے ساتھ کھانا کھلانے کا حکم دیا جس پر اسی رات بند شد لنگر کھلوا کر رات بارہ بجے کھانا کھلایا پھر نہ صرف اسی روز کھانا کھلایا بلکہ میرے سر پر میڈیکل کی تعلیم کا (ناممکن حالات میں) تاج پہنایا پھر میرے طبی کام کو اعلیٰ درجہ کی قبولیت بخشی اور مجھے باعزت بنایا۔ پھر مجھے اپنے پیارے محمود المصلح الموعود کی نظر میں مقبول بنایا۔ پھر طرفۃ العین میں مجھے دار المسیح میں ہاں اسی کمرہ میں جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سکونت رکھتے تھے

لابسایا اور اپنے پیارے اور لاکھوں کی جماعت کے محبوب پیشوا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حسن و احسان میں نظیر کے ساتھ بٹھا کر مہینوں کھانا کھلوایا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

غرض میری تین مہینے کی رخصت خاص خدمت انجام دیتے ہوئے ختم ہوئی اور جس روز میں پٹیالہ کو واپس روانہ ہو رہا تھا اس روز حضور نے میرے شکریہ اور اعزاز میں بہت سے احباب کو دعوت طعام دی اور مجھے قصبہ کے باہر تک چھوڑنے کے لئے تشریف لائے۔

میں نے پٹیالہ پہنچ کر اپنی ڈیوٹی کا چارج لے لیا لیکن چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ حضور نے خطوں کے ذریعہ علالت طبع کا لکھنا شروع کر دیا آخر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کو پٹیالہ بھجوا کر میری چھ ماہ کی رخصت منظور کروادی۔ اور میں صرف تیرہ روز بعد دوبارہ قادیان پہنچ گیا۔ اس طرح میرے لئے کثیر رزق روحانی کا دروازہ کھل گیا اس دفعہ مجھے دار البرکات میں ٹھہرایا گیا۔ اور پھر روزانہ ایک وقت اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے کا کئی ماہ تک موقعہ مل گیا۔ چند ماہ بعد حضور کے منشاء سے میں نے اپنا استعفیٰ لکھ بھیجا اور مجھے رہائش کے لئے حضرت نواب محمد علی خان صاحب کا شہر والا مکان مل گیا اور میں نے اپنے اہل وعیال کو پٹیالہ سے بلا کر عافیت کے قلعہ میں بسا لیا۔ اور مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی اور دیگر افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت کا موقع مل گیا اور آج تک کہ 45 سال گزر چکے ہیں موقع مل رہا ہے اس 45 سالہ خادمانہ زندگی کی داستان بہت لمبی ہے لیکن اس قدر بتلا دینا ضروری ہے کہ الہام ہاں شدت کے ساتھ کیا گیا الہام یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَ تاحال عجیب شان دکھا رہا ہے کہ مجھے سالہا سال سے تا ایں دم (08 مارچ 1964ء) حضور مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے مثیل اور خلیفہ برحق کے دستر خوان سے کھانا کھلوا رہا ہے میرے جسم و جان کا ذرہ ذرہ اس بات کا گواہ ہے کہ الہام یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَ جو کہ حضورؑ کو 28 اور 29 دسمبر 1907ء کی درمیانی شب کو ہوا تھا برحق ہے۔

(الفضل 9 / مئی 1964ء صفحہ 3-5 جلد 18 / 53 شمارہ نمبر 108) (الفضل 10 / مئی 1964ء صفحہ 5 جلد 18 / 53 شمارہ نمبر 109)

۞۞۞

ہمارا جلسہ سالانہ

احباب زیادہ سے زیادہ تعداد میں آکر جلسہ کی برکات حاصل کریں

"عاجز راقم نے 1907 کا جلسہ سالانہ بھی دیکھا تھا جو محبوب ربانی، بدر کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حقیقی خادم اور بروز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کا آخری جلسہ تھا۔ اس جلسہ میں شامل ہونے والے سات سو مہمان اپنے آقا

پر پروانہ وار قربان ہو رہے تھے۔ حضور نے جب دیکھا کہ ایک ہجوم کا ہجوم قادیان کے اجڑے دیار میں آن پہنچا ہے تو وہ اپنے قادر خدا کا شکر گزار بنا۔ اور اپنے پیاروں کو لے کر اس بازار سے گزرا جو ہندوؤں کا بازار کہلا تا تھا۔ اس اظہار کے لئے کہ ساکنین قادیان کو بتلادے کہ جو الٰہی وعدے اس کے خدا نے کئے تھے وہ آج پورے ہو گئے ہیں۔ اس حسن واحسان کے مجسمہ نے جلسہ کے اجتماع میں 27-دسمبر 1907ء کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"دیکھو اوّل اللہ جل شانہ کا شکر ہے کہ آپ صاحبوں کے دلوں کو اس نے ہدایت دی۔ اور باوجود اس بات کے کہ ہزاروں مولوی ہندوستان اور پنجاب کے تکذیب میں لگے رہے اور ہمیں دجال اور کافر کہتے تھے آپ کو ہمارے سلسلہ میں داخل ہونے کا موقعہ دیا۔ یہ بھی اللہ جل شانہ کا معجزہ ہے کہ باوجود اس قدر تکذیب اور تکفیر کے اور ہمارے مخالفوں کی دن رات کی سر توڑ کوششوں کے یہ جماعت بڑھتی جاتی ہے۔ میرے خیال میں اس وقت ہماری جماعت چار لاکھ سے بھی زیادہ ہو گی اور یہ بڑا معجزہ ہے کہ ہمارے مخالف دن رات کوشش کر رہے ہیں اور جانکاہی سے طرح طرح کے منصوبے سوچ رہے ہیں اور سلسلہ کو بند کرنے کے لئے پورا زور لگا رہے ہیں مگر خدا ہماری جماعت کو بڑھاتا جاتا ہے۔"

پھر فرمایا۔

"جانتے ہو اس میں کیا حکمت ہے۔ حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ جل شانہ جس کو مبعوث کرتا ہے اور جو واقعی طور پر خدا کی طرف سے ہوتا ہے وہ روز بروز ترقی کرتا اور بڑھتا ہے اور اس کا سلسلہ دن بدن رونق پکڑتا جاتا ہے اور اس کے روکنے والا دن بدن تباہ اور ذلیل ہوتا جاتا ہے اور اس کے مخالف اور مکذب آخر بڑی حسرت سے مرتے ہیں۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہماری مخالفت کرنے والے اور ہمارے سلسلہ کو روکنے والے بیسیوں مر چکے ہیں۔

پھر ایک یہ معجزہ ہے کہ ان لوگوں کی بابت جو ہزاروں لاکھوں ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے براہین احمدیہ میں پہلے سے ہی خبر دے رکھی تھی اور یہ وہ کتاب ہے جو عرب، فارس، انگلستان اور دیگر ممالک میں پچیس سال پہلے شائع ہو چکی ہے۔ اس میں بہت سے اس زمانہ کے الہام بھی درج ہیں اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جس سے کوئی یہودی، عیسائی، مسلمان، برہمو، آریہ انکار نہیں کر سکتا اور اس کتاب کا ہمارے اشد العداوۃ یعنی مولوی محمد حسین صاحب نے اسی زمانہ میں ریویو بھی لکھا تھا۔ اور اس کتاب میں آنے والی مخلوق کی پیشگوئی صاف درج ہے۔ اور یہ کوئی معمولی پیشگوئی نہیں ہے بلکہ عظیم الشان پیشگوئی ہے اور وہ یہ ہے يَأْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ يَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ يَنْصُرُكَ اللّٰهُ مِنْ عِنْدِهٖ۔ يَرْفَعُ اللّٰهُ ذِكْرَكَ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۔ اِذَا نَصَرَ اللّٰهُ وَ الْفَتْحُ وَانْتَهٰى اَمْرُالزَّمَانِ اِلَيْنَا۔ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ۔ وَمَاكَانَ اللّٰهُ لِيَتْرُكَكَ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ فَحَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَيْنَ النَّاسِ ۔اِنِّيْ نَاصِرُكَ۔ اِنِّيْ حَافِظُكَ۔ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا

یہ اس کی عبارت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس وقت تو اکیلا ہے مگر وہ زمانہ تجھ پر آنے والا ہے کہ تو تن تنہا نہیں رہے گا۔ فوج در فوج لوگ دور دراز ملکوں سے تیرے پاس آئیں گے۔"

پھر آپ نے فرمایا۔

"آپ جانتے ہیں کہ جب اس قدر مخلوق آئے گی تو آخر ان کے کھانے کے واسطے بھی انتظام چاہئے۔ اس لئے فرمایا یَأْتِیْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ لیکن وہ لوگ تحفے تحائف اور ہزاروں روپیہ لے کر تیرے پاس آئیں گے پھر خدا فرماتا ہے وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِّنَ النَّاسِ۔ یعنی کثرت سے مخلوق تیرے پاس آئے گی اس کثرت کو دیکھ کر گھبرانہ جانا۔ اور ان کے ساتھ کج خلقی سے پیش نہ آنا۔"

مندرجہ بالا کلام میں حضور نے اس امر پر خاص زور دیا ہے کہ

(1) "یہ بھی اللہ جل شانہ کا بڑا معجزہ ہے کہ باوجود اس قدر تکذیب اور تکفیر کے اور ہمارے مخالفوں کی سر توڑ کوششوں کے اور طرح طرح کے منصوبوں کے یہ جماعت بڑھتی جاتی ہے۔ میرے خیال میں اس وقت ہماری جماعت چار لاکھ سے بھی زیادہ ہوگی۔"

(2) "جانتے ہو اس میں کیا حکمت ہے حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ جل شانہ جس کو مبعوث کرتا ہے اور جو واقعی طور پر خدا کی طرف سے ہوتا ہے وہ روز بروز ترقی کرتا اور بڑھتا ہے اور اس کا سلسلہ دن بدن رونق پکڑتا جاتا ہے۔"

پہلی سر توڑ کوشش سلسلہ کی ترقی روکنے کے لئے یہ ہوئی تھی کہ 1892ء میں جبکہ اس سلسلہ کی عمر ابھی تین سال ہی تھی۔ کہ حضرت احمد قادیانی مجدد دوراں المسیح الموعود والمہدی معہود کے خلاف فتویٰ کفر لگا کر اور پنجاب وہند کا دورہ کر کے اس فتوے پر دو سو مولویوں سے مہریں ثبت کروا کر شائع کیا گیا۔ جس کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سخت مخالفت شروع ہو گئی۔ امام وقت اور ان کی چھوٹی سی جماعت پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا مگر باوجود شدید جور و ستم کے جماعت کے استقلال میں جنبش نہ آئی بلکہ ترقی جاری رہی۔ فتویٰ کفر کا خاطر خواہ نتیجہ نہ دیکھ کر ایک اور منصوبہ بنایا گیا۔ وہ یہ کہ ایک عیسائی پادری کو اکسا کر حضور کے خلاف قتل عمد کا مقدمہ دائر کروا دیا۔ لیکن علیم و بصیر حی و قیوم خدا نے اپنے فرستادہ کی معجزانہ حفاظت کی جان لیوا دشمن خائب و خاسر رہے۔

الغرض فتوے کفر کے وقت اگر جماعت کی تعداد چند ہزار تھی تو 1907ء میں ساڑھے چار لاکھ ہو گئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی وفات سے چند ماہ قبل جماعت کا استقلال اور اس کی ترقی اپنی آنکھ سے دیکھ لی اور 1907ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر جو آپ کی حیات کا آخری جلسہ تھا۔ آپ اس قدر خوش تھے کہ اس خوشی کا وہی لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں جو اس جلسے میں شامل ہوئے تھے۔ ان خوش بخت لوگوں میں سے ایک میں بھی ہوں۔

آپ 26/ مئی 1908ء کو اس جہان فانی سے گزر کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اور آپ کی وفات سفر کے دوران اچانک ہوئی اور جماعت شدید زلزلہ کا شکار ہو گئی۔ اور دشمنان سلسلہ نے سمجھ لیا کہ یہ سلسلہ اب برباد ہو جائے گا۔ لیکن خدائے بلند و برتر نے جماعت کو سنبھالا اور ان کے دلوں کو مضبوط کیا۔ اور ایک عظیم الشان وجود کو خلیفہ کھڑا کر دیا۔ تب جماعت پہلے کی طرح ایک ہاتھ پر جمع ہو کر بنیانٌ مرصوص بن گئی۔

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے نہایت مضبوطی کے ساتھ جماعت کو سنبھالا۔ اور سلسلہ کے حق میں وہی کارنامہ دکھایا جو حضرت ابو بکر نے بعد وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم خلیفۂ اول بننے پر دکھلایا تھا کہ اسلام کو سنبھال لیا تھا۔

چھ سال خلافت اولیٰ کے بعد خلافت ثانی کا دور شروع ہوا اور حضرت محمود ایدہ اللہ الودود نے خداداد طاقتوں کے ذریعہ سلسلہ کی ترقی کو چار چاند لگا دیئے۔ اور جماعت کے افراد کو ضیاریز بنا دیا۔ جن کی ضیاریزی دنیا کے کناروں تک ممتد ہو گئی۔

احباب پر یہ بات اچھی طرح روشن ہے کہ جلسہ میں شریک ہونے والے احباب کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا چلا آرہا ہے اور جلسہ میں شریک ہونے والے ساٹھ ستر ہزار افراد کو جلسہ کے موقع پر قائم شدہ مہمان خانے میں دونوں وقت عمدگی کے ساتھ کھانا کھلایا جاتا ہے اور عظیم خرچ کا انتظام خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے اور اس کی دی ہوئی بشارت یَأْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ہم ہر سال بڑھ چڑھ کر پوری ہوتی دیکھتے ہیں۔ جماعت کی ترقی کا نظارہ ہر سال جلسہ سالانہ پر نظر آجاتا ہے۔

اس عاجز نے اگر 1907ء کے جلسہ میں سات سو مہمانوں کی حاضری دیکھی تھی جس حاضری کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بڑی حاضری قرار دیا تھا تو آج سو گنا یعنی ستر ہزار کی حاضری کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اس ترقی یافتہ حالت کو دیکھ کر میں ازخود رفتہ ہو جاتا ہوں۔ اسی خوشی کی لہر کی موجودگی میں۔ میں احباب جماعت سے کہتا ہوں کہ آپ جلسہ پر آئیں اور ہم ساکنین ربوہ کی خوشیوں کو بڑھائیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر پائیں۔ آپ جلسہ پر آئیں اور خوب آئیں اور اپنے وجود سے خدا کے پیارے مسیح کی پیشگوئیوں کو پورا کر دکھاتے ہوئے ثواب عظیم حاصل کریں۔

آپ جلسہ پر آئیں اور اپنے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے انفاس قدسیہ کا ثبوت بہم پہنچائیں۔ حضور اگرچہ اس وقت صاحب فراش ہیں مگر حضور کے وجود کی برکات ہم دن رات دیکھتے ہیں۔

پس میں درخواست کرتا ہوں کہ اس جلسہ میں غیر معمولی طور پر زیادہ تعداد میں آئیں۔ اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہو۔"

(الفضل 17/ دسمبر 1963ء صفحہ 3-4 جلد 17/52 شمارہ نمبر 294)

ذکر حبیب علیہ الصلوۃ والسلام

تقریر حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب

بر موقعہ جلسہ سالانہ 1964ء

احباب کرام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے احباب کے سامنے چند باتیں بطور ذکر حبیب بیان کرنی ہیں۔ وباللہ التوفیق

سچ تو یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ اس بلند مقام وجود کے متعلق جس کی شان جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ ہے کچھ بھی بیان کر سکوں۔ میرا دل تو لفظ حبیب سے بھی تھراتا ہے کہ یہ ناچیز کجا اور وہ ذات مقدس کجا۔ میں تو وہ ہوں جو نصف صدی سے حضرت محمود کے قدموں کے ساتھ ہی واسطہ چلا آرہا ہے اور کہتا ہوں۔

پاؤں ترے کہاں مرا ناچیز سر کہاں
اس وقت میرے دل کی یہ پکار ہے
پہنچائیں در پہ یار کے وہ بال و پر کہاں
دیکھے جمال یار جو ایسی نظر کہاں

میں ابھی بارہ سال کا تھا کہ مجھے اپنے دادا حضرت مولا بخش اور والد حضرت رحیم بخش صاحب کی معیت اس بیعت میں حاصل ہوئی جو حضرت مولوی عبد القادر صاحب لدھیانوی نے 1899ء میں مسجد پٹیالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی جانب سے لی تھی۔

جب کچھ شعور پیدا ہوا اور عمر قریباً پندرہ سال کی ہوئی تو صرف اپنی خواہش سے حضور کی خدمت میں بیعت کا خط لکھا تاکہ سند اور دعا حاصل ہو۔ چنانچہ چند ہی دنوں میں مجھے حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط مل گیا کہ حضور نے بیعت قبول فرمائی اور دعا فرمائی۔

اسی طرح بیعت کی درخواست میرے دو بزرگ ساتھیوں شیخ محمد فضل صاحب اور میاں خدا بخش صاحب نے بھی کی تھی۔ چنانچہ ہم تینوں کے نام نو مبائعین کی فہرست میں 17 جون 1902ء کے الحکم میں شائع ہو گئے۔ یہ دونوں بزرگ بھی خدا کے فضل سے بقید حیات ہیں۔

اس بیعت اور اس دعا کا یہ اثر دیکھا کہ میرے اندر شوق نماز اور ذوق دُعا پیدا ہو گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کے پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ میں نے چھوٹی عمر میں ہی سرمہ چشم آریہ جیسی دقیق کتاب سمجھ کر پڑھی۔ اسی زمانہ میں جبکہ طاعون زوروں پر تھی تو مقدس رسالہ کشتی نوح پڑھنا نصیب ہوا۔ جس نے دل پر خاص اثر پیدا کیا۔ دنیا کی بے ثباتی نظر آنے لگی جیسا کہ میرے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے جو کہ نہیں ایام کے کہے ہوئے ہیں۔ اس وقت میری تعلیم کچھ نہ تھی ابھی چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا وہ اشعار یہ ہیں۔

ہم تو بندے ہیں ترے عاجز غریب و بے نوا
ہم غریبوں پر تری اک مہربانی چاہیئے
اس جہان فانی سے کچھ بھی ہے نہیں لے جانا ساتھ
اک سند تیری رضا کی ہم کو پانی چاہیئے
کچھ نہیں مقصود ہاں اس تنگنائے دہر میں
اک جھلک تیری نگہ کی ہم کو آنی چاہیئے

یہ اشعار پوری ترجمانی اس حالت کی کرتے ہیں جو حضور علیہ السلام کی تعلیم توجہ اور دعا سے ایک طفل کے دل کی ہو گئی تھی۔ جب میں 18 سال کا ہوا تو میرے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا ولولہ پیدا ہوا۔ مگر ذرائع کی کمی کی وجہ سے قادیان جانا مشکل تھا ایسے حال میں نے رو رو کر دعا کرنا شروع کر دی کہ یاالٰہی! مجھے حضور کی زیارت نصیب کر۔ ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی زیارت رویاء کے ذریعہ پٹیالہ میں ہی کرا دی۔ میں نے دیکھا کہ میں اپنی مسجد پٹیالہ کے حجرے میں لیٹا ہوا ہوں اور دیکھا کہ دروازہ کھلا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اندر تشریف لائے ہیں۔ میں فرط محبت سے چارپائی سے اٹھ کر حضور کو چمٹ گیا گویا حضور کا ہی ہو گیا۔ اس رؤیاء کے دیکھنے سے میرا دل اللہ تعالیٰ کے شکر سے بھر گیا اور اس کے سمیع و بصیر و غریب نواز ہونے پر یقین آ گیا۔ ابھی اس رویاء کے دیکھے دو تین ماہ ہی ہوئے تھے کہ میرے مہربان آقا نے جو میرے دل کی حالت سے واقف تھا مجھے ایک قافلہ کی معیت میں قادیان حاضر ہونے کی توفیق عطا فرما دی۔ یہ سفر اگست 1905ء میں ہوا تھا۔

حضور علیہ السلام کی سب سے پہلی زیارت مسجد مبارک میں اس وقت نصیب ہوئی جبکہ آفتاب غروب ہو چکا تھا اور حضور چاند کی مانند چہرہ کے ساتھ اندرون خانہ سے مسجد میں نماز مغرب کے لئے تشریف لائے تھے۔ الحمد للہ۔ پہلی زیارت ہی باعث مسرت ہوئی۔ بعد نماز جب حضور شہ نشین پر مجلس فرما ہوئے تو حضور کے قریب ہو کر کچھ موقعہ پاؤں دبانے کا بھی مل گیا۔ اور جب حضور نے نومبائعین کی بیعت لی تو حضور کے دست مبارک پر بیعت کرنا نصیب ہوئی۔ الحمد للہ علی ذالك

ہمارا قیام دس روز تک مہمان خانہ میں رہا۔ ہم سے پہلے ایک شخص مسمی عبد الحق نو مسلم سابق بشنداس بطور مہمان موجود تھا۔ جو سالہا سال پنڈت دیانند کے ساتھ گیا میں رہنا بیان کرتا تھا۔ اس نے ہمیں پہلے ہی روز بتلایا کہ میں کئی روز سے یہاں آیا ہوں اور حضرت صاحب سے دو دفعہ بیعت لینے کے لئے کہہ چکا ہوں مگر حضور فرماتے ہیں کہ ٹھہریں جلدی نہ کریں۔ لیکن اس نے اسی شام (اپنے بیان کے بموجب) بیعت کرلی جس شام ہم نے بیعت کی تھی۔

اگلی صبح ہم نے حضور کو اندرون خانہ سے باہر تشریف لا کر اس جگہ کھڑے دیکھا جہاں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے مکان کی بنیاد رکھی جارہی تھی۔ ہم سب مہمان حضور کے سامنے گلی میں کھڑے تھے۔ اسی اثناء میں عبد الحق آ گیا اور اس نے دور کھڑے ہوئے کہا۔ حضور مبارک ہو۔ کل شام میں نے بھی بیعت کرلی ہے۔ اس وقت حضور کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہوئے اور حضور نے کسی قدر مرارت کے لہجہ میں فرمایا کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ لینے سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک بیعت کنندہ اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کرے اور سچا تقویٰ اختیار نہ کرے وغیرہ۔ ہم نے اس شخص کو اسی شام کو شکایت کرتے سن لیا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ اگلی صبح کو بہت کچھ سخت سست الفاظ منہ سے نکالتا ہوا یکہ پر سوار ہو کر قادیان سے نکل گیا۔ اور ہمارے لئے حضور علیہ السلام کی فراست مومنانہ کا ثبوت بہم پہنچا گیا۔

ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے نماز میں حضرت صاحب کی معیت میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کی اقتداء میں مسجد مبارک میں ادا کیا کرتے تھے اور حضور کی زیارت کا بار بار شرف حاصل کرتے۔ اور جب حضور مجلس آرا ہوتے تو حضور کے کلمات طیبات کے سننے کا موقعہ مل جاتا۔ حضور کی مجلس میں تمام ہموم و غموم دور ہو کر سکینت قلب حاصل ہوتی۔ حضور بالعموم نماز مغرب کے بعد نماز عشاء کے وقت تک مسجد کی اوپر کی چھت پر شہ نشین پر بیٹھا کرتے تھے۔ حضور کے پہلو میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب بھی بیٹھے نظر آتے جو فدائیت میں مثل پروانہ تھے مگر ہمیں بے تکلف دوست نظر آتے۔ انہی دنوں حضور کو فَنِعَ عِیْسٰی وَمَنْ مَعَہٗ کا الہام ہوا۔ جو اسی وقت سے یاد چلا آرہا ہے ہمیں اس وقت کچھ معلوم نہ تھا کہ یہ الہامی خبر اس قدر جلد پوری ہو جائے گی۔ جبکہ صرف دو ماہ بعد ہی وہی عبد الکریم صاحب وہی اپنے آقا کے ساتھ شہ نشین پر بیٹھنے والا عبد الکریم وہی پروانہ شمع روشن وہی عندلیب بوستان احمد جو اپنے آقا کا محبوب رفیق تھا داغ مفارقت دے جائے گا۔ مگر ہمارے لئے نمونہ چھوڑ جائے گا کہ شمع ہدایت پر اس طرح جل کر دکھانا چاہئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو فی الحقیقت حضرت مولوی صاحب کی مفارقت کا سخت صدمہ پہنچا تھا۔ جو کہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ محبت کی دلیل ہے۔ یہی محبت قلبی تھی جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں چار لاکھ سے زائد افراد کو جامہ فدائیت پہنا دیا تھا۔ میں حضور کی اس قلبی کیفیت کا گواہ ہوں۔ میں ایک روز اوائل عمری میں حضور کی ایک کتاب مسجد میں اکیلا بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ جس کا اثر دل پر اس قدر ہوا کہ یہ عہد کرنے پر مجبور ہو گیا کہ میں اس ذات مقدس کو ہرگز نہ چھوڑوں گا خواہ ساری دنیا چھوڑ دے۔

حضرت مولوی صاحب کی وفات کے بعد حضور چند دن تک حسبِ دستور مسجد میں مجلس فرماہوتے رہے۔ مگر حضور نے یہ فرماتے ہوئے کہ جب میں مسجد میں بیٹھتا ہوں اور مولوی صاحب نظر نہیں آتے تو دل گھٹنے لگتا ہے بیٹھنا بند کر دیا۔

ہم نے ایک نماز جمعہ بھی حضور کی معیت میں اور حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کی اقتداء میں مسجد مبارک میں ادا کی تھی۔ حضرت مولوی صاحب کا خطبہ پر شوکت و جلال تھا۔ آپ کا یہ بیان اس وقت تک یاد ہے کہ خدا کے نبی بڑے شرمیلے ہوتے ہیں جس طرح "نویں ویاہی و وٹی" (جیسے نئی بیاہی دلہن) اس وقت حضور علیہ السلام حضرت مولوی صاحب کے عین سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے چہرے سے حیا نمایاں تھی۔ حضرت مولوی صاحب کا یہ بیان انتہائی محبت اور بے تکلفی کا ثبوت اور حضور علیہ السلام کی جبلت حیا کا نقشہ تھا۔ ہم نے حضور علیہ السلام کو کسی کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھتے ہوئے کبھی نہ دیکھا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ خاکسار کے نزدیک یہی جبلت حیا حضور کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے اندر ودیعت ہوئی تھی جس کی وجہ سے تمام احباب جماعت غضِ بصر کے عامل ہو گئے تھے اور یہی غضِ بصر کی جبلت حیا پیدا کرنے کا موجب ہو گئی تھی جس طرح حضور کے فرمودہ کے مطابق آج ہم وفات مسیح میں حیات اسلام کہتے ہیں۔ میں اسی طرح غضِ بصر و جبلت حیاء میں احیائے ایمان کہتا ہوں اور میں اپنے مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ جس قدر عادت غضِ بصر اور حیا نصیب ہوئی اسی قدر نور قلب حاصل ہوا۔ آج کے احمدی احباب جو ہزاروں نوروں اور برکتوں کے حامل ہیں یہ اسی کا تخم حیا کا نتیجہ ہے جو ان کے بزرگوں کے دلوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھوں بویا گیا تھا۔ میں یقین کامل کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں اعلیٰ درجہ کی جبلت حیا نہ ہوتی اور اگر غضِ بصر اور جبلت حیاء والی جماعت اس وقت پیدا نہ ہوتی۔ تو وہ ایمان جو بے حیائی کے عملوں کی وجہ سے آسمان پر چلا گیا تھا۔ ہر گز زمین پر واپس نہ آتا۔ پس مبارک ہے وہ جماعت جس کے وجود سے عادت غضِ بصر، پردہ اور جبلت حیاء قائم ہوئی اور یہ کہ دنیا جہاں کے لئے حقیقی اسلام کا نمونہ بنی اور احیائے ایمان کا موجب۔

دوسری بار زیارت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے جلسہ سالانہ 1907ء کے موقعہ پر قادیان جانے کی توفیق دی۔ اس موقعہ پر جہاں حضور کا کلام مقدس سننے کا موقعہ ملا۔ وہاں کئی ایک نشان ہائے رحمت بھی دیکھنا نصیب ہوئے۔

اوّل: سب سے پہلا نشان رحمت تو یہ تھا کہ ہم نے حضور کی دعا کو جو جلسہ سالانہ پر آنے والے احباب کی خیر و عافیت کے لئے تھی۔ اپنی ذات میں پورا ہوتے دیکھ لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس مبارک جلسہ کے لئے ہم تین حقیقی بھائی محمد یوسف، حضرت حافظ ملک محمد صاحب اور یہ خاکسار پٹیالہ سے روانہ ہوئے تھے ہم نے تصرف الٰہی سے بجائے 24 دسمبر کی شام کی گاڑی کے جس پر عام طور پر جلسے کے لئے سفر اختیار کیا جاتا تھا بارہ گھنٹے پہلے کی گاڑی سے سفر اختیار کر لیا تا کہ ہم اپنے امرتسر کے ایک واقف کے ہاں ایک رات بہ نیت تبلیغ گزاریں۔ ہم نے رات امرتسر میں بسر کی جب اگلی صبح 25 دسمبر کو امرتسر سے بٹالہ قادیان کو

جانے کے لئے اسٹیشن پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آج رات دوریلوں کی سخت ٹکڑ پر لدھوالی اسٹیشن کے قریب ہوگئی۔ جس سے اڑھائی تین سو جانیں ضائع ہوگئیں۔ ان میں ایک گاڑی وہ بھی تھی جس پر ہمارے سفر کرنے کا امکان تھا۔ اگر ہم پٹیالہ سے شام کی گاڑی سے سفر اختیار کرتے جہاں اس خبر سے بہت افسوس ہوا اور دل پر دہشت طاری ہوگئی وہاں دل میں شکر ایزدی بھی پیدا ہوا کہ تین غریبوں کی جانیں بچ گئیں۔

ہمیں جلسہ کے پہلے روز 26 دسمبر کو حضور کی صبح کی سیر میں معیت نصیب ہوئی۔ اس روز حضور نے قصبہ کے جانب شمال سیر کی تھی۔ حضور کے گرد ایک بڑی بھیڑ تھی اور حضور نے بالارادہ ہندوؤں والے بازار سے گزرنا اختیار کیا تھا تا کہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آج سے 25 سال پہلے کی پیشگوئی کہ لوگ دور دراز سے کثرت سے آئیں گے اور تحفے تحائف لائیں گے۔ نمایاں طور پر آج پوری ہوگئی ہے۔ حضور تیز تیز چلے جارہے تھے اور عشاق اس کشمکش میں مبتلا تھے کہ حضور کے زیادہ سے زیادہ قریب ہو کر چلا جائے۔ نوبت بایں جارسید کہ عشاق میں سے کسی ایک کے یا دو کے پاؤں کے بے احتیاطی سے پڑ جانے کی وجہ سے حضور کی جوتی جو دیسی ساخت کی تھی دوبار پاؤں سے اُتر گئی۔

میں نے دیکھا کہ نہ تو حضور کے چہرے پر خفگی کے آثار تھے اور نہ حضور نے زبان سے کوئی لفظ شکوہ نکالا۔ بلکہ حضور نے پیچھے کی طرف بھی نہ جھانکا کہ کوئی شرمندہ نہ ہو جائے۔ اسی موقعہ پر حضرت مفتی صاحب پکار اُٹھے تھے لوگ بھی کیا کریں۔ اس قدر مدت کے بعد تو خدا کا نبی آیا ہے۔

الغرض منتظمین نے حضور کو ایک درخت کے نیچے جو "لسوڑے" کا درخت تھا ٹھہرا کر اور حلقہ حفاظت بنا کر عشاق کا مصافحہ کروادیا۔ اس مصافحہ کے موقعہ کا ایک واقعہ تاحال میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ وہ یہ کہ ایک بوڑھا زمیندار جب اپنی باری پر حضور کے سامنے پہنچا تو بجائے اس کے کہ اپنے ہاتھوں کو مصافحہ کے لئے بڑھاتا ان سے اپنے تہ بند کے ایک سرے کی گانٹھ کھولنے لگ گیا۔ اور اس میں بہت دیر لگادی اس قدر کہ منتظر احباب کا صبر کا پیالہ چھلکنے لگ گیا مگر حضور ہیں کہ اطمینان سے کھڑے ہوئے ہیں جیسے چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ آخر ہمارا بوڑھا گانٹھ کھول کر روپیہ نکال کر نذرانہ پیش کر کے مصافحہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ہزاروں رحمتیں ہوں اس بزرگ پر کہ جس کے طفیل عشاق کے عشق اور پھر صبر اور حضور کے خلق عظیم کا نمونہ دیکھنا نصیب ہوا۔ آمین

مصافحہ کے بعد حضور جانب شمال آدھ میل تک سیر کے لئے تشریف لے گئے جہاں پر احباب نے صاف کھلی جگہ پر دھوپ میں کمبل اور کھیس بچھا کر ایک فرش بنادیا۔ جس پر حضور تشریف فرما ہوئے۔ غالباً یہ وہی خوش بخت جگہ تھی جہاں پر چند ہی سال بعد ہائی سکول کی عظیم الشان عمارت بن گئی۔ اس موقعہ پر حضور کی مدح میں حضرت مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی کی فارسی کی ایک نظم خوش الحانی سے پڑھنا یاد ہے۔

دوم: دوسرا نشان رحمت یہ دیکھا کہ جلسہ کے دوسرے دن 27 دسمبر کو جملہ احباب نماز جمعہ کے بعد مسجد اقصیٰ میں جمع تھے اور میں بھی پچھلی صف میں زینہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ حضور کو قریب سے دیکھ لوں۔ لیکن اس کی بظاہر کوئی امید نہ تھی۔ مگر تھوڑی دیر میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام مسجد میں داخل ہوتے ہی عین میرے قریب اگلی صف میں بیٹھ گئے۔ میرا دل شکر ایزدی سے بھر گیا کہ اس قدر جلدی میری دلی خواہش پوری فرمادی۔

حضور کا اس جگہ پر آن بیٹھنا بظاہر آگے محراب تک راستہ کے نہ ہونے کے باعث تھا کہ احباب سنتیں پڑھ رہے تھے لیکن میرا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ میری خاطر حضور کو اس جگہ لے آیا تھا۔ اور وہی تھا کہ جس کی بھوک نے اگلے روز عرش کو ہلانا تھا۔

بعد نماز جمعہ وعصر حضور نے تقریر فرمائی جس کا ابتدائی حصہ یہ تھا۔

"دیکھو اوّل اللہ جل شانہ کا شکر ہے کہ آپ صاحبوں کے دلوں کو اس نے ہدایت دی۔ اور باوجود اس بات کے کہ ہزاروں مولوی ہندوستان اور پنجاب کے تکذیب میں لگے رہے آپ کو ہمارے سلسلہ میں داخل ہونے کا موقع دیا۔ یہ بھی اللہ جل شانہ کا بڑا معجزہ ہے کہ باوجود اس قدر تکذیب اور تکفیر کے اور ہمارے مخالفوں کی دن رات کی سرتوڑ کوششوں کے یہ جماعت بڑھتی جاتی ہے۔

میرے خیال میں اس وقت ہماری جماعت چار لاکھ سے بھی زیادہ ہوگی اور یہ بڑا معجزہ ہے کہ ہمارے مخالف دن رات کوشش کر رہے ہیں اور جانکاہی سے طرح طرح کے منصوبے سوچ رہے ہیں اور سلسلہ کو بند کرنے کے لئے پورا زور لگا رہے ہیں مگر خدا ہماری جماعت کو بڑھاتا جاتا ہے۔

جانتے ہو اس میں کیا حکمت ہے۔ حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ جل شانہ جس کو مبعوث کرتا ہے اور جو واقعی طور پر خدا کی طرف سے ہوتا ہے وہ روز بروز ترقی کرتا اور بڑھتا ہے اور اس کا سلسلہ دن بدن رونق پکڑتا جاتا ہے اور اس کے روکنے والا دن بدن تباہ اور ذلیل ہوتا جاتا ہے اور اس کے مخالف اور مکذب آخر کار بڑی حسرت سے مرتے ہیں۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ہماری مخالفت کرنے والے اور ہمارے سلسلہ کو روکنے والے بیسیوں مرچکے ہیں۔

خدا کے ارادہ کو جو درحقیقت اس کی طرف سے ہے کوئی بھی روک نہیں سکتا۔ اور خواہ کوئی کتنی ہی کوششیں کرلے اور ہزاروں منصوبے سوچے۔ مگر جس سلسلہ کو خدا شروع کرتا ہے اور جس کو وہ بڑھانا چاہتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا کیونکہ اگر ان کی کوششوں سے یہ سلسلہ رک جائے تو ماننا پڑے گا کہ روکنے والا خدا پر غالب آگیا حالانکہ خدا پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

پھر ایک یہ معجزہ ہے کہ ان لوگوں کی بابت جو ہزاروں لاکھوں ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے براہین احمدیہ میں پہلے سے ہی خبر دے رکھی تھی اور یہ وہ کتاب ہے جو عرب، فارس، انگلستان اور دیگر ممالک میں پچیس برس کا عرصہ گزرا

شائع ہو چکی ہے۔ اس میں بہت سے اسی زمانہ کے الہام بھی درج ہیں اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جس سے کوئی یہودی، عیسائی مسلمان، برہمو، آریہ انکار نہیں کر سکتا اور اس کتاب کا ہمارے اشد العداوۃ یعنی مولوی محمد حسین صاحب (بٹالوی) نے کسی زمانہ میں ریویو بھی لکھا تھا۔ اور اسی کتاب براہین احمدیہ میں آنے والی مخلوق کی صاف طور پر پیشگوئی درج ہے۔ اور یہ کوئی معمولی پیشگوئی نہیں بلکہ عظیم الشان پیشگوئی ہے اور وہ یہ ہے۔

یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ یَنْصُرُکَ اللّٰہُ مِنْ عِنْدِہٖ۔ یَرْفَعُ اللّٰہُ ذِکْرَکَ وَیُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ صفحہ 241۔ اِذَا نَصَرَ اللّٰہُ وَالْفَتْحُ وَانْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا۔ اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقِّ۔ صفحہ 240۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَتْرُکَکَ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ۔ صفحہ 490۔ فَحَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَیْنَ النَّاسِ۔ صفحہ 489۔ اِنِّیْ نَاصِرُکَ۔ اِنِّیْ حافِظُکَ۔ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ صفحہ 507۔

یہ اس کی عبارت ہے اور اس کا مطلب ہے کہ اگرچہ اس وقت تو اکیلا ہے مگر وہ زمانہ تجھ پر آنے والا ہے کہ تو تن تنہا نہیں رہے گا۔ فوج در فوج لوگ دور دراز ملکوں سے تیرے پاس آئیں گے۔"

میں ایک دو باتیں اپنے بزرگ مربی حضرت محمد کرم الٰہی صاحب پٹیالوی کی بیان کر دینا تحفہ عظیمہ جانتا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام 1891ء بار دوم لدھیانہ تشریف لے گئے تھے۔ اس موقعہ پر حضرت شیخ صاحب کے انبالہ کے ایک بزرگ دوست انہیں لدھیانہ ساتھ لے گئے۔ اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ نوجوان بہت سمجھدار ہے اور حضور کا معتقد بھی ہے لیکن بیعت کرنے سے رکتا ہے جس پر حضور نے فرمایا۔

"کیوں میاں بیعت کیوں نہیں کرتے۔"

تو شیخ صاحب نے عرض کیا کہ اوّل تو "میں اس لئے بیعت نہیں کرتا کہ میں نے ایک دوسری جگہ بیعت کی ہوئی ہے۔ دوم اس لئے رکتا ہوں کہ شاید حضور کے ارشادات کی تکمیل نہ کر سکوں"

جس پر حضور نے فرمایا۔

"دوسری جگہ بیعت کی ہے تو کچھ حرج نہیں۔ میری بیعت بھی کر لو۔ دیکھو جب ایک طالب علم سکول میں جاتا ہے تو کبھی ایک استاد سے پڑھتا ہے کبھی دوسرے اور کبھی تیسرے سے۔ اور یہ بات کہ ہماری تعلیم پر شاید عمل نہ ہو سکے گا تو جب بیعت کر کے عمل کرنے کی نیت کر لو گے تو خدا تعالیٰ توفیق دے دے گا۔ ہمارا کام تو بدیوں سے بچنے کی تلقین کرنا اور نیکوکاری کی ہدایت دینا ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ بیعت کر لو اور جو چاہو کرو۔"

اس پر شیخ صاحب بیعت کے لئے تیار ہو گئے۔ ہمیں بتلایا کہ حضور مجھے اکیلے حجرے میں لے گئے اور دروازہ بند کر کے کنڈی خود لگا دی اور مجھ سے بیعت لے لیا۔

دوسری بات ہم سے یہ بیان کیا کہ

"ایک بار ابتدائی زمانہ میں میں قادیان حاضر خدمت ہوا تھا۔ اس وقت حضور کو میری نسبت جب یہ معلوم ہوا کہ میں سر سید احمد خاں مرحوم کے لٹریچر کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں تو حضور نے مجھ سے سوال کیا

"کیوں میاں سر سید احمد کے لٹریچر میں اور ہمارے لٹریچر میں کیا فرق ہے"

تو میں نے عرض کیا کہ

"سر سید احمد کے لٹریچر کی مثال تو خشک روٹی کے لقمہ کی ہے جو گلے سے بمشکل اترتا ہے مگر حضور کا لٹریچر تو نہایت لذیذ کھانے کی طرح ہے جو گلے سے باآسانی اترتا ہے۔"

یہ جواب سن کر حضور بہت خوش ہوئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اگست 1905ء کے اس مبارک سفر کے دوران جو تبضرع دعا کے نتیجے میں خدا کے فضل سے میسر آیا تھا اور ایک مبارک ہستی کی محبت کا بیج بھی بویا گیا جس کی داستان یہ ہے۔

ایک روز ہم مہمانان پٹیال عصر کے بعد مہمان خانے میں بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے ایک طالب علم کو دوسرے طالب علم کو یہ کہتے سنا کہ چلو میاں صاحب کشتی چلانے کے لئے آ گئے ہیں یہ سن کر میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں بھی میاں صاحب اور ان کے کشتی چلانے کو دیکھوں کیونکہ اس سے پہلے میں نے میاں صاحب کو نہ دیکھا تھا چنانچہ میں اس جگہ جا پہنچا جہاں حضرت میاں محمود احمد اپنے چند رفیقوں کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور آپ کی کشتی بھی قریب ہی ڈھاب میں پڑی ہوئی تھی لیکن میاں صاحب کو دور سے ہی ایک نظر دیکھ کر واپس چلا آیا۔ میں شرم و حیاء کی وجہ سے اور میاں صاحب کے ادب کی وجہ سے قریب ہو کر السلام علیکم بھی نہ کر سکا۔ مصافحہ کرنا تو دور کی بات تھی۔

اگر غور کیا جائے کہ یہ کون سی بڑی بات تھی۔ کیا بڑی نیکی تھی مگر بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ عند اللہ بڑی چیز تھی ایک تو اس وجہ سے کہ جن میاں صاحب کے دیدار کے شوق میں چند قدم اٹھائے تھے وہ ایک خاص مقبول الٰہی ہستی تھی جس نے صفحہ ہستی پر خدمت اسلام کی بے نظیر کردار دکھائی تھی جس کی شان تھی۔

اے فخر رسل قرب تو معلومم شد

دیر آمدہ زراہ دور آمدہ

دوسرے اس وجہ سے کہ میری شرم وحیاء کی اللہ تعالیٰ نے قدر کی پس عنایات خداوندی نے محبت کے چھوٹے سے بیج کو اور کردار کی تھوڑی سی آب پاشی کو ایک بڑے عظیم الشان پھلدار درخت کا ذریعہ بنادیا۔ خدائے علیم وبصیر جانتا تھا کہ اس عاجز نے ایک دن دمشق کے سفید مینار کے قریب نزول عیسی کی پیشگوئی کے پورا ہونے میں شریک ہونا تھا اس لئے اس نے ایسے شخص کو چنا جس نے اول تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کے حصول کے لئے آنسو بہائے پھر جب زیارت ہوئی تو اس نے حضور علیہ السلام کے اس فرزند کی زیارت کا شوق ظاہر کیا۔ جسے الہام میں حسن واحسان میں تیرا نظیر ہو گا بتلایا گیا تھا۔ اس تخم محبت کا پہلا پھل یہ ملا کہ 1918ء میں انہی میاں صاحب نے جنہیں میں 1905ء میں قریب پہنچ کر سلام بھی نہ کر سکا تھا مجھے اپنے علاج معالجے کی غرض سے تار کے ذریعہ فوری طور پر اپنے پاس قادیان بلالیا اور سوا تین مہینے اپنے پاس اسی کمرے میں سلایا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام رہا کرتے تھے اس وقت مجھے اپنے رب اعلیٰ کی بصیرت، مسکین نوازی اور قادریت پر یقین کامل حاصل ہوا۔ مجھے اس وقت حضرت محمود ایدہ اللہ کی ذات والا صفات میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نظر آرہے تھے کہ اس وقت آپ خلیفہ مسیح موعود تھے اور آپ کے چھوڑے ہوئے ناتمام کاموں کو بوجہ احسن انجام دے رہے تھے اور ظاہر طور پر اسی کمرے میں رہ رہے تھے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام رہا کرتے تھے اور مجھے میرے رب اعلیٰ نے بتلا دیا کہ ایک دن تو تو ہمارے محمود کے قریب بھی نہ جا سکا تھا۔ حالانکہ اس وقت ان کو کوئی منصب بھی حاصل نہ تھا لیکن آج تم انہیں میاں صاحب کی معیت میں اس کمرے میں دن رات رہتے ہو جس میں ہمارا برگزیدہ نبی اور رسول رہا کرتا تھا اور یہ انعام بھی تمہیں حاصل ہے کہ تمہارے سوا دوسرا اور کوئی بھی خدا کے مقدس خلیفہ کے پاس نہیں ہوتا۔ اور تم کھانا بھی اس برگزیدہ شخص کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہو اور کئی نمازیں بھی اس کی اقتداء میں پڑھتے ہو اور کبھی وہ تمہاری اقتداء میں پڑھتے ہیں اور کئی بار تمہیں حضرت اماں جان کے اپنے ہاتھوں سے تیار کردہ کھانا ملتا ہے۔ یہاں تک تو حضرت میاں صاحب کی زیارت کی خواہش کے پورا ہونے کا ذکر ہوا۔ لیکن 1905ء میں علاوہ زیارت کرنے کے کشتی چلاتے دیکھنے کی خواہش بھی تھی۔ اب دیکھیں کہ میرے اس شوق کو میرا رب اعلیٰ کس طرح پورا فرماتا ہے اسی سال یعنی 1919ء کے دوران جو میرے مستقل طور پر حاضر خدمت ہو جانے کا پہلا سال تھا۔ حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے ربڑ کی ایک فولڈنگ کشتی جرمنی سے منگوا کر حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر دی تھی۔

جب موسم برسات میں ڈھاب پانی سے خوب بھر گئی اور کشتی رانی کی دعوت دینے لگی تو ایک روز حضرت صاحب مجھے ساتھ لے کر ڈھاب پر گئے اور کشتی منگوا کر اپنے سامنے فٹ کروائی اور پانی میں ڈلوا دی۔ یہ چھوٹی سی خوبصورت کشتی صرف دو سواریوں کو اٹھانے کے لائق تھی۔ چنانچہ حضور پہلے خود سوار ہو گئے۔ دوسرا ساتھی حضور نے اس عاجز کو چنا۔ حضور کا کئی ایک خدام وعزیزوں کی موجودگی میں مجھے چننا اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ یہ تمام کاروبار میرے پرانے شوق کے پورا کرنے کے لئے تھا کہ میاں صاحب کو کشتی چلاتے دیکھوں۔

قدرت خداوندی کا نظارہ دیکھیں کہ اس نے اس عاجز کے چودہ سال پہلے کے شوق کو کس طرح پورا فرمایا۔ اوّل اس نے اپنے فضل سے مجھے ڈاکٹر بنایا پھر حضور کے قدموں میں لے آیا۔ پھر حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے دل میں ڈال کر جرمنی سے کشتی منگوائی اور حضور کو بطور تحفہ پیش کروائی پھر ڈھاب کو پانی سے بھرواکر حضرت صاحب کے دل میں سیر کرنے کا شوق پیدا کیا۔ اور پھر حضور کے دل میں ڈالا کہ کشتی میں مجھے ہی ساتھ بٹھائیں۔ اب حضور چپو چلانے لگے اور کشتی ڈھاب میں تیز تیز پھرنے لگی۔ اس وقت میری آنکھیں تو حضور کو چپو چلاتے اور ڈھاب کے پانی کو دیکھ رہی تھیں۔ مگر میرا دل اپنے ربِ اعلیٰ کے شکر سے بھرا ہوا اس کی غریب نوازی اور قدرت نمائی کی سیر کر رہا تھا۔ اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ کہہ رہا تھا۔